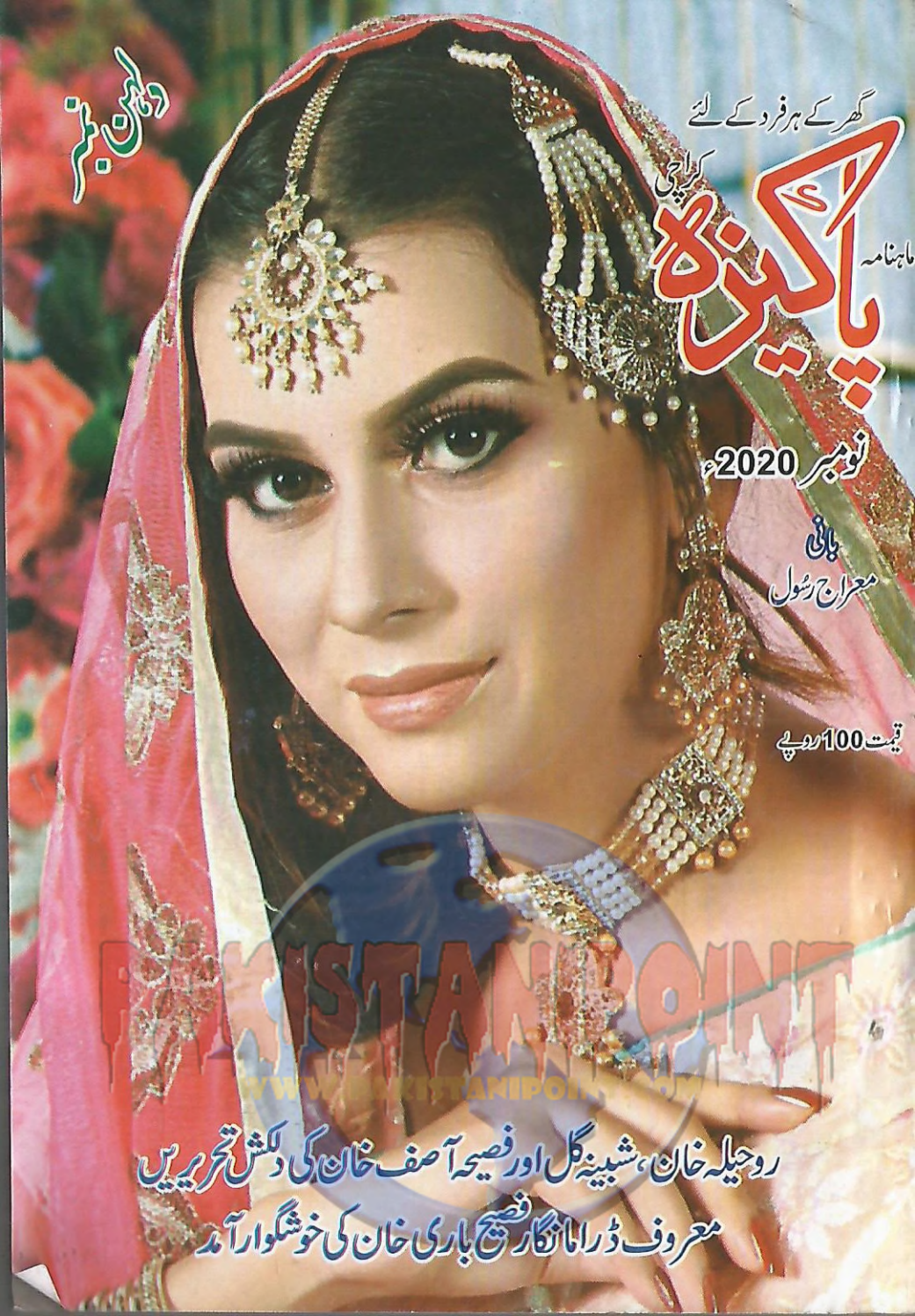

PAKISTANIPOINT
WWW.PAKISTANIPOINT.COM

اداریہ

مجھے کچھ کہنا ہے	مدیرہ	07

سلسلے وار ناول

میرا سارا زنگ اتار دو	افشاں آفریدی	10
میں عشق ہوں	نایاب جیلانی	134

مکمل ناول

لاک ڈاؤن لڈو	شبینہ گل	88

ناولٹ

کاہے کو بیاہی	دُردانہ نوشین خان	174
بوجھ	روحیلہ خان	206

منی ناول

میں انمول	سعدیہ رئیس	54

عورت کہانی

ع عورت کے کردار	فرحین اظفر	118

افسانے

وہ اک لمحہ	عائشہ تنویر	45
مان	فصیحہ آصف خان	49
عطا	فرحت جبیں	79
منزل پروانہ	افشاں علی	85
کانچ کی چوڑیاں	عذرا فردوس	164
پس آئینہ	قرۃ العین سکندر	169
پتھر کے رشتے	حرا احمد	195
اعتبار	نظیر فاطمہ	199
بڑی بہو	مریم شہزاد	203

خصوصی مضامین

شمع ہدایت	اختر شجاعت	228
سروے	شائستہ زریں	234
ہم لباس، ہم خیال کپل	نزہت اصغر	239
شادی مبارک	پاکیزہ بہنیں	241
انداز نو	بنت زیب	250

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

مستقل عنوانات

دین کی باتیں	ادارہ 08	منتخب غزلیں	ادارہ 277
گوشۂ ظرافت	ادارہ 257	خوش ذائقہ	شگفتہ یاسمین 278
بہنوں کی محفل	مدیرہ 259	بزم پاکیزہ	پاکیزہ بہنیں 280
پاکیزہ ڈائری	آمنہ حماد 271	روحانی مشورے	ادارہ 282
میں اکثر گنگناتی ہوں	صغریٰ زیدی 275	حسن نکھارئیے	مہ جبیں 284

ہومیو کلینک 286

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313 ,35802552, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

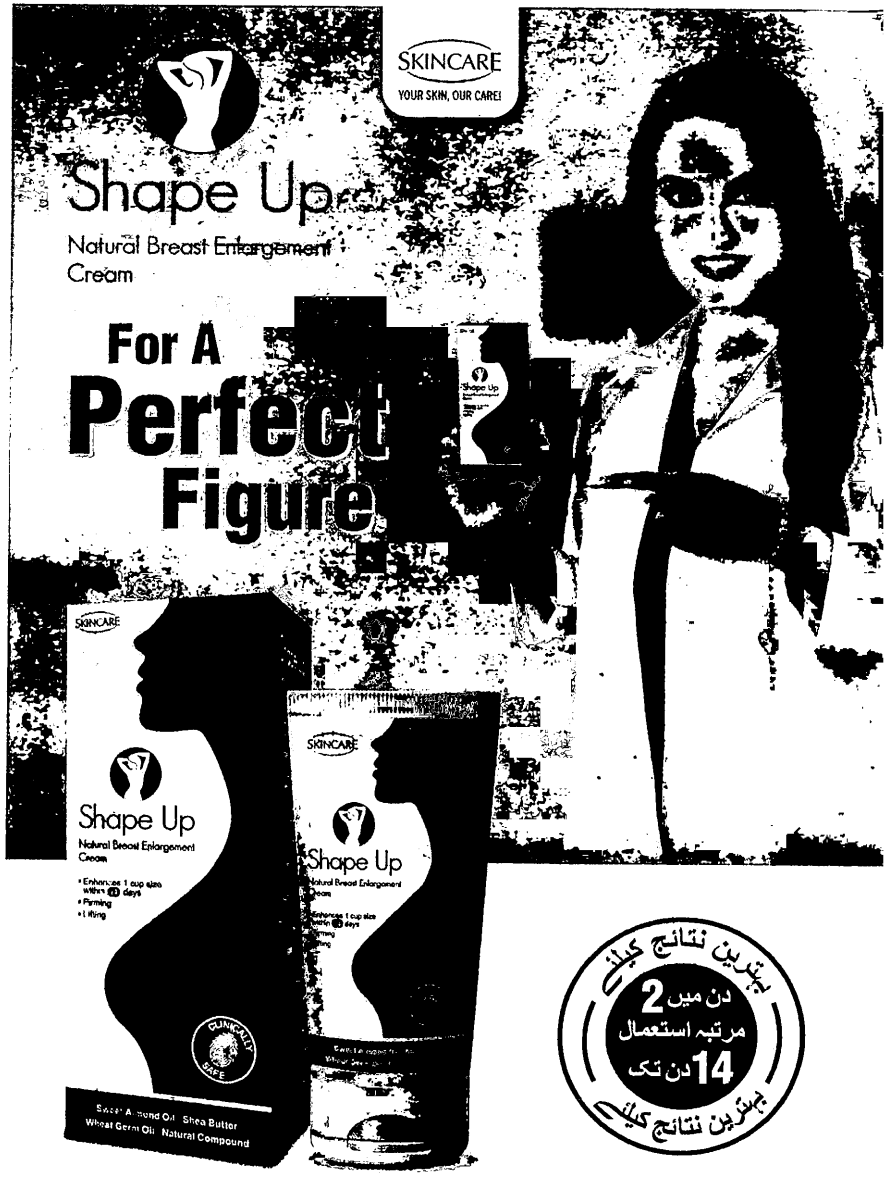

A product of Skincare Company Pakistan | www.skincarepakistan.com | Skincare Global | Skincare Global | Skincare Global

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

قارئین عزیز......! السلام علیکم

تمام عالم اسلام کو حبیب خدا، رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابرکت و باسعادت آمد مبارک ہو۔ یہ وہ ماہ ہے کہ جب ریگستانِ عرب، نخلستان میں بدلا...... جنگل و بیاباں گل و گلزار ہوئے...... ریگزار، مرغزار میں تبدیل ہوئے...... ظلمت و تاریکی کی پُر ہول فضا چھٹی...... رحمت و نور کا باراں تمام عالمین میں برسا...... ظلم و جبر و استبداد اور جہالت کے قعرِ ذلت میں گری انسانیت نے الحمد للہ ایک نجات دہندہ پالیا۔ مقامِ شکر ہے کہ ہمارا شمار اُمتِ محمدیؐ میں ہوا۔ بس اس شکر کا اپنے افعال و اعمال کے ذریعے اظہار ہمارا شرعی فریضہ ہے۔

پچھلے دنوں استاد کا عالمی دن منایا گیا۔ پھر بزرگوں کا عالمی دن بھی منایا گیا...... اب بچوں کا عالمی دن بھی منایا جائے گا۔ معذوروں کا، خواتین کا، مزدوروں کا، ماں، باپ غرضیکہ ایک، ایک دن سب کے نام سے منسوب کردیا گیا ہے...... بس صرف ایک دن......؟ سوچنے کا مقام ہے۔

وہ پیغمبر خدا، افضل الانبیا، سید المرسلین، وہ معلمِ اخلاق جو سراپا رحمت ہیں انؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے ہم یہ تمام دن پورے سال منا سکتے ہیں۔ وہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہوں نے پورا ضابطہ حیات ہمیں دے دیا۔ ان کی تعلیمات کو پسِ پُشت ڈال کر ہم مغرب کی تقلید میں ایک، ایک دن منا کر بری الذمہ ہوجاتے ہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو سچا پکا مسلمان گردانتے ہیں۔

اسلام، اطاعتِ الٰہی و اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تسلیم و رضا کے سوا کچھ نہیں...... جہاں دوسروں کے حقوق اور اپنے فرائض پہلے یاد رکھنے ہیں اور عمل پیرا بھی ہونا ہے۔ جبھی معاشرے میں عدل و انصاف، اخوت و مساوات اور حق کا بول بالا ہوگا۔

پیرویِ رسولؐ ہے اصل اصولِ بندگی
رب کی رضا بھی ہے وہی، جو ہے رضائے مصطفیٰؐ

مدیرہ

نزہت اصغر

پھر جب اس نے ان کو نجات دے دی تو فوراً زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگ جاتے ہیں۔ اے لوگو! سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہاری بغاوت (کا وبال) تمہاری اپنی جانوں پر ہی ہے۔ یہ دنیا کی زندگانی کا (عارضی) فائدہ ہے۔ پھر تمہاری بازگشت ہماری طرف ہوگی۔ پھر جو کچھ عمل تم کیا کرتے تھے وہ ہم تم کو جتلا دیں گے۔ (۲۳) سوائے اس کے نہیں ہے کہ زندگانی دنیا کی مثال پانی کے مانند ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا..... پس اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی۔ جس میں سے لوگ اور مویشی کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی رونق (فصل) حاصل کر لی اور آراستہ ہوگئی۔ اور اس کے مالکوں نے گمان کر لیا کہ یقیناً وہ اس (سے نفع اٹھانے) پر قدرت رکھنے والے ہیں تو ہمارا حکم (عذاب) یکا یک اس پر رات کو یا دن کو آپہنچا..... پھر ہم نے اسے ایسا کٹا ہوا کر دیا کہ گویا وہ کل کچھ بھی نہ تھی۔ اسی طرح ہم لوگ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں آیتیں کھول، کھول کر بیان کرتے ہیں۔ (۲۴) اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف (چلنے کی) توفیق دے دیتا ہے۔ (۲۵) ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی بھلائی بھی ہے اور زیادتی بھی۔ اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت۔ وہی جنت والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۶) اور وہ لوگ جنہوں نے برائیاں کمائیں۔ یہ برائی کی سزا اسی کے برابر ہے۔ اور ان پر ذلت چھا جائے گی۔ اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے انہیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا کہ ان کے چہروں پر اندھیری رات کا ٹکڑا اوڑھا دیا گیا۔ وہی (دوزخ کی) آگ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۷) اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے۔ پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا۔ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ پھر ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے۔ اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے۔ (۲۸) پس ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی کافی گواہ ہے۔ کہ ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔ (۲۹) اس وقت ہر نفس جانچ لے گا جو کچھ کہ وہ پہلے کر چکا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف کہ ان کا حقیقی مالک ہے، لوٹا دیے جائیں گے۔ اور جو کچھ افترا وہ کیا کرتے تھے وہ سب ان سے کھوئے جاتے رہے (۳۰) اے (رسول) کہہ دو کہ تمہیں آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور کون ہے جو مُردہ میں سے زندہ کو نکالتا ہے۔ اور زندہ میں سے مُردہ کو نکالتا ہے۔ اور کون تمام امور کا انتظام کرتا ہے؟ پس وہ فوراً کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ۔ پھر تم کہہ دو کہ کیا تم (اس سے) نہیں ڈرتے ہو۔ (۳۱) پس وہی تمہارا اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا سچا پروردگار ہے۔ پھر حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے۔ پس تم کہاں پھرے جاتے ہو۔ (۳۲)

(سورۂ یونس ۱۰ پارہ ۱۱ آیات ۲۳ تا ۳۲)

آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ م بِعَدَدِ کَامِلِ الْفَضْلِ وَالْاِمْتِنَانِ ﷺ

سید المرسلین، افضل الانبیا، خاتم النبین رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے۔ جس کے معنی و مفہوم کامل (پورا) مکمل کے ہیں۔

1۔ القرآن: ا۔ ترجمہ: تمہارے لیے رسول اللہ کی ہستی میں بہترین نمونہ ہے یعنی اس شخص کے لیے جسے (خدا سے ملنے) اور روز قیامت کے آنے کی امید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔

(سورۂ احزاب آیت 21)

۲۔ ترجمہ: تاکہ خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردے اور تم کو سیدھے راستے پر چلائے۔

(سورۂ فتح آیت 2)

2۔ الحدیث: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول پاکؐ کو جس بات کا حکم ہوا وہ آپؐ نے پڑھ کر سنادی اور جہاں خاموش رہنے کا حکم ہوا وہاں آپؐ خاموش رہتے (اس لیے کہ آپ کا حکم و نطق دونوں حکم الٰہی کے ماتحت تھا) اور تمہارے لیے رسولؐ اللہ کی ذات ہی میں بہترین نمونہ ہے۔ (لہٰذا بلا وجہ کھود کرید مت کیا کرو)

(بخاری)

3۔ الرائے: ا۔ داعی اسلام حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصلحین عالم کی ایک بڑی تعداد پر اس خصوصیت امتیازی میں ایک خاص شرف و برتری حاصل ہے کہ آپ کا قول و فعل یکساں تھا۔ قول و فعل کا تطابق ایک ایسا مایہ ناز وصف اور کمیاب جنس ہے کہ بازار جہاں کی بڑی، بڑی نابغہ روزگار اور شہرہ آفاق ہستیوں کی سوانح حیات میں بھی نایاب ہے لیکن حضورؐ کا دامن ایسے بہت سے گوہر ہائے نایاب سے لبریز تھا جن کی درخشندگی سے کائنات کا ہر گوشہ روشن ہوسکتا ہے۔

(سوامی لکشمن پرشاد..... عرب کا چاند)

۲۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزشتہ اور موجودہ لوگوں میں سب سے اکمل اور افضل تھے اور آئندہ ان کی مثال پیدا ہونا محال اور قطعاً غیر ممکن ہے۔

4۔ الفضائل: جو شخص 91 مرتبہ روزانہ اس اسم پاک (سیدنا کاملؐ) کا ورد کرے اس کا ہر ارادہ اور خواہش پوری ہوگی۔

(ڈاکٹر شیلے)

(قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسما النبی ﷺ سے اقتباس)

میرے لیے سارا زنگ اتار دو

افشاں آفریدی — **سلسلے وار ناول**

زندگی کبھی کبھی انسان کو ایسے کربناک حادثے سے دوچار کر دیتی ہے کہ اس کا اپنی ذات اور ارد گرد کے لوگوں پر سے اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے۔ اس حادثے کی وجہ بعض اوقات اس کی اپنی توقعات بھی ہوتی ہیں جو وہ کسی بے نام تعلق سے وابستہ کر لیتا ہے۔ وہ جذبے جو رشتوں کے توسط سے دل میں بسیرا کریں ان کی پزیرائی تو مذہب اور معاشرہ دونوں کرتے ہیں، ان کی حق تلفی پر جواب طلبی بھی کی جا سکتی ہے مگر وہ دلی تعلق جنہیں رشتوں کی سند نہ حاصل ہو، انہیں کسی عدالت سے بھی سزا نہیں سنائی جا سکتی، سوائے ضمیر کی عدالت کے۔ جبکہ وہ رشتے جنہیں تعلق کا نام بھی دے دیا جائے کبھی کبھی وہ اپنے جائز حق سے بھی محروم کر دیے جاتے ہیں۔ اور ان کی جوابدہی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ یہ دنیا دارالعمل ہے جہاں انسان کے دو ہی امتحان ہیں، ایک شکر کا دوسرے صبر کا... مگر جب حضرتِ انسان حسد یا ہوس کی خاطر تقدیر سے لڑنے کی ٹھان لے تو پھر اس کے اپنے فیصلے ہی اس کی آزمائش بن جاتے ہیں۔

حادثوں میں گزری ہے راس بس تباہی ہے — زندگی کی چاہت میں زندگی گنوائی ہے
خواب اب نہیں میرے، نیند تک پرائی ہے — عارضی محبت تھی مستقل نبھائی ہے

امیدوں، جذبوں، فیصلوں اور احساسِ جرم پر مبنی کچھ ایسے کرداروں کی کہانی جو دل سے دیکھتے، دل سے سنتے اور دل سے ہی سوچتے ہیں

Ayisha 86

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ردا کی شادی میں سائرہ بیگم، دُرِمکنون کو ایک فیملی سے ملواتی ہیں رخصتی کے بعد آصف اپنی پھپھو کو ائرپورٹ چھوڑنے جاتا ہے تو واپسی پر ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ آصف کا آپریشن تھا تو سب اسپتال میں تھے اظہار صاحب کو اپنی فیملی کے ساتھ واپس جانا تھا عکرمہ ٹکٹ لے کر آتا ہے، تو اظہار اسپتال میں نہیں تھے، وہ پریشان ہوجاتا ہے اور زوہا کے ساتھ گھر آجاتا ہے۔ عکرمہ اور زوہا گھر آتے ہیں تو عکرمہ فوراً اوپر جاتا ہے سیڑھیوں کے پاس اسے درمکنون کا دوپٹا اور دادی کے کمرے کے پاس دُرِمکنون کی ایک چپل اور ٹوٹی ہوئی چوڑیاں ملتی ہیں تو وہ بے تابی سے دادی کے کمرے کا دروازہ بجادیتا ہے۔ زوہا اوپر آتی ہے تو عکرمہ کہتا ہے کہ دُرِمکنون دروازہ نہیں کھول رہی تم آواز دو جب زوہا کے آواز دینے پر بھی دروازہ نہیں کھلتا تو زوہا ماسٹر کی لے کر آتی ہے جب وہ لوگ دادی کا کمرا کھولتے ہیں تو دہشت زدہ رہ جاتے ہیں کیونکہ درمکنون کمرے کے انتہائی سرے پر دیوار کے قریب اوندھے منہ پڑی تھی۔ عکرمہ جب اسپتال سے گھر آتا ہے تو واچ مین اسے اظہار صاحب کا گولڈ پلیٹڈ پسٹل کی شکل کا لائٹر لاکر دیتا ہے کہ کل گیٹ کے پاس گرا ہوا تھا۔ عکرمہ کو اچھی طرح یاد تھا کہ کل زارا نے اظہار صاحب کو لائٹر دیا تھا اور انہوں نے گاڑی میں اسموکنگ بھی کی تھی ان کا ارادہ اسپتال سے ڈائریکٹ ائرپورٹ جانے کا تھا اور وہ انہیں اسپتال ڈراپ کرکے ٹکٹس لینے گیا تھا تو لائٹر واپس شیرازی ولا کیسے آیا۔ اس کے بدترین خدشات حقیقت کا روپ دھار چکے تھے۔ زوہا بھی وہ لائٹر دیکھ کر حیران ہوتی ہے۔ زوہا، عکرمہ سے پوچھتی ہے کہ دُرِمکنون کے نروس بریک ڈاؤن کی وجہ کیا ہوسکتی ہے کیونکہ ڈاکٹر کے نزدیک تو کوئی صدمہ، شاک یا خوف اس کا سبب ہے۔ عکرمہ سوچتا ہے کہ کاش وہ وجہ بتا سکتا..... دُرِمکنون کو کوما میں گئے دو ہفتے ہوگئے تھے۔ مظفر شیرازی بہت زیادہ پریشان ہوتے ہیں تو دادی کہتی ہیں کہ ڈاکٹر تو پُرامید ہیں جب وہ صحت یاب ہوکر آئے گی تو جشنِ صحت منائیں گے اور اسی تقریب میں، میں اپنے پوتے سے منسوب کردوں گی۔ مظفر صاحب کے پوچھنے پر دادی سیف کا نام لیتی ہیں تو مظفر صاحب کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ درمکنون ان کی اور سائرہ شیرازی کی سگی بیٹی ہے۔ عکرمہ بھی سن لیتا ہے۔ عکرمہ، زوہا کو بتاتا ہے کہ دادی کا بی پی بہت لو ہوگیا تھا اور درمکنون کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ آج معلوم ہوا کہ درمکنون کو دیکھ کر ایسا کیوں لگتا تھا اور کہیں دیکھا ہے۔ مظفر صاحب، دادی سے کہتے ہیں کہ اماں میں نے آپ کا دل دکھایا ہے آپ مجھے معاف کردیں۔ تو دادی کہتی ہیں کہ انہیں دُرِمکنون کو دیکھ کر ہمیشہ لگتا تھا کہ وہ ان کی ہے۔ نہیں جانتی تھیں کہ یہی سچ ہے۔ مظفر شیرازی کو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ایک دو دن میں درمکنون کو ہوش آجائے گا۔ عکرمہ کو دادی اور مظفر صاحب کی تکلیف کا احساس تھا اور جب سے اسے دُرِمکنون سے اپنے اور اس کے رشتے کا پتا چلا تھا وہ اور بھی زیادہ ذمے دار ہوگیا تھا کہ وہ اس کی سگی چچازاد تھی۔ مظفر صاحب مسجد میں دعا کر ہی رہے تھے کہ ان کے پاس زوہا کا فون آتا ہے کہ درمکنون کو ہوش آگیا ہے۔ وہ فوراً سجدے میں گر پڑے..... درمکنون ہوش میں آنے کے بعد بہت پشیمان اور نادم تھی کہ اس نے شیرازی ولا کے مکینوں کو آزمائش میں ڈال دیا۔ درمکنون گھر آتی ہے تو سب اس کے استقبال کے لیے موجود ہوتے ہیں آصف کو وہیل چیئر پر دیکھ کر وہ آزردہ ہوجاتی ہے۔ اب طاہرہ جو سائیکاٹرسٹ سے دُرِمکنون کا علاج چل رہا تھا۔ مظفر صاحب کہتے ہیں کہ عبید اگلے مہینے آرہا ہے تو عکرمہ کی شادی کی تاریخ طے کرنے کا کہہ رہا تھا..... عکرمہ پر شادی کے لیے لڑکی کے انتخاب پر زور دیتے ہیں تو دوسرے دن عکرمہ، دادی اور مظفر صاحب کو بتادیتا ہے کہ دُرِمکنون اس کا انتخاب ہے۔ شہرین کے ملامت کرنے پر زاویار اسپتال جاتا ہے تو آصف اکیلا تھا زاویار کے پوچھنے پر وہ بتاتا ہے کہ درمکنون کو شاید فوڈ پوائزن ہوا ہے اور وہ بھی اسی اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔ واپسی پر زاویار ڈاکٹر گوہر سے پوچھتا ہے کہ تو وہ بتاتے ہیں کہ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔ وارڈ بوائے سے زاویار، دُرِمکنون کی طبیعت پوچھتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ کوما دو ہفتوں کا بھی ہوسکتا ہے اور دو ماہ کا بھی پھر وہ اسپتال جاتا ہے تو ڈاکٹر نے کہا کہ اس کے برین نے رسپانس دیا ہے، وہ ریکور کررہی ہے۔ زاویار، شہریار صاحب سے کہتا ہے کہ شیری کو اس کے نام پر نہ بٹھائیں اسے اس سے شادی نہیں کرنی ہے۔ جس پر اس کو شہرین کی طرف سے تھینکس کا میسج ملتا ہے تو اسے ایک اطمینان سا محسوس ہوتا ہے۔ صنوبر، عاصمہ سے کہتی ہیں کہ وہ زاویار کو سمجھائیں کہ ابھی آغا جان سے کوئی بات نہ کرے۔ زاویار اور اس کے دوستوں نے آج اغوا شدہ لڑکی کو بازیاب کرایا تھا اس کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا تھا مگر اس کے گھر والے سے قبول نہیں کررہے تھے کہ کئی لڑکیوں کے سامنے اسے اغوا کیا گیا اب اگر وہ اس لڑکی (کلثوم) کو قبول کرلیں گے تو باقی چار لڑکیوں کی شادی میں مسئلہ ہوگا۔ صبح جب وہ سو کر اٹھا تو اس کے موبائل پر وارڈ بوائے کا میسج تھا کہ آپ کی عزیزہ کو ماسے جاگ گئی

ہیں...... جواباوہ شکریے کا میسج کرتا ہے۔ شیری، زاویار کو ایک پیکٹ دیتی ہے کہ صنوبر خالہ نے دیا ہے اور کشمیری شال جو انہو
نے دی تھی وہ اس نے لے لی ہے۔ شیری کہتی ہے کہ میں جانتی ہوں تم کس سے محبت کرتے ہو بس انتظار میں ہوں کہ تم
بتاؤ...... خولہ، شیری سے کہتی ہے کہ زاویار سے ملنے کی کیا ضرورت تھی تو وہ بتاتی ہے کہ زاویار نے اس کے کہنے پر انکار کیا
اس لیے اس کا شکریہ ادا کرنے گئی تھی۔ خولہ کہتی ہے کہ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا وہ بہت اچھا ہے۔ اور یہ اقرار شیری کو
اپنے دل میں کرنا پڑا کہ اسے اپنے دل کے ہاتھوں شکستِ فاش ہوئی ہے۔

....

اب آگے پڑھیے

قسط نمبر 20

کچھ لمحے کمرے میں سکوت طاری رہا۔ جسے عکرمہ کی سنجیدہ آواز نے توڑا۔

''کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا ہے دادی؟'' اس کی نظریں دونوں کو چھو کر پلٹی تھیں۔ تاہم سوال صرف دادی سے تھا۔

''نہیں، میرے بچے نہیں۔'' دادی جیسے نیند سے جاگی تھیں بے ساختہ بڑھ کر اس کا ماتھا چوما تھا۔ ان کی حیرت
بھری خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ عکرمہ، فارینہ جیسی ہم مزاج اور اپنے آئیڈیل پر سو فیص
اترتی لڑکی کو چھوڑ کر دُرِ مکنون کا نام لے گا۔

''اللہ تمہیں سدا خوش رکھے میرے بیٹے۔'' انہوں نے اسے لپٹا لیا تھا۔

عکرمہ کی نظریں اب مظفر صاحب کی طرف سوالیہ انداز میں اٹھیں جو کہ محبت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ مگر ان
کا سر نفی میں ہل رہا تھا۔

''نہیں عکرمہ، یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' ان کی آواز بہت بوجھل تھی۔ جیسے کسی گہرے کنویں سے آرہی ہو۔

''لیکن کیوں چچا جان؟'' وہ سراپا سوال ہوا۔

''کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو۔ میری پرورش اور محبت کا احسان اتارنا چاہتے ہو ناں؟''

''کیا اتار سکتا ہوں چچا جان؟ کیا آپ کی بے لوث اور انمول محبت کی قیمت لگائی جا سکتی ہے؟'' مظفر صاحب
کے سوال کے بدلے میں بہت حیرت سے سوال کیا تھا اس نے۔ وہ جیسے لاجواب رہ گئے۔

''مگر دُرِ مکنون تمہارے مطلوبہ معیار کی لڑکی نہیں ہے عکرمہ۔ نہ وہ تمہاری ہم عمر ہے نہ میچور۔ مجھے نہیں لگتا کہ یہ
فیصلہ تمہیں خوش رکھ سکے گا بیٹا۔'' انہوں نے پھیکی سی مسکراہٹ سمیت کہا تھا۔

''کون کس کو خوش رکھے گا۔ اس کا فیصلہ ہم وقت سے پہلے نہیں کر سکتے چچا جان۔ باقی رہ گئی میچورٹی کی بات تو
دُرِ مکنون اپنی عمر سے کہیں زیادہ میچور ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ ہمارے درمیان compatibility کا کبھی کوئی ایشو
رہے گا۔'' وہ مضبوط لہجے میں اعتماد سے بولا تھا مظفر صاحب چند ثانیے اسے جانچتی تولتی نظروں سے دیکھتے رہے۔

''کیا تم اس کے ساتھ ہونے والے حادثے سے واقف ہو؟'' انہوں نے جیسے ٹوٹ کر سوال کیا تھا۔

جس کے جواب میں اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''مجھے درمکنون بہت عزیز ہے عکرمہ۔ مگر تم بھی کم پیارے نہیں، میں تمہاری آنے والی زندگی کو اس طرح داؤ پر نہیں
لگا سکتا۔'' چند ثانیے سوچتے رہنے کے بعد وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچ کر بولے تو عکرمہ سمیت دادی بھی حیران رہ گئیں۔

اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ عکرمہ بے اختیار اٹھ کر ان کے قدموں کے پاس کارپٹ پر جا بیٹھا۔ چچا جان
کی محبت پر اسے بہت مان اور ہمیشہ یقین رہا تھا۔ مگر وہ اسے اس قدر چاہتے ہوں گے یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں
تھا۔ درمکنون ان کی اپنی اولاد تھی اور اولاد کی خاطر انسان بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ مگر مظفر
صاحب کے خلوص کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا تھا کہ وہ بیٹی کی خوشیوں کی خاطر بھتیجے کے مستقبل کی قربانی
دینے کو تیار نہ تھے۔ وہ اپنے خون کے لیے بھی خود غرض نہیں ہوئے تھے۔ ان کے اس اخلاص نے عکرمہ کے گویا روم،
روم کو جکڑ لیا۔ اور یہ وہ احساس تھا کہ جس نے اسے اپنے فیصلے پر ثابت قدم رکھنے میں مہمیز کا کام دیا۔

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

''کیوں چچا جان؟'' قریب بیٹھتے ہوئے اس نے سہولت سے استفسار کیا تھا۔
مظفر صاحب نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے حیرت سے دیکھا۔
''کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے عکرمہ۔ تم میرے بیٹے ہو اور ایک باپ اپنے بیٹے کو پریشانی میں نہیں ڈال سکتا۔''
''تو کیا بیٹا دیکھ سکتا ہے اپنے والد کو دن رات تڑپتے اور پریشان ہوتے؟'' اس نے پھر سوال کے جواب میں سوال کیا تھا۔
مظفر صاحب جیسے پھر سے لاجواب ہو گئے تھے۔
''اور سب سے اہم بات کہ دُرِ مکنون کوئی پریشانی نہیں میرے لیے۔ اور نہ ہی میں انہیں آپ کے کسی احسان کی قیمت چکانے کی خاطر اپنانا چاہتا ہوں۔ اپنے ذہن سے ان واہموں اور خدشوں کے جالوں کو صاف کر کے سوچیے چچا جان۔ یہ میرے دل و دماغ کا متفقہ فیصلہ ہے..... بلکہ میری دلی خواہش ہے۔'' اب کے اس نے دادی اور چچا جان دونوں کو مخاطب کیا تھا۔
''مگر بیٹا.....''
''بس مظفر بیٹا۔ اب مزید تکرار مت کرو۔ عکرمہ جو کہہ رہا ہے۔ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' دادی نے بالآخر کافی دیر خاموشی سے دونوں چچا بھتیجے کے مکالمے سننے کے بعد دخل اندازی کرتے ہوئے بیٹے کو ٹوکا۔ تو مظفر صاحب کو مجبوراً چپ ہونا پڑا۔
ان کے کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ انہوں نے بڑھ کر اسے سینے سے لگایا۔
''میرے فیصلے کو قبول کرنے کا شکریہ۔'' ان سے الگ ہوتے ہوئے اس نے خوش دلی سے کہا۔
''مگر دُرِ مکنون کو کون سمجھائے گا۔ وہ نہیں مانے گی بیٹا۔''
''وہ آپ مجھ پہ چھوڑ دیں۔ آپ کو منالیا ہے۔ امید ہے انہیں بھی کنونس کرلوں گا۔ یوں بھی مجھے کوئی جلدی نہیں۔ دُرِ مکنون پر کسی قسم کا جبر نہیں کرنا۔ دباؤ نہیں ڈالنا۔'' وہ پُراعتماد مسکراہٹ سمیت بولا تو مظفر صاحب کو لگا ان کے آدھے سے زیادہ غم ہوا میں تحلیل ہو گئے ہوں۔ وہ خود کو یک دم ہلکا محسوس کرنے لگے تھے۔

.....☆.....☆.....

خبر تھی کہ بم..... سائرہ شیرازی کے حواسوں پر یوں پھٹی کہ کتنے ہی لمحے وہ بدحواس سی شوہر کی شکل دیکھے گئیں۔
ابھی کل ہی تو ردا اور آصف کے کمرے سے جھگڑے کی آوازیں سن کر انہوں نے دل میں سوچا تھا کہ کسی طرح ردا کو اس معذور بندے سے طلاق دلوا کر عکرمہ کی دلہن بنانے کے لیے ساس، بیٹی اور شوہر کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی جائے۔ اور آج یہ خوش خبری جوان کے نزدیک بدخبری تھی۔ ان کے گوش گزار کی گئی تھی۔
''مگر یہ کس طرح پاسیبل ہے۔ آپ نے اس لڑکی کی ذہنی حالت دیکھی ہے؟ کیا وہ عکرمہ جیسے ویل کوالیفائیڈ اور جینئس بندے کے ساتھ چل سکتی ہے؟ آپ نے یہ سوچا بھی کیسے؟'' وہ زہر خند ہوئیں۔
''یہ میں نے نہیں عکرمہ نے سوچا ہے۔ اس نے منتخب کیا ہے دُرِ مکنون کو۔'' مظفر صاحب نے فخر اور خوشی سے بتایا تو سائرہ بیگم کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔
''اماں نے مجبور کیا ہوگا اسے۔''
''نہیں، اماں تو خود لاعلم تھیں اس کے فیصلے سے۔''
''تو گویا حسن کا جادو سر چڑھ گیا عکرمہ کے۔ مجھے اس جیسے کیلکولیٹڈ بندے سے ایسی حماقت کی قطعی امید نہ تھی۔'' سائرہ کی تلملاہٹ ان کے الفاظ سے ظاہر تھی۔
''چلو تمہارا سر درد تو ختم ہوا ناں۔ تم بھی تو اس کو سیٹل کرنا چاہ رہی تھیں۔'' انہوں نے بیوی کی طرف طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ غصے سے پھٹ پڑیں۔

''اس گھر سے دور کرنا چاہتی تھی میں اسے۔ اپنی نظروں کے سامنے سے ہٹانا چاہتی تھی۔ اور آپ اسے میرے سینے پر زندگی بھر مونگ دلوانے کے لیے اسی گھر میں رکھنا چاہتے ہیں۔ نہیں مظفر this is not gonna be possible۔'' ان کی آنکھوں میں گویا خون اتر آیا تھا۔

''وہ تمہاری بیٹی۔ تمہاری بھانجی ہے سائرہ۔'' مظفر صاحب نے انہیں کرب سے دیکھا تھا۔

''نہیں ہے وہ میری کچھ۔ نہ بھانجی نہ بیٹی۔ وہ صرف صوفیہ کی اولاد ہے، اور میں اسے اس گھر میں برداشت نہیں کروں گی مظفر۔ اگر عکرمہ بیوقوفی کر رہا ہے تو ہمیں اسے سمجھانا ہوگا۔ وہ اس سے بہتر پارٹنر ڈیزرو کرتا ہے۔'' چراغ پا انداز میں اپنی ہٹ دھرمی کا اظہار کرتے سائرہ بیگم کمرا چھوڑ گئی تھیں۔ مظفر صاحب سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔ کبھی کبھی ان کا دل چاہتا کہ وہ سائرہ کو دُرِ مکنون سے ان کے حقیقی رشتے سے متعلق حقیقت سے باخبر کر دیں۔ مگر اس کے بعد بے اعتمادی کا جو طوفان شیرازی ولا میں آتا۔ وہ اس سے واقف تھے۔ سائرہ اپنی اولاد کو اس طرح بنا ان کی مرضی اور فیصلے کے کسی کو دے دینے پر انہیں کبھی معاف نہ کرتیں۔ خاص طور پر ان کی کوکھ سے جنم لینے والی نے ''صوفیہ اور زاہد'' کے سونے آنگن کو اپنے وجود سے رونق بخشی ہے۔ یہ حقیقت تو انہیں مظفر صاحب سے مزید برگشتہ کر دے گی۔ یہ کوئی معمولی قصور نہیں تھا جسے معاف کیا جاسکتا۔ سائرہ کی جذباتی اور غصیل طبیعت کا انہیں اچھی طرح اندازہ تھا۔ وہ انہیں حقیقت بتا کر اس عمر میں اپنا گھر تباہ نہیں کر سکتے۔

.....☆.....☆.....

شیرازی ولا کا نمبر ڈائل کر کے ایک بار پھر اس نے لائن کاٹ دی تھی۔ رابطہ منقطع ہو گیا تو ٹوں ٹوں کی آواز آنے لگی۔ اس نے بیزاری سے فون کریڈل پر ڈال دیا۔

دُرِ مکنون کو اسپتال سے آئے ہوئے مہینہ بھر ہونے کو آیا تھا۔ اور اس دوران وہ اس کی خیریت سے مکمل طور پر ناواقف رہا تھا۔

دل کی بے چینی حد سے سوا تھی آج پھر اس نے شیرازی ولا کا نمبر ڈائل کر کے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ کبھی خیال آتا کہ عینی کو دُرِ مکنون کے ہاسپٹلائز ہونے کی بابت بتائے تو کم از کم اس کے ذریعے ہی کوئی خبر ملے۔ مگر پھر خیال آتا کہ یہ بات شہرین کو پتا چلی تو وہ پوچھے بنا نہ رہے گی اور دُرِ مکنون کے معاملے میں وہ شہرین سے قدرے خائف تھا۔ شاید دُرِ مکنون کے معاملے میں اس کے دل کا چور اسے خائف کر دیتا تھا۔ یا شاید واقعی شہرین کی آنکھیں بولتی تھیں۔ مگر آج اس سے ضبط نہیں ہو سکا اور اس کی انگلیاں لاہور کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھیں۔

.....☆.....☆.....

''مجھے یقین نہیں آتا عکرمہ کہ تم اس قدر فضول فیصلہ بھی کر سکتے ہو۔'' وہ اسٹڈی میں بیٹھا کل کے لیکچر کے لیے مواد ڈاؤن لوڈ کر رہا تھا کہ سائرہ بیگم اچانک اس کے سر پر آسوار ہوئیں۔ عکرمہ گہری سانس بھر کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''پلیز بیٹھیے چچی جان۔'' اس نے اٹھ کر ان کے لیے کرسی کھولی اور پھر ان کے بیٹھتے ہی ان کے مقابل رکھی کرسی سنبھال لی۔

''میرا فیصلہ اتنا غلط بھی نہیں۔ اگر آپ غور کریں۔'' خاموشی کے مختصر وقفے کے بعد وہ بولا تو اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔ انداز سے اعتماد جھلکتا تھا۔

''کیا خاک غور کروں۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آیا کہ آخر تم نے کیا سوچ کر اتنا بڑا فیصلہ لیا۔ آخر اس لڑکی کے پاس ہے ہی کیا..... جو کسی کو متاثر کر سکے؟'' حیرت اُن کے چہرے سے ہویدا تھی۔

''ان کا فیملی بیک گراؤنڈ۔ وہ آپ کا خون ہیں۔'' اس نے برجستہ جواب دیا۔ لہجہ البتہ مؤدبانہ تھا۔ ''اور ایسے معاملات میں فیملی بیک گراؤنڈ بہت میٹر کرتا ہے۔''

''ہیں ا۔۔اپنا خون نہیں مانتی۔'' وہ بدکیں۔
''نہ ماننے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی چچی جان۔ دُرِّمکنون صرف آپ کی بھانجی نہیں بلکہ ذمّے داری بھی ہیں۔ پھر آپ خود بھی تو ان کو سیٹل کرنا چاہ رہی تھیں۔''
''ہاں مگر اس طرح نہیں۔ میں اس کے لیے پروپوزلز دیکھ رہی ہوں۔ کہیں بھی بات بنا دوں گی اس کی۔ مگر تم کیوں خود کو تباہ کرنا چاہتے ہو۔ تمہیں ذرا بھی اندازہ ہے وہ لڑکی تمہاری زندگی برباد کردے گی۔ دو دن میں تنگ آجاؤ گے تم اس سے۔ وہ کسی کا گھر بسانے کے لائق نہیں۔ بعد میں پچھتاؤ گے تم۔'' سائرہ دوبدو بولیں۔ ان کے لہجے کی ہٹ دھرمی نے عکرمہ کو لمحے بھر کے لیے بولنے سے روکا مگر وہ منتظر تھیں۔
''اور اگر آپ کا منتخب کردہ شخص پچھتانے لگا تو؟ کل کو جس سے آپ نے دُرِّمکنون کی شادی کی۔ وہ بندہ تنگ آ گیا تو کیا آپ دُرِّمکنون کو واپس لے لیں گی؟ زوہا، ردا اور زارا کے ان لاز کو کیا جواب دیں گی آپ؟'' توقف کے بعد جب وہ بولا تو اس کا لہجہ سرد اور استفسار تلخ تھے۔
سائرہ اس کے لیے تیار نہیں تھیں۔ لاجواب سی چند لمحے اسے تکتی رہیں۔
''تو کیا تم۔ یہ سب صرف اس لیے کرر ہے ہو؟'' ان کا لہجہ کچھ سوچتا ہوا تھا۔ عکرمہ نے ان کی سوچ کو ضرب لگائی تھی۔
''نہیں۔ میں اتنا بے غرض بھی نہیں ہوں۔''
''تو پھر؟''
''ہر انسان کی طرح مجھے بھی ایک اچھے پارٹنر کی تلاش تھی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ دُرِّمکنون میں وہ تمام کوالیٹیز ......''
''اوہ ..کم آن اسٹاپ اٹ عکرمہ۔'' انہوں نے استہزائیہ انداز میں اس کی بات کاٹی۔'' صاف کہو۔ تم کو مظفر نے پریشرائز کیا ہے۔ ہے ناں۔ یہی سچ ہے ناں؟''
''بلیومی۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ یہ میرا آزادانہ فیصلہ ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔
''کہیں اس کا حسن تو وجہ نہیں بنا تمہارے فیصلے کی۔'' سائرہ بیگم نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا۔
انہوں نے کس قدر کھل کر پوچھ لیا تھا۔ عکرمہ نے نظریں جھکا لیں پھر گہری سانس بھر کر بولا۔
''صرف حسن وجہ کافی نہیں ہوتی۔ اتنے بڑے فیصلے کی۔''
''تو پھر؟'' وہ سوالیہ ہوئیں۔
''میں سمجھتا ہوں کہ میرا یہ فیصلہ شیرازی فیملی کے حق میں بہتر ثابت ہوگا۔ پلیز چچی جان آپ اس معاملے کو دوسرے perspective سے دیکھیں۔ گھر کی بات گھر میں رہے تو بہتر ہے۔'' وہ جانتا تھا سائرہ اپنی ساکھ کے لیے کس قدر حساس تھیں۔
''مگر وہ تمہیں خوش نہیں رکھ سکے گی۔''
''تو میں انہیں خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔''
''تمہیں امید ہے کہ وہ مان جائے گی؟''
''یقین ہے کہ منوا لوں گا۔''
''ایک بار پھر سوچ لو عکرمہ۔ کہیں تمہاری زندگی برباد نہ ہو جائے۔''
''ایک ستم رسیدہ لڑکی کو اپنانے سے دنیا و آخرت سنور بھی تو سکتی ہے۔''
''یہ ہمدردی تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔''
''میں نہیں سمجھتا کہ یہ فیصلہ محض ہمدردی کی بنا پر ہے۔'' اس کا آخری فقرہ نپا تلا تھا۔ لہجہ گہرا اور ہموار تھا۔
سائرہ نے اسے دیکھا۔ وہ بہت لحاظ اور ادب سے بات کر رہا تھا۔ مگر چہرے کے تاثرات گواہ تھے کہ وہ فیصلہ

کر چکا ہے۔ اور اب اس پر اثر انداز ہونا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔

.....☆.....☆.....

سائرہ بیگم کی طرف سے خاموشی پا کر دادی نے زوہا کو بلا لیا تھا۔ اس کے ذریعے عکرمہ کا پروپوزل دُرِمکنون تک پہنچایا گیا۔ خبر اس قدر اچانک اور ناقابلِ یقین تھی کہ کتنی ہی دیر دُرِمکنون حیرت سے اسے تکتی رہی۔

''ہم سب بہت خوش ہیں دری کہ عکرمہ نے تمہیں چنا ہے۔''

''مگر.....؟''

''اگر مگر کچھ نہیں۔ سچ کہوں دُرِمکنون عکرمہ بہت نفیس انسان ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے زیادہ ہینڈسم، گڈ لکنگ شخص دنیا میں اور بھی کوئی ہو۔ اس سے زیادہ earn کرنے والے بھی کئی اور ہوں مگر یقین کرو عکرمہ جیسا دل ہر ایک کے پاس نہیں۔'' زوہا اس کے اوصاف گنوا رہی تھی۔ جن سے دُرِمکنون بھی واقف تھی۔

''مجھ سے نہیں ہوگا زوہا باجی۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھی۔

''عکرمہ کے لیے انکار مت کرو دُری۔ وہ بہت اچھا ہے۔''

''اسی لیے تو انکار کر رہی ہوں آپی۔ آئی ڈونٹ ڈیزرو ہم۔ میں ان کے قابل نہیں ہو۔''

اس نے زوہا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبوچ کر کچھ اس لہجے میں کہا کہ وہ بہت چاہنے پر بھی مزید کچھ نہ کہہ سکی۔

.....☆.....☆.....

بالکل چپ چاپ سادہ سے کاٹن کے جوڑے میں ملبوس مناسب نقوش والی کلثوم اس وقت اس کے ساتھ ہاسٹل کے آفس میں بیٹھی تھی۔ ویسے تو یہ گرلز ہاسٹل یونیورسٹی کی طالبات کے لیے مخصوص تھا۔ مگر سرفراز کے اثر رسوخ کے باعث کلثوم کو یہاں روم شیئر کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اور اسے یہاں تک لانے کی ڈیوٹی اس نے زاویار کے سر لگائی تھی۔ جسے وہ ناگوار خاطر پورا کرنے کے لیے یہاں چلا آیا تھا۔ یہ لڑکی اس کے اعصاب پر کسی کوڑے کی طرح برستی تھی..... نہ جانے کیوں۔

''یہ لیں کچھ پیسے اور یہ سرفراز کے کانٹیکٹ نمبرز ہیں۔'' واجبات ادا کرنے اور تمام ضروری امور نبٹانے کے بعد وہ اس کی طرف مڑا تھا۔

کلثوم نے خالی، خالی نظروں سے اس کے ہاتھ میں پکڑا لفافہ دیکھا۔ وہ بیس اکیس سال کی لڑکی تھی۔ جس کی عزت بچا کر بازیاب کرایا گیا تھا۔ جس کے چہرے پر کشش تھی اور نقوش میں ملاحت۔ دیکھنے میں وہ سیدھی سادی لگتی تھی۔ اپنے طبقے کی مخصوص چھاپ اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔

''یہ لیں۔ پکڑیں بھی۔'' اسے گم صم دیکھ کر اس نے قدرے اونچی آواز میں کہا تو وہ چونکی۔

''مجھے یہاں کب تک رہنا ہے؟'' اس کا سوال توقع کے خلاف تھا۔

زاویار انصاری کو اس کی آنکھوں میں خوف اور دہشت نظر آئی۔ اس کی آنکھوں سے جھلکتی یہ کیفیت اس نے دُرِمکنون کی آنکھوں میں بھی دیکھی تھی۔ اسے لگا لمحے بھر کے لیے دُرِمکنون سامنے آ کھڑی ہوئی ہو۔

''معلوم نہیں۔'' اس نے سر جھٹک کر جواب دیا۔ اس بار اس کے لہجے میں عجیب سی ٹوٹ پھوٹ تھی۔ اسے اب سمجھ میں آیا کہ یہ لڑکی اس کے اعصاب کے لیے کیوں تکلیف دہ ہے۔

''کیا مجھے یہاں کوئی ملنے آئے گا؟'' دوسرا سوال یقیناً وہ اپنے والدین کے متعلق پوچھ رہی تھی۔

جواباً اس نے بے بسی سے ہونٹ بھینچتے ہوئے شانے اچکا دیے۔ وہ چند سیکنڈ فرش پر نظریں جمائے کھڑی رہی اور پھر اس کی انگلیوں میں دبے لفافے اور سرفراز کے وزیٹنگ کارڈ کو نرمی سے لے کر پلٹ گئی۔

زاویار اسے کاریڈور کی طرف جاتا دیکھ رہا تھا کہ اس لڑکی نے پلٹ کر اس کی طرف اچانک دیکھا اور اس لمحے نہ

جانے کیسے اس کے لبوں پر دوستانہ سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ کلثوم غالباً اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس لیے وہیں رک گئی۔
اگلے ہی لمحے زاویار کے قدم اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور اس کا ہاتھ والٹ سے اس کا اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔

.....☆.....☆.....

''کہتے ہیں ذہین وہ ہے جو دوسروں کے تجربے اور اپنے مشاہدے سے سیکھے۔ لیکن جو اپنے تجربے سے بھی کچھ اخذ نہ کر سکے۔ اسے آپ کی ڈکشنری میں بھلے جو بھی کہتے ہوں۔ میری لغت میں اس کا نام دُرِ مکنون ہی ہے۔''
لان کی ماربل سے بنی سیڑھیوں پر وہ گھٹنوں پر بازو لپیٹے سامنے لگے .....solar lamps پر نظر جمائے بیٹھی تھی۔
یہ لیمپس دن بھر جتنی شمسی توانائی جمع کرتے ساری کی ساری رات کو روشنی کی صورت میں لان میں پھیلا دیتے۔ لان میں رات کے باوجود ٹھیک ٹھاک لائٹ تھی۔ اور وہ اس وقت رات کے دو بجے بڑی احتیاط سے کہ دادی کی آنکھ نہ کھل جائے۔ ان کے پہلو سے اٹھ کر یہاں آ بیٹھی تھی۔
نیند نہیں آ رہی تھی۔ آج کل دل میں جیسے ادھم سا مچا تھا۔ زوہا نے عکرمہ کی خواہش کیا اس کے سامنے رکھی۔ جیسے اسے حیرت کے دریا میں دھکیل دیا تھا۔
وہ پُروقار شخصیت، دوستانہ مزاج والا ہائیلی کوالیفائیڈ شخص عکرمہ.....اس کا طلب گار ہے۔ بات تو حیرت کی تھی ناں کہ جس بندے کو ایک سے ایک تعلیم یافتہ، خوب صورت لڑکی کا رشتہ مل سکتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا تھا جو اپنا سب کچھ لٹا بیٹھی ہے۔
وہ رات کے اس پہر عکرمہ شیرازی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اور سچ تو یہ تھا کہ یہ سوچ جیسے اس کے دامن سے بندھی تھی کہ اچانک اپنے عقب سے عکرمہ کی آواز سن کر اپنی جگہ تھم سی گئی۔
وہ اس سے ایک اسٹیپ اوپر سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گیا تھا۔
حسبِ عادت بنا اسے مخاطب کیے ہی اس نے بات شروع کر دی تھی۔
دُرِ مکنون نے ذرا سا رخ موڑ کر بے اختیار اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ اس کی طرف ہی متوجہ تھا۔
''ہر گزرتا دن ہمیں کچھ نہ کچھ سکھاتا ہے دُرِ مکنون۔ زندگی استاد کی طرح نہیں ہوتی۔ استاد تو سبق دے کر امتحان لیتا ہے۔ جبکہ زندگی امتحان لے کر سبق دیتی ہے۔ اور اگر انسان اس سبق سے بھی اپنے فیصلوں میں پختگی حاصل نہ کر سکے تو خود ہی سوچیے وہ کس طرح ایک کامیاب زندگی گزار سکتا ہے۔''
اس کی توقع کے خلاف وہ نہ جانے کون سے معموں میں بات کر رہا تھا۔ دُرِ مکنون کو لگا اس کا لفظ، لفظ اس کے سر کے اوپر سے گزر رہا ہے۔ ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے کے تاثر پر عکرمہ نے گہری سانس بھری۔
''یہ ہمارا المیہ ہے دُرِ مکنون کہ اس مسلم معاشرے میں سو کالڈ مذہبی شعور کے باوجود ہم آج تک صرف اس عورت کی عزت کرتے ہیں جو ہمارے ساتھ کسی نہ کسی حوالے سے کسی نہ کسی رشتے کے تحت منسلک ہوتی ہے۔ ہماری بہن، ماں، بیٹی یا بیوی یا بھانجی، بھتیجی۔ ہم آج تک بحیثیت قوم ''عورت'' کی عزت کرنا سیکھ ہی نہیں سکے۔ ہم رشتوں کا احترام کرتے ہیں۔ ''صنف'' کا نہیں۔ کیا آپ اس تلخ حقیقت سے اگیری کرتی ہیں؟''
عکرمہ کی بات سن کر اس نے گہری سانس بھر کر سر ہلا دیا۔
اس سے زیادہ اس تلخ حقیقت کی کڑواہٹ اور کسے پتا ہوگی۔
''تو پھر آپ نے بلا سوچے سمجھے کیوں انکار کیا؟'' بالآخر یہ سوال عکرمہ کے لبوں پر آ ہی گیا۔ جس کی توقع وہ گزشتہ ہفتے بھر سے کر رہی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس سے چھپتی پھر رہی تھی۔ اس کا سر مجرمانہ انداز میں جھک گیا۔

''ہر انسان خود کو اچھا سمجھتا ہے۔ میرے خیال میں، میں برا انسان نہیں ہوں۔ میری فیملی آپ جانتی ہیں۔ تعلیم اور جاب سے بھی واقف ہیں۔ دیکھنے میں غالباً ٹھیک ٹھاک ہوں اور سیرت بھی بقول لوگوں کے معقول ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے انکار کر دیا۔ آخر میری شخصیت میں بھلا کون سے خامیاں یا کمیاں ہیں۔ کچھ روشنی ڈالیں گی آپ پر؟'' وہ متبسم لہجے میں دوستانہ انداز اپنائے ہوئے تھا۔

دُرِ مکنون کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔ اپنے بارے میں بات کرتے ہوئے خاصی کسرِ نفسی سے کام لیا گیا تھا۔

''ایسی بات نہیں۔'' وہ بمشکل کہہ سکی۔

''تو پھر؟''

''آپ نہیں سمجھیں گے۔''

''آپ سمجھانے کی کوشش تو کریں۔'' وہ سیڑھیوں کے اسٹیپس پر پاؤں لمبے کرتے ہوئے رسانیت سے بولا۔

دُرِ مکنون کی نظریں اس کے پیروں پر پڑیں۔ جواب اس نے لان کی گھاس پر رکھ دیے تھے۔

''میں آپ کو deserve نہیں کرتی۔''

ایک صبر آزما وقفے کے بعد بالآخر دُرِ مکنون نے کہہ ہی دیا۔

''گویا آپ مجھے اپنے لائق نہیں سمجھتیں۔'' وہ برجستہ بولا تھا۔ دُرِ مکنون نے بے چینی سے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میرا کیا مطلب ہے۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں بلکہ آپ اور مظفر انکل جیسے اچھے لوگوں کی وجہ سے ہی تو لوگوں کا انسانیت پر اعتماد قائم ہے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ میں آپ کو کسی مصیبت میں نہیں ڈال سکتی۔ حالات کچھ اور ہوتے تو شاید آپ جیسے کسی شخص کی زندگی کا حصہ بننے پر میں فخر کرتی۔ مگر اب نہیں۔ آپ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانا چاہتے ہیں جو کہ پاسبل نہیں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بہت کچھ کہہ گئی تھی۔ جس پر عکرمہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ وہ برجستہ بولا۔

''لیکن میں اپنی زندگی میں آپ کو... صرف آپ کو شامل کرنا چاہتا ہوں۔'' لہجہ مضبوط تھا۔

کچھ تھا اس کے چہرے پر جس نے دُرِ مکنون کو یک دم چپ کرا دیا تھا۔ اور اس کے خاموش ہونے پر جو جملہ عکرمہ کے منہ سے نکلا اس نے دُرِ مکنون کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے۔ لاشوں کو کندھوں پر اٹھا کر زیادہ دور تک نہیں چلا جا سکتا۔ آپ کیوں ترس کھا رہے ہیں مجھ پر۔'' وہ بے اختیار کہہ اٹھی۔ اس کا لہجہ بھیگنے لگا تھا۔

''آپ سے کس نے کہا کہ میرا یہ فیصلہ ترس یا ہمدردی پر مبنی ہے؟'' جواباً عکرمہ نے برجستہ سوال کر لیا تھا۔ دُرِ مکنون نے اس کی آنکھوں میں قدرے حیرت سے دیکھا۔

''تو پھر؟'' یہ دو الفاظ جیسے اس کے چہرے پر لکھے تھے۔ تاہم لب خاموش تھے۔

عکرمہ کی آنکھوں میں کچھ تھا۔ دُرِ مکنون کو لگا جیسے اس کے جسم کا سارا خون اس کے چہرے کی طرف دوڑ پڑا ہوا۔ وہ یک دم کرنے لگی تھی۔

عکرمہ کی دبی مسکراہٹ ایک واضح تبسم میں ڈھلی۔

دُرِ مکنون کی نظر جھکی تھی۔ ایک عجیب سی کیفیت نے اسے حصار میں لے لیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ خود میں کیا محسوس کر رہی ہے۔

''میں ایک پریکٹیکل سا انسان ہوں دُرِ مکنون۔ بہت خوب صورت الفاظ شاید میرے پاس نہیں ہیں۔ مگر آپ کو اتنا یقین ضرور دلانا چاہوں گا کہ میری خواہش، ہمدردی، ترس یا کسی قسم کے پریشر کا نتیجہ ہرگز نہیں۔ اور اگر آپ کے

انکار کی وجہ محض یہ غلط فہمی ہے تو پلیز اسے دور کرلیں۔ رہ گئی لاشوں کو کندھوں پر اٹھا کر چلنے کی بات تو آپ ایک زندہ انسان ہیں۔ ہاں شاید زندگی کی خواہش آپ کے اندر دم توڑ گئی ہے۔ تب بھی یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ہم مل کر اس خواہش کو دوبارہ زندہ کرلیں گے۔'' وہ کس قدر رسانیت سے، ہموار لہجے میں بول رہا تھا۔

دُرِمکنون کو دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس ہوئی۔ کتنے عرصے بعد اسے ''کچھ محسوس'' ہوا تھا۔ ورنہ کچھ عرصے سے تو جیسے احساسات کے کانچ پر گرد کی تہ سی جمی ہوئی تھی۔

اس کا دل جیسے پگھلنے لگا تھا۔ آنکھوں سے نمی بہنے کو بے تاب ہوئی۔

''پلیز مت کریں اپنے ساتھ اس طرح... میں سوائے پریشانی اور مصیبت کے کسی کو کچھ نہیں دے سکتی۔''

''یہ محض مفروضہ ہے۔ اور آپ کے ذہن کی اختراع۔''

''نہیں۔ یہ حقیقت ہے۔ جو اس گھر کے در و دیوار گزشتہ تین سال سے برداشت کررہے ہیں۔''

''یہ بھی غالباً آپ کی ذاتی رائے ہے۔'' وہ سیڑھیوں کے اسٹیپس پر پیر پھیلائے بڑے سکون سے بات کررہا تھا۔ نظریں سامنے کی طرف مرکوز تھیں۔

دُرِمکنون نے بیچارگی سے اس کی جانب دیکھا۔

''کیوں خود کو طوفان کے حوالے کرنا چاہتے ہیں آپ۔ جبکہ آپ کے لیے تو اس شہر کی سب سے اچھی لڑکی بھی بخوشی راضی ہوسکتی ہے۔''

''ہوتو سکتی ہے مگر ہو نہیں رہی۔ عجیب، عجیب سے واہموں میں گھری ہوئی ہے۔'' اس بار وہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ گہری اور نرم نگاہوں نے درمکنون کو گرفت میں لیا تو اس کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔

اس نے بڑی خفت سے نظریں چرائیں۔

عکرمہ کی نظروں کا ارتکاز اور مسکراہٹ اس کے گرد بنا بے حسی کا خول چٹخائے دے رہا تھا۔ وہ خود پر احساسات کا غلبہ محسوس کرکے بے چین سی ہوگئی اور یک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

عکرمہ نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور پھر خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''ابھی گھر میں کسی کو آپ کے انکار کے بارے میں نہیں پتا۔ میں نے بتایا نہیں۔ زوہا ایک بار پھر آپ سے پوچھنے آئے گی۔ پلیز اس بار سوچ کر جواب دیجیے گا۔'' اب وہ دونوں مقابل تھے۔ عکرمہ کی بھاری آواز میں کہا گیا جملہ دُرِمکنون کا سر جھکا گیا۔

''ہمارے بزرگ ہمارے لیے جو سوچتے ہیں بہتر ہی سوچتے ہیں۔ مرد کے مضبوط حوالے کے بغیر واقعی اس معاشرے میں خواتین کے لیے جینا آسان نہیں۔'' ٹھہرا ہوا متین ناصحانہ لہجہ خلوص سے معمور تھا۔

دُرِمکنون نے ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے بیچارگی سے دیکھا۔

''اظہار بھائی کی درندگی پر اس گھر کا ایک، ایک شخص آپ کا قرض دار ہے۔ معافی کا تو سوال ہی پیدا ہی نہیں ہوتا۔ میں تو آپ سے نظر بھی ملانے کے لائق نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کسی کا ساتھ چن لیں۔'' جینز کی جیبوں میں انگلیاں پھنسائے عکرمہ، دُرِمکنون کے وجود سے پرے کہیں دیکھ رہا تھا۔ لہجہ شرمندگی سے یوں چور تھا جیسے اس غلیظ نیچ حرکت کا ذمے دار وہ خود ہو۔

''تو کیا آپ compensate کرنا چاہتے ہیں؟''

بے اختیار..... بلا ارادہ اس کے لبوں سے سوال پھسلا تھا۔

جواباً عکرمہ نے چونک کر اس کی طرف نظریں پلٹائی تھیں۔

یک دم اس کے لبوں پر شوخ مسکراہٹ ابھری۔

''آپ مجھ سے کیا سننا چاہتی ہیں دُرِ مکنون؟'' لہجہ بھاری تھا۔
درمکنون کو اپنے کانوں کی لویں تک سرخ پڑتی محسوس ہوئیں۔
دل کی دھڑکن رفتار سے کچھ زیادہ ہی تیز ہوئی تو وہ اس کے سامنے مزید ٹھہر نہ سکی اور پلٹ کر گھر کے داخلی دروازے سے اندر چلی آئی۔ رفتار معمول سے زیادہ تھی۔
اور جس لمحے وہ دادی کے پہلو میں آ کر لیٹی اسے اپنے دل کی دھڑکن کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔
کتنی ہی دیر اسے اپنی سانسوں کو اعتدال پر لانے میں لگی۔ اور پھر دھیرے دھیرے عکرمہ سے ہوئی گفتگو اس کے ذہن میں تازہ ہوتی گئی۔
اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اس سے عکرمہ نے کہا ہے۔
گزرے عرصے میں عکرمہ کے خلوص بھرے رویے نے اسے گویا خرید لیا تھا۔ اور جو آپ کے لیے خلوص سے سوچے، فکر کرے۔ آپ کو بھی تو اس کا خیال کرنا چاہیے۔ اس گھر کے مکینوں کے اس پر ان گنت احسانات تھے۔
''عکرمہ کو کسی بہت اچھی لڑکی سے شادی کرنی چاہیے۔ جو اُن کی زندگی کو سنوار دے۔ میں وہ لڑکی ہوں نہ اس قابل... یوں بھی شادی کرنا میرے نصیب میں نہیں ہے۔ میں کچی مٹی نہیں ہوں کہ جسے گوندھ کر کوئی برتن بنا لیا جائے۔ ٹوٹا ہوا کانچ ہوں۔ جو بھی جوڑنے کی کوشش کرے گا اپنے ہاتھ زخمی کر ڈالے گا۔'' اس کے شعور نے فیصلہ کر لیا تھا۔
اس نے کروٹ بدل کر سونے کی خاطر پلکیں موندیں تو دو گرم گرم آنسو رخساروں پر بہہ کر تکیے میں جذب ہو گئے۔
وہ جانتی تھی کہ عکرمہ ایک بہت اچھا انسان ہے۔ مگر وہ اس کے لائق نہیں تھی نہ بن سکتی تھی۔ یہ قسمت کا لکھا تھا جسے وہ چاہ کر بھی بدل نہیں سکتی تھی۔

فیصلہ کر کے وہ مطمئن تھی۔ اور منتظر تھی کہ کس دن جواب طلبی ہوتی ہے مگر ہفتہ بھر گزرنے کے باوجود دوسری طرف سے خاموشی تھی۔ وہ حتی الامکان کوشش کرتی کہ عکرمہ کے سامنے نہ آئے مگر ایک گھر میں رہ کر یہ ممکن نہ تھا۔ تاہم جب بھی سامنا ہوتا وہ نظر جھکا کر منظر سے غائب ہونے کی کوشش کرتی۔ جبکہ عکرمہ کا رویہ معمول کا تھا۔
وہ اس سے یوں بات کرتا جیسے انکار و تکرار کے مراحل ان کے درمیان گزرے ہی نہ ہوں۔ دُرِ مکنون اس کے تحمل پر حیران ہی رہ جاتی۔
تاہم فیصلہ اس نے کر لیا تھا۔ اور ارادہ بھی باندھ رکھا تھا کہ یکے بعد دیگرے ہونے والے دو واقعات نے اس کے ارادے اور فیصلے کو نہ صرف ضرب لگائی بلکہ اسے بھی دہلا کر رکھ دیا۔
فرحان نامی شخص جس سے ردا کی رخصتی والے روز اس کی ملاقات کرائی گئی تھی۔ اس کی فیملی نے دُرِ مکنون کے لیے پروپوزل بھیج دیا تھا۔ اس نے سائرہ بیگم کو فون پر کسی سے بات کرتے یہ سب سن لیا تھا۔
سائرہ جتنی خوش تھیں درمکنون اتنی ہی متفکر سی اوپر آئی۔ وہ ابھی ابھی طاہرہ آنٹی کے پاس سے لوٹی تھی کہ اوپر آتے ہوئے سائرہ کی آواز کے ذریعے یہ خبر اس تک پہنچی۔
''یا اللہ، اب کیا کروں؟'' وہ پریشان سی لاؤنج میں پڑے صوفے پر تھکی، تھکی سی آ بیٹھی۔
سامنے ہی دادی کارڈلیس فون ہاتھ میں لیے غالباً زارا سے بات کر رہی تھیں۔
اس نے کچھ سوچ کر وہاں سے اٹھنا چاہا ہی تھا کہ دادی نے اشارے سے اسے پاس بلا لیا۔
''لو دری آ گئی۔ خود ہی پوچھ لو۔''
اس کے نزدیک آتے ہی دادی نے کہہ کر فون اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا اسے کارڈلیس تھامنا ہی پڑا۔ دوسری طرف زارا تھی۔ اس کی خیریت اور صحت کے متعلق کچھ دیر اس سے بات کرتی رہی اور پھر اچانک ہی

فون اظہار صاحب نے لے لیا تھا۔ درمکنون کے اعصاب جیسے منجمد ہو گئے۔

''کیا حال ہے سالی صاحبہ!'' استہزائیہ لہجہ گویا اس کی بے بسی کا مذاق اڑا رہا تھا۔ سامنے دادی بیٹھی تھیں۔ دُرِمکنون خون کے گھونٹ پی رہی تھی گویا۔

''سنا ہے نصیبِ دشمناں طبیعت ناساز تھی آپ کی۔ چچ چچ۔ اصل میں نازک بھی تو بہت ہیں آپ۔'' بظاہر وہ بڑے نارمل لہجے میں بات کر رہے تھے۔ دُرِمکنون کے لیے لمحہ بھاری تھا۔ زبان پر تالے پڑے تھے۔ وہ حیرت اور صدمے سے چور تھی کہ اتنی گری ہوئی حرکت کرنے کے بعد بھی وہ شخص کس دھڑلے سے اس سے بات کر رہا تھا۔

''ہمیں پتا چلا کہ عکرمہ کی شادی کے لیے لڑکیاں دیکھی جا رہی ہیں۔ ہم آئیں گے، اب تو ضرور آئیں گے۔ جو کام ادھورا رہ گیا ہے اسے بھی تو پورا کرنا ہے۔'' اظہار صاحب ہنستے ہوئے کچھ ایسے لہجے میں بولے کہ دُرِمکنون کا پورا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ ریڑھ کی ہڈی میں جیسے برف سی اتر گئی تھی۔

اس نے دیکھا دادی اٹھ کر کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔ کپکپاتی انگلیوں سے اس نے یک دم بٹن پش کر کے لائن کاٹ دی تھی۔

اس وقت اس کی حالت ایسی تھی جیسے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ پورا وجود جیسے زلزلوں کی زد پر تھا۔

اظہار صاحب کے جملے میں چھپی دھمکی پر اس کا دل پتے کی طرح کانپ اٹھا تھا۔ وہ بمشکل اپنی جگہ سے اٹھ کر دادی کے ساتھ والے کمرے میں آ چھپی۔ اس کے ہاتھ پاؤں اس وقت بری طرح کپکپا رہے تھے۔

فرحان اور اظہار صاحب کے ہیولے اس کے تصور کے پردے پر آ، آ کر اسے دہلا رہے تھے۔ اس نے زور سے آنکھیں بند کر کے خود کو اذیت بھری سوچوں سے نجات دلانے کی کوشش کی۔

.....☆.....☆.....

عینی سے دُرِمکنون کے متعلق جان کر کہ وہ پہلے سے بہتر ہے۔ اس نے خود کو خاصا ہلکا محسوس کیا تھا۔ صبح، صبح آفس کے لیے نکلنے سے پہلے اس نے لاہور کال کی تھی۔ بظاہر گھر والوں کی خیریت دریافت کرنی تھی۔ مگر وہ جانتا تھا کہ عینی سے بات ہوئی تو وہ ضرور دُرِمکنون کی بابت بات کرے گی۔ اسے گزرا وقت یاد آنے لگا.....

اس کی اسی روٹین کے باعث تو وہ دھیرے، دھیرے لاشعوری طور پر دُرِمکنون کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ دُرِمکنون کو کیا پسند ہے۔ کیا ناپسند ہے۔ وہ کیسا لباس پہنتی ہے۔ وہ کون سی خوشبو لگاتی ہے۔ اس کی تعلیمی سرگرمیاں۔ غیر نصابی مشاغل۔ اس کے سونے جاگنے کے اوقات۔ غرض کہ وہ دُرِمکنون کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس سے کرنے کی عادی تھی۔ اور وہ اس کی بک بک بے دھیانی سے سنتے، سنتے نہ جانے کب اور کیسے درمکنون کے ذکر میں لاشعوری طور پر دلچسپی لینے لگا تھا۔

اور پھر وہ زاویار جسے کسی دوسرے کے بارے میں سوچنے کی عادت نہیں تھی۔ وہ کبھی کبھار انصاری ہاؤس آنے والی دُرِمکنون کا منتظر رہنے لگا تھا۔

آج اتنے سال بعد بھی یہی ہوا اسے عینی سے دُرِمکنون کے بارے میں مکمل رپورٹ مل گئی تھی۔

.....☆.....☆.....

رات بھر وہ ٹھیک ٹھاک بخار میں تپتی رہی تھی۔ دوسرے دن چھٹی تھی۔ مگر دادی کے ساتھ وہ بھی صبح جلدی جاگ گئی تھی۔ بخار اتر گیا تھا۔ حسبِ معمول نیچے سب سو رہے تھے۔ لہٰذا دادی نے اوپر ہی ناشتا تیار کر لیا۔

ٹیبل پر عکرمہ کا اس سے سامنا ہوا تو وہ محسوس کیے بنا نہ رہ سکا کہ وہ اپ سیٹ ہے۔ چائے کے سپ لیتے ہوئے وہ مسلسل اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کر رہا تھا۔

''ٹھیک سے کھائیں دُرِمکنون۔'' بالآخر اس نے دُرِمکنون کو ٹوک ہی دیا۔ جو گھنٹے بھر سے ایک سلائس کھانے

میں ناکام رہی تھی۔ دادی دوا لینے کمرے کی طرف گئیں تو وہ بول پڑا۔

جواباً اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے بیچارگی سے سر جھکا لیا تھا۔

''اگر آپ میری موجودگی سے اپ سیٹ فیل کر رہی ہیں تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ مگر ڈھنگ سے ناشتا تو کریں۔'' اس نے ہلکی آواز میں کہا تو دُرِ مکنون نے بے اختیار نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ جو نہایت درجے کی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور اگر وجہ ''میں'' نہیں ہوں۔'' شہادت کی انگلی سے اپنی جانب اشارہ کرتے ہوئے وہ کرسی کی بیک سے لگ کر بیٹھ گیا۔

''تو پھر بتایئے کہ مسئلہ کیا ہے؟''

جواباً دُرِ مکنون نے سر کو نفی میں جنبش دے کر نظر چرالی تھی۔

چند لمحے وہ یوں ہی جانچتی نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر یک دم کرسی پیچھے کی طرف دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اوکے دین ٹیک یور ٹائم۔ جب آپ کو ٹھیک لگے تب بتا دیجیے گا۔'' اس کا لہجہ ٹھنڈا ٹھار تھا۔ دُرِ مکنون پشیمانی سے سر بھی نہ اٹھا سکی اور وہ وہاں سے چلا بھی گیا۔

''کتنی اچھی طرح سمجھتا ہے یہ شخص تمہیں درمکنون۔ تمہاری ہر پریشانی کو بنا کہے ہی جان لیتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ محض ہمدردی ہے؟'' جوں، جوں یہ سوال گرداب بن کر اس کے اندر پھیلتا گیا۔ توں، توں دل کی ملامت بڑھنے لگی۔

☆......☆......☆......

''ہمارے مذہب میں محرم کے بغیر رات کا سفر تک منع ہے۔ جبکہ تمہیں مجبوراً کسی محرم رشتے کے بغیر شیرازی ولا

دوسرا فائر
آخری صفحات پر نشور ھادی کے قلم سے
محبت کی زنجیروں میں ایک خوب صورت رشتے کی عبرت اثر داستان

نفس گزیدہ
گمشدہ تاریخی گوشوں پر ایک گہری نظر......ابتدائی
صفحات پر زویا اعجاز کے قلم کا جادو

شہ زور
عشق و محبت کے سحر انگیز جذبوں کی جنوں خیزی، لطیف رشتوں اور کثیف سازشوں کے جال اسما قادری کے قلم کا کمال

ساشا
کبھی پر خطر جزیروں، کبھی بغاوتوں کے جنگل میں بھٹکتے مسافر کی داستان...... عمر عبداللہ کے قلم کا شاہکار

اس کے علاوہ
تنویر ریاض، کاوش صدیقی، منظر امام، اعتزاز سلیم وصلی، ظفر اقبال ظفر، غوثیہ شبیر، شاکر لطیف، شاہ زین رضوان اور صبا مغل کی خوب صورت تحریریں

میں رہنا پڑ رہا ہے۔ ایسے میں اگر اللہ تمہیں موقع دے رہا ہے تو اسے مت ٹھکراؤ دُرِ مکنون۔ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو گزرا ہے۔ اس کے بعد تو بیٹا تمہیں اپنے لیے آنے والے کسی بھی پروپوزل کے لیے فوراً ہاں کہہ دینی چاہیے۔'' دل پر خوف اور دکھ کا بوجھ بہت بڑھ گیا تھا۔

طاہرہ بڑی ماہر سائیکاٹرسٹ تھیں۔ تھراپی کے دوران انہوں نے اس سے اس کے خوف کی وجہ اگلوالی تھی۔ اور اسے پتا بھی نہیں چلا کہ کس طرح وہ انہیں اظہار صاحب کی مذموم کوشش اور فرحان و عکرمہ کے پروپوزلز کے بارے میں بتاتی چلی گئی۔ جسے سننے کے بعد طاہرہ نے اپنے اعصاب پر بڑا بوجھ سا محسوس کیا۔ اظہار صاحب سے وہ مل چکی تھیں۔ ردا کی شادی کے سلسلے میں ملنا جلنا، سلام علیک رہی تھی ان سے۔

اپنے کیریئر میں انہوں نے ایسے کئی واقعات سن رکھے تھے۔ مگر پہلی بار کسی آشنا شخص کے بارے میں سنا۔ درحقیقت انہیں اس وقت دُرِ مکنون پر شدید ترس آ رہا تھا۔ اس لیے پیار سے اسے سمجھانے لگیں۔

''کیسے ہاں کہہ دوں آنٹی۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔ بہت خوف آتا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں سر دیتے ہوئے بولی تھی۔

''میں بالکل اکیلی رہ گئی ہوں۔ تنہا ہوں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی آنسو اس کے گالوں کو بھگونے لگے تھے۔

''بندہ کبھی اکیلا نہیں ہوتا میری جان۔ اللہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ باقی رہ گئی بات دنیاوی رشتوں کی تو جو رشتے تم سے چھن گئے۔ ان کو تو تم دوبارہ نہیں لا سکتیں بیٹا مگر نئے بندھن تو باندھ سکتی ہوں ناں۔'' انہوں نے اسے اپنے سے لگا لیا۔

''مگر مجھے مردوں سے ڈر لگتا ہے آنٹی۔'' وہ ان کے سینے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔ طاہرہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا۔

''نہ روبیٹا۔ نہ رو۔'' انہوں نے اسے خود سے علیحدہ کر کے اس کے آنسو صاف کیے۔ ''میں تمہاری فیلنگز سمجھتی ہوں دُرِ مکنون مگر یہ ایک فیکٹ ہے کہ عورت ہر مرد سے خوف زدہ ہوتی ہے۔ سوائے اپنے شوہر کے۔ دنیا کے دوسرے مردوں سے اسے اپنے سر کی جس چادر کے چھن لیے جانے کا ڈھڑکا ہوتا ہے۔ اس کا محافظ ہوتا ہے شوہر۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔

دُرِ مکنون نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''قسمت بار، بار دروازے پر دستک نہیں دیتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم عکرمہ کے لیے ہی ہاں کہو۔ اگر تمہیں وہ دوسرا پروپوزل پسند ہے تو اسے ''اوکے'' کر دو۔ مگر گزرتے وقت کو مٹھی میں قید کر لو دری۔ وقت ایک بار چلا جائے تو پلٹتا نہیں۔'' انہوں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ان کے کندھے سے دوبارہ لگ گئی۔

اور پھر جو فیصلہ عکرمہ کی سحر انگیز شخصیت اور خلوص، مظفر صاحب کی محبت اور دادی کی شفقت اس سے نہ کرا سکی۔ اظہار صاحب کی دھمکی کرا گئی۔ کچھ سائرہ بیگم کے تیور بھی اسے سمجھا گئے تھے کہ اگر اس نے عکرمہ کے لیے ہاں نہ کہی تو وہ اسے زبردستی فرحان علی کے سنگ رخصت کر دیں گی۔

طاہرہ آنٹی کے مشورے نے فیصلہ کرنے میں آسانی فراہم کی۔

خبر کوئی معمولی نہیں تھی۔ شیرازی ولا میں جیسے یک دم بہار اتر آئی تھی۔

دُرِ مکنون نے حیرت سے سب کے خوشی سے معمور چہروں کو دیکھا۔ پہلی بار دل کو کچھ سکون محسوس ہوا تھا۔

دادی اور مظفر انکل کے شفقت بھرے شکریے نے اسے خفت سے دوچار کیا۔ آج تو ردا بھی مسکرا رہی تھی اور سیف کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔

اس کی نظروں نے سائرہ بیگم کو ڈھونڈا مگر حسب توقع وہ وہاں موجود نہیں تھیں۔

درونِ دل ایسی خاموشی تھی کہ اردگرد موجود لوگوں کی ہنسی مذاق سے بھی ٹوٹ نہیں سکی۔ آصف وکھیل چ
اپنے کمرے سے باہر آیا تو اسے دیکھ کر درمکنون نے اپنے اندر جھانکا۔

''کچھ لوگ جسمانی معذوری کا شکار ہوتے ہیں جیسے آصف بھائی۔ کوئی ان سے نہیں کہے گا کہ سیڑھیاں چڑ
اوپر جاؤ۔ وہاں تمہارے لیے وہ کچھ رکھا ہے۔ جو تمہاری زندگی بدل دے گا۔ مگر مجھ جیسے ذہنی اپاہج سے ہر طرح
امید رکھی جارہی ہے۔ میری معذوری کسی کو نظر نہیں آتی۔ حالانکہ کچھ زیادہ فرق تو نہیں ہے ان میں اور مجھ میں۔''

دادی نے کیک منگوالیا تھا۔ ردا سائرہ کو بھی بلالائی تھی۔ لاؤنج میں بہت اچھا ماحول بن گیا تھا۔

جس لمحے عکرمہ اندر داخل ہوا۔ ردا، سیف اور زوہا نے یک دم مبارک باد کا شور مچادیا تھا۔

چند ثانیے اسے بات سمجھنے میں لگے اور جب زوہا نے انگلیوں سے V وکٹری کا نشان بنایا۔ اس کے چہرے
طمانیت بھرا تبسم پھیل گیا۔ نگاہوں نے بلا ارادہ دُرِمکنون کو تلاشا تھا۔

وہ باٹل گرین سوٹ میں ملبوس دادی کے پاس بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ زوہا زبردستی اسے
کھینچ کر دادی کے پاس لے آئی۔

''چلو بیٹھو عکرمہ، منہ میٹھا کرو۔ ہم سب تمہارا ویٹ کررہے تھے کہ آؤ گے تو یہ کیک کاٹیں گے۔'' دُرِمکنون
ساتھ والے صوفے پر اسے دھکیلتے ہوئے زوہا نے کہا تو وہ اسے آنکھیں دکھاتا بیٹھ گیا۔

''تھینکس آلاٹ۔''

آہستگی سے کہا گیا شکریہ دُرِمکنون کے کانوں تک پہنچ گیا تھا۔ جس پر اس نے بے اختیار عکرمہ کی طرف دیکھا
نہ جانے وہ اس کے چہرے پر کیا کھوجنا چاہ رہی تھی۔

عکرمہ اسے اپنی طرف اس قدر توجہ سے دیکھتا پاکر معنی خیزی سے مسکرایا۔ کچھ زوہا نے بھی شرارت سے
کھنکھارا تو وہ خفت سے سرجھکا گئی۔ فون کرکے طاہرہ کو بھی بلوالیا گیا تھا۔ ساتھ میں فارینہ بھی تھی۔

دُرِمکنون مبارک سلامت کے شور میں عکرمہ اور فارینہ کو غائب دماغی سے دیکھتی رہی اور اس کے ذہن میں
ان دونوں کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر عجیب، عجیب سے تانے بانے بنتے رہے۔

اسی دم وائبر پر زارا کی کال بھی آگئی تھی۔ زوہا نے اسے مطلع کردیا تھا۔

مبارک باد کے لیے جب فون دُرِمکنون کی طرف بڑھایا گیا تو اس کے چہرے پر لکھا خوف پڑھتے ہوئے عکرمہ
نے ہاتھ بڑھا کر فون لے لیا۔ انداز معمول کا سا تھا جیسے اسے خبر ہی نہ ہو کہ زوہا نے فون دُرِمکنون کی طرف بڑھایا تھا۔

اگلے لمحے وہ بہت خوش مزاجی سے زارا سے ہم کلام رہا اور جب اظہار صاحب فون پر آئے تو اس کے لہجے کی
سختی، برودت اور حقارت بھری نفرت اس کے لہجے سے جھلک رہی تھی۔ اور کسی نے تو محسوس نہیں کیا مگر ساتھ بیٹھی
دُرِمکنون کی مڑی ہوئی گھنی پلکوں نے نمی کو بمشکل اندر کی جانب دھکیلا تھا۔

بہت مختصر سے چند فقرے جواب میں کہہ کر اس نے فون دادی کو تھمایا۔ اور پھر کیک کا پیس اٹھا کر کھانے لگا ہی
تھا کہ دُرِمکنون کے خالی ہاتھوں کی طرف نظر گئی۔ اس نے پلیٹ اس کی طرف بڑھادی۔

بے خیالی میں یہ حرکت اس سے سرزد ہوگئی تھی۔ جس پر وہاں موجود ینگ جنریشن نے اتنا شور مچایا کہ وہ دادی
اور چچا کے سامنے جھینپ کر رہ گیا۔ دُرِمکنون بھی گلابی پڑگئی تھی۔ پھر کافی دیر تک ہلا گلا رہا۔

سیف اور سعد اس کے سر ہوگئے کہ وہ سب کو کسی ہوٹل میں ٹریٹ دے۔

''ارے آپ سب میرے پیچھے کیوں پڑگئے ہیں۔ دُرِمکنون سے کہیں ویسے بھی لیڈیز فرسٹ کا اصول بھی کوئی
چیز ہے۔'' وہ پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہا تھا۔

''شرم کرو عکرمہ۔ پروپوزتم نے کیا تھا دُری کو۔ اب اس نے ہاں کہہ دی ہے تو فرض تمہارا بنتا ہے کہ ٹریٹ دو

ہمیں۔'' زوہا لڑاکا طیارہ بن کر آ گئی تھی۔ جس کا ساتھ ردا اور آصف نے بھی دیا۔ لہٰذا اس نے بظاہر بہ حالتِ مجبوری حامی بھر لی۔ دُرِمکنون نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

''ایک نمبر کا کنجوس ہے یہ دُرّی۔ تم اس کی فکر مت کرو۔ اکاؤنٹ بھرا ہے اس کا۔ مگر ہم پر خرچ کرتے جان جاتی ہے اس کی۔ تم ابھی سے لگامیں کس لینا۔ نہیں تو بعد میں پچھتانا پڑے گا تمہیں۔'' زوہا نے اس کی ہچکچاہٹ محسوس کی تو صاف صاف بولی۔

''بہت افسوس کی بات ہے زوہا۔ میں تمہیں ٹریٹ دے رہا ہوں۔ اور تم میری ہی ہونے والی مسز کے کان بھر رہی ہو۔ دیٹس ناٹ فیئر ایٹ آل۔'' جواب میں عکرمہ نے زوہا کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

''تمہاری مسز بعد میں بنے گی۔ میری کزن تو ہمیشہ سے ہے یہ۔'' زوہا نے خوشی سے ساتھ کھڑی درمکنون کو لپٹا لیا۔ اس کے انداز میں جو محبت تھی۔ درمکنون کا ''اندر'' اس سے بھیگنے لگا۔

ردا، دُرِمکنون کو اپنے ساتھ اوپر لے آئی۔ اور پھر اس کے نہ نہ کرتے بھی دادی کے کہنے پر اسے شیفون کا فیروزی کلر کا سوٹ پہننا پڑا جس کی تراش خراش نہایت حسین تھی۔

ردا نے آئی لائنر لگا کر مرون لپ اسٹک لگا دی تھی۔ ساتھ میں میچنگ جیولری تھی۔ یہ سوٹ ردا کے ولیمے کے لیے سائرہ نے بطورِ خاص اس کے لیے سلوایا تھا۔

اس نے احتجاج کرنا چاہا مگر آج کوئی کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھا۔

وہ سر سے پیر تک اسے سجا کر جب نیچے لائی تو فون پر ولی کو یہ خبر سناتے عکرمہ کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ اس کی نظر دُرِمکنون پر پڑی تو کتنی ہی دیر پلٹ نہ سکی۔

''irresistible'' (ناقابلِ مزاحمت) ایک بار پھر دل نے ایمانداری سے رائے دی۔

دادی اور مظفر صاحب نے ساتھ جانے سے منع کر دیا تھا کہ بچے اُن کی موجودگی میں ٹھیک سے انجوائے نہیں کر سکیں گے۔ سائرہ بیگم نے بھی موقع غنیمت جانا اور ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ آصف نے بھی جان چھڑانی چاہی تھی مگر سعد اور عکرمہ نے ایک نہ سنی۔ عکرمہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا تو زوہا نے دُرِمکنون کو زبردستی اس کی ساتھ والی سیٹ پر لا بٹھایا۔

''باقی سب کہاں ہیں! ردا کو بھیجو ادھر۔'' عکرمہ نے کسی کو بھی اس طرف نہ آتا دیکھ کر پوچھا۔

''کوئی بھی کباب میں ہڈی بننے کو تیار نہیں۔ آپ دونوں نکلیں۔ ہم سب پیچھے آ رہے ہیں۔'' زوہا دونوں کو شوخ نظروں سے دیکھتی آگے بڑھ گئی۔ دُرِمکنون بے بسی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

''یہ سب بھی ناں۔ کمال ہیں۔'' عکرمہ نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ متبسم تھا۔ دُرِمکنون شیشے کے پار دیکھنے لگی۔ چند لمحے خاموشی رہی جس کو عکرمہ کی آواز نے توڑا۔

''آر یو ہیپی۔ دُرِمکنون۔'' سوال تھا کہ منوں ٹنوں بوجھ۔

وہ کچھ دیر بول ہی نہیں سکی۔

''کیا آپ خوش ہیں؟'' پھر ذرا سا رخ موڑ کر عکرمہ کی جانب دیکھا۔

سوال در سوال۔ وہ پوچھ رہی تھی۔

''کیا نہیں ہونا چاہیے ہمم'' گہری مسکراہٹ، تر و تازہ لہجہ اور آنکھوں میں مخاطب کو زیر کرنے والے تمام رنگ۔ درمکنون کی پلکوں پر گویا منوں بوجھ آ دھرا۔ پھر بقیہ تمام راستہ وہ دونوں خاموش رہے۔

.....☆.....☆.....

جینز کے پائنچے پنڈلیوں تک موڑے وہ سمندر کے ٹھنڈے پانی میں کھڑا تھا۔ چاند کی آخری تاریخ تھی۔ اس

لیے آسمان پر اور گہرے سمندر پر بھی دبیز اندھیرے کا راج تھا۔ ہر طرف صرف شڑ، شڑ کرتی منہ زور لہروں کا شور تھا۔ اور وہ ان سب سے بے نیاز اندھیرے میں کسی لامتناہی نقطے پر نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔ عجیب پُرہول اور بھیانک سا منظر تھا۔ مگر زاویار انصاری کے اندر پھیلے سکوت اور خاموشی کو کسی شے نے بھی ضرب نہیں لگائی۔ چند گھنٹوں پہلے نازیہ خالہ کے منہ سے نکلے الفاظ اسے جیسے جڑوں سے اکھاڑ لے گئے تھے۔

''دُرِمکنون کی اگلے ماہ شادی طے ہوگئی ہے۔'' ڈنر ٹیبل پر بظاہر عاصمہ سے کہتے ہوئے درحقیقت اسے ہی سنایا گیا تھا۔ چاول سے بھرا چمچ منہ میں لیتے ہوئے وہ بری طرح ٹھٹکا تھا۔ نظر اٹھا کر اس نے گویا تصدیق کے لیے نازیہ کی جانب دیکھا۔

''اچھا..... مگر کس سے؟'' عاصمہ نے آہستگی سے سوال کیا۔ اُن کے لہجے میں تاسف بول رہا تھا۔ زاویار جانتا تھا کہ کیوں؟

''سائرہ کے جیٹھ کا بیٹا ہے ناں عکرمہ..... اس سے۔ آج صبح افروزہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا۔'' نازیہ نے اپنی اور سائرہ کی مشترکہ دوست کا نام لیا۔

''میرا خیال ہے یہ وہ ہی لڑکا ہے۔ جس سے خولہ کی بات چلائی تھی زارا نے۔'' گہری سانس بھر کر عاصمہ نے بہن کی بات پر اظہار رائے کیا تھا۔

''ہوں۔ بہت کوالیفائیڈ اور ڈیسنٹ ہے عکرمہ۔ دونوں کا کپل خوب جچے گا۔'' نازیہ کا ستائشی انداز واضح تھا۔

زاویار کی آنکھوں میں عکرمہ کا ہیولہ در آیا۔

پچھلے چھ ماہ میں اس سے کئی بار ملنا ہوا تھا اور درحقیقت وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔ مگر آج اس کا ذکر دُرِمکنون کے ساتھ آیا تو جیسے وہ برداشت نہیں کر سکا۔ اگلے لمحے وہ چمچہ پلیٹ میں پٹخ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

نازیہ اور عاصمہ ایک ساتھ چونکیں۔

''کہاں جا رہے ہو زوی۔ کھانا تو پورا کر لو۔'' عاصمہ متفکر ہوئیں۔

''ضروری کام ہے مجھے۔ دیر سے آؤں گا۔ آپ کھانا کھالیں اطمینان سے۔'' بگڑے موڈ میں بیزاری سے کہہ کر وہ گھر سے نکل آیا تھا۔

تو کیا یہ طے ہے کہ اب عمر بھر نہیں ملنا
تو پھر یہ عمر بھی کیوں؟ تم سے گر نہیں ملنا

نمکین ہوا اور نمکین پانی نے اس کے اندر کی بیزاری کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔ جبکہ اس کا دل دُرِمکنون کو پکارنے میں مصروف تھا۔

''دُرِمکنون میں جانتا ہوں کوئی حق نہیں رکھتا تم پر..... مگر محبت کرتا ہوں تم سے۔ پتا نہیں میرا احساسِ جرم زیادہ ہے یا تمہارے لیے میرے اندر پلنے والی محبت اور دیکھو ناں کہ یہ محبت اس قدر زور آور ہے کہ تمہیں اپنے ہاتھوں کھو دینے کے بعد آج میں حوصلہ ہارنے لگا ہوں۔ ٹوٹنے لگا ہوں۔'' اسے اپنے چہرے پر نمی کا احساس ہو رہا تھا۔ نہ جانے یہ نمی سمندر کی دین تھی یا اس کی آنکھوں سے بہہ نکلی تھی۔

وہ ڈپریشن کی اس حد پر تھا کہ اس وقت کچھ بھی کر گزرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ اور اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ سمندر کے کھلے پانیوں میں نہ جانے کتنے میٹر اور آگے چلا آیا ہے۔ اسی اثنا میں اس کی پولو شرٹ کی اوپری جیب میں رکھے سیل فون کی وائبریشن نے کوئی بیسویں (20) بار اسے متوجہ کیا۔

اور اس بار اسے کسی نادیدہ قوت نے مجبور کیا تھا گویا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا اور اسکرین پر نظر جمائی۔

''کاشم'' کا نام اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔ نمی کے باعث اسکرین بہت دھندلی ہو رہی تھی مگر اس گھپ اندھیرے

میں اس کا سیل جگنو کے مانند لگ رہا تھا۔
بیس مسڈ کالز تھیں۔ اس کے شعور نے جیسے کوئی الارم دیا۔
چند لمحوں کے لیے اس کا دھیان چوکا تھا کہ اچانک ایک بڑی لہر نے اسے سر سے پیر تک اپنی آغوش میں لے لیا۔ وہ اس زور آور لہر کا گویا مقابلہ نہیں کر سکا۔ سیل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ سرد نمکین پانی میں غوطے کھا رہا تھا۔
لہر پلٹ کر اسے ساتھ لے جانے کی سعی کرنے لگی تھی۔ جبکہ وہ اپنی تمام تر طاقت کو بروئے کار لا کر ساحل کی طرف جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کتنے ہی لمحے اسی جدوجہد میں گزرے۔ حتیٰ کہ لہروں کا زور کچھ لمحوں کے لیے تھما۔ یہ موقع غنیمت تھا اس نے ایک بار پھر اپنی قوت کو مجتمع کیا اور بھرپور طاقت لگا کر مخالف سمت میں تیرنے کی کوشش کی۔
اس کا پورا جسم ریت سے اٹ گیا تھا۔ اندھیرے کے باعث وہ محض اندازے سے تیر رہا تھا اور پھر کئی منٹوں کی کوشش کے باعث بمشکل وہ ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکا۔ اس کی سانس بری طرح پھول چکی تھی۔
وہ گیلی ریت پر لیٹ کر لمبی، لمبی سانس لینے لگا تھا۔ باوجود کوشش کے پانی اس کے اندر بھر گیا تھا۔ اس نے اپنے اعصاب کو کنٹرول کرنے کی جدوجہد کی۔ ایک بار پھر وہ موت کو اس قدر قریب سے چھو کر لوٹ آیا تھا۔
کتنی ہی دیر وہ ریت پر اوندھے منہ پڑا رہا۔ اسے شدید متلی محسوس ہو رہی تھی۔ اور سر میں درد بھی ہونے لگا تھا۔ اور پھر اچانک اسے قے آئی تھی۔ جس کے بعد اسے کچھ آرام آیا۔
کیا ہو سکتا تھا۔ کیا ہونے والا تھا۔ یاد آیا تو اس نے جھرجھری لی اور بمشکل اٹھ کر بیٹھا۔ حواس واپس آئے تو یاد آیا اسے کلثوم کی کال نے موت کے منہ میں دھکیلا تھا۔ حسب عادت جیب تھپتھپائی تو سیل فون کی غیر موجودگی نے یادداشت کو تازہ کیا۔
''جان کا صدقہ مال۔'' اسے عاصمہ کا جملہ یاد آیا۔
کپڑے گیلے تھے جن پر ریت چپک گئی تھی۔ جسے جھاڑنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اِدھر اُدھر اندھیرے میں ہاتھ مار کر اپنے جوتے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اسے یاد تھا وہ تقریباً اسی جگہ جوتے اتار کر آگے گیا تھا۔
کچھ دیر کی تلاش بسیار کے بعد اس نے تھک کر گویا ہار مان لی۔ اس وقت ساحل پر بہت اندھیرا تھا۔ وہ جان بچانے کی خاطر شاید تیرتا ہوا کسی اور طرف نکل آیا تھا۔
دن ہوتا تو وہ جوتے ڈھونڈنے کی کوشش کرتا مگر اس وقت کلثوم کا خیال اسے زیادہ دیر وہاں روک نہ سکا اور وہ روڈ کی طرف آنے لگا۔ راستے میں پتھر اور ریت پر پڑے کچرے کے باعث اس کے پاؤں جگہ جگہ سے زخمی ہوئے۔ شکر تھا کہ گاڑی کی چابی اس کی جیب میں پھنسی رہی۔ ننگے پاؤں کار چلانا اور بھی مشکل رہا۔ مگر اسے اس وقت جلدی تھی۔ اس کا حلیہ بہت خراب ہو رہا تھا۔ لیکن راستے میں کہیں رک کر وہ اپنے لیے کچھ خرید بھی نہیں سکتا تھا۔ والٹ بھیگنے کی وجہ سے نوٹ بھی گیلے ہو گئے تھے۔
سی ویو سے یونیورسٹی روڈ تک وہ بہت بے چینی اور کوفت میں گویا کار اڑاتا ہوا پہنچا تھا۔
سرفراز کے حوالے کے طفیل اسے اتنی رات کو بھی ہاسٹل کے اندر آنے کی اجازت مل گئی تھی۔ کلثوم اسے ایسے حلیے میں برہنہ پا دیکھ کر حیران ہوئی۔ مگر زاویار نے اسے سوال کا موقع دیے بغیر استفسار کر ڈالا۔
''کیا بات ہے؟''
''میری امی کی ہارٹ بیٹ اچانک بہت گر گئی ہے۔ وہ اسپتال میں ہیں مگر سرفراز صاحب کے منع کرنے کے باعث وارڈن مجھے اسپتال جانے نہیں دے رہی۔'' اس کے پوچھنے پر وہ بتانے لگی تھی۔ آنسو خود بخود بہنے لگے تھے۔
''سرفراز صاحب شاید شہر سے باہر ہیں۔ آپ کو فون کرنے کے علاوہ میرے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔''

وہ شرمندہ تھی۔ زاویار نے جواب میں خاموشی اختیار کیے رکھی۔ تاہم وہ وارڈن سے بمشکل اجازت لے کر اسے اسپتال لے آیا تھا۔ یہاں واش روم جا کر اس نے کسی حد تک حلیہ درست کیا تھا۔ سرکاری اسپتال کا دم گھٹتا ماحول اور بے حس عملہ اسے درحقیقت جھٹکا لگا۔

ہمارے ملک میں غریب لوگوں کو تعلیم اور علاج کی ''سرکاری سہولت'' کس ''قیمت'' پر میسر ہے اس تلخ حقیقت نے اسے بہت متاسف کیا۔

اس نے دیکھا کلثوم کی چاروں چھوٹی بہنیں اسے دیکھ کر روتے ہوئے لپٹ گئی تھیں۔ تاہم کلثوم کے باپ نے اسے ایک نظر بھی دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ کلثوم کو ماں کی بیماری اور باپ کے رویے نے بہت دکھی کر دیا تھا۔ کہنے کو سرکاری اسپتال تھا مگر انہیں دواؤں کی ایک لسٹ تھما دی گئی تھی۔ ان سب کی پریشانی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ دوائیں ان کی استطاعت سے باہر ہیں۔

''لائیں، یہ دوائیں میں لا دیتا ہوں۔'' اس نے کلثوم کے باپ کے ہاتھ سے لسٹ لے لی۔

سلیم غریب آدمی تھا۔ ہاتھ باندھے اس کے پیچھے، پیچھے آیا۔

''آپ اپنے بچے دیکھیں۔ میں اکیلے دوائیں لا سکتا ہوں۔'' اس نے سلیم سے واپس لوٹ جانے کو کہا اور باہر چلا آیا۔

''دکھ واقعی یہ ہوتے ہیں۔ لمحہ، لمحہ زندہ رہنے کا خراج دینا اور پھر بھی پیٹ بھر روٹی نہ کھا پانا۔ جبکہ ہمارے در و تو شاید بھرے پیٹ کی ڈکاریں ہی ہیں۔'' اے ٹی ایم (ATM) سے کچھ کیش نکال کر اس نے دوائیں خریدیں۔ واپسی پر بددلی سے سوچتا آیا تھا۔

''واقعی خوش رہنے کا آزمودہ نسخہ یہی ہے کہ انسان اپنے سے نیچے والوں کو دیکھے۔ شکوے کی جگہ شکر یہ نکلنے لگتا ہے لبوں سے۔ تاہم دل کا کرب سب کا یکساں ہوتا ہے۔ کیا امیر کیا غریب اور ایک اس معاملے میں، میں واقعی غریب ہوں۔'' بستر پر لیٹتے ہوئے اس کی آخری سوچ یہی تھی۔

پھر بقیہ رات دُرِ مکنون اور سمندر کی لہریں اس کے خوابوں میں بھی ہلچل مچاتی رہیں اور کہیں، کہیں کلثوم کا خیال بھی ابھرتا رہا۔

.....☆.....☆.....

''تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ میں نے تو پہلے ہی پوت کے پاؤں پالنے میں دیکھ لیے تھے۔ بقول شاعر

نگاہیں تاڑ لیتی ہیں محبت کی اداؤں کو!
چھپانے سے زمانے بھر میں شہرت اور ہوتی ہے''

ولی کی تو گویا مراد بر آئی تھی۔ خبر سنتے ہی ولی سیدھا شیرازی ولا آ پہنچا تھا۔ عکرمہ اس کی بکواس سننے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا۔ ہلکے سے مسکرا دیا۔

''بائی داوے۔ یہ معما حل کیسے ہوا۔ تم تو میرے لاکھ کہنے پر بھی سو فیصد انکاری تھے۔'' ولی سر ہوا۔

''اس کو قسمت کا کھیل کہتے ہیں۔''

سوال سنجیدہ تھا۔ جواب بھی متانت بھرا ملا۔ ولی جواباً اسے گہری نظر سے دیکھ کر مسکرا دیا۔ پھر شوخی سے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

''ذرا چٹکی تو کاٹنا۔ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔''

جواب میں عکرمہ نے نہایت سنجیدگی سے اس کے بازو کو ٹھیک ٹھاک سختی سے موڑ ڈالا تھا۔

''اُف۔ ذلیل انسان۔ شرم کرو ذرا۔'' ولی بلبلا اٹھا۔

''جاگ گئے اب؟ خواب سے۔'' عکرمہ کی خوشگوار مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''بہت خوب بھئی۔ مزاج میں بڑی شوخی آگئی ہے۔ آبی بھی چاہیے۔ بقول شاعر
تازہ محبتوں کا نشہ جسم و جاں میں ہے
پھر موسم بہار میرے گلستاں میں ہے''
بازو سہلاتے ہوئے اس نے پھر شعر پڑھ ڈالا تھا۔ شعر مکمل ہوتے ہی عکرمہ کا کرارا ہاتھ ولی کی خیریت دریافت کر گیا۔
''کوئی بات نہیں۔ مار لو۔ یہ کھسیاہٹ کا ردِعمل ہے اور کچھ نہیں۔ میں جانتا ہوں۔'' وہ چڑانے سے باز نہیں آرہا تھا۔
اس بار عکرمہ نے محض گھورنے پر اکتفا کیا۔ اسی اثنا میں دُرِمکنون اوپر آئی تھی۔ ولی اور عکرمہ کے کہے گئے الفاظ ابھی ابھی سماعتوں کا حصہ بنے تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ ''بیچارے عکرمہ کو کیا کیا تاویلیں گھڑنی پڑ رہی ہیں۔''
''السلام علیکم!'' ولی اسے دیکھ کر چہکا تھا۔
عکرمہ نے بھی گردن گھما کر دیکھا۔ دُرِمکنون کی نظر لمحہ بھر کے لیے اس سے ملی تھی۔ اس نے آہستگی سے سلام کا جواب دیا تھا۔
''مبارک ہو سسٹر آپ کو اور ساتھ میں میری طرف سے شکریہ بھی کہ اس باگڑ بلے کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے'' آپ'' نے حامی بھر لی۔'' لفظ آپ پر زور دیتے ہوئے اس نے کہا تھا۔
دُرِمکنون کی نظر یک دم جھکی تھی۔
عکرمہ کی موجودگی سے وہ ویسے ہی جھجکی ہوئی تھی۔
ان دونوں نے اسے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔
''چلیں اس خوشی میں سیلیبریٹ کرتے ہیں۔ ڈنر میری طرف سے اس موسٹ الیجیبل کپل eligible couple کے لیے۔''
ولی نے خلوص سے دعوت دی تھی۔
عکرمہ کی نظر بلا ارادہ درمکنون کی طرف اٹھی۔ جس کے گلابی پڑتے چہرے پر گھبراہٹ کی پرچھائیاں یک دم اتری تھیں۔
thanks for the invitation Wali.... but some other day ۔آج گھر پر کچھ گیسٹ انوائٹڈ ہیں۔'' اس نے عذر تراشا تھا
''کون سے گیسٹس۔'' ولی نے بھویں چڑھائیں۔
''ماما جان کی طرف کے ریلیٹوز ..... ہیں۔ دُرِمکنون کو دیکھا نہیں۔ اس لیے ملنے آرہے ہیں۔''
اس نے جواب دیتے ہوئے ولی کو سیڑھیوں کی طرف دھکیلا تو وہ لامحالہ بڑھنے لگا۔
''یہ کیسا برد کھوا ہے۔ جو رشتہ طے ہونے کے بعد ہو رہا ہے۔'' ولی نے نکتہ اٹھایا تھا۔
''وقت بدل گیا ہے۔ اب رسمیں بدلتی جا رہی ہیں۔''
''یہ ساری تبدیلیاں تمہاری باری میں ہی ہونا تھیں۔ ایک تو تم خود ایک عجیب الخلقت انسان ہو۔ اس پر یہ رسمیں۔ میں تو کہتا ہوں۔'' وہ دونوں سیڑھیاں اتر گئے تھے۔ ان کی آوازیں دور ہوتی چلی گئی تھیں۔
''تو گویا سمجھوتے کی پہلی سیڑھی پر عکرمہ نے قدم رکھ ہی دیا اور نہ جانے کب تک میرے باعث انہیں ایسی ہی لنگڑی لولی زندگی گزارنی ہوگی۔'' ان دونوں کے جانے کے بعد اس نے گہری سانس بھری۔
.....☆.....☆.....
''دُرِمکنون کی شادی ہو رہی ہے بھائی۔ بس میں کراچی آرہی ہوں۔ اب مجھے اس کی شادی کے ہر فنکشن میں

لے جانے کی ذمّے داری آپ کی ہے۔''

''دماغ خراب ہے تمہارا کیا۔ میں کیا اتنا ہی فارغ بیٹھا ہوں یہاں جو تمہاری خدمت میں دن رات لگا رہوں گا۔ کوئی ضرورت نہیں آنے کی۔ ڈو یو گیٹ دیٹ۔'' وہ بری طرح دھاڑا تھا۔ ساتھ ہی کھٹاک سے فون بھی پٹخ دیا۔

عینی کے فون نے اسے کھولا دیا تھا۔ ذرا دیر پہلے شہرین کی کال آئی تھی۔ اس پر ہونے والے دُرِّمکنون کی شادی کے ذکر نے اسے ویسے ہی جھلسایا ہوا تھا۔ شہرین کو تو اس نے جھیل لیا تھا کہ وہ اسے کوئی اشارہ نہیں دینا چاہتا تھا مگر عینی اس کے غصے کا نشانہ بن گئی تھی۔ اس نے اسے بری طرح ڈانٹا تھا۔

کل رات وہ کوئی فجر کے وقت گھر لوٹا تھا۔ عاصمہ اس کے چہرے کے پتھریلے تاثرات کے باعث کچھ بھی پوچھنے کی ہمت نہ کرسکیں۔

اور اس لمحے انہیں احساس ہوا کہ وہ کس قدر اکیلی ہیں۔ وہ اسی آتش فشانی موڈ میں آفس پہنچا تھا۔ جس کا اظہار اس کے بات بے بات غصہ ہونے سے اچھی طرح ہو رہا تھا۔

اس کے چپراسی کے ساتھ، ساتھ ماتحت افراد کی بھی شامت آگئی تھی۔ صبح سے یہی چل رہا تھا۔ بالآخر سرفراز اس کے کمرے میں چلا آیا۔

''آئی تھنک۔ آئی نیڈ آ بریک۔'' سرفراز کے استفسار پر اس نے بالوں میں انگلیاں پھنسائیں۔

''ہوں۔ ٹھیک کہتے ہو۔'' سرفراز نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''میں دو ہفتے کی لیو پر جانا چاہتا ہوں۔'' زاویار کی آنکھیں خطرناک حد تک سرخ ہو رہی تھیں۔

''کیا تمہیں لگتا ہے کہ جس مسئلے نے تمہیں الجھایا ہوا ہے وہ اگلے دو ہفتوں میں حل ہو جائے گا؟'' جواب میں سرفراز نے بڑے رسان سے سوال کرڈالا تھا۔

''مطلب۔'' اس نے بھویں سکیڑ کر سامنے بیٹھے سرفراز کی طرف دیکھا جو آج صبح ہی لاہور سے لوٹا تھا مگر کس قدر فریش تھا۔

''مطلب یہ میرے یار۔ کہ مسئلے سے بھاگنے میں نہیں اس کو فیس کرنے میں بہادری ہے۔ جبکہ تم escape کی طرف بڑھتے ہو۔ کم آن یار۔ فائٹ اٹ آف۔ فیس اٹ۔'' سرفراز نہ جانے کیا سمجھا تھا۔ پتا نہیں کس تناظر میں نصیحت کی تھی اس نے۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' زاویار نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا۔

''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تم دو ویکس کے لیے گھر بیٹھنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ مگر اس سے تمہارا پرابلم سولو نہیں ہوگا۔ بلکہ اکیلے رہ کر ذہن اور الجھے گا۔ جبکہ یہاں آؤ گے تو ذہن بٹ جائے گا۔ تمہاری توجہ بٹے گی۔'' سرفراز نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ کچھ تھا اس کی نظروں میں کہ زاویار متفق ہوئے بنا نہ رہ سکا۔

……☆……☆……

عبید بھائی کی فیملی کراچی آنے والی تھی۔ شیرازی ولا میں بھی شادی کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔

دُرِّمکنون کے لیے دن سے رات کرنا مشکل تر ہوگیا تھا۔ جو کچھ ہونے جا رہا تھا وہ اس کے اعصاب کے لیے کسی امتحان سے کم نہیں تھا نہ وہ اس کو روک سکتی تھی۔ اور نہ خود کو مطمئن کرسکتی تھی۔

خوف……خدشے……اندیشے……آج کل بس ان کے مابین ہی چکرا رہی تھی وہ۔

عام طور سے تمام لڑکیوں پر شادی سے پہلے کے دن بہت بھاری ہوتے ہیں۔ میکے کو چھوڑ جانے کا دکھ۔ تو ملنے والے ساتھی کے مزاج اور عادات سے ناواقفیت کا خوف پریشان رکھتا ہے۔ ''دوسرے گھر'' جاکر نہ جانے کن حالات اور کس طرح کے لوگوں سے پالا پڑے۔ کئی طرح کے تفکرات انہیں پریشان رکھتے ہیں۔

مگر دُرِ مکنون کی فکریں ان سب سے بالکل الگ تھیں۔

طاہرہ اس کی ذرا ذرا سی تبدیلی کو محسوس کر رہی تھیں اور باتوں، باتوں میں وہ اس کے لاشعور میں چھپے خوف اور خدشات کو بھی جان لیتی تھیں۔ ان کی تحلیلِ نفسی جیسی تھراپیز کے ذریعے دُرِ مکنون میں مثبت تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ مگر ان کی رفتار بہت کم تھی۔ اس کے لاشعور اور تحت الشعور میں چھپے خوف کو تو وہ نکالنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھیں۔ مگر اس احساسِ کمتری کا کیا کرتیں۔ جو اس کی رگ، رگ میں گویا خون کے ساتھ دوڑ رہا۔

عکرمہ کو انہوں نے دو دن پہلے اپنے پاس بلایا تھا۔ اور بحیثیت معالج اس سے دُرِ مکنون کی ذہنی حالت اور کیفیت سے متعلق تبادلۂ خیال کیا تھا۔

''تمہیں دُرِ مکنون کے معاملے میں بہت احتیاط اور نرمی سے کام لینا ہوگا عکرمہ۔ یہ اس کا rehabilitation کا دور ہے۔ سمجھ جڑوں سے اکھڑی ہوئی ہے وہ۔ نئی زمین کو اپنانے میں اسے وقت لگے گا۔ اور یہ عرصہ کتنا طویل ہوگا۔ یہ تمہارے رویّے پر منحصر ہے۔ نازک بیلوں کی آبیاری اور نگہداشت کے لیے بڑے تحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ دُرِ مکنون سے شادی کرنے کا فیصلہ کرنے کے لیے جس قدر حوصلے کی ضرورت تھی۔ اس سے کہیں زیادہ ہمت تمہیں اس رشتے کو نبھانے کے لیے درکار ہوگی۔ تم سمجھ رہے ہو ناں!'' وہ کہہ رہی تھیں۔

''میں سمجھتا ہوں آنٹی۔'' گہری سانس بھر کر اس نے جواباً کہا تھا۔

طاہرہ نے اس کی بات پر اسے غور سے دیکھا گویا اس کی سوچ کا اندازہ لگا رہی ہوں۔ اسے جانچ رہی ہوں۔

''پلیز ڈونٹ وری۔ اپنانے کا فیصلہ خلوص سے کیا ہے۔ نبھانے کی کوشش بھی ایمانداری سے کروں گا۔'' ان کے چہرے کو پڑھ کر اس نے اس بار مضبوط اور متبسم لہجے میں کہا تھا۔ طاہرہ بھی مسکرا دیں۔

''میں جانتی ہوں بیٹا۔ تم ایک اچھے اور سمجھدار انسان ہو۔ بس فکر ہے تو اس بات کی کہ کہیں تم تھک نہ جاؤ۔ کیونکہ شادی کے بعد کی زندگی کے لیے سوچنا اور پلان بنانا اور بات ہے۔ مگر عملی زندگی جو ہماری سوچ سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ اس میں ایڈجسٹ کرنا الگ معاملہ ہے۔'' طاہرہ کی سوچ اُن کے چہرے سے ہویدا تھی۔

''میں جانتا ہوں آنٹی..... اور سچ پوچھیں تو میں دُرِ مکنون سے کسی بھی طرح کی توقعات نہیں رکھتا۔ وہ شادی کے لیے راضی ہوگئی ہیں۔ میرے لیے یہی ایک اچیومنٹ ہے۔'' طاہرہ کے سنجیدگی سے کہنے پر وہ گویا ہوا۔

''میں جانتا ہوں کہ دُرِ مکنون کے ساتھ زندگی گزارنا آسان نہیں ہوگا۔ خود ان کے لیے بھی تو زندگی مشکل تر ہے۔ بٹ آئی جسٹ وانٹ ٹو سیکیور ہر۔ انسان اور انسانیت سے ان کا جو اعتبار اٹھ چکا ہے۔ اسے واپس بحال کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ درِ مکنون مانیں کہ مرد اتنے برے بھی نہیں ہوتے۔''

''مگر اس کے لیے تمہیں بے انتہا صبر اور تحمل سے کام لینا ہوگا عکرمہ۔ وہ جو دیکھنے میں جیتی جاگتی حسین مورت لگتی ہے۔ سچ پوچھو تو ایک آبلہ ہے جو ذرا سی ٹھیس سے پھوٹ سکتا ہے۔''

''جی۔ مجھے اندازہ ہے۔'' اس نے گہری سانس اندر کھینچتے ہوئے کہا تھا۔

درحقیقت اسے اپنے فیصلے کی سنگینی کا احساس تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔

.....☆.....☆.....

''دو بچے ہیں اس کے۔ بیوی تیسرے بچے کی پیدائش پر اس کے ساتھ ہی چل بسی۔ عمر بھی کچھ زیادہ نہیں۔ یہ ہی کوئی پینتالیس سال ہے۔ کھاتا پیتا بندہ ہے صاحب۔ کلثوم اس کے ساتھ خوش رہے گی۔'' کلثوم کی ماں کبریٰ کو آج اسپتال سے ڈسچارج ہو جانا تھا۔

زاویار، سرفراز کے کہنے پر آج یہاں آیا تھا۔ کبریٰ کو سرفراز نے چار دن ہوئے اس پرائیویٹ اسپتال میں داخل کرایا تھا۔ جہاں اس کا علاج اچھی طرح ہوا تھا اور آج اسے گھر جانے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔ وہ یہاں کے

واجبات ادا کرنے کے لیے آیا تھا۔ جب کبریٰ نے تنہائی پا کر اس سے کہا تھا۔

''آپ مہربانی کر کے اسے سمجھائیں۔ وہ منع نہ کرے۔ وہ مان جائے گی تو سرفراز صاحب بھی راضی ہو جائیں گے۔'' کبریٰ کا لہجہ منت بھرا تھا۔

''مگر یہ رشتہ کلثوم کے لائق نہیں ہے محترمہ۔'' وہ سن کر جیسے ششدر رہ گیا تھا۔

یہ کیسی ماں تھی جو اپنی نازک سی بیٹی کو ایک دو بچوں والے شخص سے جو کہ عمر میں اس سے تیس؛ چوبیس سال بڑا بھی تھا، بیاہنے کو تیار تھی۔

''جو اس کے ساتھ ہو گزرا ہے صاحب۔ اس کے لیے اس سے اچھا رشتہ ملنا ناممکن ہے۔ سلیم کی نوکری چھوٹ گئی ہے بدنامی کے باعث۔ میرے آگے چار بیٹیاں اور ہیں۔ یہاں کھانے کے لالے ہیں۔ اس کے بعد میری بیماری۔ جہیز میں اس کی بدنامی کے سوا ہم اور دے بھی کیا سکتے ہیں۔ وہ بیوقوف ہے۔ نہیں سمجھتی کہ تقدیر نے اس کے ساتھ کیا کر ڈالا ہے۔'' کبریٰ حالات کی ماری تھی۔ مصائب نے اسے عمر سے زیادہ بوڑھا کر دیا تھا۔ بیٹی کے غم اور غمِ روزگار نے اسے ایک ایسا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جو بحیثیت ماں وہ شاید کبھی نہ کرنا چاہتی۔

''مگر آپ کی بیٹی پاک دامن ہے خاتون۔ اس کے ساتھ ناانصافی نہ کریں۔ اس کی تعلیم مکمل ہونے دیں۔ ان شاء اللہ کوئی اچھا رشتہ مل جائے گا۔'' وہ تنے ہوئے اعصاب سمیت بولا تھا۔ ماتھے پر شکنیں لیے اس کی نظریں کبریٰ کا چہرہ تک رہی تھیں۔

''وہ ایک اغوا شدہ لڑکی ہے صاحب۔ ہمارے معاشرے میں اغوا ہوئی لڑکی اور بھاگی ہوئی لڑکی میں کوئی فرق نہیں رکھا جاتا۔ آپ یہ سب شاید نہ سمجھیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر۔ کٹتا خربوزہ ہی ہے۔ یہ مردوں کا معاشرہ ہے اور یہ اس کے بنائے ہوئے اٹل قانون ہیں۔ ہم ان سے ٹکر نہیں لے سکتے۔ مہربانی کر کے کلثوم کو سمجھائیں کہ وہ اپنی اور ہماری زندگی کو مزید مشکل نہ بنائے اور راضی ہو جائے۔'' کبریٰ آنسو صاف کر کے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ گم صم سا کمرے سے باہر نکل آیا۔

''ایک مرد کی ذرا سی نفس پرستی کس طرح ایک لڑکی اور اس کے پورے خاندان کو برباد کر جاتی ہے۔ کاش یہ بات مرد جان سکیں۔''

وہ باہر کاریڈور میں آ کھڑا ہوا۔ ذہن کی پرواز کہیں دور تھی۔ وہ کار میں انہیں گھر تک چھوڑنے آیا تھا۔ تاہم گلی میں گٹر کے ابل جانے کی وجہ سے کار اُن کے گھر تک لے جانا ناممکن تھا۔

''آپ یہیں روک لیں زاویار صاحب۔ کار آگے چلی گئی تو پھنس بھی سکتی ہے۔ اس قدر کیچڑ اور پانی ہے کہ گٹر نظر نہیں آ رہا۔'' سلیم نے کھڑکی سے باہر دیکھ کر اندازہ لگایا اور اس سے کہا تو اس نے سر ہلا کر کار گلی کے کونے پر ہی روک لی۔

کبریٰ، سلیم اور ان کا بیٹا کار سے اتر گئے تو اس نے مڑ کر دیکھا۔ کلثوم نقاب میں منہ چھپائے ہوئے تھی مگر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سارے راستے ماں اسے رشتے کے لیے راضی کرتی آئی تھی۔ شاید اس کا دکھ تھا۔ یا نہ جانے اپنے گھر کے سامنے سے اجنبیوں کی طرح گزر جانے کا رنج۔ اس نے نظر چرا کر دروازہ کھولا اور خود بھی باہر نکل آیا۔

سلیم نے بچے کو گود میں اٹھا لیا تھا اور کبریٰ سنبھل، سنبھل کر چل رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر سلیم کے ہاتھ سے سامان لے لیا۔

''رہنے دیجیے زاویار صاحب۔ آگے گند ہے۔ آپ نہ جائیں، آپ کے جوتے خراب ہو جائیں گے۔''

''اٹس اوکے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں لے جاؤں گا۔'' سلیم کے رد و کد کے باوجود وہ اس کے ساتھ گھر تک آیا۔

گلی میں فٹ پاتھ پر کھڑے لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ جو انہیں دیکھ کر منہ پھیر گئے تھے۔ کچھ لوگ تو کھلے دروازوں سے گھر کے اندر ہی چلے گئے۔

ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کلثوم کے گھر والوں کے ساتھ نہیں کسی کوڑھی یا ایڈز کے مریض کے ساتھ ہے۔ لوگوں کا تنفر سے منہ پھیرنا اسے بری طرح محسوس ہوا تھا۔

اس نے بے بسی سے سر جھکائے کلثوم کے والدین کی طرف دیکھا۔ جو قصور وار نہ ہوتے ہوئے بھی کس قدر شرمندہ تھے۔

سب کو نرمی سے سمجھا کر وہ اپنی کار کی طرف پلٹا تو سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا خون کھول اٹھا۔

محلے کے آوارہ لڑکے کار کے شیشوں سے آنکھیں لگائے اندر جھانک رہے تھے۔

اسے آتا دیکھ کر وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

وہ گاڑی میں بیٹھا تو چہرہ ہاتھوں میں چھپائے کلثوم بلک، بلک کر رو رہی تھی۔

غم بڑا ہو تو الفاظ چھوٹے پڑ جاتے ہیں۔ وہ بھی چپ، چاپ کار اسٹارٹ کر کے اپنے راستے ہولیا۔ اس کے ہونٹ خاموش تھے۔ مگر دل خون کے آنسو بہا رہا تھا۔ کیونکہ کار کی پچھلی نشست پر ایک اور دُرِ مکنون بیٹھی رو رہی تھی اور دُرِ مکنون کے آنسو اس کے دل پر گرتے تھے۔

.....☆.....☆.....

جیسے، جیسے دن گزر رہے تھے شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں ڈھولکی، مہندی، بری کی رسمیں عکرمہ کے کہنے پر منسوخ کر دی گئی تھیں۔ وہ ان غیر اسلامی رسومات اور تقریبات کے سخت خلاف تھا۔

اور اس پر سوائے زارا کے کسی کو کوئی اختلاف نہیں کیا۔

اس نے عکرمہ کا فیصلہ سن کر باقاعدہ فون کر کے سمجھایا تھا۔

''ایسا بھی کیا ہو جائے گا عکرمہ۔ شادی کون سی روز، روز ہوتی ہے۔ آخر لوگ خوشی ہی تو مناتے ہیں ناں اس طرح پھر سو چو لوگ کیا کہیں گے۔''

''مجھے لوگوں کی کوئی خاص پروا نہیں زارا۔ اول تو یہ میری شادی ہے۔ فیصلہ بھی میں ہی کروں گا کہ مجھے اپنی یہ خوشی کس طرح منانی ہے۔ دوم یہ کہ میں مسنون طریقے سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ایسی شادی جس میں کسی بھی طرح کی ہندوانہ رسم و رواج نہیں اپنائے جائیں گے۔ اور اس معاملے میں چچا جان اور دادی کے ساتھ ساتھ دُرِ مکنون بھی راضی ہیں۔''

''دُرِ مکنون کی تبھی تم نے خوب ہی کہی عکرمہ۔ اس بیچاری کا کیا راضی ہونا اور کیا ناراض ہونا۔ ویسے ہی اللہ کی گائے ہے وہ۔ اور پھر تمہارے احسان کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے۔ اس نے یوں بھی کیا بولنا۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ میں دُرِ مکنون پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔'' اسے زارا کی بات بری طرح چبھی تھی۔ یک دم جواب دیا۔ اس کا لہجہ ہموار اور مضبوط تھا۔

''ایسا تم سوچتے ہو۔ سب نہیں۔''

''کون سب؟ اللہ کے علاوہ ایسا کون ہے جو میرے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔؟'' اب کی بار اس کا لہجہ قدرے سخت ہو گیا تھا۔

''کسی ایک کا نام لینا بیکار ہے۔ سبھی یہ سوچتے ہیں۔ اسی لیے میں چاہتی ہوں کہ تم اس معاملے کو دُرِ مکنون کے perspective سے بھی دیکھو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے دل میں بھی گلہ رہ جائے۔'' نصیحت آمیز لہجے میں کہہ کر

زارا نے الوداعی کلمات کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر آیا۔ دادی کے کمرے کی طرف جانے کا ارادہ تھا مگر ٹیرس کی جانب سے ان کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ یقیناً دُرِمکنون ان کے ساتھ تھی۔ غالباً عشا کی نماز کے بعد وہ دونوں ہی چاندنی اور ٹھنڈی ہوا کا لطف لینے ٹیرس پر چلی گئی تھیں۔

وہ بھی اُدھر ہی چلا آیا۔ حسبِ توقع دُرِمکنون ہی ان کے ساتھ تھی۔ جسے وہ عکرمہ کے ننھیال سے غائبانہ متعارف کرا رہی تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر وہ مسکرائی تھیں۔

''ارے تم ابھی تک جاگ رہے ہو عکرمہ۔ سوئے نہیں؟''

''نہیں۔ کچھ کام کر رہا تھا۔'' سنجیدگی سے کہہ کر وہ ان کے پاس پڑی کین کی کرسی پر فروکش ہوا۔

اور اس سے پہلے کہ دادی دُرِمکنون کے ساتھ ٹوٹا ہوا سلسلۂ کلام جوڑتیں۔ اس نے استفسار کر لیا۔

''میں شادی غیر ضروری اور غیر اسلامی رسموں کے بغیر کرنا چاہتا ہوں دادی۔ کیا آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہے؟'' بغیر تمہید کے اس نے سوال کر لیا تھا۔ دادی قدرے چونکیں پھر سنبھل کر بولیں۔

''بالکل بھی نہیں بیٹا۔''

''اور آپ کو؟'' اب کے توپ کا رخ دُرِمکنون کی جانب تھا۔

جو اس سوال کے لیے قطعی طور پر تیار نہ تھی۔ مستزاد دادی کے سامنے ایسے سوال پر اس کے لب گویا آپس میں پیوست ہو گئے۔

''کچھ پوچھا ہے میں نے دُرِمکنون.....؟''

وہ نروس سی ہو کر دادی کو دیکھ رہی تھی کہ اس نے پھر پوچھ لیا تھا۔ بلا ارادہ اس کی گردن نفی میں ہل گئی۔

''سوچ لیں۔ ایسا نہ ہو شادی کے بعد اس بات کو ایشو بنا کر آپ مجھ سے لڑیں۔'' وہ خلافِ روایت خاصی سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ دُرِمکنون کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ دادی نے فہمائشی نظروں سے اسے دیکھا۔ اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''یہ کیا طریقہ ہے عکرمہ بیٹا۔ ٹھیک سے بات کرو آپس میں... سمجھے۔'' آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کر کے وہ چلی گئیں۔

دُرِمکنون نے بھی ان کے پیچھے جانے کا ارادہ کیا تھا کہ وہ ٹوک گیا۔

''آپ یہیں رکیں۔ کچھ بات کرنی ہے آپ سے۔'' اسے پر تولتا دیکھ کر وہ تحکم سے بولا۔

''مم..... مگر میں نے بتایا تو ہے کہ مجھے کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' اس نے گلا تر کر کے کہا تو عکرمہ نے بغور اسے دیکھا۔

''آر یو شیور؟'' اس کی نگاہ گہری تھی۔

دُرِمکنون نے اس بار اعتماد سے سر ہلا دیا۔ کچھ تھا اس کے انداز میں جس نے عکرمہ کو مطمئن کر دیا تھا۔

''پکی بات ہے؟ شادی کے بعد لڑیں گی تو نہیں؟'' کرسی کی پشت سے کمر لگا کر بیٹھتے ہوئے اس کا لہجہ قدرے شوخ ہو گیا تھا۔

دُرِمکنون انگلیاں مسلتے ہوئے نظر جھکا گئی۔

تاہم اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے کارڈلیس کی بیل بج اٹھی۔ جسے وہ زارا سے بات کرنے کے بعد بے دھیانی سے اٹھا لایا تھا۔

دُرِمکنون نے واضح طور پر سکون کی سانس لی تھی۔ عکرمہ نے زیرِلب مسکراتے ہوئے کال ریسیو کی۔

''جی موجود ہیں..... آپ کون؟'' سلام کے جواب کے بعد وہ بولا تھا۔

''اوکے۔ایک منٹ ہولڈ کریں۔'' کہہ کر اس نے mute کا بٹن پش کر کے کارڈلیس دُرِمکنون کی جانب بڑھایا تو وہ جیسے چونک اٹھی۔

''کوئی اسما ہیں۔''

''مگر میں کسی اسما کو نہیں جانتی۔'' اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

''ہوسکتا ہے آپ کی ماما کی کوئی واقف کار ہوں۔آپ بات تو کریں۔'' اس نے کارڈلیس اس کی طرف بڑھایا تو دُرِمکنون کو نہ چاہتے ہوئے بھی تھامنا پڑا۔

''السلام علیکم ! میں اسما ہوں۔'' اس کے ہیلو کہتے ہی آواز آئی۔

''وعلیکم السلام! آئی ایم سوری میں آپ کو پہچانی نہیں۔''

''آپ مجھے پہچان بھی نہیں سکتیں۔دیکھیے پلیز ناراض مت ہوئیے گا۔میں انتہائی معذرت خواہ ہوں مگر کیا کرتی۔زاویار میرا بہت اچھا کولیگ ہے۔اس کے مجبور کرنے پر لامحالہ فون کرلیا ہے۔برائے مہربانی ذرا دیر رک کر اس کی بات سن لیجیے گا۔فون بند نہ کیجیے گا۔'' اسما معذرتی لہجے میں کہتی اصرار کرتی۔فون رکھ کر چلی گئی تھی۔دوسری طرف کانفرنس کال پر زاویار موجود تھا۔

''ہیلو دُرِمکنون.....'' اس غیر متوقع صورتِ حال پر دُرِمکنون کے حواس جیسے مختل ہو گئے تھے۔وہ فوری طور پر نہ کچھ کہہ سکی نہ کر سکی۔

اور زاویار نے اسے پکار لیا۔

سامنے بیٹھے عکرمہ نے اس کے یک دم سفید پڑتے چہرے کو دیکھا تو کرسی سے اٹھتے ،اٹھتے رک گیا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا تھا۔

مگر دُرِمکنون جیسے بت بن گئی تھی۔

زاویار انصاری کی آواز تھی کہ درد میں ڈھلا کوئی ساز۔

''سمجھ نہیں آرہا کہ تمہیں مبارک دوں یا اپنی بربادی کا ماتم مناؤں۔تمہارے فیصلے کو خراجِ تحسین پیش کروں یا اپنی موت پر آنسو بہاؤں۔تمہی بتاؤ میں کیا کروں۔کیسے دست بردار ہو جاؤں کسی دوسرے کے حق میں کیسے؟'' اسے لگا زاویار انصاری کی آواز میں نوحے گھلے ہوں۔

''پلیز دُرِمکنون۔مت کرو ایسا۔پلٹ آؤ میری طرف اور اگر ایسا نہیں کر سکتیں تو خدا کے لیے مجھے معاف کردو۔میں سالوں سے سو نہیں پایا۔تمہاری چیخیں مجھے راتوں کو جگاتی ہیں۔کم از کم اتنا تو کردو پلیز۔تمہیں تمہارے والدین کا واسطہ۔تمہیں تمہارے رحم کا واسطہ۔''

وہ پھوٹ، پھوٹ کر رو دیا تھا۔

جس کے باعث اِدھر بت بنی دُرِمکنون کی آنکھوں سے نمی بہنے لگی۔عکرمہ انتہائی تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''پلیز درمکنون۔کچھ تو بولو۔کچھ تو کہو۔''

''جو چیز میرے پاس نہیں۔وہ میں آپ کو کہاں سے لا کر دوں۔کیا مجھ پر رحم کیا تھا آپ نے؟ تو پھر آپ کے لیے ترس کہاں سے لاؤں زاویار صاحب۔آپ راتوں کو سو نہیں سکتے اور میں سو جاؤں تو دوبارہ جاگنا نہیں چاہتی۔'' وہ بری طرح لرز رہی تھی اور جب بولی تو سامنے بیٹھے عکرمہ کو اسے دیکھ کر خوف آنے لگا تھا۔لگتا تھا جیسے کسی بھی لمحے وہ گر پڑے گی۔

''منت کی تھی۔کہا بھی تھا آپ سے کہ میری زندگی سے نکل جائیں۔آخر کیوں نہیں معاف کر دیتے آپ مجھے ،کیوں؟'' یک دم وہ بپھر کر رونے لگی تھی۔

جوانی سے بڑھاپے تک کا سفر

شمیم فضل خالق

مجھے ہمیشہ سے شوخ کلر پسند تھے..... سرخ، سبز، اورنج اور ہر ہار نگ چیختا چنگھاڑتا ہوا، کبھی مجھے احساس نہیں ہوا کہ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور مجھے سوبر اور ہلکے رنگ پہننے چاہئیں۔ چند کلرز ایسے خریدے تھے جو وارڈ روب میں لٹکے ہوئے اپنی ناقدری پر افسوس کرتے رہتے کیونکہ میرا دل ہی نہ چاہتا کہ انہیں پہنوں۔ کہیں جانے کے لیے تیار ہوتی تو ہونٹوں پر ریڈ کلر کی لپ اسٹک لگاتی..... جب بھی کوئی نیا لباس پہنتی اور تیار ہو کر اپنے شوہر کے سامنے جاتی تو وہ ہمیشہ تعریف کرتے۔ آج تو بہت اچھی لگ رہی ہو..... کہیں نظر نہیں لگ جائے۔ مجھے سچ مچ کبھی بڑھتی عمر کا احساس تک نہ ہوا اور مجھے کبھی احساس بھی نہیں ہوا کہ عمر بڑھ چکی ہے..... بڑھاپا آچکا ہے لیکن اب جب میرے شوہر کی ڈیتھ ہوگئی ہے تو مجھے لگتا ہے جیسے میں اچانک چند مہینوں میں بوڑھی ہوگئی ہوں..... وارڈ روب کھول کر کپڑے نکالتی ہوں تو سفید کپڑے نکال لیتی ہوں..... رنگین کپڑے پہننے کو دل ہی نہیں چاہتا..... بال بالکل سفید ہوگئے ہیں..... کلر لگانے کو من ہی نہیں کرتا۔ کہتے ہیں کہ دل جوان ہو تو انسان بوڑھا نہیں ہوتا..... یہ بات بالکل سچ ہے۔ اب شاید شوہر کی ڈیتھ کے ساتھ میرا دل ہی مر گیا ہے اور بڑھاپا پوری طرح مجھ پر حملہ آور ہوگیا ہے..... خود ساختہ جوانی تھی..... لیکن تھی تو سہی..... اب تو کچھ بھی نہیں رہا..... میری ایک دوست مجھے کہہ رہی تھی کہ شمیم، تم نے ایک لمبی مدت اپنے شوہر کے ساتھ گزاری..... ایک اچھے اور پرخلوص ساتھی کے ہمراہ اپنی زندگی کے شب و روز خوشی، خوشی گزارے..... اب ان کی جدائی حقیقت سمجھ کر قبول کرلو..... اور زندگی کا یہ سفر اسی طرح طے کرلو جیسے شوہر کی زندگی میں طے کرتی آئی ہو۔ وہ ہمیشہ تمہیں خوش دیکھنا چاہتے تھے..... تم اس طرح زندگی کی دلچسپیوں سے کٹ کر رہو گی تو وہ عالم بالا میں بھی خوش نہیں رہیں گے..... لیکن میں کیا کروں..... مجھے نہ تو وارڈ روب میں لٹکے رنگ برنگے ملبوسات اپنی طرف متوجہ کرپاتے ہیں..... نہ درازوں میں پڑی شوخ رنگوں کی لپ اسٹکز..... اور نہ ہی ڈریسنگ ٹیبل پر سجے ہیئر کلرز کے ڈبے..... مجھے تو اب احساس ہوا ہے کہ میں تو بوڑھی ہوگئی ہوں..... ابھی بوڑھی ہوئی ہوں..... ابھی چند ماہ پہلے..... ورنہ تب تک تو جوان تھی۔

''آپ کو دیکھتی ہوں۔ سنتی ہوں تو میرے زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔ میرے مرحوم والدین کی پرچھائیاں میری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ قاتل ہیں آپ۔ ہم تینوں کے قاتل۔ کس کس کا خون معاف کروں۔ کس، کس کا، نہیں ہوسکتا مجھ سے نہیں ہوسکے گا۔'' کارڈلیس سامنے رکھی میز پر پھینکتے ہوئے وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تھی۔

عکرمہ لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔ کال ڈس کنیکٹ ہوگئی تھی۔ ٹوں، ٹوں کی آواز دُرِ مکنون کی سسکیوں کے بیچ سنائی دے رہی تھی۔

اس نے کارڈلیس اٹھا کر بند کیا اور اٹھ کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔

''دُرِ مکنون۔ لیجیے پانی پئیں۔'' ذرا دیر بعد وہ حاضر تھا۔

دُرِ مکنون اس کی آواز پر بمشکل سر اٹھا سکی۔

سرخ انگارہ آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری تھیں۔ اس نے دیکھا۔ ضبط عکرمہ کے چہرے سے ہویدا تھا۔

''بس کریں۔ طبیعت خراب ہو جائے گی۔ شاباش پانی پئیں۔''

وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ جو اپنے جذبات پر قابو رکھے۔ اس سے حلاوت سے پیش آرہا تھا۔ اس کے مربیانہ مشفق رویے نے مہمیز کا کام دیا۔ وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

''اونہوں، کہاناں میں نے کہ بس کریں۔ چلیے پانی پئیں۔'' اب اس نے قدرے رعب سے کہا تھا۔ دُرِ مکنون نے بادلِ ناخواستہ گلاس لے کر گھونٹ، گھونٹ پانی پینا شروع کردیا مگر سسکیوں کا سلسلہ رک نہیں رہا تھا۔

''کیسے کرسکتا ہے کوئی اس طرح... کیسے؟'' کتنی ہی دیر بعد وہ بولی تو یوں جیسے خود کلامی کررہی ہو۔

''کس قدر شقی القلب ہے یہ شخص۔ مجھے قبر میں زندہ دفنا کر بھی کہتا ہے کہ اسے معاف کردوں۔ آخر کیا بگاڑا تھا میں نے اس کا۔ جو اس نے مجھے یوں راندۂ درگاہ کیا۔''

وہ گویا اپنے آپ سے بول رہی تھی۔ پھر انتہائی زخمی نظروں سے سامنے بیٹھے عکرمہ شیرازی کو دیکھا۔

''آپ جانتے ہیں کیا رشتہ ہے اس شخص کا میرے ماضی سے۔ کیا تعلق ہے میری بربادی سے؟''

''نہیں۔ اور نہ ہی میں جاننا ضروری سمجھتا ہوں۔'' عکرمہ کا لہجہ بھاری تھا۔ اور آنکھیں لہو رنگ تھیں۔ گھنی مونچھوں تلے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔

''مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ وہ سب جانیں جو مجھ پر گزرا ہے۔'' ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی تھی۔

عکرمہ نے دیکھا وہ چاندنی سے زیادہ درد میں ڈوبی ہوئی تھی۔

.....☆.....☆.....

پورا ایک ہفتہ فلو سے لڑتے جھگڑتے گزارہ تھا اس نے مگر طبیعت اب بھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں تھی۔ عینی کے ذریعے اسے پتا چلا تھا کہ کمپیوٹر پراجیکٹ جمع کرانے کی آخری تاریخ اناؤنس ہو چکی ہے۔

''اُف دُرّی۔ تم تو پورا ویک کلاس میں تھیں نہیں اور میری سمجھ میں سب کچھ آیا نہیں ہے۔ لہٰذا چار و ناچار ہمیں زوی بھائی سے ہی مدد لینی ہوگی۔'' عینی نے نوٹ بک اٹھا کر پٹختے ہوئے کہا تو دُرِ مکنون سوچ میں پڑ گئی۔

''کیا وہ مان جائیں گے؟ مگر تم نے تو بتایا تھا ان کے ایگزامز چل رہے ہیں!''

''ہوں ایم ایس الیکٹریکل انجینئرنگ کا سیکنڈ لاسٹ سمسٹر ہے ان کا، یہ سال بہت اہم ہے ان کے لیے۔ آج کل تو وہ کسی کی شکل بھی دیکھنے کے روادار نہیں۔'' عینی خود خاصی ناامید تھی۔ پھر اچانک ذہن میں جیسے کوندا سا لپکا۔

''تم چلو ناں میرے ساتھ۔ شاید تمہارا ہی کچھ لحاظ کر جائیں۔''

''نہیں، مجھے ڈر لگتا ہے۔ تم نے بتایا تھا ناں کہ وہ غصے کے بہت تیز ہیں۔''

''افوہ، غصے کے تیز ہیں مگر آدم خور نہیں۔ بس تم چلو میرے ساتھ میں صوفی آنٹی سے اجازت لے کر آتی ہوں۔''

جھنجلا کر فیصلہ کن انداز میں کہتی عینی پلک جھپکتے میں غائب ہوگئی تھی۔ ذرا دیر بعد حسبِ توقع وہ اجازت سمیت حاضر تھی۔

یوں تو اس کی اور عینی کی دوستی دو سال پرانی تھی۔ مگر اس ایریا میں شفٹ ہوئے انہیں محض چھ ماہ ہی ہوئے تھے۔ اس دوران کئی بار عینی کی ماما اور چچی ان کے گھر ملنے آچکی تھیں۔ لہٰذا اسے اجازت مل گئی۔

اسٹریٹ کے آخر میں انصاری ہاؤس تھا۔ حسبِ توقع زاویار اپنے کمپیوٹر روم میں تھا۔

''کیا ہے؟'' دروازے پر دستک کے ساتھ ہی اندر سے زاویار کے دہاڑنے کی آواز آئی تھی۔

''کم آن ریلیکس..... زوی بھائی ایگزامز کے دنوں میں تھوڑے روڈ ہوتے ہیں۔ ان فیکٹ اسٹڈیز بھی تو کتنی مشکل ہیں ان کی۔'' دُرِ مکنون کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھ کر عینی نے تسلی دینے کے سے انداز میں کہا تھا۔ ساتھ ہی بھائی کا دفاع بھی کیا۔

''اگر روڈ ہو کر یہ ایسے ہیں تو غصے میں کیسے ہوں گے؟'' وہ سوچ کر رہ گئی۔

کچھ منٹوں میں تیسری دستک پر دھڑ سے دروازہ کھلا تھا۔

''کیا مشکل ہے تمہیں۔ کیوں ڈسٹرب کر رہی ہو؟'' عینی کی شکل دیکھتے ہی دہاڑا تھا وہ۔

''وہ..... وہ بھائی۔ ان فیکٹ۔ اُف تم بھی تو کچھ بولو ناں۔'' عینی ہکلاتے ہوئے اپنے پیچھے چھپی دُرِ مکنون کو سامنے کھینچ لائی۔

زاویار نے بھویں اچکا کر ان دونوں کو خاصی بیزاری سے دیکھا تھا۔

''ان فیکٹ، ہمیں کمپیوٹر پراجیکٹ مکمل کرنا ہے۔ آپ کی ہیلپ چاہیے۔'' مرتا کیا نہ کرتا۔ اسے بولنا ہی پڑا تھا۔

''ابھی؟'' کچھ مروت تھی اور کچھ سامنے کھڑی اجنبی لڑکی کے سامنے اخلاق کا تقاضا تھا کہ اس نے بادلِ ناخواستہ سوال کیا۔ جس پر وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

''پرسوں لاسٹ ڈیٹ ہے۔''

''ہوں۔'' زاویار نے کچھ سوچتے ہوئے رسٹ واچ پر نظر دوڑائی۔ ''ابھی آدھا گھنٹا تو میں بزی ہوں۔ اس کے بعد آجاؤ۔ اوکے!'' خاصا خشک لہجہ تھا اس کا۔

دُرِمکنون نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ اور اس کی یہ حیرت زاویار کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکی تھی۔ تاہم وہ عینی کے سر ہلانے پر دروازے کے اس پار غائب ہوگیا تھا۔

''اوہ..... شکر ہے۔ اُف مجھے تو بہت ہی کم امید تھی کہ زوی بھائی راضی ہوں گے۔ کل صبح پیپر ہے ناں ان کا۔'' عینی خوشی سے چہک کر بولی تھی۔

دُرِمکنون محض سر ہلا کر اس کے کمرے میں آبیٹھی۔ تاہم ٹھیک آدھے گھنٹے بعد ان کی پیشی ہوئی۔ مزاج کا کڑوا صحیح... مگر وہ پڑھاتا اچھا تھا۔ اس کی گائڈنس کے باعث ان دونوں نے جلد ہی اپنا کام مکمل کرلیا تھا۔

''تھینک یو بھائی۔'' عینی خوشی سے اس کے گلے میں جھول گئی تھی۔

''اٹس اوکے۔ ناؤ لیو۔'' عجیب بے مروت سا انداز تھا اس کا۔

دُرِمکنون سبکی محسوس کیے بنا نہ رہ سکی اور عینی سے پہلے ہی کمرا چھوڑ گئی۔

یہ اس کی اور زاویار انصاری کی پہلی ملاقات تھی۔ جو اس کے ذہن پر کوئی خوشگوار تاثر نہ چھوڑ سکی تھی۔

پھر گزرتے دنوں میں ان کا کئی بار سامنا ہوا۔ زاویار نے اپنا MS مکمل کیا تو اس کی ایکسی لینس پارٹی پر عینی اسے زبردستی کھینچ لائی تھی۔ اس نے دیکھا انصاری ہاؤس میں سبھی لوگ با اخلاق اور ہنس مکھ تھے۔ سوائے زاویار انصاری کے۔ شہرین اور خولہ کی وجہ سے یہاں بڑی رونق ہوتی۔

وقت کچھ اور سرکا اور وہ دونوں فرسٹ ایئر کے ایگزامز کی تیاری میں مصروف ہوگئیں۔ اکثر اوقات عینی اس کی طرف آجاتی کیونکہ یہاں خاموشی اور یکسوئی تھی۔ اور کبھی کبھار اسے اپنے پاس بلا لیتی۔ ان ہی دنوں میں جب وہ انصاری ہاؤس آئی۔ اسے محسوس ہوتا جیسے دو آنکھیں اس کا تعاقب کرتی ہوں۔ زاویار انصاری جو پہلے اس کی آمد پر محض سرسری نگاہ ڈالتا تھا۔ اب اسے دیکھ کر لمحے بھر کے لیے رک جاتا۔ یہ ہی نہیں وہ اب عینی کو ڈراپ کرنے اور پک کرنے بھی آنے لگا تھا۔ اس کے لب خاموش مگر آنکھیں بولتی تھیں۔

دُرِمکنون کو ایک عجیب سا احساس گھیر لیتا۔

اس روز بھی عینی زبردستی اسے اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ پڑھ، پڑھ کے جب دونوں ہی تھک گئیں تو لان میں آبیٹھیں۔ چائے کے ساتھ گرم سموسے بہت مزہ دے رہے تھے۔ جب اچانک ہی اس کے احساس نے کوئی سگنل دیا تو بلا ارادہ نظر اوپر پیرس کی جانب اٹھی اور وہاں کافی کا مگ ہاتھ میں لیے اپنی جانب متوجہ زاویار انصاری کو دیکھ کر ٹھٹک سی گئی۔

بہت سادہ، صاف اور خاموش نظریں تھیں۔ دُرِمکنون کے سر سے پیر تک جیسے کوئی لہر سی دوڑ گئی۔ زاویار اس کی کیفیت محسوس کرکے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ پھر اس کے بعد اس سے مزید وہاں نہ رکا گیا۔ اور وہ عینی کی خفگی بھی نظر انداز کرکے اندر سے جا کر بیگ اٹھا لائی۔

''اوہ، کم آن دُرّی۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے ساتھ میری وارڈ روب سے اچھا سا ڈریس پسند کروگی۔ پرسوں شیری آپی کی برتھ ڈے ہے۔''

عینی اسے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔

''پھر سہی عینی۔ آج ذرا جلدی ہے مجھے۔'' اس سے کوئی بہانہ بن نہیں پڑ رہا تھا۔
''کیوں جلدی ہے۔ ذرا بتاؤ تو۔'' عینی بھی بضد تھی۔ اور ابھی ان کی بحث جاری تھی کہ اوپر سے آتے زاویار نے سنجیدگی سے بہن کو ٹوکا۔
''بس کرو عینی۔ جانے دو..... اگر کوئی رکنا نہ چاہے تو زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔'' بلیک جینز پر براؤن پولو شرٹ میں ملبوس مگ اٹھائے وہ نیچے آتے ہوئے بولا تھا۔ دُرِ مکنون نے ماتھے پر آئے پسینے کو آنچل سے خشک کیا۔ مخاطب بہن سے تھا مگر گہری متانت بھری نظر اس پر بھی رکی تھی۔ تاہم اپنی بات کہہ کر وہ کچن کی طرف بڑھ گیا تھا۔
''ایسی بات نہیں۔ ان فیکٹ کچھ کام ہے مجھے گھر پر۔'' دُرِ مکنون نے ٹھہر کر عینی کو صفائی دی تھی۔
وہ چلا گیا تھا مگر اس کی نظریں در مکنون کے اندر اتر گئی تھیں۔
''آئی نو دُرِی۔ بھائی تو ایسے ہی مذاق کر رہے تھے۔ تم ان کی بات کو سیریس نہ لینا۔ میں جانتی ہوں جب تم جانے کو کہہ رہی ہو تو پھر کوئی وجہ ہی ہوگی۔ چلو میں تمہیں گھر تک چھوڑ آؤں۔ زوی بھائی گھر پر ہیں۔ ان کے ساتھ چلتے ہیں شام ہو رہی ہے۔ اچھا ہے واپسی میں اکیلے نہیں آنا پڑے گا مجھے۔''
اور پھر اس شام زاویار کی موجودگی میں اس کی زبان تالو سے لگی رہی۔ اسے احساس ہوا۔ زاویار انصاری کی خاموشی اس سے کچھ کہہ رہی ہے۔ جس نے اسے لاجواب کر دیا ہے۔
تیسرے دن شیری کا برتھ ڈے تھا۔ مگر اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ انصاری ہاؤس نہیں جائے گی۔ اسے زاویار انصاری کی خاموش نظروں سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔ لیکن جس وقت عینی اسے لینے سر پر آسوار ہوئی۔ اس کی سنی نہ گئی۔ دوسرے صوفیہ نے بھی زور دیا تو اسے جانا ہی بنی۔
انصاری ہاؤس کے لان میں خوب صورت سا سٹنگ ارینجمنٹ تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو لان کی سیڑھیوں پر کسی سے محو گفتگو زاویار انصاری کی نگاہوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ اس کے لبوں پر پھیلتی گہری مسکراہٹ دُرِ مکنون کی پلکوں کا بوجھ بڑھا گئی۔
پارٹی اچھی رہی۔ شہرین کی شوخی اور خولہ کی ہنسی نے ماحول کو چار چاند لگائے تھے۔ عینی سے چھوٹی دونوں بہنیں بھی خوش نظر آ رہی تھیں۔ ایسے میں صرف زاویار ہی تھا جس کے چہرے پر سنجیدگی اور آنکھوں میں کچھ ان کہے جذبوں کا خمار جگمگا رہا تھا۔
پھر کئی سارے مہینے اسی طرح گزر گئے۔ زاویار کی نگاہیں اس کے گرد حصار کر لیتی تھیں تاہم اپنی آنکھوں سے جھلکتے جذبوں کو اس نے ابھی تک الفاظ نہیں دیے تھے۔ بس اک ان کہی سی تھی۔ جسے وہ دونوں سمجھتے تھے۔
گزرتے وقت نے دُرِ مکنون کے دل میں بسی گھبراہٹ کو بھی دھیرے دھیرے ختم کر دیا تھا۔
اب اسے زاویار کی جذبے چھلکاتی نظریں پریشان نہیں کرتی تھیں اور نہ ہی اس کی سنجیدہ مسکراہٹ کنفیوز کرتی۔
انٹر میں اس نے پوزیشن لی تو پاپا نے گویا تمام جاننے والوں کو اکٹھا کر لیا تھا۔ عینی کی پوری فیملی بھی انوائٹڈ تھی۔
وہ دن اس کی زندگی کا سب سے حسین دن تھا۔ بہت سارے گفٹس اور کارڈز ملے۔ جس میں ایک کارڈ اس کے دل کے ہر تار کو چھیڑ گیا۔
خوب صورت رینگ میں لپٹا یہ گفٹ اس کی نظروں کا مرکز بنا تھا۔ ساتھ ہی ایک کارڈ بھی تھا۔
انتہائی نفیس ہینڈ رائٹنگ میں خوب صورت الفاظ تحریر تھے۔

''تمہیں جب کبھی ملیں فرصتیں، میرے دل سے بوجھ اتار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں مجھے کوئی شام ادھار دو
مجھے اپنے روپ کی دھوپ دو کہ چمک سکیں میرے خال و خد

مجھے اپنے رنگ میں رنگ دو میرا سارا رنگ اتار دو
مری وحشتوں کو بڑھادیا ہے جدائیوں کے عذاب نے
میرے دل پہ ہاتھ رکھو ذرا، میری دھڑکنوں کو قرار دو
تمہیں صبح کیسی لگی کہو، میری خواہشوں کے دیار کی
جو بھلی لگی تو یہیں رہو، اسے چاہتوں سے نکھار دو''

لفظ، لفظ میں جذبوں کی شدت سمٹی ہوئی تھی۔ وہ بے اختیار ہوتی دھڑکنوں سے پریشان ہوتی بیڈ پر ٹک گئی۔ بلیو کلر کے کیس میں وائٹ گولڈ کی رنگ تھی جس میں saphire اور زرقون جڑے تھے جو چمک کر اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ساتھ ہی ایک پین تھا۔ جس کے کیپ پر بھی سفید نگینے چمک رہے تھے۔ تاہم اسے یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ یہ سب کس کی طرف سے تھا۔

''زاویار انصاری!'' اس کے خاموش لبوں سے یہ نام ادا ہوا تھا۔

انگوٹھی ایک علامتی تحفہ ہوتا ہے۔ زاویار نے بنا کچھ کہے، بغیر کسی اظہار کے انتہائی قیمتی اور خوب صورت رنگ اسے دے ڈالی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ کارڈ اور انگوٹھی ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی۔

دل کی حالت عجیب تھی۔ سچ یہ تھا کہ اسے یہ جسارت۔ یہ خاموش اظہار اندر سے چھو گیا تھا۔

مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ اس قدر قیمتی اور خاص طور پر کسی رشتے اور تعلق کو ظاہر کرتے اس علامتی تحفے کو اس طرح قبول نہیں کر سکتی تھی۔

زاویار نے بہت خوب صورت الفاظ سمیت اپنے جذبوں کی شدت کے اظہار کے طور پر یہ رنگ گفٹ کی تھی۔ بات نظر انداز کرنے والی نہیں تھی۔

پھر وہ پوری رات اس کی آنکھوں میں کٹی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بہت سے پہرے بٹھانے کے باوجود پلکوں کی منڈیروں پر خواب گھر بنانے لگے تھے۔ اور اس دوران جب وہ کروٹ بدل بدل کر سونے کی کوشش کر رہی تھی اپنے سیل پر آنے والے میسج کی بیپ پر متوجہ ہوئی۔ نائٹ لیمپ کھول کر موبائل اٹھایا تو اجنبی نمبر سے ایک پیغام اسکرین پر جگمگاتا نظر آیا۔

''خواب وہ نہیں ہوتے جو ہم سوتے میں دیکھتے ہیں۔ بلکہ وہ ہوتے ہیں جو ہم کو سونے نہیں دیتے۔'' بھیجنے والا جیسے اس کی کیفیت سے آگاہ تھا۔ اس کا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا۔

.....☆.....☆.....

کتنے ہی دن ایسے ہی گزر گئے لیکن وہ انصاری ہاؤس جانے کی ہمت نہ کر سکی۔ مگر گفٹ واپس کرنا ہے یہ اس نے تہیہ کر رکھا تھا۔ اور یوں ہوا کہ اچانک ایک دن اس کا موقع بھی مل گیا۔ انصاری فیملی کے کسی قریبی رشتے دار کے یہاں فوتگی ہوگئی۔ سب کو اچانک جانا پڑا۔ عینی جو دو دن پہلے سیڑھیوں سے لانگ جمپ لگانے کی پاداش میں پیر کی موچ برداشت کرنے پر مجبور تھی جا نہیں سکتی تھی۔ دوپہر کے وقت گھر میں مرد تو ہوتے نہیں تھے۔ لہٰذا خواتین کا ہی جانا ضروری تھا۔ آغا جان بھی شہر سے باہر تھے۔ چنانچہ عینی کی درخواست پر صوفیہ نے اسے انصاری ہاؤس بھیج دیا۔

عینی اوپر کے پورشن میں اپنے کمرے میں تھی۔ وہ انصاری ہاؤس پہنچی تو مسز شہریار اس کا شکریہ ادا کرتیں باقی خواتین کے ساتھ روانہ ہوگئیں۔

موقع اچھا تھا۔ زاویار کا کمرا کس طرف ہے اسے معلوم تھا۔ لہٰذا عینی کے پاس آنے سے پہلے اس نے احتیاط کے ساتھ وہ گفٹ اور کارڈ زاویار کے کمرے کی دہلیز پر ہی کھڑے، کھڑے سامنے رکھے صوفے کی طرف اچھال دیا تھا۔

کام مکمل ہو گیا تھا۔ اس نے دل کی دھڑکنوں کو کنٹرول کرتے ہوئے قدم عینی کے کمرے کی جانب بڑھا دیے۔
وہ دونوں ہی LUMS میں داخلے کی خواہش رکھتی تھیں۔ جس کے انٹری ٹیسٹ کی تیاری ابھی باقی تھی۔
''میرا خیال ہے کہ زوی بھائی سے ہیلپ لینی چاہیے۔ وہ خود وہاں سے ماسٹرز کیے ہوئے ہیں۔ ان کی گائڈ لائن بہت اچھی رہے گی۔'' دُرِ مکنون کا بیک کیا ہوا کیک کھاتے ہوئے عینی نے رائے دی تھی۔ جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔
''نہیں۔ میں کوئی انسٹی ٹیوٹ جوائن کرنے کا سوچ رہی ہوں۔'' زاویار کے نام پر اس کی پلکیں جھک گئی تھیں۔
''کم آن دُرّی تمہیں کہاں ضرورت ہے ان سب کی۔ تم تو ماشاء اللہ خود ایک چلتا پھرتا انسٹی ٹیوٹ ہو۔ بلکہ تمہیں تو یونیورسٹی والے بغیر ٹیسٹ کے بھی ایڈمیشن دے سکتے ہیں۔ مسئلہ تو میرے جیسے بندے کا ہے۔''
''خیر ایسی بھی بات نہیں۔ LUMS کا انٹری ٹیسٹ پنجاب بورڈ کے روایتی ایگزامز کی طرح نہیں کہ سارا کچھ mug up کر کے (رٹا لگا کے) مزے سے پیپر زدے دیے۔ وہاں یادداشت کا نہیں واقعی ذہانت کا امتحان ہوگا۔''
اس نے گال پر آئی لٹ جھٹکتے ہوئے کہا تو عینی اسے مسکرا کر دیکھنے لگی۔
''اور ذہانت کی تم میں کمی نہیں دُرّی۔ اب ایسی انکساری بھی نہ دکھاؤ جیسے میں تمہیں جانتی نہیں۔'' اس کے انداز میں ستائش تھی۔
دُرِ مکنون خوشگواری سے مسکرا دی۔
''ویسے سچ کہوں دُرّی۔ کبھی، کبھی تم پر رشک آتا ہے تو کبھی حسد ہونے لگتا ہے۔ خوب صورت تم ہو۔ اس پر ذہین بھی والدین کی اکلوتی اولاد۔ اس لیے محبت بھی وافر ملی ہے۔ دنیا کی وہ کون سی چیز ہے جو تمہارے پاس نہیں۔ کون سا اعزاز ہے جو تمہیں نہیں ملا۔ بولتی ہو تو مخاطب کی بولتی بند کر دیتی ہو۔ کچھ پکائی ہو تو بندہ انگلیاں چاٹتا رہ جاتا ہے۔ کبھی کسی کمی کا احساس بھی ہوتا ہے تمہیں؟'' عجیب رشک بھرا انداز تھا عینی کا۔ debate
وہ دل ہی دل میں ماشاء اللہ اور الحمدللہ کا ورد کرتے ہوئے نفی میں سر ہلا گئی۔ لبوں پر خوب صورت سی مسکان تھی اس لمحے۔
''اللہ نے جو کچھ مجھے دیا احسان ہے اس کا۔ ورنہ بندے میں کوئی گٹس نہیں ہوتے۔ یہ تو بس اوپر والے کی مہربانی ہے کہ اس نے عزت دی ہے۔ صلاحیت دی ہے۔ رہ گئی کمی کی بات تو کمی محسوس کرنے سے ہوتی ہے۔ زندگی ایک امتحان گاہ ہے ڈیئر۔ جو ملا اس پر شکر کرنا اور جو نہیں ملا اس پر صبر۔ یہی تو آزمائش ہے بندے کی۔''
''اچھا بابا، میں ہاری تم جیتیں۔ تم سے دلائل میں جیت بھی کون سکتا ہے۔'' عینی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے تک لے جاتے ہوئے کہا تو وہ کھل کر ہنس پڑی۔
''اب مجھے اجازت دو شام ہونے کو ہے۔'' اس کی نظر وال کلاک پر پڑی تو یک دم پھرتی سے پیر بستر سے اتارے۔ چھ بجے تک زاویار گھر آ جاتا تھا۔
اور اس وقت ساڑھے چھ ہو رہے تھے۔ باتوں باتوں میں وقت کا پتا ہی نہیں لگا۔ ورنہ اس نے سوچ رکھا تھا کہ چھ سے پہلے گھر کے لیے نکل جائے گی۔
''تھوڑی دیر تو اور رکو یار۔'' عینی نے اصرار کیا
''سوری اب ذرا مشکل ہے۔'' وہ رکنے کو تیار نہ ہوئی۔ اور پھر الوداعی کلمات کہہ کر کمرے سے نکل آئی۔
اوپر کاریڈور میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے شکر کی سانس لی اور پھر سیڑھیوں کی طرف چلی آئی۔ ابھی آخری اسٹیپ پر پاؤں دھرا ہی تھا کہ عقب سے آنے والی آواز نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔
''دُرِ مکنون۔'' بھاری مردانہ آواز قدرے ناراضی کا تاثر لیے ہوئے تھی۔
اس کی دھڑکن جیسے لمحے بھر کے لیے رکی۔ قدم جم سے گئے۔ تاہم مڑ کر نہ دیکھا۔ حتیٰ کہ زاویار انصاری اور اس کے بیچ تین اسٹیپ کا فاصلہ رہ گیا۔ لامحالہ اسے رخ پھیرنا پڑا۔

''جی!'' پُراعتماد اور بظاہر پُرسکون انداز تھا۔ وہ الگ بات کہ دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

''گفٹ کیوں واپس کیا؟'' وہ تو بنا تمہید براہ راست اسے کٹہرے میں لے آیا تھا۔

''کون سا گفٹ'' ریلنگ پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔

''وہ ہی جو میں نے دیا تھا۔''

''مجھے؟ آر یو شیور کہ ''آپ'' نے ''مجھے'' کوئی گفٹ دیا تھا۔'' آپ اور مجھے کے الفاظ پر زور دیتے ہو۔ اس نے حیرت بھری رسانیت سے استفسار کیا تو زاویار کی بھویں ایک مخصوص زاویے پر آرکیں۔

''مگر مجھے تو کسی گفٹ کے اوپر آپ کا نام نہیں ملا۔''

''اُف اس شخص کی آنکھیں کس قدر بولتی ہیں۔'' اس نے خوشامدانہ جواب دیا۔

اس کی گہری نظریں اسے پزل کر رہی تھیں مگر دُرِ مکنون نے اس کا ذرا بھی اظہار نہیں کیا تھا۔

''ہاں البتہ ایک بے نام تحفہ ضرور ملا۔ کیا وہ آپ نے دیا تھا؟'' تجاہلِ عارفانہ سے پوچھتی وہ زاویار انصاری کو سیدھے دل میں اترتی محسوس ہوئی۔

''آئی ایم سوری۔ اگر میری یہ جسارت بری لگی ہے تو۔''

درمکنون کے تیکھے چتون یک بیک اسے پشیماں کر گئے تھے وہ واقعی شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔

''کیسی جسارت؟ ایک نام تک تو آپ سے لکھا نہیں گیا۔ کس جرأت کی بات کرتے ہیں آپ۔''

سنجیدہ لہجہ، متین اطوار اور رسانیت بھرا سوال۔

زاویار انصاری نے خود کو لاجواب پایا تو بے ساختہ خود کو دل ہی دل میں گھر کا۔

''دیکھیے مسٹر زاویار۔ نہ میں بے نام تحفے قبول کرتی ہوں اور نہ ہی بے نام تعلق استوار..... میں پڑھ رہی ہوں۔ کچھ بننا چاہتی ہوں۔ تعلیم میرا passion ہے۔ اگر آپ کے دل میں میرے لیے ذرا سا بھی regard ہے تو پلیز مجھے میری راہ سے نہ بھٹکائیں۔ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اس وقت کا انتظار کرنا ہی ہم دونوں کے حق میں بہتر ہوگا۔''

وہ اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر اپنا مطمح نظر واضح کر کے انصاری ہاؤس کی دہلیز پار کر گئی۔

اپنی عمر کے مقابلے میں وہ بہت میچور تھی۔ درحقیقت اس کے اس سمجھدارانہ رویے نے زاویار کو بیک وقت حیران اور متاثر کیا تھا۔ وہ وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔ اس کی نہ میں شاید ایک ایسی ہاں تھی جس نے زاویار انصاری کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

......☆......☆......

پھر یہ ہوا کہ LUMS میں داخلے کی تیاری کے لیے عینی نے اس کے منع کرنے کے باوجود بابا سے بات کر لی اور یوں وہ دونوں زاویار سے مدد لینے لگیں۔

اس روز کے بعد سے جب سے اس نے تحفہ واپس لوٹایا تھا۔ زاویار اپنے رویے میں بہت محتاط ہو گیا تھا۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ دُرِ مکنون عام لڑکیوں کی طرح نہیں ہے۔ وہ نہ صرف حسن کے معاملے میں یکتا ہے۔ بلکہ اس کی سوچ اور اس کا لائحہ عمل بھی باقی لڑکیوں کی طرح نہیں۔ جو مرد کی ذرا سی محبت کی آنچ سے پگھل جاتی ہیں۔ وہ خود بھی بڑی پریکٹیکل تھی۔ اور ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتی تھی۔ پھر یہ زاویار کا ہی رویہ تھا کہ آہستہ، آہستہ اس کے اور دُرِ مکنون کے درمیان کا فاصلہ گھٹنا شروع ہو گیا۔

وہ ان دونوں کا ٹیچر تھا۔ ساتھ، ساتھ قدرے بے تکلفی بھی ہوتی گئی۔ تاہم دل کی بات یا اس سے متعلق کوئی عندیہ اس نے دوبارہ کبھی نہ دیا۔ کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ ایسی بھول کر کے وہ درمکنون جیسا اسم با مسمّٰی آبدار موتی

کھودے گا۔ اور ایسا وہ ہونے دینا نہیں چاہتا تھا۔

.....☆.....☆.....

LUMS کا SAT Reasoning Test حسبِ توقع اور حسبِ سابق وہ بڑی آسانی سے پاس کر گئی۔ جبکہ عینی ایک اچھے مارجن سے فیل ہوئی۔ خبر افسوسناک تھی۔ جس کے باعث وہ ٹھیک طریقے سے اپنی کامیابی کو انجوائے بھی نہ کر سکی۔

''اوہ کم آن دُرّی۔ میں نہ سہی تم نے تو کلیئر کیا ناں ٹیسٹ۔ کم از کم تم تو مسکرا دو۔''

رزلٹ دیکھنے کے لیے عینی نے اسے انصاری ہاؤس بلایا تھا۔ جسے زاویار کے لیپ ٹاپ پر دیکھنے کے بعد وہ افسردہ ہوئی تھی۔ عینی کا دل اداس ضرور تھا تاہم یہ نتیجہ اس کی توقع کے برعکس نہ تھا۔ اتنا تو اسے بھی اندازہ تھا کہ اس کا پاس ہونا مشکل ہے۔ لہٰذا وہ ذہنی طور پر تیار تھی۔ جبکہ دُرِّ مکنون درحقیقت اپنے لیے خوش ہوتے ہوئے بھی مکمل طور پر مسرور نہ ہو سکی۔ اس کی خوشی ادھوری رہ گئی تھی اور یہ احساس جیسے اس کے چہرے پر درج تھا۔

عینی نے اسے سمجھایا تو وہ بے دلی سے مسکرا دی۔

اس کی اداسی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ زاویار نے اسے بغور دیکھا۔

اس کی لاڈلی بہن کی ناکامی دُرِّ مکنون کے لیے کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا دل بھی گویا اسی کی طرح خوب صورت تھا۔

زاویار کا دل اپنے انتخاب پر خوشی محسوس کیے بنا نہ رہ سکا۔ تاہم عینی کو اس نے بے نقط سنائی تھیں۔

''غلطی تمہاری اپنی ہے عینی۔ تم نے اس ٹیسٹ کو سیریس نہیں لیا۔ نہیں تو اتنے مارجن سے فیل نہ ہوتیں تم۔''

زاویار کے تند لہجے پر دُرِّ مکنون ناگواری محسوس کیے بنا نہ رہ سکی تھی۔ عینی کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''کوئی بات نہیں عینی۔ تم اگلے سال پھر ٹیسٹ دینا۔ I want to be with you there is always a next'' دلداری اور محبت سے کہتی دُرِّ مکنون زاویار کی نگاہوں کا مرکز بنی تھی۔

''اے کاش یہ جملہ میرے لیے ہوتا۔'' اس کی نظریں پکار، پکار کر کہہ رہی تھیں۔ دُرِّ مکنون کی پلکوں پر جیسے بوجھ آ گرا تھا۔

''نہ بابا... مجھے معاف کرو۔ میں ایسے ہی خوش ہوں۔ اس aptitude ٹیسٹ کے نتیجے میں مجھے اپنا aptitude پتا لگ گیا ہے۔ لہٰذا دس چیپٹر از کلوز ڈناؤ۔'' عینی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''تاہم آپ دونوں ذرا انگڑی سی ٹریٹ دیں۔ دری اپنے پاس ہونے کی اور زوی بھائی اس برانڈ نیو کار کی جو آپ کو آغا جان نے تحفے میں دی ہے۔''

عینی نے وائٹ ٹویوٹا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس سے پشت لگائے زاویار کھڑا تھا۔

''شرم کرو، فیل ہوئی ہو تم اور تمہیں ٹریٹ کھانے کی پڑی ہے۔ پہلے ذرا گھر والوں اور آغا جان سے ڈانٹ تو کھالو۔'' زاویار نے اسے شرمندہ کرنے کے ساتھ ساتھ ڈرایا بھی۔

''ہاں تو میں نے کون سے اکیلے ڈانٹ کھانی ہے۔ آپ نے ہی پڑھایا تھا مجھے۔ کہا بھی تھا میں نے کہ کسی انسٹی ٹیوٹ سے تیاری کر لیتی ہوں۔ مگر اس وقت تو آپ کو بڑی ہمدردی ہو رہی تھی ناں تو اب ڈانٹ میں بھی آپ ہی حصے دار بنیے گا۔'' عینی مزے سے جواب دیتی برابر والی کرسی پر آ بیٹھی تو بلا ارادہ زاویار کی آنکھیں دُرِّ مکنون سے چار ہوئیں۔

عینی نے بلا سوچے سمجھے سچ کہہ دیا تھا جس پر دُرِّ مکنون کا دل دھڑک کر رہ گیا۔ اس نے نگاہوں کا رخ پھیر لیا تھا۔

تو گویا اس بار زاویار نے روایت شکنی کی تھی اور اس کے پیچھے محرک کیا ہے وہ جان گئی تھی۔ چہرے پر سرخی سی چھانے لگی جو زاویار انصاری کی نگاہوں کی لیے مقناطیس کا کام دے رہی تھی۔

(جاری ہے)

وہ اک لمحہ

عائشہ تنویر

رات دیر سے سونے کی وجہ سے صبح اس کی آنکھ بھی دیر سے ہی کھلی۔ تب ہی اس وقت اتنی افراتفری میں تیار ہوتے ہوئے اسے بھابی سے شکوہ کرنے کا ٹائم بھی نہیں ملا تھا۔ یوں بھی بھابی اس کے یوں ہر وقت پڑھائی کو سر پر سوار کرنے سے نالاں ہی رہتی تھیں۔ وہ خود اتنی وقت کی پابند اور ذمے دار تھی کہ آج اسے سوتے دیکھ کر انہوں نے یہی سوچا ہوگا کہ آج شاید چھٹی کرنی ہے۔ بچے اسکول جا چکے تھے۔ بھائی جی دیر سے ہی جاتے تھے...... اب بھی

خاموش گھر میں بھائی جی اور بھابی کی باتیں اسے واضح سنائی دے رہی تھیں۔ تیار ہوتے، ہوتے اس نے بے دھیانی میں سنا۔ موضوعِ بحث نیچے والی منزل پر واقع چاچا جی کے گھر میں آج رات ہونے والی دعوت تھی۔ جس میں وہ لوگ بھی مدعو تھے۔ بھابی تو ظاہر ہے میکے سے آنے والے دعوت نامے پر خوش ہی تھیں۔ لیکن بھائی جی کو رات کسی دوست کی شادی میں جانا تھا۔ اب چاچا جی کا احترام مانع تھا کہ ان کی اتنے پیار سے کی گئی دعوت میں نہ جاتے اس لیے اب بھابی سے الجھ رہے تھے۔

''تمہیں پتا بھی تھا۔ دو چار دن آگے پیچھے کر لیتے دعوت تو کیا ہوتا۔''

''تو آپ جلدی سے کھانا کھا کر چلے جانا' شادیاں کون سا شام کو ہو جاتی ہیں۔'' بھابی نے بھائی کا غصہ ٹھنڈا کیا۔

''یہاں تو تم لوگ جیسے شام کو ہی کھالو گے ناں گیارہ تو یہیں بج جاتے ہیں۔ تمہیں پہلے ہی منع کر دینا چاہیے تھا۔'' بھائی کا موڈ بہت خراب تھا۔ بھابی بھی اس بحث سے بیزار ہوئیں۔

''تو جاؤ منع کر آؤ خود.....''

''ہاں پھر چاچے کی گالیاں بھی سنو..... ویسے تو میں نہ بھی کھاتا کھانا لیکن آج تو چاچا نے اس سیٹھ صاحب کو بھی بلایا ہے' اس نے تو بھگو، بھگو کر مارنی ہے سب کو کہ اوپر والے آئے نہیں ہم چاند سے آگئے اپنا ملک چھوڑ کر.....'' بھائی جی کا انداز ہنوز جلا کٹا تھا لیکن انہوں نے ہار مان لی تھی۔ اپنے باپ جیسے چاچا کو وہ بیٹوں والا مان ہی دیتے تھے۔ جبکہ ثمین ان کے انداز پر بے ساختہ مسکرائی تھی وہ جانتی تھی کہ شازی آپی (بھابی کی بہن) کے شوہر کو سب ہی طنزاً سیٹھ صاحب یا بابو صاحب بلاتے ہیں، یہاں گھر میں اوپر نیچے سب گاڑیوں کا کام کرنے والے کم پڑھے لکھے لوگ..... پیسہ بے شمار لیکن تعلیم ندارد.....

ایسے میں باسط بھائی تعلیم یافتہ اور بہت مختلف مزاج کے مالک..... کبھی انہوں نے یہاں آ کر ان میں گھلنے ملنے کی کوشش نہیں تو ان کا یہ سرد انداز سب کو ہی کھلتا۔ لیکن وہ انہیں بہت پسند کرتی تھی۔ تھے تو پھپھو کے ہی بیٹے..... اس خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود انہوں نے اعلیٰ تعلیم اور اچھی جاب حاصل کی..... وہ دل سے شازی آپی کو خوش قسمت مانتی تھی جو اس ماحول سے تعلق رکھتے ہوئے بھی انہیں ایسا سلجھا ہوا تہذیب یافتہ شوہر ملا۔ جلدی، جلدی بیگ میں پیسے چیک کرتی وہ باہر کو لپکی۔

''میں جا رہی ہوں اللہ حافظ.....''

''ارے نگی تم کب اٹھیں.....؟ ناشتا تو کر لو.....''

بھابی سب چھوڑ چھاڑ اس کے پیچھے لپکیں۔

''نہیں دیر ہو رہی ہے ابھی ہادیہ کو بھی نکالنا ہے کمرے سے۔'' وہ رکے بغیر بولی تھی وہ جتنی ذمے دار تھی بھابی کی چھوٹی بہن..... اس کی ہمجولی اتنی ہی..... بے پروا' روز نیچے جا کر اسے کتنی، کتنی دیر انتظار کرنا پڑتا لیکن یہ بھی سچ تھا کہ یہاں اوپر نیچے سب ہی اس سے بہت محبت کرتے اور اس کا خیال رکھتے تب ہی اسے رکتے نہ دیکھ کر بھابی نے وہیں سیڑھیوں سے منہ پیچھے کر کے آواز لگائی تھی۔

''امی نگی کو ناشتا کروا دیں۔'' اس سے پہلے بھابی کی آواز نیچے گئی تھی تب ہی جب وہ نیچے پہنچی تو ہادیہ یہ کہتے ہوئی بھاگی۔

''تم جب تک ناشتا کرو، میں عبایا پہن کر آتی ہوں۔''

''تم کبھی وقت پر تیار نہ ہونا۔'' وہ بھنائی تھی۔ جانتی تھی کہ وہ اسکارف سیٹ کرنے میں ہی گھنٹا لگا دے گی۔ چاچی اس کے لیے چائے لینے کچن میں چلی گئیں اور وہ وہیں تخت کے کنارے ٹک گئی، وہاں ہادیہ کے ناشتے کے برتن رکھے تھے اور سامنے ہی راجو بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔

''میرے ساتھ کر لو.....'' راجو نے شوخی سے اپنی پلیٹ آگے کی۔

''شکریہ.....'' اس نے رکھائی سے جواب دیا لیکن سامنے والے کے کھلے ہونٹوں پر کوئی کوئی اثر نہیں ہوا۔

اپنی بچپن کی منگیتر کے اس گریز کو وہ بھی سب کی طرح شرم و حیا ہی تصور کرتا تھا۔ جبکہ نگین نے تو کبھی اسے اس رشتے میں قبول ہی نہیں کیا تھا وہ کوئی آئیڈیل پرست لڑکی نہ تھی لیکن اسے باسط بھائی جیسے پڑھے لکھے لوگ پسند تھے۔ آفس والی جاب اور تو تڑاخ کے بجائے آپ، آپ کہہ کر بات کرنے والے بس اتنی ہی خواہش تھی۔ اور یہ راجو، چاچا کے ہزار ڈنڈے کھا کر بمشکل میٹرک اور پھر گاڑی کے کام میں ہی ڈپلوما کر لیا..... اب اس کی الگ ورکشاپ تھی پیسہ بھلے ہی کتنا ہو لیکن کہلاتا تو موٹر مکینک ہی تھا ناں ہاں گھر میں سب اسے بڑا پڑھا لکھا سمجھتے آخر خود جو سارے لڑکے میٹرک انٹر سے آگے نہ گئے۔ راجو نے تو پھر تین سال کا ڈپلوما بھی کیا..... اس کے ابا اور چاچا کا یہی طریقہ تھا۔ لڑکوں کو کام سکھاؤ تا کہ کمانے والے بنیں، یہاں کس نے انہیں نوکریاں دینی ہیں۔

”لے جلدی کھالے اب.....“ چاچی ناشتا لے آئی تھیں وہ شرمندہ ہوئی۔

”میں نے کہا تو تھا رہنے دیں، دیر ہو رہی ہے۔“

”ایسے ہی بھوکی رہ، رہ کر تو نے اپنا حشر کر لیا..... پیلا رنگ ہو رہا ہے..... اور دیر تو تجھے روز ہی ہوتی ہے وہ حسن آرا جو گھنٹا گھنٹا شیشے کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔“ چاچی نے ایک ہی جملے میں اس سے لاڈ اور ہادیہ پر طنز کا فریضہ ادا کیا۔ اسے بے اختیار ہنسی آئی اس کی ذمے دار، سلجھی ہوئی، سمجھدار فطرت کی وجہ سے چاچی اسے بہت پیار کرتی تھیں۔ یوں بھی اماں کی وفات کے بعد... ان سب نے اسے بہت سہارا دیا تھا۔ وہ دو ہی تو بہن، بھائی تھے لیکن نیچے تو پورا جنجال پورہ آباد تھا۔ چاچا کے ماشاء اللہ چار بیٹے، تین بیٹیاں ان میں سے بھی تین بیٹے اپنی بیوی بچوں والے...... اب تو بس یہ ہادیہ اور راجو ہی باقی تھے جن کی شادی بھی ہو ہی جاتی کچھ عرصے میں۔

”چلو جلدی کرو بھئی..... تم نے ابھی تک ناشتا ہی نہیں کیا۔ دیر ہو رہی ہے.....“ وہ چائے کے آخری گھونٹ ہی لے رہی تھی جب ہادیہ شور مچاتی آگئی جیسے خود تو بہت پہلے سے تیار ہو اور نگین ہی اسے دیر کروا رہی ہو۔

کالج میں آج پریکٹیکل تھا۔ سارا دن تھک ہار کر جب وہ فارغ ہوئیں تو ہادیہ صاحبہ نے پھپو کے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

”دماغ ٹھیک ہے تمہارا......؟“ وہ تپ گئی۔

”یار میں نے بسمہ کو جرنل دینا ہے وہ ڈایا گرام بنا کر رات کو شازی آپی کے ہاتھ بھجوا دے گی۔ میری بات ہو گئی اس سے.....“ ہادیہ نے پھپو کی دیورانی کی بیٹی کا نام لیا۔ پھپو بھی شروع سے اپنے سسرال کے ساتھ ہی رہتی تھیں سو بچپن سے آتے جاتے ان لوگوں کی بھی وہاں سب سے بہت دوستی تھی۔

”ویسے یہ رات کو دعوت ہے کس خوشی میں؟“ اسے یاد آیا۔

مشکل کام

کسی کی برائی کرنا، گو مسلمان کا شیوہ نہیں برائی ویسے بھی انتقام کی ایک مہذب شکل ہے۔ مگر اس حقیقت سے کیسے آنکھیں چرائیں کہ جب ہم بحالتِ مجبوری کسی کی تعریف کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے ہم اپنی قیمت کم کر کے دوسروں کا بھاؤ چڑھا رہے ہیں، کسی کی تعریف کر کے نہ جانے کیوں ذہن پر ایک بوجھ سا آجاتا ہے۔

ایک ناآسودگی کی سی کیفیت پوری شخصیت کی عمارت میں تخریب کاری کرنے لگتی ہے۔

شاید اس لیے کسی کی برائی کر کے طبیعت کو جو خوشی اور شگفتگی سی محسوس ہوتی ہے وہ تعریف کرنے میں کہاں؟

اقتباس۔ کھری کھری، جلترنگ۔ انجم انصار

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

''سردیاں آگئی ہیں، میری اماں نے خاندان والوں کو پائے کھلانے ہیں اپنے ہاتھ کے مشہور زمانہ۔'' ہادیہ نے بیزاری سے کہا۔

''ہاں تمہارے گھر دعوت ہے..... بھابیاں تمہاری کام کر کر کے مر رہی ہوں گی اور تم سیر بیں کرو.....'' اس نے ہادیہ کو چھیڑا اور وہ حسب توقع چھڑ بھی گئی۔

''اتنی اچھی بھابیاں نہیں ہیں میری..... ابھی کالج سے جاؤں گی تو جت جاؤں گی کام میں خود تو سب بچوں کو سلانے کے بہانے سونے چل دیں گی۔''

''تم جاؤ گی تب ناں لیکن تم تو ابھی گھر جا ہی نہیں رہیں۔'' اس نے جلتی پر تیل ڈالا اور بمشکل مسکراہٹ دبائی۔

''بریانی بازار سے آئے گی پائے تو اماں نے صبح ہی چڑھا دیے تھے۔ باقی نازی آپی بھی نیچے آ کر مدد کروا دیں گی نا اسی بھی ہوگی، تم بے فکر رہو میری بھابیوں پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ہاں تم جس دن بنو گی ناں میری بھابی تو تم سے دیگیں پکواؤں گی.....'' غصے سے بولتے، بولتے اس کی نظر نگین کے مسکراتے چہرے پر گئی تو جوابی حملہ کیا اور نگین کی مسکراہٹ فوراً سمٹی..... اس کا راجو سے شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن ابھی گھر کے بڑوں کے سامنے یہ بات کر کے وہ کوئی طوفان نہیں لانا چاہتی تھی۔ اس سے اس موضوع سے احتراز ہی برتی تھی۔

''شکریہ مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہاری بھابی بننے کا.....'' لیکن پھر بھی اس نے ترخ کر جواب دیا تھا۔

''لیکن ہمیں تو ہے ناں شوق تمہیں بھابی بنانے کا.....'' اب تنگ کرنے کی باری ہادیہ کی تھی وہ چپ ہی ہوگئی۔ پھپو کے گھر آئے تو ہادیہ بسمہ کو کام سمجھانے لگی۔ پھپو بھی وہیں اپنی دیورانی کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ سب سے سلام دعا کرتے تھوڑی دیر تو وہ وہاں بیٹھی پھر بور ہو کر شازی آپی سے ملنے کا کہہ کر اوپر چلی آئی۔ ارادہ تھا کہ چپکے سے جا کر انہیں اچانک ڈرا دے گی سو بنا شور کے آہستگی سے اندر جا رہی تھی جب باسط بھائی کی بلند آواز نے اس کے قدم روک دیے۔

''تم خود ہی چلی جانا امی کے ساتھ۔ میں نہیں برداشت کر سکتا تمہارے جاہل رشتے داروں کو۔'' یہ لب و لہجہ سن کر وہ ششدر رہ گئی۔

''آپ کا بھی کچھ رشتہ ہے ان سے۔'' شازی آپی کی آواز مدھم، دھیمی لیکن بہت تلخ تھی۔

''بدقسمتی سے..... سچ تو یہ ہے کہ ساری زندگی میں اپنے ماموؤں کے گھر نہیں گیا اور پھر بھی میری ماں نے زبردستی وہیں میرا مقدر پھوڑا۔'' انہوں نے مزید زہر اگلا۔

''اب تو جو ہونا تھا ہو گیا ناں.....! آپ چلے چلیں آج..... عید پر بھی نہیں گئے تھے۔ آپ کے لیے ابا نے خصوصی یہ دعوت رکھی ہے، کیا جواب دوں گی میں.....'' شازی آپی شاید ایسی باتوں کی عادی تھیں تب ہی بحث کے بجائے موضوع پر واپس لوٹیں۔

''جو مرضی بولو چاہے تو صاف بتا دو کہ مجھے ان لوگوں سے ملنا پسند نہیں..... نہ کیا کریں میرے اعزاز میں دعوتیں.....''

باسط بھائی کا انداز بہت تضحیک آمیز تھا۔ اور وہاں کھڑے، کھڑے نگین کو آج زندگی میں پہلی بار تعلیم یافتہ اور تہذیب یافتہ ہونے کا فرق پتا چلا تھا۔ اس کا بھائی ڈگریاں نہیں رکھتا تھا لیکن اپنے سے بڑوں کا ادب کرنا جانتا تھا۔ بیوی، بچے، بہن، بھائی کا مان رکھنا اسے آتا تھا۔

اور یہاں باسط بھائی جو بظاہر لوگوں کو آپ جناب کر کے مخاطب کرتے اپنے اندر کتنا تنفر رکھتے تھے۔ بس ایک لمحہ لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں وہ وہیں سے پلٹی تھی۔

''شریک زندگی خواہ امیر، خوب صورت تعلیم یافتہ ہو نہ ہو لیکن اسے اپنی شریک حیات اور اس سے منسلک رشتوں کا احترام کرنا ضرور آنا چاہیے۔'' اس نے سوچا تھا۔ راجو یقیناً اس کے لیے ایسا ہی ثابت ہوگا..... رشتوں کا احترام کرنے والا..... مان دینے والا..... اسے اب کوئی انکار نہیں کرنا تھا۔

❁❁❁

مان

فصیحہ آصف خان

تیزی سے ہاتھ چلاتی مرحانے ایک بار پھر پلٹ کر وال کلاک کو دیکھا جو اس سے بھی زیادہ تیزی سے وقت گزرنے کا احساس دلا رہی تھی۔ پتا نہیں صبح کے وقت .....کو جیسے پر لگ جاتے ہیں اڑتا رہتا ہے.....بھلا روک کون سکا ہے وقت کی رفتار کو۔

''بھابی ناشتا تیار ہے ناں.....؟'' اسد شرٹ کے کف بند کرتا کچن میں آتے ہی بولا.....تو مرحانے سر ہلا کر ڈائننگ ٹیبل پر اس کا پراٹھا اور رات کا بنا ہوا سالن رکھ دیا۔

''جیو بھابی.....'' اسد کو اس کا بنا ہوا پراٹھا بے حد پسند تھا، نرم، خستہ تہ در تہ.....بل دار، سنہری اور خوشبو اڑاتا، وہ مزے سے کھانے لگا۔ مرحانے اس دوران اس کی چائے کا مگ رکھا اور جاذب کے لیے پراٹھا بنانے لگی

کہ وہ بھی کسی لمحے آنے ہی کو تھا۔

''آج ثوبیہ کالج نہیں جائے گی؟'' مرحا نے اسے نہ پاکر پوچھا تو اسد نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر وجہ بھی بتائی۔

''اس کا کل ٹیسٹ ہے۔ آج پڑھے گی گھر میں۔'' وہ جیسے طنز کرتا ہوا بولا تو مرحا کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔ چائے کا مگ اسد نے میز پر رکھا تو جاذب، ماں کے ساتھ اندر آ گیا۔ دونوں جانے کس بات پر بحث کر رہے تھے۔

''اچھا جی اوکے بائے، سلام، تھینکس پیاری بھابی۔'' اسد شوخ لہجے میں کہتا ماں اور بھائی کو سلام کر کے باہر چلا گیا۔

''آپ اچھی طرح سوچ لیں، جلدی کیا ہے؟'' جاذب کہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

رقیہ بیگم نے صرف ''ہوں'' کہا، اور کسی سوچ ڈوب گئیں۔ مرحا نے ان دونوں کا ناشتا رکھنے میں دیر نہ کی۔ وہ تھی ہی بہت پھرتیلی۔ وقت پر کام کرنے والی، سلیقہ اور طریقہ الگ خوبیاں تھیں۔ جاذب اس کی انہی خوبیوں کا معترف تھا بلکہ دیوانہ تھا۔

ناشتے کے بعد جاذب آفس چلا گیا۔ مرحا نے ناشتا کیا۔ رقیہ بیگم سے چند باتیں کیں کہ ماسی خیراں آ گئی۔

مرحا اس کے ذمے کام لگا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ بستر درست کیا۔ دھونے والے کپڑے الگ کیے، تولیا ٹیرس پر پھیلایا۔ شام کے لیے اس نے جاذب کے کپڑے استری کے لیے نکالے۔ ان کاموں کے بعد وہ مطمئن تھی۔ اب باقی کام ماسی خیراں کا تھا۔ باہر رقیہ بیگم اپنی نگرانی میں اس سے کام کروا رہی تھیں۔ ایک پُرسکون، سلجھا ہوا ماحول تھا، ترتیب سے ہوتے کام، گھر کا ماحول خوشگوار رہتا تھا۔

☆☆☆

چھ ماہ قبل اس کی شادی جاذب سے ہوئی تھی۔ جاننے والوں کے توسط سے رشتہ ہوا، مرحا کی والدہ کچھ عرصے پہلے وفات پا گئی تھیں۔ ابو، بھائی اور بھابی تھے، بھائی کے دو بچے تھے۔ جاذب کے والد نہ تھے، بڑی بہن فاکہہ شادی شدہ تھی۔ پھر جاذب، اسد اور ثوبیہ تھے، گھر کا نظام رقیہ بیگم کے ہاتھ میں تھا۔ اسد یونیورسٹی تو ثوبیہ ایف اے میں تھی۔

مرحا گھریلو امور میں طاق تھی۔ مگر مزاجاً بھولی اور سادہ تھی، آج کل کی چالاکیوں کو سمجھتی نہ سازشوں کو، اپنے کام سے کام رکھتی۔ جاذب اپنے گھریلو ماحول سے آسودگی محسوس کرتا تھا۔ ورنہ دوستوں سے سنتا رہتا تھا کہ ساس، بہو اور نند، بھاوج کے جھگڑے گھر کے گھر تباہ کر ڈالتے ہیں، یہاں کچھ بھی ایسا نہیں تھا۔

اس روز ناشتا بناتے ہوئے اسے شدید گھبراہٹ ہوئی۔ وہ کمرے کی سمت دوڑی۔ پھر تیار ہوتی ثوبیہ کو مجبوراً ناشتا بنانا پڑا، وہ بڑبڑاتی رہی، رقیہ بیگم کا منہ الگ پھول گیا۔

''کیا ہوا؟'' وہ آتے ہی بستر پر ڈھے سی گئی۔ تیار ہوتا جاذب لپک کر اس کے پاس آیا۔ اور اس کے قریب بیٹھ کر محبت سے پوچھنے لگا۔ تشویش الگ تھی۔

''پتا نہیں چکر آ رہے ہیں، جی متلا رہا ہے۔'' وہ بولی اور منہ پر ہاتھ رکھ کر واش روم کی طرف بھاگی۔

پھر دوپہر تک اسے ماں بننے کی خوش کن نوید مل گئی تھی گھر میں جہاں خوشی کی لہر دوڑی۔ وہیں ناگواری نے بھی سر اٹھایا۔ جاذب کا یہ کہنا کہ مرحا اب ناشتا نہیں بنائے گی ثوبیہ کو جیسے ڈنک سا لگا۔ اسے کب عادت تھی صبح، صبح کچن میں جھانکنے کی کجا کہ ناشتا..... رقیہ بیگم جوڑوں کی مریض تھیں، لامحالہ ثوبیہ کو یہ ذمے داری نبھانا تھی۔ بادلِ ناخواستہ یہ کام انجام دینا تھا۔

مرحا کو جیسے ہتھیلی کا چھالا بنا لیا تھا جاذب نے۔ جاذب جو گھر کا سربراہ بھی تھا۔ رقیہ بیگم کو غصہ تو بہت آیا پر خاموش رہیں۔ مگر کدورت دل میں پنپتی رہی۔ فاکہہ آتی تو وہ دل کے پھپھولے پھوڑنے لگیں۔

''چھوڑیں امی پہلا بچہ ہے، آرام کرنے دیں، ماسی آتی تو ہے۔'' فاکہہ جو سمجھدار تھی، ماں کو رسانیت سے حالات اچھے رکھنے پر سمجھانے لگی۔ رقیہ بیگم صرف ''اونہہ'' کر کے رہ گئیں۔

پھر اوپر تلے کے دو بچوں نے مرحا کو حقیقت میں گھما ڈالا تھا۔ سعد ذرا سمجھدار بھی نہ ہوا تھا کہ ارج آ گئی۔ ارج بے حد کمزور اور چڑچڑے مزاج کی تھی۔ آئے دن بیمار رہتی، صحیح معنوں میں ارج نے مرحا کو نگنی کا ناچ نچا دیا تھا۔ کبھی الٹیاں، کبھی موشن، کوئی دودھ موافق نہیں آ رہا تھا۔ دو دن ٹھیک تو چار دن بیمار.....

بس نظام زندگی کسی طرح چل رہا تھا۔ جاذب کی ترقی ہوگئی۔ اسد کو بھی اچھی نوکری مل گئی۔ ماسی کو کچھ اضافی کام سونپ دیا گیا تھا۔

اب ثوبیہ کی شادی کے معاملات طے ہو رہے تھے۔ رقیہ بیگم بھی خاصی بیمار رہنے لگی تھیں۔ گو پہلے جیسا جسمانی دم خم نہیں رہا تھا۔ مگر بحث و مباحثے میں آج بھی کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔

☆☆☆

سچ ہی کہا ہے کسی نے کہ ''سسرال والوں کی کیمسٹری سمجھنا ناممکن ہے۔'' لاکھ سر کھپاؤ، جان پٹخو، کہیں نہ کہیں، کچھ نہ کچھ غلط ہو ہی جاتا ہے، سیچ کرنے کے چکروں میں۔ صحیح ہو بھی تو بھی سسرالی اسے غلط ہی گردانتے ہیں۔ روزِ اول سے یہ سلسلہ بدستور چلتا آ رہا ہے۔ (مگر یہ بھی طے ہے کہ یہ سب ہر جگہ ہوتا بھی نہیں ہے) ثوبیہ کے لیے آیا رشتہ گھر والوں کو پسند آیا، انہیں بھی ثوبیہ پسند آئی۔ رقیہ بیگم نے تحقیقات کروا کے اوکے کر دیا۔

ثوبیہ بی اے کر چکی تھی۔ مناسب عمر تھی، گھر میں کوئی مسئلہ نہ تھا۔ سو وہ جلد سے جلد یہ فرض ادا کرنا چاہتی تھیں۔ اسد ابھی شادی کے لیے تیار نہ تھا۔ نئی نئی نوکری لگی تھی۔ گھر میں خوشگوار سی فضا قائم تھی۔ رات کو سب بیٹھ کر مختلف باتیں کرتے، پروگرام بناتے کہ منگنی کا فنکشن کیسا ہونا چاہیے؟ کھانے میں کیا، کیا ہو؟ کس، کس کو بلانا ہے؟ رقیہ بیگم چاہتی تھیں کہ بہت اعلیٰ درجے کا فنکشن ہو مگر جاذب اور اسد سادگی کے قائل تھے سو اسی بات پر اتفاق کیا گیا۔

اگلے ہی دن سعد اور ارج ایک ساتھ موسمی بخار، الٹیاں اور دستوں کا شکار ہوگئے۔ ڈائریا جیسی صورت حال بن گئی تھی۔ دو دن بعد گھر میں تقریب تھی۔ آج بھی مرحا سارا دن ان کے ساتھ لگی رہی۔ ساتھ، ساتھ گھر کی صفائی ستھرائی اور نگرانی بھی کرتی رہی۔ ان کے پیمپرز تبدیل کرواتی تو کبھی پرہیزی خوراک تیار کرتی۔ اپنا کچھ ہوش نہیں تھا۔ جاذب الگ پریشان تھا۔ رات وہ بھی مرحا کے ساتھ جاگتا رہتا، حالانکہ وہ اسے بہت کہتی کہ سو جائے صبح آفس جانا ہے مگر اسے بیوی کی پریشانی کا احساس تھا، بچے اس کے بھی تو تھے۔ مرحا سارا دن کاموں میں لگی رہتی تھی۔ رات بھی آنکھوں میں کٹ جاتی تھی۔ ان سب حالات میں وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی کمی رہ جائے اور اس کے کیے کرائے پر ایک ذرا سی غلطی کی وجہ سے پانی پھر جائے۔

اُف، وہ پارلر بھی نہ جا سکی تھی۔ فاکہہ، ثوبیہ کو لے کر ضروری ٹریٹمنٹ کے لیے گئی ہوئی تھی۔ آئی تو مرحا کو بھی احساس ہوا۔ دونوں خوب چمک رہی تھیں جبکہ مرحا کے چہرے پر عجیب مردنی چھائی تھی۔ زرد چہرے کے ساتھ وہ بیچارگی سے سوچنے لگی۔ موازنہ کیا تو خود کو خسارے میں پایا۔

دو اوپر تلے کے بچوں نے اسے کس قدر تھکا دیا تھا۔ بیمار نہ ہوتے تو وہ بھی کچھ نہ کچھ اپنی ذات کے لیے کر گزرتی..... حالانکہ وہ تھکنے والوں میں سے نہ تھی..... مگر اس ناگفتہ بہ صورتِ حال میں اس کا کوئی قصور بھی نہ تھا۔

''تم بھی پارلر چلی جاتیں۔'' اسے سر جھاڑ، منہ پھاڑ دیکھ کر رات جاذب کہنے سے باز نہ رہ سکا خود کو تب وہ ذرا تپ کر بولی۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں، بچوں کا خیال کون رکھتا، ایک کا پیمپر بدلتی ہوں تو دوسرا تیار ہوتا ہے، کبھی بخار، الٹیاں، بستر دھو رہی ہوتی ہوں تو کبھی ان کے کپڑے۔'' وہ روہانسی ہوگئی تو جاذب کو واقعی اس پر ترس آ گیا۔ اسے ساتھ لگا کر لگاوٹ سے بولا۔

''تم جس حلیے میں بھی ہو میری جان ہو۔'' جاذب کا محبت بھرا انداز اس کی ساری تھکن اتار گیا۔ بلکہ اک توانائی اس کے ناتواں وجود میں بھر گیا۔

''دوا تو ٹھیک سے دے رہی ہو ناں؟'' جاذب نے بچوں پر چادر صحیح سے اوڑھاتے ہوتے ہوئے ان کمزور نونہالوں کو دیکھا۔

''ہاں، آج کچھ بہتر رہے، ورنہ میں تو ڈاکٹر کے پاس پھر جانے کا سوچ رہی تھی۔'' مرحا، جاذب کے اگلے دن کے کپڑے الماری میں لٹکاتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے میں ذرا امی کے پاس ہو آؤں...... کچھ بات کرنی ہے۔'' جاذب نے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

آج شام کو منگنی کی تقریب تھی۔ اور آج دوپہر کے بعد سعد کی طبیعت پھر بگڑ گئی۔ ایسا روتا کہ خاموش ہی نہ ہوتا۔ ماں کی گود سے اترتا نہ تھا.... تقریب گھر میں ہی تھی۔ اور اسے سو کام نپٹانے تھے، فاکہہ نے ٹائم کے ٹائم آنا تھا۔ اس کے بچوں کے ماہانہ ٹیسٹ تھے۔

رقیہ بیگم صبح سے ہی اسے ہدایات دے رہی تھیں۔ شامی کباب تیار کر کے رکھ دیے تھے۔ فروٹ، ٹرائفل فریج میں، قورمہ، بریانی اور نان بازار سے آنا تھے۔ فروٹ کی ٹوکریاں تیار تھیں۔ سلاد اور رائتہ بنا رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں مردوں اور لاؤنج میں خواتین کے لیے انتظام کیا گیا۔ برتن اور ضروری اشیا وہ میزوں پر رکھوا چکی تھی۔ مارے تھکن کے برا حال تھا۔ پیر من، من بھر کے ہو رہے تھے۔ اندر سے سعد اور ارج کے رونے کی آواز آئی تو وہ لپک کر سب چھوڑ کر کمرے میں دوڑی۔ ابھی ارج کو سلا رہی تھی کہ اسد کی آواز آئی۔

''بھابی......؟'' اسے پکارتا وہ اندر آ گیا۔

''یہ کولڈ ڈرنکس سنبھال لیجیے۔'' وہ کچن میں رکھ کر اسے بتانے آ گیا۔

''ہاں، میں آتی ہوں۔'' مرحا بولی تو وہ واپس چلا گیا۔ شام کا وقت قریب آ رہا تھا۔ رقیہ بیگم بادامی رنگ کے چکن کے سوٹ میں ملبوس تیار تھیں۔ اس کے کمرے میں آئیں۔

''تم بھی تیار ہو جاؤ، مغرب کے بعد مہمان آ جائیں گے۔'' مرحا جو اب گڑیا کے کپڑے تبدیل کروا رہی تھی۔ مڑ کر بولی۔

''جی امی......بس ارج کو تیار کر کے میں آتی ہوں۔''

''کیسی طبیعت ہے اب ان کی؟'' وہ بچوں کو بغور دیکھ کر بولیں۔ دونوں بے حد کمزور اور زرد لگ رہے تھے۔

''ارج تو بہتر ہے مگر سعد کی طبیعت اپ سیٹ ہے ابھی۔ لگتا ہے ڈاکٹر کے پاس جانا پڑے گا۔ شاید ڈرپ لگے۔''

''ارے......اچھا......آج تو نہیں کل چلی جانا۔ ابھی تو دوا دے دو۔'' وہ قدرے ناگواری سے بولیں۔ ان کے خیال میں بچے بیمار ہوتے، ہوتے ہی بڑے ہوتے ہیں۔

''بس اب تم جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ۔'' وہ کہتے ہوئے چلی گئیں۔

''عجیب خاتون ہیں۔'' مرحا سوچ کر رہ گئی۔

اتنے میں دس منٹ بعد جاذب آ گیا۔

''تم ابھی تیار نہیں ہوئیں......'' اسے سابقہ حلیے میں دیکھ کر وہ تیزی سے بولا۔

''بس تیار ہوتی ہوں......آپ فریش ہو کے آ جائیں......'' بچی کو پاؤڈر لگاتے ہوئے اس نے اسے کہا۔ تو وہ واش روم کی طرف مڑ گیا۔

دونوں بچوں سے فارغ ہو کر اس نے بیڈ پر سے سارا فالتو سامان اٹھایا اور الماری سے اپنے کپڑے نکالنے کے لیے اسے کھولا تو......سر تھام لیا۔

''یہ کیا ہو گیا......اتنی بڑی بھول......'' مرحا کی آنکھوں کے سامنے حقیقت میں تارے ناچنے لگے تھے۔

وہ ٹیلر سے کپڑے منگوانا بھول گئی تھی۔ نیا سوٹ جو رقیہ بیگم نے خاص طور پر آج کے لیے اسے دلوایا تھا۔ گلابی، کامدار، خوب صورت سوٹ......آج کی تقریب کے حوالے سے۔ اپنی یادداشت پر اب ماتم ہی کر سکتی تھی......بچوں کو دیکھتی، ان کی بیماری کو دیکھتی......گھر کے انتظامات کا جائزہ لیتی......ایسے میں خود کو......اپنی ذات کو کہاں دیکھتی۔ کہاں رکھتی۔ جاذب آیا اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر خود اس کے قریب آ گیا۔

''کیا ہوا؟'' ساتھ ہی وال کلاک کی طرف دیکھا۔ مہمان کسی لمحے آیا چاہتے تھے۔

''وہ میرا سوٹ، ٹیلر سے منگوانا ہی بھول گئی۔'' مرحا ہکلائی اور آنسو بھری آواز میں بولی۔

''اوہ..... یہ تو ٹھیک نہیں ہوا، مجھے یاد تو کروادیتیں.....'' جاذب بھی صحیح معنوں میں گھبرا گیا۔

''کوئی بات نہیں، میں یہ عید والا سوٹ پہن لیتی ہوں..... یہ دیکھیں بالکل نیا ہی تو ہے۔'' آف وہائٹ کامدار ستاروں والا سوٹ، مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق.....

''ہاں..... یہ ٹھیک ہے، بس تم تیار ہو جاؤ جلدی سے۔ دیر مت کرنا۔'' جاذب بالوں کو سنوارتا، پرفیوم اسپرے کرتا، باہر چلا گیا۔ مہمان آگئے تھے..... سبھی تپاک سے ملے، رقیہ بیگم نے مرحا کو کڑی نظروں سے جانچا..... سعد کو کندھے سے لگائے وہ اِدھر اُدھر کام نپٹا رہی تھی۔

''ماشاءاللہ..... آپ کی بہو بہت پھرتیلی اور سلیقہ مند ہے۔'' ثوبیہ کی ساس نے رقیہ بیگم سے کہا تو مرحا مسکرادی۔

شاندار انتظام مرحا کا قرینہ سبھی کو پسند آیا۔ تقریب شاندار رہی رسم ادا ہوگئی۔ اچھے ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ مرحا کو اپنے تئیں یہ لگا کہ اسے سو میں سو نمبر ہی ملیں گے۔ وہ مطمئن تھی۔

مہمان چلے گئے تو وہ ماسی کے ساتھ سامان سمٹوانے لگی۔ پھر گھر والوں سے قہوے کے بارے میں پوچھنے اندر آگئی۔

''مرحا نے بہت اچھا انتظام کیا امی جان، کیوں ہے ناں؟'' جاذب بہت خوش ہو کر پوچھ رہا تھا۔

''ہاں امی، بھابی نے واقعی کمال کیا ہے۔'' اسد نے بھی کہا۔ رقیہ بیگم جو خاموش تھیں، مرحا کو دیکھتے ہی کڑے تیوروں سے اس سے مخاطب ہوئیں۔

''مرحا جو سوٹ تمہیں دلوایا تھا۔ وہ کیوں نہیں پہنا.....'' ناگواری ان کے لہجے اور انداز سے ظاہر تھی۔

''ہاں یہ رنگ آج کی تقریب کے پہننے کے لیے ٹھیک نہیں تھا۔'' فاکہہ بھی بول اٹھی۔ جاذب نے دیکھا کہ مرحا کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔

''میں ٹیلر سے لانا بھول گیا تھا۔'' جاذب پک دم اس کے دفاع میں بولا۔

''تو یہ یاد کروا دیتی، یہ پھیکا رنگ پہن کر کیا ثابت کرنا چاہتی تھی؟'' رقیہ بیگم کا لہجہ رفتہ رفتہ تلخ ہو رہا تھا۔

''امی..... آپ کو پتا ہے بچے کس قدر بیمار ہیں، خود مرحا کو بھی بخار ہے۔ اس نے اس کے باوجود بھی آپ کو کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ شاباش دینے کے بجائے کس طرح کا رویہ آپ رکھے ہوئے ہیں۔'' جاذب کو افسوس ہو رہا تھا۔

''اور ہاں امی..... آج میں بھی کہہ رہا ہوں کہ میری بیوی لاکھوں میں نہ سہی، ہزاروں میں ایک ہے۔ اسے بھی آپ سے اسی طرح کا پیار چاہیے جو فاکہہ اور ثوبیہ کے حصے میں آتا ہے، اسے عزت چاہیے۔ بھروسا چاہیے، مان چاہیے، مجھے فخر ہے مرحا پر..... اس نے آج تک کوئی شکوہ نہیں کیا۔ کوئی بے جا فرمائش نہیں کی۔ اور ہاں..... یہ سوٹ پہننے کو مرحا کو میں نے ہی کہا تھا۔''

جاذب کی باتوں پر رقیہ بیگم کا منہ لٹک گیا۔ فاکہہ بھی سر جھکا کر رہ گئی۔ تب اسد نے ماحول کی گمبھیرتا کو ختم کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔

''بھیا ٹھیک کہہ رہے ہیں امی..... آج کی بہترین تقریب کا سارا کریڈٹ بھابی کو جاتا ہے۔ بھابی زندہ باد.....'' اسد نے نعرہ لگایا تو سبھی کے چہروں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ اتر آئی۔

مرحا آگے بڑھی اور رقیہ بیگم کے ہاتھ تھام لیے۔

''آپ کی باتیں بجا امی جان..... آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' رقیہ بیگم نے ہاتھ چھڑا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور محبت سے دعائیں دینے لگیں۔

یوں ایک تلخ بات، رائی کا پہاڑ بننے کے بعد خاک بن کر اڑ گئی۔ وہ بھی جاذب جیسے شوہر کی فہم و فراست سے۔

سچ ہی ہے شوہر، بیوی کے لیے ڈھال ہوتا ہے، بیوی کا مان اور بھروسا ہوتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو نہ صرف مان ٹوٹتا ہے بلکہ سجا، سنورا مکمل گھر بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

وہ نہ جانے کب سے گہری سوچوں میں گم تھی۔ آج وہ بہت دن بعد اپنے مخصوص پسندیدہ گوشے میں آکر بیٹھی تھی۔ دل بے وجہ ہی اداس تھا۔ اس اداسی کی وجہ اسے سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ گزرے ہوئے چند دن بے شک ہنگامہ خیز اور خوشیوں سے بھرپور تھے مگر اندر... کہیں ایک بے نام سی بے چینی تھی جیسے کچھ کھو گیا ہو...... یا جیسے وہ اپنی زندگی کی کوئی سب سے قیمتی چیز کھو دے گی...... یا کھو چکی ہے اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ایک ملال سا تھا جو ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

وہ سمجھ رہی تھی کہ یوسف اس کے لیے زمانے سے ٹکر لے سکتا ہے مگر یوسف تو کہیں منہ چھپا کر بیٹھ گیا تھا...... ایک ذرا سے امتحان سے گھبرا کر وہ آرام سے پیچھے ہٹ گیا۔

وہ یوسف کی طرف سے شدید ردِعمل کی منتظر تھی مگر وہاں ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی تھی۔ کہیں کچھ غلط تھا یا کچھ غلط ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ یہ سب کچھ جو ہوا سب خود بخود ہوا اور نتیجہ بھی اس کے سامنے تھا۔ اس روز کے بعد سے یوسف نے فون پر رابطہ کیا تھا اور نہ ہی اپنی شکل دکھائی تھی۔ آج پورے چار دن گزر گئے تھے۔ اس کے ہاتھوں کی مہندی بھی اب اترنے لگی تھی۔ اس نے سنا تو تھا کہ وہ بیمار ہے، اس نے چاہا بھی کہ اسے دیکھنے کے لیے چلی جائے مگر پھر اس کی بے حسی کا سوچ کر رک گئی۔

''کم سے کم کال تو کر سکتا تھا......'' وہ خود کو تاویلیں دیتی رہی۔ کئی بار جی چاہا کہ اس کو فون کر لے مگر اس کی طرف سے کوئی قدم نہ اٹھایا گیا تو وہ دل کو ٹالتی رہی۔ اسے یوسف سے بہت سی توقعات تھیں مگر اس کی خاموشی اب کھٹک رہی تھی۔ اسے یوسف کا یہ

منی ناول

ساتواں حصہ

میں انمول

سعدیہ رئیس

انداز چبھ رہا تھا۔

گزرے ہوئے ہنگامہ خیز دنوں کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ کہاں تو زندگی ایک ڈگر پر چلی جارہی تھی..... یکسانیت بھرے دنوں میں یوسف کی آمد نے رنگ بھرے تھے ورنہ ایک سے معمول سے وہ اکتا سی گئی تھی اور اب حمنیٰ خالہ کی آمد نے روز و شب بدل کر رکھ دیے تھے۔ مصروفیت اتنی بڑھ گئی تھی کہ فراغت ڈھونڈنی پڑتی تھی۔ ایک ہنگامہ خیز سی ہلچل سب طرف پھیل گئی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی ایسے خوب صورت ہلچل بھرے دن بھی گزارے گی۔ ان گزرے دنوں نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ زندگی کبھی بھی بدل سکتی ہے۔ تقدیر ساتھ دے تو یہ خوب صورت موڑ لیتی ہے ورنہ ایک اجنبی موڑ پر لا کھڑا کرتی ہے جیسے کوئی چلتی ٹرین کا ٹریک بدل جانے کے بعد پٹڑی بدل لیتی ہے۔

موسم قدرے خوشگوار سا تھا۔ بادام کے درخت کے سرخ سبز پتوں کا شیڈ شام کی دھندلی دھوپ میں بڑا دلفریب لگ رہا تھا۔ کہیں، کہیں سرخ باداموں کی جھلک بھی نظر آرہی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کے اندر سے خالی دل کو نہ ہوا کے لطیف جھونکے متاثر کررہے تھے نہ بادام کے درخت کی دلفریبی دل کو بھا رہی تھی۔

آج حمنیٰ خالہ، وفا اور ہمایوں کے ساتھ اپنے کسی سسرالی عزیز کے ہاں مدعو تھیں اس لیے سارا گھر بھائیں، بھائیں کررہا تھا اور یہ سناٹا اس کے اندر نامعلوم سی ... بے چینی کا شور بڑھا رہا تھا جیسے کہیں کچھ غلط ہونے والا ہے یا پھر کچھ غلط ہوگیا ہے۔ اسی وقت اس کے موبائل کی میسج ٹون بجی۔ اس نے دیکھا تو یوسف کا میسج تھا۔

''میں تم سے فوراً ملنا چاہتا ہوں۔'' مختصر سا جملہ تھا۔

اس نے لب بھینچ لیے..... کچھ دیر تک سوچتی رہی..... اندر کا اضطراب چہرے پر بکھر گیا..... وہ فیصلہ نہیں کر پارہی تھی کہ یوسف کو کیا جواب دے۔ اسے سخت بات کہے یا نارمل انداز اختیار کرے یا پھر نظر انداز کردے۔ وہ کچھ طے نہیں کر پارہی تھی۔ اس نے گہری سانس خارج کی اور پھر جیسے کوئی فیصلہ کر کے موبائل کے بٹن دبانے لگی۔

''تمہیں نظر انداز کروں گی اب..... یہی تمہاری سزا ہے۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔

''بڑی جلدی خیال آگیا؟'' اس نے طنزیہ جواب بھیجا۔

دوسری طرف کچھ دیر کے لیے پھر وہی بھید بھری خاموشی ٹھہر گئی۔ اس کے جواب سے یوسف کی یکجا کی ہوئی ہمت جیسے ختم سی ہونے لگی۔

''یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے..... میرا کیا قصور.....؟'' وہ خود کو تسلی دینے لگا۔ کئی روز کے نڈھال پن کے بعد وہ آج اس قابل ہوا تھا کہ ٹھیک طور پر کچھ سوچ سمجھ سکے۔ اب انمول سے رابطہ کیا تو اس کے ٹکڑا توڑ جواب نے حوصلہ توڑ دیا۔

''تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟ کھلونا سمجھا تھا میرے دل کو؟ تمہیں مجھ سے ملنا ہی پڑے گا۔'' غصے کی انتہا پر جا کر اس نے جلدی، جلدی بٹن پش کر کے میسج لکھا۔

''اُف.....'' دوسری طرف اس کا میسج پڑھ کر انمول کو صدمہ سا ہوا۔

''بہت خوب..... ایک تو چوری اور اس پر سینہ زوری.....''

وہ غصے سے بڑبڑائی۔ یوسف کے الٹے جواب کو پڑھ کر اسے افسوس بھی ہوا اور حیرت بھی..... وہ تو سمجھ رہی تھی کہ وہ محبت کے واسطے دے گا۔ بچھڑنے کا ملال کرے گا..... اپنا دکھ کہے گا اور اس کو اپنی محبت کا یقین دلائے گا۔

''اب یہ ممکن نہیں۔'' اس نے بھی دل پر پتھر رکھ کر ٹکا سا جواب دے دیا۔

''تم اتنی جلدی بدل جاؤ گی..... کیا وہ ہمایوں مجھ سے زیادہ ہوگیا تمہارے لیے..... کیا ہماری سالوں کی محبت اتنی ہی کمزور تھی کہ تم نے اس آسانی سے اپنی نظریں بدل لیں۔''

انمول کا جواب پڑھ کر اس نے غصے کی انتہا پر جا کر جو دل چاہا لکھ بھیجا۔ دوسری طرف انمول نے اس کے غیر متوقع میسجز پڑھ کر جلتے کڑھتے ہوئے بالآخر چپ سادھ لی۔ ایک گہری خاموشی اس کے وجود کو اندر

تک کاٹنے لگی۔ ایک نامعلوم سی بے چینی نے اسے اندر تک سے مضطرب کردیا تھا۔ بہت سی سوچوں اور واہموں نے اسے نڈھال سا کردیا۔ بات تو کچھ نہ تھی مگر اسے معلوم تھا کہ کبھی، کبھی بات کو بگڑنے میں پس لمحہ ہی لگتا ہے۔ یا پھر رائی کا پہاڑ بھی بن جاتا ہے۔

''اے خدا..... کچھ بھی غلط نہ ہو..... سب ٹھیک ہوجائے..... کچھ بھی برا نہ ہو۔'' اس کا سہما، سہما سا دل.... بے اختیار دعا مانگنے لگا۔ شام کے سائے دھیرے، دھیرے پھیل رہے تھے۔ پرندے اپنے بسیروں کی طرف پرواز کررہے تھے۔ اس نے نم پلکوں سے اڑتے پرندوں کو دیکھا۔ اسے اپنے اردگرد عجیب سی ہیبت اور وحشت ناچتی ہوئی محسوس ہوئی اور دل گھبرانے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھتی ایمل تیزی سے بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

''انمول..... انمول..... جلدی کرو.....'' اس کے چہرے پر پریشانی تھی اور حواس اڑے ہوئے تھے۔

''کیا ہوا.....؟'' وہ عجیب سے احساس کے ساتھ اس کی طرف لپکی۔

''ماما..... ماما کی طبیعت خراب ہورہی ہے۔'' اس نے پھولی سانس کے ساتھ بے ربط سے انداز میں کہا۔

مزید کچھ پوچھے بغیر اس نے اندر کی طرف دوڑ لگادی۔ صغریٰ بوا زیب کے ماتھے سے پسینہ پونچھ رہی تھیں۔ وہ لپک کر ان کے پاس پہنچی..... زیب تقریباً نیم بے ہوش تھیں۔

''ماما..... ماما.....'' اس نے گال تھپتھپا کر آواز دی۔

''پانی لاؤ..... پانی دو.....'' اس نے دہائی دی۔

ایمل نے سائڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں نکال کر دیا۔

''بابا کو فون کرو..... فوراً بلاؤ۔'' وہ کپکپاتے ہاتھوں سے زیب کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔

ایمل فون ملانے لگی اور انمول بہتے آنسوؤں سے ماں کو مستقل آواز دے رہی تھی۔ گھر میں آج کوئی بھی نہیں تھا۔

''بابا آرہے ہیں انمول.....'' ایمل نے اطلاع دی۔

''اُف..... انہیں آنے میں ٹائم لگے گا..... چلو اٹھو ہم خود لے چلتے ہیں ماما کو اسپتال.....'' فوری فیصلہ کرکے وہ اٹھ کھڑی ہوئی مگر اس کی حالت ایسی نہ تھی کہ کچھ کرپاتی۔

''تم رہنے دو بٹیا..... یوسف آگیا ہے..... میں بلا کر لائی ہوں یوسف کو.....'' صغریٰ بوا کی آواز سے اس کے مشکل حواس کو قرار سا آگیا۔ اس نے کسی بھی پس و پیش کے بغیر بوا کی بات مان لی۔

پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے ماما کا سر اپنی گود میں رکھ لیا..... وہ مسلسل رو رہی تھی۔ یوسف نے بیک مرر میں کئی بار دیکھا۔ اس کے آنسو اس کے دل پر گر رہے تھے۔ جانے کیسے وہ خود کو کنٹرول کرکے گاڑی چلا رہا تھا۔ اس وقت سب سے زیادہ قابل رحم حالت خود اس کی اپنی ہورہی تھی کہ وہ اپنا سب کچھ کھو چکا تھا اور پھر بھی مضبوط بنا بیٹھا تھا۔

پچھلے دنوں کی بے آرامی اور تھوڑی بہت... بدپرہیزی نے یہ دن دکھایا تھا۔ فوری دیکھ بھال کی وجہ سے زیب کی حالت سنبھل گئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہاں وقار آفندی بھی پہنچ گئے تھے۔

''گردوں میں سوزش بہت بڑھ گئی ہے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔'' ڈاکٹر نے خاصی تاکید کی۔

وہ جب سے آئے تھے مستقل ڈاکٹروں سے بات چیت چل رہی تھی۔ انمول نے ایک نظر یوسف کو دیکھا تو دھچکا سا لگا۔ ان چند دنوں میں وہ نچڑ کر رہ گیا تھا۔ چہرے پر ویرانی اور کمزوری واضح تھی۔

''شرم کرو.....'' اس کے دل نے اسے سرزنش کی۔

اور واقعی خود کو مجرم محسوس کرتے ہوئے وہ اس سے نظریں چرا گئی۔ مگر یہ وقت ایسی کسی وضاحت کے لیے نامناسب تھا۔

اِدھر یوسف کے دل پر جو بیت رہی تھی اس سے وہی واقف تھا۔ انمول کا رویا، ستا ہوا چہرہ اسے تڑپا رہا تھا۔ اس سے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں مٹے، مٹے سے مہندی کے نقش و نگار دیکھ کر اس کو اذیت ہورہی

تھی۔ مگر کچھ کہنے کا مقام نہ تھا۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے نظریں چرائے خائف سے تھے۔ بظاہر ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے مگر تقدیر انہیں جدا کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

کئی روز تک گھر میں چہل پہل رہی..... جمنیٰ اپنی بہن کے لیے بے حد متفکر تھیں۔ انہوں نے واپسی کی تاریخ بڑھالی تھی۔ وہ مزید کچھ دن کے لیے رک گئی تھیں۔ گھر میں مہمانوں کی آمد وقت روز ہی ہورہی تھی۔ کچھ زیب کی عیادت کے لیے آرہے تھے اور کچھ جمنیٰ سے الوداعی ملاقات کے لیے۔ مہر بھی دو بار خیریت کے لیے جاچکی تھیں۔ اس روز بھی وہ شام کو زیب کے پاس گئی تھیں۔ واپسی رات تک ہی ہوئی۔ یوسف گھر آچکا تھا۔

''امی کہاں رہ گئی تھیں؟ سارا وقت بور ہوکر رہ گئی میں۔'' شمع نے حد سے زیادہ اکتاہٹ بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ارے بھئی میں تو زیب کی عیادت کے لیے گئی تھی۔ بہت کمزور ہوگئی ہے زیب..... بہت خوش ہوئی میرے جانے پر۔'' مہر ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پر ڈھیر ہوگئیں۔

''اچھا میں سمجھی کہ آپ وہاں رہنے گئی تھیں۔'' شمع نے طنزیہ کہا۔

''افوہ، اگر تم ایسی ہی بور ہورہی تھیں تو آجاتیں وہیں..... دو قدم پر ہی تو آنا تھا۔ زیب تمہیں بھی پوچھ رہی تھی۔'' مہر خاصی تروتازہ سی لگ رہی تھیں۔ اس کے برعکس شمع جی بھر کر بیزار نظر آرہی تھی۔

''مہربانی ہے ان کی۔'' اس کا تلخ لہجہ عود کر آیا۔

''شمع..... بری بات ہے بیٹا..... وہ بیمار ہے آج کل اور بیمار کی عیادت کا بہت ثواب ہے بیٹا۔'' انہوں نے نرمی سے سمجھایا۔

''بھئی مجھے نہیں سننا آپ کا لیکچر..... مجھے تو بھوک لگ رہی ہے بہت.....'' وہ بیزاری سے بولی۔

''ارے ہاں..... تو پھر لگاؤ ناں کھانا..... یوسف تم کب آئے تھے؟ بھوک لگ رہی ہوگی تم کو بھی..... حد ہوگئی کھانے کا وقت تھا کھانا تو کھالیا ہوتا۔ تمہارے پاپا تو آج دیر سے آئیں گے اور مجھے بھوک نہیں ہے..... وہاں چائے کے ساتھ کیک، کٹلس وغیرہ کھالیے تھے میں نے..... انمول نے پزا اینڈ وچ بنائے تھے۔ بڑے بہترین تھے..... میرا جی نہیں چاہ رہا اب کھانے کا۔'' مہر نے صاف انکار کردیا۔

''بہت خوب..... وہ بیمار ہیں یا دعوتیں ہورہی ہیں۔'' شمع کو یہ سن کر عجیب ہی لگا۔

''دونوں ہی کام ہورہے ہیں وہاں تو..... بلکہ سب ہی کچھ ہورہا ہے۔ پہلے ہی مہر کی بہن جمنیٰ آئی ہوئی ہے اس سے ملنے ملانے بھی لوگ آرہے ہیں اور کچھ زیب کی عیادت کے لیے آرہے ہیں..... سمجھو کہ میلا لگا ہوا ہے وہاں۔'' انہوں نے وضاحت دی۔

''ان کی بہن تو جارہی تھیں ناں..... اب تک نہیں گئیں؟'' شمع نے پوچھا۔

''سیٹ کینسل کروادی انہوں نے..... دراصل زیب کی طبیعت دیکھتے ہوئے انہوں نے زیب کے اصرار پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب شادی کرکے ہی جائیں گے۔'' اپنے تئیں تو انہوں نے خوشخبری سنائی تھی مگر یوسف کو لگا کہ اسے قدرت نے ایک پٹخنی دے دی ہو۔

''کیا مطلب؟ تو کیا وہ اپنی.....'' شمع کی بات ادھوری رہ گئی۔

''ارے دودھ ابل رہا ہے..... بہت تیز مہک آرہی ہے۔'' شمع بات ادھوری چھوڑ کر کچن کی طرف لپکی..... یوں مہر کی پوری بات نہیں ہوسکی تھی۔

اب معلوم ہوا تھا کہ جمنی خالہ بہن کی بیماری کی وجہ سے انمول کا بیاہ کرکے ہی جائیں گی تاکہ زیب، بیٹی کی خوشی دیکھ لیں۔ مگر یوسف کے دل کا حال تو کوئی نہیں جانتا تھا۔

پڑوس میں شادی کی تیاریاں زور وشور سے ہورہی تھیں۔ اس بار شاپنگ کے لیے بھی اس کی خدمات نہیں لی گئیں کیونکہ ہمایوں موجود تھا۔ اسے اس کا بھی دکھ تھا۔ صغریٰ بوا نے دو چار بار کچھ کاموں کے لیے بلایا مگر اس نے بہانہ بنادیا۔ وہ اس کٹھور اور بے وفا کا سامنا نہیں

کرسکتا تھا۔ وقار آفندی نے اسے کئی بار رات گئے ہونے والی محفلوں میں شرکت کے لیے بلایا۔ مگر وہ نہ گیا۔ وہ کیسے اس دشمنِ جان کی شادی کے شادیانے بجاتا آخر..... ہر دفعہ اس نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کردیا۔ اس کی بات کسی کو جھوٹ بھی نہ لگی کیونکہ مستقل کرب و اذیت میں رہنے کے باعث اس کی آنکھوں کی سرخی ہی ختم نہیں ہورہی تھی۔ چہرے پر الگ پارہ بچے رہتے تھے۔ ہر دن عذاب..... ہر گھڑی مشکل تھی گزارنی۔

وہ تو جیسے کانٹوں بھرے پل پر ننگے پاؤں چل رہا تھا۔ ہر نئی صبح معجزہ ہونے کی آس لے کر اٹھتا مگر شام تک مایوسی کے گہرے اندھیروں میں ڈوب جاتا تھا۔ جب وہ پڑوس کی رنگینیوں اور رعنائیوں کو دیکھتا تو کلیجا کٹنے لگتا۔ ایمل نے دو تین بار اس کو فون کیا مگر اس نے اس سے بھی مختصر سی بات کی۔ جیسے، جیسے دن گزر رہے تھے اس کے اندر امید کا ننھا سا پودا مرجھاتا جارہا تھا۔

''یوسف بیٹا..... وقار صاحب نے تمہیں خاص طور پر کہلوایا ہے کہ اگر تم آج رات شادی میں نہ آئے تو وہ تمہیں خود لینے آجائیں گے۔ بہت ناراض ہورہے تھے وہ کہ تم ایک دن بھی آکر نہ کھڑے ہوئے۔ گھر میں اتنی ہلچل اور مصروفیت ہے کہ انہیں وقت نہیں مل رہا جیسے ہی وقت ملا تمہارے کان کھینچنے ضرور آئیں گے۔'' علی الصباح ہی حامد ماموں نے اسے وقار آفندی کی طرف سے پیغام بھیجا۔

''وہاں اتنے لوگ آجارہے ہیں ان کے کافی رشتے دار بھی آتے رہتے ہیں، اس لیے مجھے مناسب نہیں لگ رہا۔'' وہ یہی بہانہ کرسکا۔ ورنہ دل خون ہورہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ جو پتنگ وہ محبت کے اونچے آسمان پر اڑا رہا تھا وہ کسی منحوس لمحے میں ایک ان دیکھی ڈور سے کٹ کر اڑتی لہراتی دور چلی گئی اور ہمایوں وہ پتنگ لوٹ کر لے گیا۔

''یوسف، زیب کہہ رہی ہے کہ شام کو لڑکیوں کو پارلر لے جانا۔'' وقار آفندی کو ٹال کر اس نے دو گھڑی ہی سکھ کی سانس لی تھی کہ مہر ایک نئی سزا سنانے آگئیں۔

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ

گزرے لمحوں کا حساب ماہ و سال
آنے والے جاسوسی کا انتخاب بے مثال

روپ بہروپ

ان شیشہ مزاج لوگوں کی داستانِ حیات جو ذرا سی ٹھیس لگنے پر بکھرنے کو تیار تھے **زویا اعجاز** کی تحریر کردہ کہانی کے مزید واقعات

انا گیر

سنہری ریت کے سرابوں میں بھٹکتے خوابوں کے سوداگر کی دل فگار داستان..... **امجد جاوید** کے زور آور قلم کا امتحان.....

الاؤ

مسیحاؤں کے بھیس میں شاطر مجرموں کا کھیل..... زندہ انسانوں کے لیے دہکتے الاؤ کی صورت موت تیار کی جارہی تھی..... **ڈاکٹر عبدالرب بھٹی** کے قلم سے نیا سنسنی خیز سلسلہ

سرورق کے رنگ

پہلا رنگ

زمین کو اپنی سفاک فطرت سے رنگین کردینے والے ظالموں کا انجام

دوسرا رنگ

دل کو زخمی کردینے والے لمحوں کی آغوش میں بسنے والی لڑکی کی کہانی

چینی نکتہ چینی

آپ کے تبصرے... مشورے... محبتیں... شکایتیں... اور نئی نئی دلچسپ باتیں... کتھائیں

اسے خود پر قابو پانے کے لیے اپنے جذبات اور ہیجان کو جبراً دبانا پڑ رہا تھا ورنہ جی چاہ رہا تھا کہ دیواروں سے سر ٹکرا کر پاش، پاش ہو جائے۔

''ممانی..... رات کو شادی میں جانا ہے اور گاڑی سروس پر دی ہوئی ہے۔ میں وہ لینے جاؤں گا شام کو.....'' اس نے بروقت بہانہ بنا دیا۔

شام تک سر بھاری ہو گیا اور طبیعت بوجھل ہونے لگی یوں کہ جیسے دل ٹکڑے، ٹکڑے ہو رہا ہو۔ وہ گھبرا کر باہر نکل گیا..... مکینک کا فون بھی آ گیا تھا سو وہ گاڑی لینے چل دیا۔ اس کا ارادہ واپس گھر جانے کا نہیں تھا وہ نہ جانے کب تک سڑکیں ناپتا رہا۔ ایک عجیب سی وحشت اس کو جنونی کر رہی تھی۔ وہ گاڑی بے حد تیز رفتاری سے چلا رہا تھا۔ کچھ چھن جانے کا احساس درد کو بڑھائے جا رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کب تک یونہی برگ آوارہ کی طرح مارا، مارا پھرتا رہتا کہ وقار آفندی کی کال آ گئی۔

''کہاں ہو یوسف..... مجھے تمہاری ضرورت ہے فوراً پہنچو اس ایڈریس پر۔'' انہوں نے کوئی بھی حال احوال کہے بغیر حکم نامہ جاری کر دیا۔

وہ ان کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچا تو وہ ایک بینکویٹ کے باہر کھڑے اس کے منتظر تھے۔

''گاڑی ہمایوں لے کر گیا ہے اور مجھے ابھی فوراً ہی پھول لے کر گھر پہنچنا ہے، تمہاری آنٹی ناراض ہو رہی تھیں کہ ہر کام لیٹ ہو رہا ہے۔ تمہارا ابھی کچھ پتا نہیں ہے۔ بارات کے استقبال کے لیے گجرے وغیرہ کا آرڈر تو دے دیا تھا میں نے بس اب لیتا ہوا گھر جاؤں گا۔'' وہ ہر بات تفصیل سے بتا رہے تھے۔

اور یوسف کے پورے وجود میں برف سی ٹھنڈک بھر گئی تھی۔ اسے اپنا آپ برف کی سل کی طرح لگنے لگا جو بظاہر ایک ٹھوس وجود مگر وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ پانی، پانی ہو کر پگھل رہا تھا۔

نہ جانے کس طرح یہ وقت بیتا..... کیسے اس نے خود پر جبر کیا..... لیکن ایک بات وہ اچھی طرح جان گیا تھا کہ انسان بہت سخت جان ہوتا ہے۔ بڑے، بڑے صدمے جھیل کر بھی زندہ رہتا ہے اور زندگی کے دن پورے کرتا ہے۔

وقار صاحب کو ان کے گیٹ پر اتار کر وہ گھر آ گیا۔ پہلے جو دکھ کی شدت اسے نڈھال کر رہی تھی اب اس میں حیرت انگیز تبدیلی آ گئی تھی اب وہ پتھر کی طرح سخت اور بے حس ہو گیا تھا۔ اس کے احساسات پر جمود طاری ہو گیا تھا۔ مہر اسی کی منتظر تھیں۔ شمع کی حالت قدرے بہتر تھی وہ ریلیکس موڈ میں تھیں۔

''تم تھوڑا ریسٹ کر لو، فریش ہو جاؤ پھر چلتے ہیں ہم..... زیب نے کہا تھا کہ جلدی آنا بارات جلدی آ جائے گی اور زیب سے زیادہ جلد باز تو حمنیٰ ہے۔'' مہر نے اسے تاکید کرتے ہوئے تبصرہ بھی کر دیا۔ اسے ان کے تبصرے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن دل میں وہ ضرور کڑھتا رہا۔

''کیا جلدی اور کیا دیر جب بارات جائے گی بھی ایک ہی گھر سے اور واپس بھی اسی گھر میں آئے گی۔'' اس نے دلگرفتگی سے سوچا۔

جب وہ مہر اور شمع کو لے کر بینکویٹ جانے کے لیے نکلا تو پڑوس کے گھر میں سناٹا تھا وہ سب روانہ ہو چکے تھے۔ وہ لوگ پہنچے تو بارات آ چکی تھی اور بارات کے استقبال کے لیے خواتین و لڑکیاں قطار بنائے کھڑی تھیں۔ اس نے... سرسری سا دیکھا..... پھر چونکا اور دوبارہ دیکھا..... یقین نہیں آیا تو دوبارہ آنکھیں رگڑ کر بغور دیکھا۔

وہاں ان سب لڑکیوں کے درمیان انمول بھی کھڑی تھی..... گلابی رنگ کی لانگ فراک پر فیروزی کنٹراسٹ کا مدار دوپٹا لیے وہ بلاشبہ انمول ہی تھی۔

''دلہن خود تو اپنے دولھا کا استقبال نہیں کرتی۔'' اس نے حیرت سے سوچا۔ حامد ماموں نے ٹہوکا مارا تو وہ حیران پریشان سا آگے بڑھا جہاں انٹرنس پر ہمایوں کھڑا سب سے ہاتھ ملا رہا تھا۔

''یہ کیا چکر ہے؟'' وہ حیران سا واپس پلٹا..... مگر اب وہاں لڑکیاں نہیں کھڑی تھیں سب جا چکی تھیں۔

''تو کیا ایمل کی شادی ہو رہی ہے؟'' وہ خود ہی

ذہن لڑاتا رہا۔

اور اگلے چند منٹوں میں اسے معلوم ہوا کہ یہ وفا کی شادی ہو رہی ہے۔ اس وقت اس کے دل کا کیا حال تھا اس کا اندازہ صرف اسی کو ہو رہا تھا۔ سب سے پہلے تو اس خوشخبری پر اس کا دل بھنگڑا ڈالنے لگا..... لیکن اگلے پل اسے انمول پر غصہ آیا جس نے اس کی غلط فہمی دور نہ کی بلکہ ان گزرے دنوں میں وہ سولی پر لٹکا رہا۔

وہ موقع دیکھ کر اس طرف بڑھا جہاں انمول کھڑی کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ اس سے نظر ملی تو وہ بھرپور طریقے سے مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا یعنی وہ اسے چڑا رہی تھی۔ اسے کھو دینے کا دکھ اور اذیت بھول کر اب اسے انمول کی اس حرکت پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ بھری محفل میں جا کر اس کو خوب باتیں سنائے۔ غصے اور خوشی نے مل کر عجیب ہی کیفیت کر دی تھی اس کی۔ وہ تقریب میں شامل ہوتے ہوئے بھی شامل نہیں تھا۔ لیکن اس خوشی میں بھی یقیناً شامل نہیں تھا۔ ہمایوں اب بھی اس کا رقیب بن کر وہاں موجود تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہمایوں کو کچا چبا جائے..... یا اسے فوراً سے پیشتر واپس بھیج دے۔

''یوسف بیٹا ایک کام کرو..... زیب کے ساتھ گھر چلے جاؤ..... دولھا کی منہ دکھائی کی انگوٹھی حمنیٰ گھر بھول آئی ہے۔'' وقار آفندی نے اسے غیر متوقع طور پر کام پکڑایا۔ وہ سعادت مندی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

بینکویٹ کے دروازے پر زیب جلد ہی پہنچ گئیں۔ وقت کی کمی کے باعث ان کے انداز میں عجلت تھی۔

''چلو بیٹا..... ذرا جلدی..... یہ حمنیٰ بھی سدا کی بے پروا ہے۔ ہمیشہ سے یہی حرکتیں ہیں اس کی۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔ یوسف ان کے ساتھ، ساتھ ہی آگے بڑھا۔

''ارے توبہ..... میں اس سے یہ پوچھنا تو بھول ہی گئی کہ اس نے الماری کی چابی کہاں رکھی ہے۔ ذرا دوڑ کر پوچھ کر آؤ.....'' وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر بولیں۔ یوسف اندر پہنچا تو تقریب اپنے عروج پر تھی۔ خوش رنگ ملبوسات کی بہار چھائی ہوئی تھی۔ ہر کوئی باتوں اور قہقہوں میں مصروف تھا۔ اس کی نظروں نے انمول کو ڈھونڈ لیا۔ وہ تیزی سے اس کے پاس پہنچا۔

''انمول..... بات سنو.....'' اس نے بلایا۔

''جی..... فرمائیں.....'' اس کا انداز خاصا تیکھا تھا۔

''ضروری کام ہے اس لیے بول رہا ہوں ورنہ تم سے بات کرنا مجھے گوارا نہیں.....'' اس کے انداز میں درشتی پر انمول ہکا بکا سی رہ گئی۔

''ارے..... میں نے کیا، کیا ہے؟'' معصومیت کی حدوں پر تھی وہ۔

''وہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا..... سب حساب کتاب کروں گا تم سے۔'' وہ دانت پیس کر بولا۔

اس کی دھمکی میں عجیب سی غراہٹ تھی۔ انمول نے اس سے پہلے کبھی اسے اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

''اپنی حمنیٰ خالہ سے الماری کی چابی لا کر دو اور ہاں آئندہ اپنے سب کام اس لنگور سے کرانا مجھے زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔'' وہ طیش کے عالم میں بلاوجہ ہی ہمایوں کی ذات کو بیچ میں گھسیٹ لایا۔

''ارے واہ..... خود اپنی غلطی کسی کو نظر نہیں آتی۔'' اس کے درشت لہجے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ کندھے جھٹکتی آگے بڑھ گئی۔

چابی اس نے ایمل کے ہاتھ بھجوادی۔ وہ زیب کو گھر سے واپس لے کر آیا تو سب انہی کے منتظر تھے۔ ان کے پہنچتے ہی دولھا کی منہ دکھائی ہوئی اور پھر کھانا کھل گیا۔ ایک گھنٹے کے اندر، اندر سب کچھ سمٹ گیا۔ کھانا کھانے کے بعد سب مہمان بالآخر چلے گئے اور وفا کی رخصتی کے بعد سب طرف سناٹا سا چھا گیا۔ ایک لڑکی کی رخصتی سے کئی نسلوں کی آبیاری ہوتی ہے۔ جانے والا چلا جاتا ہے..... برسوں کا ساتھ..... یادگار دن..... گزری عمر کی بہت سی رفاقتیں..... ہنسی..... دکھ..... خوشی..... آنسو..... سب کچھ ایک آن میں سمٹ جاتا ہے۔ اپنی پیاری بیٹی پرائی

ہو جاتی ہے اور اپنے پیچھے سناٹے چھوڑ جاتی ہے۔

یوسف کا مضروب دل کچھ اور بھی آزردہ ہو گیا۔

''بیٹیاں دور کیوں ہو جاتی ہیں؟''

''لوگ بچھڑتے کیوں ہیں؟''

''رشتے پرائے کیسے ہو جاتے ہیں؟''

یوسف کے دل میں کئی سوالات ابھرنے لگے۔

''کیا ضرورت تھی حمنیٰ آنٹی کو وفا کی یہاں شادی کرنے کی..... خود تو باہر چلی جائیں گی اور اسے یہاں پاکستان میں بیاہ دیا۔'' بالآخر وہ مہر سے کہہ ہی بیٹھا۔

''ارے کس نے کہا وہ پاکستان میں رہے گی۔ اس کے والد کا داماد کو وہیں سیٹ کرنے کا ارادہ ہے، وفا بھی چلی جائے گی کچھ عرصے بعد باہر..... اسی لیے تو زیب نے ہمایوں کے لیے حمنیٰ کو انکار کر دیا کیونکہ اس کی فیملی کا پاکستان واپسی کا کوئی ارادہ نہیں.....''

مہر نے جب اسے ساری وجہ بتائی تو ایک لمحے کو اسے یقین نہیں آیا۔ وہ اب بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ انمول کی ہمایوں کے ساتھ بات طے ہو گئی۔

اس وقت اس کا دل محبت کو پا لینے کی خوشی میں رقص کرنے لگا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ خوب جھومے، ناچے اور گائے.....

شادی کے ہنگامے سرد پڑ چکے تھے۔ انمول کے گھر اب بھی گہما گہمی کے آثار تھے۔ تقریبات، مہمانوں کی آمد اور دعوتوں کے سلسلے چل رہے تھے۔ لیکن یوسف کو ایسا لگ رہا تھا جیسے انمول کے جذبات بھی سرد پڑ چکے۔ وہ بدستور اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ کوشش کے باوجود وہ اس کے ہاتھ نہیں لگ رہی تھی۔ مگر اس روز وقار صاحب کے گھر ہونے والی الوداعی تقریب میں بالآخر انمول کو اس نے جا ہی لیا۔

''آخر تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟'' وہ اس پر برس پڑا۔

''کیا مطلب..... میں سمجھی نہیں.....؟'' اس نے انجان پن کی حد کر دی۔

''اچھا تو اب مطلب بھی میں سمجھاؤں؟ اس ساری ڈرامے بازی کا آخر کیا مقصد تھا؟'' اس کا انداز جارحانہ رہا۔

''کون سی ڈرامے بازی؟'' اس نے معصومیت کی حد کر دی۔

اس وقت حیرت سے آنکھیں پٹپٹاتی ہوئی وہ دل میں اتری جا رہی تھی، یوسف کو اپنے نرم پڑتے دل کو مشکل سے سمجھانا پڑا۔ اسے اپنا یہ تلخ اور اکھڑ انداز برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ ہمایوں سے تمہاری بات طے نہیں ہوئی؟'' اس نے دھونس سے پوچھا۔

''تو تم نے کب پوچھا؟'' وہ ہولے سے مسکا کر جیسے اس کی کیفیت سے حظ اٹھا رہی تھی۔ سارا الزام آرام سے اسی کے سر ڈال دیا۔

''تم نے میرے جذبوں کا مذاق اڑایا ہے انمول..... تمہیں میرے جذبات سے کھیلنے کا کوئی حق نہیں تھا۔'' وہ دانت پیس کر بولا۔

''اچھا ہوا اس بہانے مجھے بھی پتا چل گیا کہ تم میرے لیے کیا کچھ کر سکتے ہو؟ مجھے بھی تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم یوں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاؤ گے۔'' بالآخر وہ پھٹ پڑی۔

سچ تو یہ تھا کہ اس کا چھوٹا سا مذاق خود اسی کے لیے سوہانِ روح بن گیا تھا۔ اسے یوسف کی خاموشی بہت کھلی تھی۔

''تمہیں کیا پتا کہ مجھ پر کیا گزری ہے..... روز مر، مر کر جیتا رہا ہوں۔ جب تم نے ہی آنکھیں پھیر لیں تو میں کیا کر سکتا تھا۔''

''تم بزدل ہو.....'' اس نے اندر کا غبار نکال ڈالا جو کسی گولی کی طرح یوسف کو لگا۔

''میں بزدل نہیں ہوں..... یہ ساری تمہاری غلطی ہے..... تم نے خود غلط فہمی پیدا کی..... تمہارے اس جان لیوا مذاق نے جانتی ہو کہ میرا کیا حشر کر دیا تھا..... بے حس ہو تم..... محبت کو مذاق سمجھتی ہو ورنہ میں تمہارے لیے آخری سانس تک لڑ سکتا تھا مگر تم نے خود غلط فہمی پیدا کی۔'' وہ اس کے طعنے پر تڑپ سا گیا تھا۔

لاؤنج سے مشترکہ قہقہوں کی آوازیں آئیں تو دونوں ایک ساتھ چونک پڑے انمول نے ایک نظر اس کے رونگھے سے چہرے پر ڈالی تو دل پسیج گیا۔ اسے ندامت سی محسوس ہوئی۔ اس مختصر عرصے میں یوسف جیسے نچڑ کر رہ گیا تھا۔

''او کے، سوری..... میں تو بس یونہی..... تمہیں آزما رہی تھی۔'' اس نے ہار مان لی۔

''آزما رہی تھیں؟ بہت بڑی اور خطرناک غلطی کی ہے تم نے انمول..... کیونکہ سچی محبت کو آزماتے نہیں ہیں..... یاد رکھو سچی محبت کو کسی پیمانے پر بھی تولا نہیں جاتا اور جو ایسی غلطی کرتا ہے وہ اپنی محبت کو کھو دیتا ہے۔'' اس نے گہرے لہجے میں باور کرایا۔

''ارے..... انمول پانی لینے گئی تھیں یا کنویں سے نکالنے گئی تھیں۔'' صغریٰ بوا چپل گھسیٹتی وہاں آئیں تو یوسف فریج کی اوٹ میں ہو گیا۔

انمول گھبرا کر پلٹی اور صغریٰ بوا کے ادھر آنے سے پہلے ہی اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی ہو گئی۔

''کہاں رہ گئی تھیں انمول.....؟'' صغریٰ بوا نے پوچھا۔

''جویریہ کا فون آ گیا تھا بوا.....'' اسے بروقت بہانہ سوجھ گیا۔

وہ سب کے درمیان جا کر بیٹھی تو دل ہلکا سا ہو گیا تھا۔ یوسف سامنے ہی ہمایوں کے پاس بیٹھا اس سے مسکرا کر باتیں کر رہا تھا۔ دونوں کے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی آزمائش درمیان میں آئی مگر پانی کی لہر کی طرح گزر گئی۔

ایسے ہی ایک دن اچانک جویریہ چلی آئی..... اس دن اتفاق سے وہ اکیلی ہی تھی گھر میں۔

''جویریہ..... ہائے کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟'' وہ اس سے لپٹ کر خوشی سے چلا اٹھی۔

جویریہ کی اچانک آمد نے اسے حیران کر دیا تھا کچھ دیر پہلے کا اکیلے پن کا احساس یک بیک مٹ گیا۔ انمول کی بات پر جویریہ شرارت سے مسکرانے لگی۔

''لگتا ہے بات بن گئی ہے.....؟ ہے ناں ٹھیک سمجھی ہیں؟'' انمول نے اندازہ لگایا۔

''ہوں..... ایسی ہی بات ہے۔'' وہ مبہم سا بولی۔

''اللہ کتنا شرما رہی ہے..... تو پھر کہاں تک پہنچا دل کا معاملہ.....؟ لگتا ہے کاشف بھائی کو مٹھی میں کر ہی لیا ہے تم نے..... اب تو ان کی اماں کو ہاں کرنی ہی پڑے گی۔'' انمول خود ہی اندازے لگا کر بولے جا رہی تھی۔

''ہاں تو ہو بھی چکی، کاشف نے ممانی کو منا لیا ہے اور..... اور ممانی نے ابو سے بھی بات کر لی ہے فون پر.....'' اس نے اصل بات بتا ہی دی۔

''کیا..... یعنی ظالم سماج کے بغیر سب کچھ سیٹ ہو گیا؟ واہ بھئی مبارک ہو میری جان..... تو پھر کب بلا رہی ہو؟'' انمول کو بے حد خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

''اب یہ تو ابو کے آنے پر ہے..... ابو جب آئیں گے تب یہ فریضہ بھی ادا ہو جائے گا۔ تم اپنی سناؤ کہاں تک پہنچا معاملہ.....؟'' جویریہ نے پوچھا۔ انمول کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ پھیل گئی۔ یوسف اور اپنے مذاق کی الف سے لے کر ی تک پوری کہانی اسے سنا دی۔

''ہلکا نہ لو..... میرا مشورہ ہے اس معاملے کو جلدی سیٹ کرو..... بڑوں کے درمیان بات طے ہو جانے سے سکون ہو جاتا ہے۔ مجھے دیکھو مجھے اب پورا اطمینان ہے کہ کاشف صرف میرا ہے.....'' جویریہ نے مشورہ دیا۔

''اور یوسف بھی صرف میرا ہے..... یوسف صرف انمول آفندی کا ہے۔'' انمول نے تن کر پورے وثوق سے کہا۔ اسے یوسف پر پورا بھروسا تھا مگر وہ..... یہ بھول گئی تھی کہ کبھی، کبھی وقت بھی دھوکا دے جاتا ہے۔

''یوسف سے کہو وہ بھی اپنی اماں سے بات کر لے.....'' جویریہ نے صلاح دی اور انمول نے اسی وقت تہیہ کر لیا کہ اب وہ یوسف کو جلد سے جلد یہ کام کرنے پر مجبور کر دے گی۔

☆☆☆

وہ ایک سرشارسی کیفیت میں عشق پیچاں کی بیل تلے بیٹھی تھی..... ایک نشاط انگیز اور راحت افزا

احساس کے زیر اثر اپنی دھڑکنوں کے ردھم کو سن رہی تھی۔ سورج کی الوداعی سی سنہری روپہلی کرنیں دور تک پھیل کر کاسنی سی شام میں مدغم ہوتی بہت دلفریب لگ رہی تھیں۔ اس ملگجی سی روشنی میں کاسنی، گلابی اور سفید پھول بہت خوشنما اور سحر انگیز لگ رہے تھے۔ آج سے پہلے کبھی اس نے اتنا خوب صورت منظر نہیں دیکھا تھا۔ اور آج سے پہلے دل کبھی اتنے خوب صورت انداز میں بھی نہیں دھڑکا تھا۔ یا آج سے پہلے اس نے کبھی زندگی کی خوب صورتی کو محسوس ہی نہیں کیا تھا لیکن آج اس نے جان لیا کہ زندگی بہت خوب صورت ہوتی ہے اگر اس کو سنا جائے..... بغور دیکھا جائے اگر اسے محسوس کیا جائے۔

جس دن سے یوسف نے اسے یقین دلایا تھا کہ اب وہ کچھ ہی دن بعد چھٹیاں لے کر گاؤں جا کر اپنی ماں سے بات کرے گا اس دن سے..... وہ چراغ یقین جلائے اس کی تھرتھراتی لو میں دور تک پھیلی بہاروں اور خوشیوں کے لیے راہ کو روشن کیے بیٹھی تھی۔

جویریہ کے مشورے نے ہی اس کو حوصلہ دیا تھا اور اس نے یوسف سے حتمی بات کی تھی۔ اس بار یوسف نے اسے ٹالا نہیں تھا بلکہ باقاعدہ وعدہ کیا تھا کہ وہ جلد اپنے اور اس کے خوابوں میں رنگ بھر لے گا..... مگر رنگ کب پھیکے پڑ جاتے ہیں اس کا اندازہ اسے نہیں تھا۔ وہ تو یوسف کے دیے ہوئے آسرے پر سرشار ہو گئی تھی۔

مگر اس کی زندگی کے اس حسین منظر پر یکا یک دھند سی چھا گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک اجنبی سی شام اتر آئی۔ وقت کا سیل رواں اپنے سنگ سب کچھ بہا لے گیا۔ اس نے خوابوں کی کرچیاں ہونے کی آوازیں سنیں..... نہ دلوں کے ٹوٹنے کی صدائیں سنیں، کون، کب اور کہاں بچھڑا..... کس کی منزل ایک ہوئی اور کون راستے سے بھٹک گیا۔ وقت کے سیل رواں کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا وہ تو بس سب کچھ بہا لے گیا۔

وفا اپنے شوہر کے ساتھ ہی اپنی مون پر گئی ہوئی تھی اس لیے آج کل اس کی آمد و رفت بند تھی۔ ماحول پر یکسانیت سی چھا گئی تھی لیکن اس کے باوجود انمول کے اندر کا موسم خوشگوار تھا اس لیے وہ مگن سی مسرور سی اپنے کام کر رہی تھی۔ پہلے جو بوریت طاری ہوتی تھی کہ وقت کاٹے نہ کٹتا تھا اب اس کی بالکل مختلف کیفیت تھی۔ اندر کی دنیا آباد تھی۔ وہاں چراغاں ہو رہا تھا اور مسکان تو جیسے ہمہ وقت اس کے چہرے پر پھیلی تھی۔

انمول نے بہت خوشگوار موڈ میں اس دن چکن اور انڈے کا خاگینہ بنایا۔

''صغریٰ بوا آج آپ کی چھٹی.....'' اس نے ان کے ہاتھ سے فرائنگ پین لے کر رکھ دیا۔

''لو بھلا..... گھر کے کاموں میں کیا چھٹی؟'' صغریٰ بوا نے مسکرا کر کہا۔

''مطلب یہ کہ آج ناشتا میں بناؤں گی.....'' اس نے شوخی سے چٹکی بجا کر کہا۔

''تو میں آپ کی مدد کر دیتی ہوں بیٹا..... کیا بنائیں گی آپ..... خستہ کچوریاں یا نمکین نکیاں؟'' صغریٰ بوا بدستور وہیں کھڑی رہیں۔

''اوہو بھئی، میں کچھ نیا بنانا چاہتی ہوں..... کچھ نیا..... یعنی زندگی میں کچھ نیا ہو تو بہت اچھا لگتا ہے۔'' اس نے وضاحت دی۔

صغریٰ بوا نے کچھ ٹھٹک کر اس کے بدلتے رنگ دیکھے..... کسی نوخیز خوشنما پھول کی طرح کھلی پڑ رہی تھی وہ۔ ان کو کچھ عجیب تو لگا مگر سمجھ نہ پائیں..... مگر ان کی جانچتی کھوجتی نظروں سے انمول سٹپٹا سی گئی۔

''چلیں بوا آپ جلدی سے پیاز کاٹ دیں، آج میں چکن اور انڈے کا خاگینہ بناؤں گی۔'' ان کی نظروں کے حصار سے بچنے کے لیے اس نے کیبنٹ کھول کر پیالہ نکالتے ہوئے مصروف سے انداز میں ان کو ہدایت دی۔ صغریٰ بوا پیاز کاٹنے لگیں وہ سمجھ رہی تھی کہ بوا کی توجہ اس نے بانٹ دی مگر بوا بدستور سوچ میں ڈوبی تھیں..... ان کو بھی کچھ نیا محسوس ہو رہا تھا مگر کیا یہ نہیں معلوم تھا۔

''اونہہ..... آج تو سورج مغرب سے نکل آیا.....

یعنی انمول صاحبہ کچن میں نظر آرہی ہیں۔'' ایمل تو لیے سے منہ پونچھتی وہیں چلی آئی۔ اسے بھی انمول کو بخوشی کام کرتے دیکھ کر حیرت ہورہی تھی۔

''ہاں تو کیا تم صرف تم ہی ایکسپرٹ ہو..... مجھے بھی بہت کچھ بنانا آتا ہے جناب۔ دیکھنا آج تو ماما بھی میرے ہاتھ کے ناشتے کی تعریف کریں گی۔'' اس نے شوخی سے جواب دیا۔

''مگر بیگم صاحبہ تو یہ چیزی ناشتا لیتی ہیں..... یہ گھی، چکنائی وغیرہ منع ہے ان کو.....'' صغریٰ بوا نے فوراً یاد دلایا۔

''بوا..... خوشی سے بنا رہی ہے دو تین نوالے تو میں ضرور ٹیسٹ کروں گی۔'' جانے زیب کب وہاں چلی آئی تھیں۔

''ماما، آپ دیکھیے گا کتنا مزے دار بناتی ہوں میں..... پھر بتایئے گا کہ میں اچھی کوکنگ کرتی ہو یا ایمل.....؟'' انمول نے پاس کھڑی ایمل کو چڑایا۔

زیب نے محبت پاش نظروں سے دونوں بیٹیوں کو دیکھا۔ دونوں میں ان کی جان بھی اور دونوں ہی سے محبت کرتی تھیں وہ.....

''سب کے ہاتھ کا اپنا الگ ذائقہ ہوتا ہے انمول، ایمل بھی اچھا بناتی ہے اور تم بھی اچھا بنالوگی۔'' انہوں نے دونوں کا دل رکھا۔

ایمل نے فوراً ہی انمول کو منہ چڑایا۔ انمول مسکراتی رہی۔ من مسکرا رہا تھا تو سارا جہاں مسکرا رہا تھا۔ آج کی صبح بہت خوشگوار تھی۔ لیکن ہر دن کی ایک شام بھی ہوتی ہے..... اور جب شام اترتی ہے تو اجالے کو نگل لیتی ہے۔

اس حسین اور جگمگاتی صبح کو بھی بالآخر شام کے اندھیرے نے نگل لیا۔ اور ساتھ، ساتھ ساری خوشیوں اور سکون کو بھی نگل لیا۔ وہ ساری شام انمول اور ایمل نے روتے ہوئے گزاری کیونکہ ماما کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی۔ وقار آفندی آندھی طوفان کی طرح گاڑی اڑاتے ہوئے گھر پہنچے تھے اور نڈھال سی زیب کو بانہوں میں اٹھائے گاڑی میں ڈال کر لے گئے تھے۔

اچھی بھلی تھیں وہ..... اس روز ناشتے پر اور ناشتے کے بعد انہوں نے انمول اور ایمل سے بہت ساری باتیں کی تھیں۔ اپنے بچپن کے قصے سنائے، اپنی بہت سی خواہشات بتائیں، کالج کی باتیں بھی کیں اور ساتھ، ساتھ دونوں کو بہت کچھ سمجھاتی بھی رہیں۔

جیسے اپنے تجربات اور اپنے مشاہدات ان کے اندر اتار دینا چاہتی ہوں۔ اسی شام انہیں خون کی الٹی ہوگئی۔ یوسف ہمیشہ کی طرح قدم، قدم پر ان کے ساتھ تھا۔ اسپتال لانا لے جانا، اور ساری بھاگ دوڑ میں وہ پیچھے نہ تھا۔ وقار آفندی کو قدم، قدم پر یوسف کی ضرورت پڑ رہی تھی۔ وہ تو جیسے اس کے عادی ہوگئے تھے۔

دس بارہ دن بعد زیب گھر لوٹی نہیں تو انمول اور ایمل کے زرد چہروں پر قرار سا آگیا۔ دونوں اس قدر حساس ہوچکی تھیں کہ ماں کو زمین پر بھی قدم رکھنے نہیں دے رہی تھیں۔ صغریٰ بوا کا بڑا آسرا تھا۔ سارا گھر انہوں نے سنبھال رکھا تھا مگر انہی دنوں ان کا بھولا بسرا بدنصیب بیٹا آکر ان کے قدموں میں گر گیا۔ ان لوگوں کو پہلی بار معلوم ہوا کہ صغریٰ بوا کا ایک بیٹا بھی ہے ورنہ وہ سب ان کو اکیلا اور بے سہارا سمجھ رہے تھے۔

اصل بات یہ تھی کہ بہو، بیٹے کی بدسلوکی اور بداخلاقی سے پریشان ہوکر وہ ان کو بتائے بغیر گھر چھوڑ کر آگئی تھیں۔ کچھ عرصہ تو ان کی امید رہی کہ شاید بیٹا پلٹ کر آئے گا مگر جب نہ آیا تو وہ امید بھی مرگئی اور انہوں نے اکیلے زندگی گزارنے کے لیے ہاتھ پاؤں ہلانے کا فیصلہ کرلیا۔ ادھر بہو، بیٹا ان کے جانے کے بعد پُرسکون ہوگئے اور یہی سوچا کہ ناراض ہوکر کسی کے گھر چلی گئی ہوں گی خود ہی واپس آجائیں گی جب ایسا نہ ہوا تو ان کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ اتنے عرصے سے وہ ان کو ڈھونڈ رہا تھا اب ان کو لینے کے لیے آگیا تھا۔

''اماں، تم ابھی اسی وقت میرے ساتھ چلو.....'' وہ ضد باندھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

''میں ابھی نہیں جاسکتی..... یہاں میری ضرورت ہے اس وقت.....'' انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

اسے ساری صورتِ حال بھی بتادی مگر وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھا۔

''بہت عرصہ مجھ کو ستایا اور تڑپایا ہے اب میں ایک نہیں سنوں گا کچھ۔'' وہ ضدی بچے کی طرح اپنی بات پر اڑ گیا۔

''میں اپنا نمک حلال کر کے ہی آؤں گی.....

انہوں نے اس وقت مجھے سہارا دیا جب میں بالکل خالی ہاتھ تھی۔ دل ٹوٹا ہوا تھا اور بیمار بھی بہت تھی۔ میرا علاج کرایا..... مجھے عزت دی، مان دیا..... میں کیسے تیرے ساتھ چلوں..... تو بھول گیا اپنی بیوی کی بدزبانی..... اپنی بدتمیزیاں، اب کیوں آیا ہے میرے پاس..... میں کبھی بھی تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' صغریٰ بوا نے صاف انکار کر دیا۔

''تو معافی مانگ تو لی میں نے..... اماں دل کی اتنی سخت نہ بن.....'' وہ گڑگڑانے لگا۔

صغریٰ بوا کٹھور بن کر اکڑی رہیں۔ وہ اس گھر میں رچ بس گئی تھیں۔ اسے چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا ان کا..... سب سے بڑی وجہ زیب کی موجودہ حالت.....

''بس تو مل لیا مجھ سے کافی ہے..... میں نے معاف کیا تجھے..... جا اب چلا جا..... جب یاد آئے تو آ کر مل لیا کر۔'' صغریٰ بوا نے رکھائی سے کہا۔

''اماں..... شگفتہ بھی تجھے یاد کر رہی ہے اور بچے بھی دادی کو ڈھونڈتے ہیں۔'' اس نے جیسے دل پر پاؤں رکھ دیا۔

پوتے، پوتیوں کے ذکر پر صغریٰ بوا کا دل پسیج گیا مگر وہ اب بھی جانے کو تیار نہیں تھیں۔

''تو ان کو ملانے لے آ..... بس اب اور کچھ نہیں کر سکتی میں۔'' اس کو معافی دینی ہی پڑی۔ لیکن ساتھ چلنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس مسئلے کو وقار آفندی نے ہی حل کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کے احسانات کی مروت میں صغریٰ بوا کبھی نہیں جائیں گی۔

''صغریٰ بوا..... ہفتے بھر کے لیے چلی جائیں یہاں خیر ہے، بچیاں سمجھدار ہو گئی ہیں، میں وقتی طور پر ملازمہ رکھ لوں گا۔''

صغریٰ بوا نہ چاہتے ہوئے بھی کپڑوں کی گٹھری بنا کر رخصت ہوئیں مگر جاتے سے ان کے چہرے پر خفگی، ندامت اور پریشانی سی تھی۔ ان کے پیچھے جیسے سارے گھر پر ملال کے سائے پھیل سے گئے۔ ہر روز کی نئی صبح میں کوئی نئی... بات نہ رہی تھی۔ وہی دھوپ سب طرف بکھر جاتی جسے سمیٹنے پر وہ قادر نہ تھی۔

مہر آنٹی نے سگے رشتوں سے بڑھ کر ساتھ دیا۔ نئی ملازمہ کا بندوبست انہوں نے ہی کیا جو کل انتظام وغیرہ سنبھالتی تھی اور رات آٹھ بجے تک گھر جاتی تھی۔ زیب کا پرہیزی کھانا مہر خود بنا کر بھجوا رہی تھیں۔ ہر شام مہر آنٹی اور شمع ان کے پاس ہی سوتی تھیں اور یوسف تو جیسے ہر پل وہیں پایا جاتا تھا۔ صبح کالج جانے سے پہلے پھر واپسی میں ایک چکر..... پھر جاب پر جانے سے پہلے اور پھر واپسی میں پہلے ان کے گھر کا چکر لگاتا پھر اپنے گھر جاتا تھا۔ درمیان میں بھی ضرورت پڑتی تو بلا تکلف اسے بلا لیا جاتا تھا۔ انمول اور ایمل نے کسی ایک وقت بھی خود کو اکیلا نہ سمجھا۔ انمول کے لیے تو سب سے بڑی ڈھارس ہی یوسف تھا۔ اس کی حوصلہ افزا باتیں..... ''شوخیاں'' لطیفے اس کے چہرے پر مسکراہٹ سجا ہی دیتے تھے۔ کسی شام وہ نہ آتا تو انمول بے چین ہو جاتی۔ اسے لگتا ہے جیسے یوسف کہیں کھو گیا..... اس کا مضروب دل روز بروز حساس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے ہلکے سُروں میں گنگناتے ہوئے بالوں میں کنگھا کر کے ان کو سلیقے سے لپیٹ کر کیچر لگا لیا اور مختلف زاویوں سے خود کو دیکھنے لگی۔ آج کل وہ بہت خوش تھی۔ کل ہی ظفری نے اسے یہ مژدہ سنایا تھا کہ عنقریب معاملہ حل ہو جائے گا کیونکہ اب اس کے بہنوئی اذان نے اس مسئلے کو حل کرنے کا بیڑا اٹھا لیا تھا۔

شافعہ ناز اپنے کسی کام کے سلسلے میں گھر سے باہر گئی ہوئی تھیں اور ان کی واپسی کسی بھی وقت متوقع تھی۔ اس نے چائے پکانے رکھ دی تھی اور فلاسک بھی دھو کر تیار کر رکھا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ چائے کے بغیر ظفر کا گزارہ نہیں ہوتا اور دیر ہو جائے تو اس کا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔ سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ دھوپ کی ہلکی سی چمک سب طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے سیاہ بینڈ اٹھا کر کلائی پر چڑھا لیا اور کچن میں جانے کے ارادے سے اٹھی ہی تھی کہ کمرے کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا۔ اس نے دہل کر دروازے کی طرف دیکھا سامنے شافعہ نازبرہم سے تیور لیے کھڑی تھیں۔

''یہ کیا تم نے، روز روز کا جانا لگا لیا ہے۔ کب تک چلتا رہے گا یہ قصہ..... آج پندرہ دن تو ہو گئے ہیں۔'' وہ خاصے تیکھے لہجے میں بولیں۔ اس وقت ان کے چہرے پر غیر معمولی سرخی تھی جو اُن کے غصے کی غماز تھی۔

''مذاکرات چل رہے ہیں امی جی..... امید ہے کہ جلد خوشخبری ملے گی۔ آپ کو کیا ہوا..... کیوں اتنی ناراض لگ رہی ہیں۔'' وہ ٹھنڈے لہجے میں بولتے ہوئے ان کے پاس آئی اور ہاتھ تھام کر اندر لانا چاہا۔ مگر انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''کیا یہ ناراض ہونے والی بات نہیں ہے..... کھیل سمجھ لیا تم دونوں نے اس کو.. لوگ باتیں بنا رہے ہیں۔'' وہ بدستور غصے میں بولیں۔

''لوگوں کو صرف باتیں بنانا ہی آتی ہیں، چھوڑ دیں ان کی باتوں پر دھیان دینا..... اِدھر آئیں آپ یہاں بیٹھیں آرام سے۔'' اس نے رسان سے کہتے ہوئے انہیں شانے تھام کر آرام سے بیٹھنے پر آمادہ کرنا چاہا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ ان کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔ جیسے اندر ہی اندر غصے سے وہ نڈھال سی ہو گئی ہوں۔

''کیسے رہنے دوں..... حد کر دی تم نے بھی ہماری ساکھ خراب ہو رہی ہے، ایک عزت ہے میری اس علاقے میں..... برسوں سے اسکول چلا رہی ہوں میں..... اس طرح ہمارے اسکول کی ساکھ متاثر ہو گی۔ لوگوں کا ہم پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔'' وہ جیسے پھٹ پڑیں۔

''امی..... امی..... کول ڈاؤن پلیز..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ ماں کی حالت سے گھبرا گئی۔

بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور
اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

شمارہ اکتوبر 2020ء
کی جھلکیاں

طائر عرفان
متلاشیانِ علم کے گوہرِ شب کا احوال،
وہ اسلامی تاریخ کا کوکب دری کہلایا

دل فگاراں
اس معروف صوفی کا احوال جو ایک دوشیزہ کے عشق میں سب کچھ بھول بیٹھا

قصہ شمشیر
ایک دوشیزہ کے حسن کی خاطر کئی ہزار نوجوان تہ تیغ ہو گئے

سفر پہلا پہلا
بالکل ایک نئے موڑ پر، قاری کو اسیر کر لینے کا بالکل نیا انداز

دو سیاہ
اپنے شباب پر، حالات کے جبر سے ٹکراتے نوجوان کا نیا پینترا، کہانی کی فسوں خیزی

کتاب عشق
عشق کی ایسی داستان ایسی سچ بیانی جسے بھول نہیں پائیں گے

اور بھی بہت کچھ ڈھیر ساری سچ بیانیاں، سچے قصے، معلوماتی واقعات

بس ایک بار پڑھ کر دیکھیں، آپ خود اسیر ہو جائیں گے

''سب ٹھیک نہیں خراب ہوجائے گا۔ تم کو بھی دل لگانے کے لیے ظفر جیسا بے ہمت اور بزدل لڑکا ملا تھا۔ آخر کب تک وہ ہمیں یہ طفل تسلیاں دیتا رہے گا۔''

وہ کچھ سننے پر تیار نہیں تھیں۔

''امی..... وہ ایسا نہیں ہے دراصل اسے کوئی ساتھ دینے والا نہیں ملا جیسے آپ میرا ساتھ دے رہی ہیں اس کے بڑے اس کا ساتھ نہیں دے رہے مگر اب اس کے بہنوئی نے اسے یقین دلایا ہے کہ وہ سب ٹھیک کرلیں گے۔'' حالانکہ اس کا اپنا دل بھی بے حد خراب ہوگیا تھا ان کی باتوں پر مگر ماں کی حالت دیکھ کر خود کو سنبھال ہی لیا۔

''اوہ..... اچھا تو اب بھی کوئی حتمی نتیجہ نہیں نکلا..... ابھی مزید دن لگیں گے اور جب تک لوگ میرے گھر کو چوبارہ سمجھ کر نہ جانے کتنے پتھر پھینک دیں گے۔ میری عزت ملیامیٹ ہوجائے گی۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''نہیں امی ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ ان کے غصے کو دیکھ کر بری طرح گھبرا گئی۔

''کیسے نہیں ہوگا، آج ایک نے کہا کل دوسرا کہے گا اور پھر یہ سرگوشیاں سب طرف پھیل کر ہمیں... بدنام کردیں گی۔ آج واپسی پر تمہاری شاگرد صاعقہ کی امی مل گئی تھیں۔ جانتی ہو کیا کہا انہوں نے مجھ سے؟ انہوں نے کہا۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''انہوں نے کہا کہ آپ بیٹی پر نظر رکھیں..... کسی لڑکے کے چکر میں ہے اور ان کو یہ بات کسی اور نے بتائی ہے کہ کوچنگ میں ہمارے کچھ غلط سرگرمیاں ہورہی ہیں، اس طرح تو اسکول اور کوچنگ بھی بدنام ہوجائے گا۔ تم فوراً اس کا حل نکالو اور ہاں کان کھول کر سن لو اب تم کوچنگ اس کے لیے کچھ لے کر نہیں جاؤ گی۔ جو کھانا پینا ہے خود کرلے وہ..... بہت ہوگئی بس..... تمہارے پاس صرف دو دن کا ٹائم ہے۔'' انہوں نے حتمی فیصلہ سنایا اور پلٹ کر چلی گئیں۔ پیچھے سمیر اسناٹے میں کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

وکیل صاحب بہت دیر سے مضطربانہ انداز میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہے تھے۔ ان کے چہرے پر سوچ فکر کی پرچھائیاں تھیں۔ آپا خاتون عصر کی نماز پڑھ کر اب جانماز لپیٹ کر رکھ رہی تھیں۔ ان کے ایک ہاتھ میں تسبیح تھی اور وہ زیرِلب کچھ آیات وغیرہ کا ورد کررہی تھیں۔

ان گزرے دنوں میں وہ بے حد کمزور ہوگئی تھیں۔ ظفر کے دیے ہوئے دکھ نے ان کو آدھا کردیا تھا۔ ظفر کا ذکر سننا بھی ان کو پسند نہیں تھا کجا کہ اس مسئلے پر غور کیا جاتا۔ بظاہر مضبوط بنی اپنی ضد پر ڈٹی ہوئی تھیں۔ مگر اندر ہی اندر گھل رہی تھیں۔

گھر کے سب افراد میں اندر ہی اندر باتیں ہورہی تھیں۔ منصوبے بن رہے تھے مگر ان سے بات کرنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی اور وکیل صاحب تو انہیں چھیڑنے کی غلطی کر ہی نہیں سکتے تھے کہ پھر انہیں سنبھالنا مشکل ہوجاتا تھا۔ وہ بے چینی سے اذان کی آمد کے منتظر تھے۔ اذان کے وجود سے اُن کو ڈھارس سی تھی کہ شاید داماد کی سفارش پر وہ کچھ موم ہوجائیں۔ کچھ ہی دیر میں اذان چلا آیا۔

''آگئے بھئی..... بڑی دیر سے انتظار کررہا تھا میں.....'' ان کے مدقوق چہرے پر رونق سی آگئی۔

''جی بس نکلتے، نکلتے وقت لگ گیا۔ کہاں ہیں آپا؟'' وہ اس کے ہمراہ اندر کمرے کی طرف بڑھے مگر اندر داخل ہوتے ہوئے ان کے قدم لڑکھڑانے سے لگے۔

''السلام علیکم.....'' اذان نے بلند آواز میں سلام کیا تو آپا خاتون نے چونک کر سر اٹھایا۔

''ارے اذان بیٹا..... تم کب آئے؟'' وہ ہلکی سی مسکراہٹ سے بولیں۔

''بس ابھی، ابھی تو آیا ہوں۔'' وہ وہیں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ آپا خاتون نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر ان کی نظریں دروازے تک گئیں۔

''کومل اور بچے نہیں آئے.....؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''وہ شاید ایک دو روز میں چکر لگائیں گے..... میں تو ایسے ہی آفس سے اٹھ کر چلا آیا ہوں سوچا آپ کی خیریت معلوم کرلوں..... کومل فکر مند ہے آپ کے

لیے......'' اس نے بات کو بڑی خوب صورتی سے بڑھایا۔
''آں...... ہاں...... بس کیا ہونا ہے طبیعت کو...... ٹھیک کیسے ہوگی اس عمر، بڑھاپے میں سر پر خاک ڈال دی ظفری نے...... کیا خاک ٹھیک ہوں گی میں۔'' وہ تلخی سے بولیں۔
''آپا جی...... ظفری نے واقعی بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اولاد پر ماں، باپ کا حق ہوتا ہے اور اس نے اپنی مرضی کر کے کچھ اچھا نہیں کیا۔'' اس نے ہمدردی کی۔
''ہاں میاں......'' انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔
''آج کل ماں، باپ کس کھاتے میں ہیں...... ان کی خدمتوں اور محنتوں کو نافرمان اولاد فراموش کر دیتی ہے اور یہ صلہ دیتی ہے جو ہمیں ملا......'' وہ تلخی سے بولیں۔
''مگر آپا...... ظفری ابھی کم عمر اور ناسمجھ ہے...... اور غلطیاں تو بچوں سے ہی ہوتی ہیں۔ بڑے ہی ان کی غلطیوں کو سدھارتے ہیں۔'' اذان نے سبھاؤ سے بات کا آغاز کیا۔
''با...... بس...... آگے کچھ مت کہنا۔ اس نافرمان کی وکالت نہ کرنا میرے سامنے......'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر ناگواری سے کہا۔
''آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے آپا...... ظفر کسی رعایت کا مستحق نہیں...... مگر اسے اس طرح ان لوگوں کو اس آسانی چھوڑ کے دینا ٹھیک نہیں...... پلا پلایا بچہ ہے وہ اس گھر کا اور اس لڑکی نے اسے اسی آسانی سے ہتھیا لیا۔'' اذان نے ہمت نہ ہاری اور نئے رخ سے بات کرنی شروع کی۔
''ارے تو وہ ہمارا رہا ہی کب ہے؟'' وہ چیخ کر بولیں۔
''لیکن وہ ہمارا خون تو ہے...... اس گھر کا ایک فرد تو ہے، آپ اسے خود سے جدا نہیں کر سکتیں اور آپا لوگ تو اپنی دولت جائداد کے لیے لڑتے مرتے ہیں، ظفری تو جیتا جاگتا وجود ہے۔ آپ اس آرام سے کیسے اسے چھوڑ رہی ہیں۔ تو کیا آپ نے اتنا جلدی اس لڑکی سے ہار مان لی؟'' وہ مناسب الفاظ ناپ تول کر سمجھانے لگا۔

''ظفری کی عقل جلد ٹھکانے پر آجائے گی جب وہ در، در کی ٹھوکریں کھائے گا تو خود پلٹ کر آئے گا یہاں...... میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی اور نہ ہی اس لڑکی کا وجود اس گھر میں برداشت کروں گی۔ سن لیں سب کان کھول کر...... یہ نہیں ہوسکتا...... کبھی نہیں ہوسکتا...... اور اب کوئی مجھ سے اس موضوع پر بات نہ کرے۔'' ان کا فشارِ خون بلند ہونے لگا اور وہ غصے کی زیادتی سے چیخ پڑی تھیں۔ وہ اسی غصے کے عالم میں اٹھیں اور دونوں کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ اذان نے مایوسی سے وکیل صاحب کو دیکھا اور وکیل صاحب نے گہری سانس بھر کر سر جھکا لیا، یہ مسئلہ کشمیر حل ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔ اذان کے چہرے پر شرمساری تھی۔ اس نے اس مسئلے کو حل کرنے کا دعویٰ کیا تھا مگر یہ تو ٹیڑھی کھیر ثابت ہو رہا تھا۔

☆☆☆

ظفر مایوسی کے عالم میں کرسی پر بیٹھا اپنے خیالوں میں مستغرق تھا۔ گزرے دنوں میں سوائے مایوسی، خواری اور ناکامی کے کچھ ہاتھ نہ آیا تھا۔ اور جب سے سمیرا نے اسے شافعہ ناز کی باتیں بتائی تھیں اور وہ بھی زیادہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اسے یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آرہی تھی۔
دو دن سے میم کا رویہ بھی کافی روکھا اور ناروا تھا۔ جیسے وہ ان پر بوجھ ہو اور ناپسندیدہ ہو...... اس کا دل بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے تو بڑے جوش اور حوصلے سے یہ قدم اٹھایا تھا مگر جب سمیرا اس کے ساتھ تھی لیکن اب سمیرا نے بھی اسے الٹی میٹم دے دیا تھا۔ وہ ماں کے غصے اور بدنامی کو مزید سہنے کی متحمل نہیں رہی تھی۔
''لوگ ہمارے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں۔ ہم بدنام ہو رہے ہیں اس طرح......'' اس نے صاف، صاف کہہ دیا تھا۔
''چند دن کی بات ہے سمیرا...... حالات بہتر ہو جائیں گے۔'' اس نے مہلت چاہی۔
''ظفر یہ کوئی ٹی وی ڈراما یا فلم نہیں ہے کہ اس کا

ڈراپ سین ہنسی خوشی ہو جائے گا۔ ہم سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ محلے اور علاقے میں امی کا نام خراب ہو رہا ہے۔ ادارے کی ساکھ خراب ہو رہی ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ میرے کردار پر کیچڑ اچھلنے لگی ہے۔ لوگ اندھے نہیں ہوتے۔ وہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ تم یہاں رہتے ہو، میں آتی جاتی ہوں، چاہے ہمارے دل اور نیتیں صاف ہوں مگر لوگوں کے ذہن کی غلاظت کو ہم نہیں دھو سکتے اور لڑکی کے کردار پر ایک بار آنچ آجائے تو وہ کہیں کی نہیں رہتی..... پلیز اس معاملے کو جلد ختم کرو.....'' سمیرا نے دل پر پتھر رکھ کر اسے باتیں سنا دیں۔

وہ سمیرا کا منہ دیکھتا رہ گیا..... وہ اسے بدلی، بدلی سی لگی..... اس نے عزت پر محبت کو قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا..... یہ اس کے ہر انداز اور لہجے سے پتا چل رہا تھا۔

''ہم نے کوشش کرلی مگر قدرت کو منظور نہیں اس لیے چھوڑو اب یہ خیال..... مجھے اچھی دوست سمجھ کر یاد رکھنا اور میں بھی.....'' اس کا گلا رندھ سا گیا اور لفظ کہیں آنسوؤں کے پھندے میں اٹک سے گئے۔

نہ جانے کرب کی کتنی منزلوں سے گزر کر ظفر نے بھی اس فضول ڈرامے کا اختتام کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ہاں مگر ضد کرنے میں وہ بھی اپنی ماں پر پڑا تھا۔

''ٹھیک ہے..... میں بھی اب ساری عمر شادی نہیں کروں گا۔'' اس نے بوجھل دل سے اپنا والٹ اور موبائل اٹھا کر جیب میں رکھا۔ بڑھی ہوئی شیو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ مستقل ایسی ہی منفی باتیں سوچ رہا تھا۔ اس نے بکھرے بالوں کو ہاتھ سے سنوارا..... خشک لبوں پر زبان پھیری اور یونہی ایک سرسری سی نظر اس عارضی پناہ گاہ پر ڈالی۔ موبائل کی ٹون بجی سمیرا کا فون تھا۔ اس نے کال کاٹ دی۔

''اور اب کو چنگ سے بھی علیحدگی اختیار کرلوں گا.....'' وہ ایک کے بعد ایک فیصلے کر رہا تھا یہ سوچے بغیر کہ فیصلے تو آسمانوں پر ہوتے ہیں۔ انسان سوچتا تو بہت کچھ ہے من پسند، زندگی گزارنے کے بہت سے منصوبے بناتا ہے مگر ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے۔

ایک گہری سرد آہ بھر کر اس نے پنکھے کا بٹن بند کیا ہی تھا کہ کوچنگ کا دروازہ تیز آواز میں کھلنے کی آواز آئی۔

''ظفر..... ظفر..... جلدی آؤ..... امی..... امی.....''

سمیرا آوازیں دے رہی تھی۔

''کیا ہوا امی کو.....؟'' وہ بے تابی سے دروازے کی طرف دوڑا۔

☆☆☆

آج صبح ہی سے آپا خاتون کی طبیعت مضمحل ہو رہی تھی۔ رہ، رہ کر ظفر یاد آئے جا رہا تھا۔ ہر بار وہ دل کو ڈپٹ کر خاموش کرا دیتیں مگر کچھ دیر بعد پھر اس کو سوچ رہی ہوتیں۔ اذان کی باتوں نے انہیں اندر سے ہلا دیا تھا۔ ملال نے اس حد تک ان پر غلبہ کرلیا تھا کہ ظفر کی صورت نگاہوں میں گھومنے لگی۔ وہ آنکھیں موند کر لیٹتیں تو ظفر نظر آتا، گھبرا کر آنکھیں کھول دیتیں۔ خود کو چھوٹے، چھوٹے کاموں میں الجھا لیتیں مگر ذہن میں جیسے ظفر کی فلم چل رہی تھی۔ اس کا بچپن، شرارتیں، شوخیاں اور اس کی بے پروائیاں سب کچھ ایک تسلسل سے ذہن میں آئے جا رہا تھا۔ وہ جیسے بے بس اور بے اختیار ہوتی جا رہی تھیں۔ دل دہائیاں دے رہا تھا۔

''اُف..... یہ ماں کی ممتا کتنی پگلی ہوتی ہے، صلے کی تمنا کے بغیر اولاد کی محبت میں ڈوبی رہتی ہے۔'' انہوں نے کرلا کر سوچا۔

انگلی کی پور سے آنکھ میں اٹکا آنسو صاف کیا۔ وہ لاکھ سخت بن رہی تھیں مگر دل پگھلے جا رہا تھا۔ ان کا دل بے طرح گھبرایا جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ جی چاہا ظفری ان کے پاس آجائے اور اسے کلیجے سے لگالیں۔ وہ گھبرا کر کمرے سے باہر آگئیں۔ جہاں خاموشی کی چادر اوڑھے سنسان لاؤنج بھائیں، بھائیں کر رہا تھا۔ ظفری کی حرکت کے بعد سے گھر میں عجیب سا تناؤ اور نامحسوس سی خاموشی طاری ہوگئی تھی۔ سب چپکے، چپکے بولتے حورین آہستہ، آہستہ کام کرتی..... نہ کوئی ہنگامہ نہ خوشی..... انہیں اس ویرانی کو دیکھ کر بے حد افسوس ہوا۔

ظفر کی فضول سی حرکت پر غصہ آنے لگا..... پھر خود بخود ہی وہ اس کے کمرے میں چلی گئیں۔ ظفر کا کمرا خالی تھا۔ کئی روز سے اس کی صفائی بھی نہیں کی گئی تھی۔ انہیں حورین کی بے پروائی پر غصہ آگیا۔

''پورا گھر صاف کرایا جارہا ہے صرف ظفر کا کمرا گندا پڑا ہوا ہے۔'' بڑبڑاتے ہوئے انہوں نے پلنگ کی چادر ٹھیک کی، تکیہ درست کیا۔ میز پر اس کی گھڑی، کچھ کتابیں اور لیمپ رکھا تھا مگر سب گرد آلود تھا۔ وہ دل ہی دل میں حورعین کو نوازنے لگیں۔

''وہ ابھی گھر میں نہیں ہے اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ کبھی نہیں آئے گا۔'' وہ میز صاف کرنے لگیں۔ یہ کام بے اختیاری میں ہو رہا تھا۔ مگر پھر اپنے ہی الفاظ پر انجانا سا وہم ان کو دہلا گیا۔

''کیا ظفر اب کبھی نہیں آئے گا..... کیا ہو گیا ہے مجھ کو..... کہیں ظفری کو کچھ ہو تو نہیں گیا؟'' ان کے من میں اندیشوں کے سانپ نے کنڈلی ماری۔ دل میں ٹیس سی اٹھی اور رنگت زرد ہو گئی۔ وہ وہیں اس کے بیڈ پر ٹک گئیں۔ خالی اداس نظروں سے کمرے کے سونے در و دیوار کو تکا۔ کھونٹی پر اس کا نائٹ سوٹ لٹک رہا تھا۔ اور میز سے کچھ فاصلے پر جوتے رکھے تھے۔ ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسلا..... ظفر کی یاد نے شدت اختیار کر لی۔ انجانے اندیشوں سے دل ہولنے لگا۔

''یا اللہ..... مجھے کیا ہو رہا ہے..... کہیں میرے ظفری کو کچھ ہو نہ جائے..... اسے اپنی حفاظت میں رکھنا..... ہائے، نہ جانے مجھے کیا ہو رہا ہے..... میرا دل گھبرا رہا ہے۔'' وہ گالوں پر بہتے آنسو دوپٹے کے پلو سے صاف کر کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔ لیکن کمرے کی لائٹ اور دروازہ بند نہ کیا۔

آج دوپہر سے وکیل صاحب غائب تھے۔ کچھ کھایا بھی نہیں گئے تھے۔ اس وقت انہیں ان کے ساتھ کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ ان کا کندھا آنسو جذب کرنے کے لیے درکار تھا۔ حورعین کچن میں برتن رکھ رہی تھی۔ ان کا زرد چہرہ دیکھ کر دوڑ کر آگئی۔

''کیا ہوا اماں..... چائے بنادوں آپ کے لیے؟'' اس نے تشویش سے انہیں دیکھا۔

''کچھ نہیں..... بس ایسے ہی جی گھبرا رہا ہے۔ کمزوری ہو رہی ہے..... پتا نہیں کیا ہو رہا ہے مجھے۔'' وہ بے بسی سے بولیں۔

''آپ بیٹھیں..... میں ابھی گلوکوز لے کر آتی ہوں آپ کے لیے.....'' اس نے شانوں سے تھام کر وہیں کرسی پر بٹھا دیا۔

''نہیں..... وہ بہت بیٹھا ہوتا ہے۔ بس مجھے پانی لا دو۔ وکیل صاحب پتا نہیں کہاں رہ گئے آج..... اب تو سہ پہر ڈھل رہی ہے۔'' وہ بیٹھ تو گئیں مگر پورے وجود میں بے چینی سرایت کر رہی تھی۔ حورعین نے پانی لا کر دیا مگر وہ بھی نہ پیا گیا..... دو چار گھونٹ بھر کر گلاس واپس دے دیا۔

''آپ لیٹ جائیں..... میں اے سی چلا دیتی ہوں۔'' ان کی حالت دیکھتے ہوئے حورین نے مشورہ دیا۔

''نہیں..... رہنے دو..... تم اپنا کام کرو اور ہاں ظفری کا کمرا گرد میں اٹ رہا ہے، صاف کرا دینا۔'' انہوں نے ہدایت دی۔

وہ اپنے کمرے میں جا کر بیڈ پر بیٹھ گئیں مگر پھر چین نہ آیا تو اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگیں۔ پھر کچھ خیال آیا تو موبائل اٹھا کر چند ثانیے دیکھتی رہیں۔ جیسے مخمصے میں ہیں کہ کیا کریں..... وہ ظفری کو فون کرنا چاہ رہی تھیں۔ انہوں نے موبائل کا لاک کھولا..... ظفری کا نام سامنے آگیا۔ وہ دیر تک اسکرین پر چمکتے اس کے نام کو دیکھتی رہیں۔ جی چاہتے ہوئے بھی ارادہ بدل دیا البتہ دل ہی دل میں اس کی سلامتی کی دعائیں کرنے لگیں۔ پچیس دن ہو گئے تھے اس کو گئے ہوئے..... اب ان کی ممتا بے طرح تڑپنے لگی تھی۔ پھر کچھ خیال آیا تو وضو کر کے نفل نماز ادا کی۔ خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر دل کو بہت قرار آیا انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

''یا اللہ..... میرے ظفری کو صحت و سلامتی عطا فرما..... وہ صبح کا بھولا ہے اسے گھر لوٹا دے..... ایک

ماں کو اس کا بیٹا دلا دے.....'' ان کی ہچکی بندھ گئی۔ دل کا غبار خدا کے سامنے نکال کر قدرے سکون محسوس ہوا۔ حورعین نے انزلہ اور حرمین کو ان کے پاس بھیج دیا تھا۔

''دادی باہر چلتے ہیں موسم اچھا ہوگیا اب..... ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔'' انزلہ نے معصومیت سے کہا۔

وہ دونوں کے ساتھ باہر آگئیں..... گھڑی پر نظر گئی..... شام کے سات بج رہے تھے۔ دل پھر بے چین ہوگیا۔

''کہاں رہ گئے وکیل صاحب.....؟'' انہوں نے فکرمندی سے سوچا۔ اسی وقت جوجی گھر میں داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ لیکن خلافِ توقع وہ حد سے زیادہ سنجیدہ سا بنا رہا۔ انہیں دھچکا لگا۔

''جوجی..... کہاں سے آرہے ہو بیٹا کچھ پتا ہے وکیل صاحب کا، کہاں رہ گئے آج یہ؟'' اس کے سلام کا جواب دے کر انہوں نے اپنی بات کہی۔

''میں کہیں نہیں جارہا..... آپ کے پاس ہی ہوں، اور وکیل صاحب سے تو میری صبح ہی ملاقات ہوئی تھی۔'' وہ کچھ تھکا، تھکا سا ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''چائے بنواؤں بیٹا؟'' انہوں نے پیار سے پوچھا۔

''نہیں رہنے دیں..... دل نہیں چاہ رہا۔'' اس نے منع کر دیا۔

''اچھا پھر ملک شیک بنوا دیتی ہوں۔'' انہوں نے اصرار کیا۔

''نہیں اماں..... مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ بھوک نہیں ہے مجھے۔'' وہ اداس سے انداز میں بولا۔

''کیا بات ہے پریشان ہو کچھ؟'' وہ کھنکیں۔

''کچھ نہیں..... بس ایسے ہی۔'' اس نے ٹالا۔

''کچھ تو ہے..... ادھر دیکھو میری طرف، مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے محبت سے کہا۔

''چھوڑیں ناں..... پھر آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' اس نے مبہم سا کہا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گئیں۔

''ظفری یاد آرہا ہے؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''ہاں اماں..... بہت..... بہت زیادہ اس کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔'' وہ اپنا ضبط کھوتا جارہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ سی ہوگئیں۔

''ہاں، آج مجھے بھی یاد آرہا ہے وہ..... پتا نہیں کیوں..... کچھ اتا پتا ہی نہیں اس کا۔'' وہ رنجیدگی سے بولیں۔

''میری مانیں تو معاف کر دیں انہیں۔'' جوجی نے موقع دیکھ کر سفارش کی۔

''ہرگز نہیں..... اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہی نہیں ہے۔'' وہ دل گرفتگی سے بولیں۔

جوجی کے پاس مزید کچھ نہ تھا کہنے کے لیے وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''اپنے ابا کا تو پتا کرو فون کر کے۔'' انہوں نے موضوع بدلا۔

اسی وقت اطلاعی گھنٹی بجی..... وہ چونکی ہو کر بیٹھ گئیں۔ خیال تھا کہ وکیل صاحب کی آمد ہوگی مگر ان کے بجائے کومل کو آتا دیکھ کر کھل اٹھیں۔

''ارے تم..... اچانک ہی آگئیں.....'' اسے خود سے لپٹا کر انہوں نے پوچھا۔

''جی..... وہ دراصل اذان کسی کام سے گئے ہیں ابھی آتے ہوں گے۔'' اس نے وجہ بیان کی۔ ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ جوجی سے باتوں میں مصروف ہوگئی..... آپا خاتون کے دل مضطرب میں پھر عجیب سا اودھم مچنے لگا۔ انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''آج تو وکیل صاحب نے حد ہی کر دی۔ کبھی اتنی غیر ذمے داری کا ثبوت نہیں دیا۔ آج آئیں گے تو خبر لوں گی ان کی ٹھیک ٹھاک.....'' وہ کومل سے کہنے لگیں۔ اسی وقت لوہے کے گیٹ کے کھلنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی بائیک کی آواز بھی آئی۔

''اذان آئے ہوں گے.....'' کومل نے اندازہ لگایا۔

''نہیں، یہ تو کوئی بائیک پر آیا ہے۔'' آپا خاتون نے غور کرتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال سے ہدایت نے میری بائیک اندر ٹھیک سے کھڑی کی ہوگی۔'' اب جوجی نے خیال ظاہر کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگ مزید اندازے لگاتے

لاؤنج کے دروازے پر وکیل صاحب نمودار ہوئے اور ان کے ساتھ کھڑے ظفری کو دیکھ کر آپا خاتون کی مامتا پھڑک سی گئیں۔

''تو لے آئے برخوردار کو منا کر۔'' انہوں نے دل میں سوچا۔ دل تو پہلے ہی موم سا ہو رہا تھا مگر بظاہر سخت بنی بیٹھی رہیں۔

''کہاں تھے آپ؟ اور یہ نافرمان آپ کے ساتھ کیوں آیا ہے؟'' انہوں نے برے تیوروں سے پوچھا۔

''اٹھیں بیگم..... چھوڑ دیں سب گلے شکوے اور اٹھ کر بیٹے کو گلے لگائیں۔'' وکیل صاحب نے ان کا سوال ان سنی کر کے تحکم سے کہا۔

ان کا لب و لہجہ کچھ بدلا ہوا تھا..... بس اپنی منوا لینے والا انداز تھا۔ یہ بحث و تکرار کا وقت نہیں تھا۔ ان کے سامنے ان کا لعل کھڑا تھا۔ جس کے لیے کچھ دیر پہلے تک وہ مختلف واہموں میں مبتلا تھیں۔ وہ ایک بے اختیاری کی کیفیت میں کھڑی ہو گئیں اور ان سے پہلے ظفر آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گیا۔ ان کے شفیق ممتا بھرے لمس کو پا کر وہ بلک کر رونے لگا۔ آپا خاتون کا دل جوان اولاد کی آہ و زاری پر بیٹھنے لگا۔

''چپ کرو..... چپ کرو..... دیکھو، میں نے تم کو پیار کر لیا ہے۔'' وہ پیار سے بولیں۔

''ہوں..... اب ذرا اس کی دلہن کو بھی دعائیں دے دیں۔'' وکیل صاحب کی اگلی بات نے آپا خاتون کو کرنٹ سا لگا دیا۔

انہوں نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا جہاں سے سمیرا ہولے، ہولے آگے بڑھ رہی تھی، اس کے پیچھے ہی اذان نمودار ہوا۔

سمیرا نے ہلکے گلابی رنگ کا جارجٹ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ وہ میک اپ سے بے نیاز تھی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور ڈرتے جھجکتے، آگے بڑھ رہی تھی۔

''یہ..... کیا مذاق ہے وکیل صاحب..... یہ میں کیا دیکھ اور سن رہی ہوں۔'' وہ خفگی سے بولیں۔

''یہ مذاق نہیں حقیقت ہے بیگم..... سمیرا اب ہماری بہو اور ظفر کی دلہن ہے۔'' وکیل صاحب قطعیت سے بولے۔

''ہماری نہیں صرف آپ کی بہو؟'' انہوں نے طنزیہ انداز میں تصحیح کی اور شعلہ بار نظروں سے سمیرا کو گھورا۔

''جو بھی سمجھ لیں مگر خدارا ابھی کچھ نہ بولیں آپ..... بس التجا ہے کہ بہو کو دعاؤں کے سائے میں خوش آمدید کہیں۔'' وکیل صاحب کا دبنگ لہجہ کچھ کمزور پڑتا جا رہا تھا۔

''ناممکن..... میں کبھی ایسی بن بلائی بہو کو خوش آمدید نہیں کہوں گی۔ یہ اپنی مرضی سے آئی ہے یہاں..... اس نے اپنی مرضی سے اپنے لیے کانٹوں بھری راہ منتخب کی ہے۔ میں اسے کبھی بہو کے طور پر قبول نہیں کروں گی۔'' وہ اٹل لہجے میں بولیں۔ ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ ظفر کے ساتھ مل کر آپ میری یہ عزت افزائی کریں گے۔'' احساسِ توہین سے ان کے رخسار جل اٹھے تھے۔

''بیگم..... یہ باتیں کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھیں..... میں آپ کو ساری باتیں بتا دوں گا۔'' وکیل صاحب نے لجاجت سے کہا۔

''ہونہہ..... نہ ابھی، نہ بعد میں اس سے کہیں میری نظروں سے دور ہو جائے۔'' انہیں نے تنفر سے کہا۔

پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس گھر میں ان کی بات کی نفی کی گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ بات مزید بڑھتی سمیرا تیورا کر گر پڑی اور سب طرف ایک ہلچل سی مچ گئی۔ سمیرا بے ہوش ہو گئی تھی۔ سب اس کی دیکھ بھال میں لگ گئے اور آپا خاموش ایک طرف اکیلی کھڑی رہ گئیں۔ کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وکیل صاحب کی سرپرستی کا مطلب تھا کہ سب نے اس لڑکی کو قبول کر لیا اور کومل کی اچانک آمد کی وجہ بھی ان کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ سب سے بدگمان اور ناراض سی اپنے کمرے میں آ گئیں۔

اِدھر ظفری نیم بے ہوش سمیرا کا سر زانو پر رکھے گزرے واقعات پر غور کر رہا تھا۔

سمیرا کی لرزتی متوحش آواز پر وہ باہر کی طرف لپکا

جہاں دروازے میں نیم جاں سمیرا کھڑی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اس کی سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ وہ بہت تیز بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ اسے اپنا بھی ہوش نہیں تھا۔ سر کے بال بکھر رہے تھے اور دوپٹا شانوں پر جھول رہا تھا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر وہ چکرا کر رہ گیا۔

''امی کو..... امی کو کچھ ہو گیا ہے..... وہ بے ہوش ہو گئیں۔'' اس نے بے ربط انداز میں بتایا۔

''کیا ہوا میم کو.....؟'' وہ دوسرا سوال کیے بغیر سرعت سے باہر نکلا۔ سمیرا ابھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ زیادہ سوال جواب کا وقت نہ تھا اور سچ تو یہ تھا کہ سمیرا سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اس نے ایک لمحہ ہی سوچا اور چلتے ہوئے راستے سے گزرنے والی ٹیکسی کو روک لیا۔ سمیرا کی مدد سے ان کو ٹیکسی میں ڈال کر وہ اسپتال روانہ ہو گیا۔

سمیرا مستقل روئے جا رہی تھی اس کی گود میں شافعہ ناز کا سر رکھا تھا اور ظفر تیزی سے بدلتے حالات سے خوفزدہ بھی تھا۔ اس کو اپنا آپ قصوروار لگ رہا تھا۔ اس کی وجہ سے یہ سب حالات پیدا ہوئے تھے۔ اسپتال میں ان کو فوری طبی امداد دی گئی۔ ہارٹ اٹیک ہوا تھا ان کو۔ وہ آئی سی یو میں تھیں۔

''میم ٹھیک ہو جائیں گی..... پریشان نہ ہو۔'' اس نے روتی سسکتی سمیرا کو کھوکھلی تسلی دی۔

''میں نے اتنا فون ملایا تم کو مگر تم نے فون ہی آف کر دیا تھا۔'' اس نے شکوہ کیا۔ پچھتاوے اور ملال میں گھر کر ظفر جواب دینے کے قابل نہ رہا۔ دراصل اس وقت اسے خود پر، حالات پر، تقدیر پر اور سمیرا اور اس کی امی سب پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ شکووں، گلوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا اسی لیے اس وقت سمیرا کا فون نہیں سنا۔ مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں اسے اس وقت کسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی سوائے اپنے غم اور آہوں کے..... لیکن انسان اگر اپنے غم سے نکل کر اپنے اطراف میں دیکھے تو اسے اپنے سے کہیں زیادہ دکھی، پریشان اور مصیبت کے مارے لوگ نظر آئیں گے۔ مگر وائے افسوس کہ اس کے پاس وہ نظر ہی کہاں ہوتی ہے۔ چند خوش قسمت لوگ ہی ہوتے ہیں جو باطن کی گہرائیوں کو ناپ کر حقیقت معلوم کر لیتے ہیں۔ آج کا انسان سطحیت، بناوٹ اور تصنع میں لپٹ کر اپنی اصل کو فراموش کر چکا ہے۔ وہ صرف اپنی خواہشات کا تابع ہے اور اپنی مرضی کے راستے پر سفر کرنا چاہتا ہے یہ سوچے بغیر کہ یہ راستہ اس کی منزل کو جاتا ہے یا نہیں..... اس کے لیے مناسب ہے یا نہیں.....

وہ خود پسندی میں مبتلا صرف اپنے لیے سوچتا ہے..... اپنی خواہشات میں مبتلا ایک کمزور سا انسان..... خود پر بہت مغرور ہے، ہر جگہ، ہر موڑ، ہر راستے، ہر محفل میں اپنی سیلفی پر سیلفی لے کر اردگرد سے بے نیاز صرف خود میں گم ہے۔ خود کو دیکھنا، سراہنا، خوش ہونا ہی اس کا مقصد زندگی ہے۔ دوسروں سے اسے کوئی سروکار نہیں.....

''میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا سمیرا..... یقین مانو..... میں اس وقت خود بہت زیادہ ڈسٹرب تھا۔'' بہت دیر بعد گہری سانس بھر کر اس نے کمزور انداز میں وضاحت دی۔

سمیرا کچھ نہ بولی بس گھٹ، گھٹ کر سسکتی رہی..... وہ خاموشی سے اٹھا اور ڈسپنسر سے پانی نکال کر لے آیا۔ سمیرا نے بمشکل دو چار گھونٹ لیے۔

''شافعہ ناز کے ساتھ کون ہے؟'' ایک سسٹر نے قریب آ کر متلاشی نظروں سے دیکھا۔

''جی..... جی کیا ہوا..... کیسی ہیں میری امی.....'' وہ تڑپ کر اس کے پاس آ گئی۔

''بچ گئیں..... شکر کرو..... دعا کرو ان کے لیے.....'' اس نے پیشہ ورانہ تسلی دی۔ ظفر بھی گلاس رکھ کر قریب چلا آیا۔

''بہت شدید اٹیک ہوا تھا انہیں..... یہ دوائیں چاہئیں.....'' اس نے پرچہ ظفر کے ہاتھ میں تھما دیا۔

سمیرا نے بس ایک نظر ہی اسے دیکھا تھا۔ اس کی ایک نظر سے ہی وہ پشیمان ہو گیا۔ کیسی معصوم سی شکایت تھی اس کی نظروں میں کہ دوبارہ نظر نہیں ملا سکا۔ اس

نے اپنے کندھوں پر بہت وزن محسوس ہوا۔ اِک ذرا سی محبت ہی تو کی تھی اور صلے میں سوائے اور خواری کے سوا کچھ نہ آیا۔ وہ مکمل قصور وار نہ تھا مگر اکیلا ہی خود کو قصور وار سمجھ رہا تھا۔ وہ تو باعزت طریقے سے اسے اپنانا چاہتا تھا مگر ظالم ہائے ظالم سماج..... سب کچھ برباد کر دیا۔ اس نے سینے میں دبی ہوئی گہری سانس خارج کی اور زخمی نظروں سے سمیرا کو دیکھا۔

''کوئی بات ہوئی تھی کیا؟'' اسے ابھی، ابھی یہ سوال پوچھنے کا خیال آیا۔

''ہوں..... کسی نے..... کسی نے امی کے منہ پر میرے کردار پر کیچڑ اچھالی اور ہمارے لیے نازیبا الفاظ استعمال کیے..... ہمیں بازاری عورتیں.....'' وہ رقت اور رنج کے باعث جملہ پورا نہ کر سکی۔

شدتِ ضبط سے ظفر کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ سمیرا کے کردار پر حرف آنے کی وجہ اس کی ذات تھی اور اب یہ کلنک کا دھبا اس کو ہی مٹانا تھا۔ اس نے تو سوچا تھا کہ ترکیبوں سے طریقوں سے حالات کو اپنے حق میں ہموار کر لے گا مگر یہاں تو حالات الٹا اس کے مخالف ہی ہو گئے۔ سب سے بڑا احساسِ جرم اسے یہ کچوک رہا تھا کہ سمیرا کو آس دے کر اور اس کے ساتھ رہنے کے باوجود بھی وہ کچھ نہیں کر سکا۔

کم ہمتی کے اس احساس نے اس کے خون کے دباؤ کو بہت تیز کر دیا۔ وہ اس سے کچھ بھی کہے بغیر دواؤں کا پرچہ لے کر آگے بڑھ گیا۔ سمیرا نیم جاں سی گھسٹتی آئی سی یو میں چلی آئی۔ جہاں شافعہ ناز مسکن دواؤں کے زیرِ اثر آنکھیں موندے لیٹی تھیں۔ ان کے آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا۔ اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔ اس نے ہمیشہ اپنی ماں کو چاق و چوبند اور کاموں میں مصروف دیکھا تھا اب اس حال میں دیکھ کر احساس ندامت ہونے لگا۔

''مجھے معاف کر دیں امی.....'' وہ زیرِ لب... بڑبڑائی اور آنکھیں بند کر کے دعائیں مانگنے لگی۔

ظفر کو گئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی۔ وہ بہت جلد

کچھ کھٹا کچھ میٹھا

لاریوں کے شریر سے چوزے
یہ جو رکشے دکھائی دیتے ہیں
ناک میں دم ہے ان کے ہاتھوں سے
ایسی ایسی دہائی دیتے ہیں

☆☆☆

ابھی بازار سے لاتا ہوں چینی
گوالا گھر سے اپنے چل پڑا ہے
حضور اب چائے پی کر جایئے گا
ملازم لکڑیاں لینے گیا ہے

☆☆☆

خواب کوئی بُن رہی تھی
تازہ کلیاں چُن رہی تھی
کیوں کیا چالان میرا
فون ہی تو سن رہی تھی

انتخاب: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

دواؤں کا لفافہ لے کر آ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد محبّ، وکیل صاحب اور اذان بھی پہنچ گئے۔ ظفر نے فون پر ان کو ساری صورت حال بتا دی تھی۔ محبّ نے اذان سے رابطہ کیا اور پھر دونوں نے مل کر وکیل صاحب کو اس سرپرستی کے لیے راضی کیا۔

شاید عام حالات میں وہ کبھی ایسا نہ کرتے مگر اب زندگی اور موت کا معاملہ تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان معاملات میں ان کے اپنے بیٹے کا بھی قصور تھا کسی کی بچی اس کے نام سے نہ صرف بدنام ہوئی بلکہ ماں موت کی دہلیز پر پہنچ گئی تھی۔ خوف خدا نے آپا خاتون کے غصے اور ردِعمل پر غلبہ پا لیا اور وہ اس نیک کام کو کروانے پر آمادہ ہو گئے۔

شافعہ ناز کے ہوش میں آنے سے پہلے وہ سمیرا کو کپڑے بدلنے کے لیے گھر لے گیا۔ سمیرا انکاری تھی مگر

ظفر کے سمجھانے بجھانے پر تیار ہوگئی۔

''یہ سب میم کی خوشی کے لیے ضروری ہے۔ ان کے سر پر بدنامی کا خوف ہے اور ہماری شادی بھی مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ جب یہ بوجھ اتر جائے گا تو وہ جلدی ریکور کرلیں گی۔'' ظفر اسے زبردستی گھر لے گیا۔

ان کے پیچھے محبّ، اذان اور وکیل صاحب اسپتال کے کاریڈور میں بیٹھے شافعہ ناز کے لیے دعا گو تھے۔ جب وہ دونوں واپس آئے تو شافعہ ناز کو ہوش آچکا تھا۔ وکیل صاحب نے ان سے ملاقات کی۔ ان کی عیادت بھی کی اور انہیں یقین دلایا کہ وہ اپنے بیٹے سے سمیرا کی شادی کردیں گے۔ اذان نے فون کرکے نکاح خواں کو بلوالیا۔ یوں اسپتال کے سرد، سپاٹ اور خنک سے ماحول میں بے حد خاموشی کے ساتھ ظفر اور سمیرا کا نکاح ہوگیا۔

اور اب گھر میں ایک طوفان آچکا تھا۔ آپا خاتون کچھ سننے پر تیار نہ تھیں۔ وہ سمیرا کو قبول کرنے سے قطعی انکاری تھیں۔

''جبھی صبح سے میرا دل گھبرا رہا تھا۔ یہی مصیبت پڑنے والی تھی مجھ پر..... میں کچھ اور سمجھتی رہی۔'' وکیل صاحب خاموشی سے ان کی باتیں سنتے رہے لیکن اپنی بات کرتے ہوئے وہ یہ بھول گئی تھیں کہ آج انہوں نے خدا سے جو دعا مانگی تھی وہ قبول ہوگئی تھی..... ظفر..... ان کا بیٹا ان کو مل گیا تھا مگر وہ پھر بھی خوش نہیں تھیں۔ وہ وکیل صاحب سے بھی بدظن ہوگئی تھیں۔ ہائے نا شکرا انسان..... سب طرف گہرا سکوت در آیا..... سمیرا تو سلام کرنے آئی تھی اور نکاح کو بھی ظاہر کرنا تھا۔ حورعین اور کومل نے ہی اسے سنبھالا۔ اس کے ہوش میں آنے کے بعد اسے تسلی دی اور زبردستی اسے دودھ کا ایک گلاس پلا دیا مگر اس سے وہ بھی پورا نہ گیا۔ وہ ایک گھنٹے... بعد ہی ظفر کے ساتھ اسپتال چلی گئی اور آپا خاتون کمر ابند کیے بیٹھی رہیں۔

اس وقت ان کو سمجھانا بیکار تھا لیکن گھر میں عجیب سی کشیدگی آگئی تھی۔ کومل بار، بار ان کے پاس آنے بہانے جا کر ادھر اُدھر کی باتوں کی کوشش کررہی تھی مگر وہ اسے کوئی لفٹ نہیں کرا رہی تھیں۔ سب کو خدشہ تھا کہ کہیں ان کی طبیعت نہ خراب ہوجائے۔ حورعین نے اسکواش بنا کر دیا۔ جو جی نے چائے پلائی..... سب ان کی خوشامد میں لگے ہوئے تھے مگر انہوں نے ایک... پُراسرار چپ سادھ لی تھی۔

اس نئی صورتِ حال کی طرف تو بھولے سے بھی ان کا ذہن نہیں گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ وکیل صاحب جو اُن کے حکم کے بغیر ہلتے بھی نہ تھے۔ اتنا بڑا کام ان کے علم میں لائے بغیر کرلیں گے۔ ظفر کا صدمہ الگ اور اس سے بڑھ کر وکیل صاحب کے اس اقدام کا انہیں بے حد دکھ ہوا تھا۔

''یعنی میری کوئی اہمیت ہی نہیں.....'' وہ دکھ سے سوچے جارہی تھیں۔

''ماں کا دل کتنا حساس ہوتا ہے..... مجھے تو صبح سے ہی گھبراہٹ ہورہی تھی۔ یہی وجہ تھی، گھبراہٹ کی.....'' رات کے کسی انجانے پہر انہوں نے جیسے خود کلامی کی۔

''تمہاری گھبراہٹ بجا ہے..... مگر صورتِ حال نازک تھی۔ ہمیں مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔'' وکیل صاحب کی آواز سن کر وہ اچھل گئیں۔ وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ وہ کمرے میں اکیلی ہیں..... وہ کب کمرے میں آئے اپنے سوگ میں انہوں نے دیکھا ہی نہیں..... وہ تو منہ سر لپیٹے پڑی تھیں کب سے۔

''یہ سب فضول بہانے اور وضاحتیں رہنے دیں... اپنے حالات انسان خود بناتا ہے۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''دھیرج..... ذرا تحمل رکھو اور میری پوری بات سنو.....'' وکیل صاحب نے ان کے شانے پر ہاتھ مخصوص دباؤ دیا۔

یہ وہ دباؤ تھا جو وہ خاص اپنی بات کو منوانے کے لیے دیتے تھے..... پھر وہ جیسے بے بس سی ہوجاتی تھیں۔ انہوں نے ہولے، ہولے ساری بات بتا دی کچھ خدا کا خوف دلایا۔ اور کچھ ممتا کو اکسایا۔ حالات

تو اب ان کو قبول کرنا ہی تھا مگر اس آسانی سے کیسے راستہ دے دیتیں سمیرا کو.....

''اس نے میرا بیٹا ہتھیایا ہے مجھ سے..... زبردستی قابض ہوئی ہے وہ میرے بیٹے پر.....میرے دل میں اس کی کوئی جگہ نہیں.....'' انہوں نے پتھریلے لہجے میں کہا۔ وکیل صاحب کے لیے یہی بہت تھا کہ پتھر میں جونک لگ گئی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ آہستہ، آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

''ٹھیک ہے آپ کی بات.....مگر اب اپنے بیٹے کو رشتے کے لحاظ سے آپ کو اسے قبول تو کرنا ہی ہو گا.....ورنہ پھر بیٹا خوش نہیں رہے گا۔''

''آپ کریں قبول..... آپ ہی بیاہ کر لائے ہیں۔'' وہ نروٹھے پن سے بولیں۔

''بیگم.....وہ ہماری بہو ہے اب.....اس کی ماں اسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔'' انہوں نے دل نرم کرنا چاہا۔

''تو اپنی ماں کی جان کی دشمن وہ خود بنی ہے۔ اب بھگتے خود.....'' وہ سنگدلی کی انتہا پر تھیں۔ وکیل صاحب ان کو دیکھتے رہ گئے۔ ایسے سخت جواب کی اُن کو توقع نہ تھی۔

''بہرحال جو بھی ہوا سو ہوا۔ اب آپ جانیں اور ظفری..... جو دل چاہے کریں۔ میرے گھر میں اس چنڈال کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ یہاں نہیں رہ سکتی۔ ہمارا ماحول خراب ہوگا اس طرح..... بچیوں کا ساتھ ہے آخر.....'' لاتعلقی کی آخری سرحد پر کھڑے ہو کر انہوں نے اپنا قانون نافذ کر دیا۔

''پھر تو ظفری کو بھول جائیں آپ.....وہ ہمارے ہاتھ سے بالکل نکل جائے گا۔ وہ چلی جائے گی اس کو لے کر ہم سے دور..... پھر اس کی شکل دیکھنے کو ترسیں گے ہم.....ابھی دیکھ لیں کیسے وہ اس کے ساتھ، ساتھ ہے۔'' وکیل صاحب نے بہت سوچ کر ترپ کا پتا پھینکا۔

''آں.....ہاں.....ظفری تو ایک بار بھی میری بات کو، میرے پاس نہ آیا۔'' انہیں دل دکھانے والا خیال آیا اور وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

☆☆☆

نئی صبح کی نوخیز ہواؤں کے ساتھ البیلی چ
چہچہاتی دھوپ روز کی طرح آنگن میں اتری تھی گ
اس کی چھب ہی نرالی تھی۔ جیسے گھر میں ہونے
اس ہنگامے کی اس کو بھی خبر ہو گئی ہو اور نئی دلہن کو
کا اشتیاق ہو رہا ہو۔

مگر نئی دلہن یہاں کہاں تھی وہ تو اسپتال میں
کے لیے حال سے بے حال تھی۔ ایک نئی مگر مختلف
جس میں سرد مہری اور اجنبیت سی تھی وہاں در آئی
سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ جو جی صبح بغیر بتا
گیا تھا اور محب کو جلدی جانا تھا سو ناشتا بھی ان
ساتھ نہ کیا۔ کومل رات کو کب گئی کچھ پتا نہیں چلا ت
کو.....حور عین کچن میں سینت، سینت کر بے آواز
رکھ رہی تھی۔ انزلہ کے تنگ کرنے کے باوجود وہ ا
نہیں ڈانٹ رہی تھی۔ حرمین بھی کسی کونے میں گ
اور وکیل صاحب کو اخبار سے فرصت نہیں تھی۔
عجیب سی خاموشی پر ان کا دل گھبرانے لگا۔

''جب کسی کو ہمارے ساتھ ناشتا نہیں کر
یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کمرے میں ہی
لیتی۔'' وہ تلخی سے بولیں۔

''ارے بھئی میں کر تو رہا ہوں ناشتا آپ کے ساتھ
وکیل صاحب اخبار لپیٹ کر خوشگوار لہجے میں بولے۔

آپا خاتون کا موڈ خراب ہی رہا.....ان
تیوریوں کے بل گہرے ہو گئے۔

''میری چھٹی حس ایسے ہی الارم نہیں بجا ر
تھی۔ اس لڑکے نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔'' وہ ج
اس غم کے حصار سے نکل ہی نہیں پا رہی تھیں۔

''جو پانی سر سے اونچا ہو گیا سو ہو گیا.....ا
آگے کا سوچیں.....کیا کرنا ہے کچھ ایسا لائحہ عمل بنا ئ
کہ گھر کا ماحول ٹھیک رہے۔'' وکیل صاحب سلائس
جیم لگاتے ہوئے بولے۔

''ہم.....'' وہ گہری سوچ میں پڑ گئیں۔

''ان آج کی لڑکیوں کے ڈرامے ... ہی خ

نہیں ہوتے۔ پاگل سمجھتی ہیں دوسروں کو..... بلکہ پاگل بنا دیتی ہیں لڑکوں کو.....'' ان کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

''بیگم..... صورتِ حال کو سمجھیں ذرا.....'' وکیل صاحب نے سرزنش کی۔

''ہاں..... آپ بھی اس کی باتوں میں آ گئے..... سب سمجھتی ہوں میں..... یہ سارے حربے ہوتے ہیں دوسروں کی ہمدردیاں بٹورنے کے.....'' وہ بخشنے پر تیار نہ تھیں۔ وکیل صاحب کو اگلے آنے والے دنوں میں گھر میں نیا محاذ کھلتا نظر آ رہا تھا۔ بہت سی خرابیاں نظر آ رہی تھیں۔

''جو بھی ہوا..... اب ہمیں اس کو مل کر ہینڈل کرنا ہے۔'' انہوں نے نرمی سے کہا۔

''ہم کیوں؟ آپ کافی ہیں..... آپ نمٹ سکتے ہیں ایسی باتوں سے۔'' وہ ذرا طنزیہ بولیں۔ انہوں نے وکیل صاحب کا اٹھایا جانے والا اقدام معاف نہیں کیا تھا۔

''ارے یہ ہدایت کہاں ہے؟ چائے ٹھنڈی ہوگئی۔'' انہوں نے موضوع بدلنا چاہا۔ اسی وقت ہدایت ہاتھ میں بجتا موبائل لے کر آ گیا۔

''صاحب آپ کا فون آ رہا ہے۔'' اس نے موبائل ان کو دیا۔

''خیریت..... کس کا فون ہے؟'' انہوں نے چشمہ درست کرتے ہوئے اسکرین دیکھی۔

''کون ہے؟'' آپا خاتون نے پوچھا۔

''کوئی ان نون نمبر ہے۔'' کہتے ہوئے انہوں نے کال ریسیو کر لی۔

''جی..... ہیلو.....'' وہ محتاط سے انداز میں بولے۔

''کیا..... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ..... کون ہیں آپ..... ہیلو..... ہیلو.....'' فون بند ہو چکا تھا۔

''کیا ہوا..... خیریت تو ہے؟'' آپا خاتون نے تشویش سے پوچھا۔

''بیگم، پتا نہیں کون تھا۔ آپ کے نمبر پر بھی کافی کال کی اس نے پھر میرا نمبر ملایا ہے اور بتایا ہے کہ آپ کے بھائی کی حالت سخت خراب ہے۔'' انہوں نے ورطۂ حیرت اور افسوس بھرے انداز میں بتایا۔

''ہائیں..... کیا کہہ رہے ہیں..... کون تھا آخر یہ خبر دینے والا..... فون ملائیں دوبارہ میں بات کرتی ہوں خود.....'' وہ تڑپ گئیں۔

''سگنل ٹھیک نہیں آ رہے..... ذرا سی بات میں ہی بمشکل آواز آ رہی تھی۔'' وہ بٹن دبا کر نمبر نکالنے لگے۔

''اور میں تو رات کو اپنا موبائل چارجنگ پر لگانا ہی بھول گئی۔ اب تک تو بیٹری مر گئی ہوگی اس کی۔'' ان کو خیال آیا۔

وکیل صاحب دوبارہ نمبر ملا چکے تھے مگر کسی نے کال ریسیو نہ کی۔ اس دوران فکر و پریشانی سے آپا خاتون کی رنگت اڑ گئی تھی۔

''ہوسکتا ہے کسی نے اوچھا مذاق کیا ہو۔'' وکیل صاحب نے خیال آرائی کی۔

''واہ..... یہ کوئی مذاق ہوا..... آپ بھائی کا نمبر ملائیں پہلے۔'' انہوں نے اگلا حکم جاری کیا۔

''ارے بھئی میرے موبائل میں سیف نہیں ہے ان کا نمبر آپ اپنے موبائل میں دیکھیں۔'' وہ کچھ جھنجلا کر بولے۔ اس خبر نے ان کے بوسیدہ اعصاب کو کچھ اور بھی کمزور کر دیا تھا۔

''ہدایات..... ہدایت..... ارے وہ میرا فون..... اے ہے وہ تو کمرے میں ہے۔ میں خود ہی جاتی ہوں۔'' وہ گھبراہٹ و بوکھلاہٹ میں اٹھیں۔

''بیٹھ جائیں..... تسلی رکھیں..... جو ہونا ہوتا ہے وہ ضرور ہوتا ہے۔ بس اپنا دل مضبوط رکھیں..... اور آپ کی چھٹی حس اور گھبراہٹ شاید اسی وجہ سے تھی۔ اصل وجہ یہ تھی اور آپ کچھ اور سمجھ رہی تھیں.....'' وکیل صاحب نے ان کو واپس بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

''حرمین..... حرمین بیٹا..... ذرا اپنی دادی کا فون تو لا کر دو.....'' انہوں نے بلند آواز سے پکارا اور تشویش سے آپا خاتون کو دیکھا جو ذرا سی دیر میں ہی ڈھے سی گئی تھیں۔

(باقی آئندہ)

عطا

فرحت جبین

اس کی شادی کی سالگرہ اگلے ہفتے آرہی تھی لیکن یہ سب جیسے اب اس کے لیے بے معنی ہو چکا تھا۔ کل رات ہی احمد نے اس سے پوچھا تھا کہ اس بار وہ شادی کی سالگرہ پر اس سے کیا تحفہ لے گی لیکن اس نے صاف منع کر دیا تھا۔ تحفہ لینے دینے، سالگرہ منانے نہ منانے سے کیا فرق پڑتا تھا بھلا۔ ویسے بھی سب کچھ تو تھا اس گھر میں..... ہر سہولت، ہر آسائش، اسے کسی شے کی ضرورت ہی نہیں تھی تو کیا فرمائش کرتی۔ اب

چیزوں سے فرق بھی کہاں پڑتا تھا۔ سب ہونا، نہ ہونا برابر ہو چکا تھا اس کے لیے جب کوئی چیز سکون کا باعث نہیں بنتی تھی تو کیا فرق پڑتا تھا کہ وہ ہو یا نہ ہو۔

''ہم شادی کی سالگرہ ہر سال مناتے ہیں۔ زندگی میں بہت کم تہوار اور مواقع ہیں جو ہم مل کر سیلیبریٹ کرتے ہیں..... اب تم وہ بھی نہیں کرنا چاہتیں۔'' احمد نے اس کے ڈنر پر نہ جانے، تحفہ خریدنے سے انکار کر دینے پر خفیف سی خفگی کا اظہار کیا تھا لیکن صوفیہ کو جیسے اس بات سے بھی فرق نہیں پڑتا تھا۔

''کیا مل جاتا ہے اس سب سے.....؟ خوشی ملتی ہے، سکون ملتا ہے؟ مجھے نہیں ملتا..... مجھے اب کسی چیز سے بھی سکون نہیں ملتا۔'' وہ ان دنوں پہلے سے کہیں زیادہ ڈپریسڈ تھی۔ ڈپریشن تو یوں اس کی زندگی میں پچھلے کتنے سالوں سے تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ جوں، جوں مایوسی بڑھتی جا رہی تھی، ڈپریشن بھی زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔

''سب کچھ تو ہے زندگی میں..... جو نہیں ہے اسے اللہ کی مرضی سمجھ کر قبول کیوں نہیں کر لیتیں۔ زندگی حسین نعمت ہے۔ ایک نعمت کے پیچھے اس کی ایسی ناقدری کرنا، اس کی خوشیوں سے منہ موڑ لینا، بہت بڑی ناشکری ہے۔ میں بھی تو تمہارے ساتھ سفر کر رہا ہوں، تم اکیلی تو نہیں ہو۔'' وہ ایسی باتیں اسے پچھلے دس سالوں سے سمجھا رہا تھا لیکن ہر بار وہ امید کی کم، مایوسی کی باتیں زیادہ کرتی تھی۔

''سب سے قیمتی نعمت ہی تو نہیں ہے زندگی میں..... وہ نعمت جس کے بدلے میں اپنا سب کچھ دینے پر آمادہ ہوں۔ اللہ مجھ سے باقی سب کچھ لے لے، بس وہ دے دے۔ یہ ساری نعمتیں مجھے اس ایک نعمت کے آگے کچھ نہیں لگتیں۔ تم مرد ہو احمد، تمہاری ذات اس کمی کو کبھی محسوس نہیں کر سکتی جیسے کہ میری ذات کرتی ہے۔ عورت کا ادھورا پن ہی اولاد کے ہونے سے پورا ہوتا ہے۔ سب کچھ مجھے دے دیا گیا اور بس یہی نہیں دیا گیا۔ میں کیسے اپنے آدھے ادھورے وجود کے ساتھ جی سکتی ہوں۔ دس سال ہو چکے ہیں شادی کو اور اب تک ایک بار بھی، ایک ذرا سی بھی امید نہیں ہوئی پھر تم کیسے کہتے ہو کہ میں جیوں، خوش رہوں؟ کس امید پر جیوں، کس امید پر خوش رہوں؟ کیا کوئی امید باقی ہے زندگی میں جو مجھے خوشی دے سکے۔'' احمد لب بھینچے اسے دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ وہ اسے جتنا بھی سمجھا لیتا نہ وہ سمجھنے والی تھی نہ اپنے ڈپریشن سے نکل کر کچھ اور سوچنے والی تھی۔ ایسے میں وہ اس کی بیوی کم اور ادھوری ماں زیادہ بن جاتی تھی۔ پھر وہ لاکھ دلائل دے ڈالتا، وہ کبھی نہیں سمجھتی تھی۔

☆☆☆

یہ سچ تھا ان دونوں کی شادی کو دس سال ہو چکے تھے اور دس سالوں میں اسے ایک بار بھی ماں بننے کی خوشخبری نہیں ملی تھی۔ شادی کے پہلے دو سال تو ہنسی خوشی گزر گئے لیکن پھر صوفیہ نے ضد کرنا شروع کر دی کہ وہ اپنا اور احمد کا مکمل چیک اپ کروانا چاہتی ہے تاکہ کہیں کوئی کمی ہے تو اسے دور کیا جائے۔ احمد نے اس سے پورا، پورا تعاون کیا تھا۔ اپنا اور اس کا مکمل چیک اپ کروایا تھا۔ ہر ٹیسٹ کروا کر دیکھا تھا۔ دونوں صحت مند تھے۔ کہیں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ڈاکٹرز یہی کہتے تھے کہ دیر سویر ہو جاتی ہے۔ دونوں نے ڈاکٹرز کے مشورے پر ہی علاج شروع کروایا تھا۔ بہت سی ادویات، ٹوٹکے وغیرہ استعمال کر کے دیکھے تھے لیکن نتیجہ وہی رہا۔ جوں، جوں علاج کے نتائج ناکامی کی صورت میں مل رہے تھے، صوفیہ ڈپریشن میں جاتی جا رہی تھی۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ مایوس ہو رہی تھی۔

''ابھی تو محض تین سال گزرے ہیں شادی کو اور تم اتنی مایوس ہو گئی۔ لوگ تو کتنے، کتنے سال بے اولادی میں گزار دیتے ہیں۔'' احمد اسے حوصلہ دیتا تھا لیکن اس کا دل پھر بھی نہیں مانتا تھا۔

''اور کتنے لوگ ایسے بھی تو ہوتے ہیں جو ساری زندگی بے اولاد ہی رہتے ہیں۔ کیا پتا ہم ان میں سے ایک ہوں۔'' وہ مایوسی سے کہتی۔

''تم نیگیٹو کیوں سوچ رہی ہو، اللہ سے اچھی امید رکھو۔ اس کے اس فیصلے میں یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوگی۔'' اور ایک یہی کام تو انسان کے لیے مشکل ہے۔ اللہ سے اچھا گمان رکھنا، پُر امید ہونا، انسان دو پل نہیں لگاتا اللہ سے بدگمان ہونے میں۔ دل چھوڑنے اور ناامید ہونے میں۔ وہ ساری زندگی کی عطا بھول جاتا ہے اور ایک محرومی کو دل سے لگا لیتا ہے۔

جوں، جوں وقت گزرتا جارہا تھا، صوفیہ مزید ڈپریسڈ ہوتی جارہی تھی۔ وہ گاہے بہ گاہے ڈاکٹرز کے پاس بھی جاتی تھی۔ ہر کچھ عرصے بعد چند ضروری ٹیسٹ کرواتی تھی۔ سب ٹیسٹ نارمل ہوتے تھے بالکل ویسے ہی جیسے پہلے روز تھے۔ یہ بات اسے مزید مایوس کردیتی۔ جلد ہی احمد نے اسے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانا شروع کردیا تھا۔ وہ اسے مزید ایسے ڈپریشن کا شکار ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ سائیکاٹرسٹ کے پاس یہی علاج تھا کہ اسے سکون آور ادویات دے دی گئی تھیں۔ چند نصیحتیں کردی گئی تھیں۔ اب وہ زیادہ سے زیادہ سونے لگی تھی۔ ایک رستہ فرار کا، زندگی سے اور حقیقت سے۔ جاگنے پر پھر سے اس کی وہی حالت ہوتی تھی۔ وہی نا امیدی، وہی ڈپریشن۔ احمد اسے خود سے ادویات دیتا تھا کہ کہیں وہ ڈپریشن میں اپنی ادویات لینا نہ چھوڑ دے۔ اپنے آپ سے وہ بالکل غافل ہوچلی تھی۔ اسے کھانے کا ہوش تھا نہ اپنے حال حلیے کا۔ احمد زور دیتا تو بالوں میں کنگھی کرلیتی، نہا لیتی، کپڑے بدل لیتی، وہ جو پہلے باقاعدگی سے نماز پڑھتی تھی اب اس کا نماز میں بھی دل نہیں لگتا تھا۔ وہ جیسے جینا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اس نے زندگی کو بس ایک ہی مقصد پر ٹھہرا دیا تھا، اولاد اور بس اولاد..... باقی کوئی مقصد باقی نہیں رہا تھا۔ انسان بڑا عجیب واقع ہوا ہے۔ اسی چیز کے لیے روتا رہتا ہے جو اسے حاصل نہیں ہوتی۔ باقی سب کچھ پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔ حاصل کی کبھی قدر نہیں کرتا، لاحاصل کے لیے ہمیشہ مرے جاتا ہے۔

سائیکاٹرسٹ کی ادویات کچھ عرصے کارگر ثابت ہوتیں اور کچھ دنوں میں ہی بے اثر ہوجاتیں۔ یہ کوئی مستقل حل نہیں تھا۔ اور جو مستقل حل تھا وہ صوفیہ کے پاس ہی تھا کہ وہ جینے کی امید پیدا کرتی اور اس ڈپریشن سے لڑتی لیکن اس نے ہار مان لی تھی۔ مایوسی کی چادر اوڑھ لی تھی۔ احمد اسے کسی دوست کے کہنے پر ایک سائیکالوجسٹ کے ہاں لے جانے لگا تھا۔ اس کے باقاعدہ گھنٹے، گھنٹے کے سیشنز ہونے لگے تھے۔ ڈاکٹرز اسے سمجھانے کی کوشش کرتے تو وہ حد درجے مایوسی کی باتیں کرتی۔

''اللہ کے لیے بھلا کچھ کرنا کیا مشکل ہے۔ وہ رب ہے، بندہ نہیں، اس کے اختیار میں سب ہے، وہ بے اختیار نہیں..... اپنے اتنے بندوں کو نوازتا ہے تو مجھے بھی نواز دے۔ ایک ''کُن'' کہنا کیا مشکل ہے اس کے لیے.....؟ میرے حق میں بھی کہہ دے..... دنیا کا بادشاہ بھی اتنا رونے اور گڑگڑانے پر نواز دیتا ہے وہ پھر کائنات کا رب ہے۔ اسے کس شے کی کمی؟ اگر وہ مجھے تکلیف سے، اذیت سے بچا نہیں سکتا تو پھر وہ کیا کرسکتا ہے؟ اسے مجھے تکلیف دے کر، اذیت دے کر کیا ملے گا، کیا حاصل ہوگا.....؟ وہ رب ہے تو اپنے رتبے کا خیال کرتے ہوئے مجھے نواز دے۔ وہ مجھے تکلیف دے کر میرا تماشا کیوں دیکھ رہا ہے۔ اسے میری پکار کا جواب دینا چاہیے، وہ اتنا خاموش کیوں سب کچھ دیکھ رہا ہے۔'' وہ گناہ گاری کی حد تک بات کرنے لگ جاتی۔

''ایسا مت سوچیں، اچھا سوچیں۔ اللہ کے اس فیصلے میں، دیر میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی۔ مصلحت ہوگی۔ اتنے شکوہ مت کریں، صبر کریں۔'' سائیکالوجسٹ اسے کہہ رہی تھی۔

''اچھا ہوگا تو میں اچھا سوچوں گی۔ جب کچھ

اچھا ہو ہی نہیں رہا تو میں کیسے اچھا سوچ سکتی ہوں؟ دس سال ہو چکے ہیں، میرے ساتھ کی ساری دوستوں، ساری کزنز کے بچے ہیں۔ میں ہی بے اولاد ہوں اور کتنی دیر اور کتنا صبر.....؟ میں انسان ہوں، ایک بہت عام سی انسان، مجھ میں پہاڑ جتنا صبر نہیں ہے۔ سات سال بہت ہوتے ہیں انتظار کے لیے۔ کیا مجھے ساری عمر انتظار کرنا پڑے گا؟ اب تو سب یہی سوچنے لگے ہیں کہ میں کبھی ماں نہیں بن سکوں گی۔ کبھی اولاد پیدا نہیں کرسکوں گی اور مجھے بھی اس بات کا یقین ہو چلا ہے کہ ایسا ہی ہے۔'' وہ رو رہی تھی..... بے تحاشا رو رہی تھی۔

''آپ جس قدر مایوس ہوں گی اتنا ہی آپ کے ماں بننے کے چانسز کم ہوتے جائیں گے۔ پُر امید ہونے سے ہی امید ہوگی۔ سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ جتنا آپ کسی چیز پر فوکس کرتے ہیں، اتنا منزل کے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ اتنے ہی چانسز بڑھتے جاتے ہیں۔ یہ سب آپ کی ول پاور پر ہے۔ میرا ایک مشورہ مانیں تو آپ کوئی بچہ ایڈاپٹ کرلیں۔ اس سے آپ کا ڈپریشن ختم ہو جائے گا۔'' احمد سارے سیشن کے دوران اس کے ساتھ رہا تھا۔ ساری گفتگو اس کے سامنے کی گئی تھی۔

''ہم کسی پرائے کا بچہ کیسے ایڈاپٹ کرسکتے ہیں ڈاکٹر.....؟'' احمد لب بھینچتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ کسی اور کا بچہ ایڈاپٹ مت کریں۔ آپ اپنے خاندان میں کسی کا بچہ ایڈاپٹ کرلیں۔ اپنے کسی بہن، بھائی کا۔'' اس وقت تو احمد خاموش رہا تھا لیکن اس نے بہت سنجیدگی سے اس بارے میں سوچا تھا۔ اس کے دو بڑے بھائی اپنی فیملی کمپلیٹ کر چکے تھے اور بہن کی ابھی، ابھی شادی ہوئی تھی۔ وہ اپنا پہلا بچہ تو کبھی ان کے حوالے نہیں کرسکتی تھی۔ صوفیہ تو یوں بھی اکلوتی تھی۔

''ہم کسی کا بچہ کیوں ایڈاپٹ نہیں کرسکتے؟ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟'' اس نے گھر لوٹنے پر احمد سے پوچھا تھا۔

''کسی کا خون ہم کیسے اپنا سکتے ہیں؟ سو مسائل ہوتے ہیں۔ ولدیت کا، جائداد کا، محرم رشتوں کا..... یہ ممکن نہیں ہے۔'' احمد نے صاف اور دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا۔ اس کے بعد بھی ان دونوں کے مابین بہت بار بحث ہوئی تھی لیکن نتیجہ وہی تھا۔ احمد کا انکار اور صوفیہ کی ضد.....

''آپ خود کو پازیٹو رکھیں گی تو آپ کے رزلٹ پازیٹو آئیں گے۔ اپنے اندر سے ناامیدی کو نکالنا اور امید پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔ جو عورتیں ڈپریشن کا شکار رہتی ہیں ان کے ماں بننے کے چانسز کم ہوتے جاتے ہیں۔'' ڈاکٹرز اسے بہت سمجھاتے تھے لیکن وہ اسے محض جھوٹی تسلیاں لگتی تھیں۔ ڈاکٹرز کے ان رٹے، رٹائے جملوں سے جو وہ ہر مریض کے سامنے دہراتے ہیں۔ اسے نفرت ہو چکی تھی۔ محض لفاظی کے سوا اسے یہ سب کچھ نہیں لگتا تھا۔

احمد کی فیملی اس پر کئی بار دوسری شادی کے لیے دباؤ ڈال چکی تھی۔ اب تو صوفیہ اس حد تک مایوس ہو چکی تھی کہ وہ جو کبھی احمد کی فیملی کے اس کی دوسری شادی کے ذکر پر تڑپ اٹھتی تھی۔ اب خود اسے کہنے لگی تھی۔

''تمہیں اب دوسری شادی کرلینی چاہیے، تم کب تک میرے ساتھ یہ سزا کاٹو گے۔ آخر کب تک تم میری وجہ سے بے اولاد رہو گے؟''

''میں تمہاری وجہ سے بے اولاد نہیں ہوں صوفی۔ تم کوئی بانجھ نہیں ہو جو ایسی باتیں کررہی ہو۔ ہم دونوں الحمدللہ بالکل ٹھیک ہیں۔ بس اللہ کو کچھ اور منظور ہے شاید۔ یہ ہم دونوں کی آزمائش ہے اور اسے ہم دونوں نے اکھٹے کاٹنا ہے، اکھٹے لڑنا ہے، یہ آزمائش صرف تمہاری ہے نہ میری..... یہ ہماری آزمائش ہے اور اس میں ہم ایک دوسرے کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔'' وہ اتنی ناشکری ہو چکی تھی کہ اتنے اچھے شوہر کے ساتھ پر شکر ادا کرنا اور اس کی شکر گزار ہونا تک بھول

گئی تھی۔ بہر حال احمد کسی طور بھی دوسری شادی پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ مرد تھا اور خاصا مضبوط تھا۔ ان دس سالوں میں وہ کبھی نہیں ہارا تھا۔ اسے صوفیہ سے محبت تھی اور ان کی اولاد نہ ہونے سے اس میں کسی طور فرق نہیں آیا تھا۔ اس نے اگر اسے لائف پارٹنر بنایا تھا تو وہ اسے ساتھ لے کر بخوبی چل رہا تھا۔

☆☆☆

''فروا کا فون آیا تھا آج..... اس نے کنسیو کرلیا ہے پھر سے۔'' احمد اسے رات کے کھانے پر بتا رہا تھا۔ صوفیہ کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ فروا احمد کی چھوٹی بہن تھی جس کی شادی صوفیہ اور احمد کی شادی کے سات سال بعد ہوئی تھی۔ اس کی پہلے ایک بیٹی اور بیٹا تھا اور بیٹے کی پیدائش پر اس نے ہنستے ہوئے کہ اس کی فیملی مکمل ہوچکی ہے اب وہ مزید فیملی نہیں بڑھائیں گے اور اب اس کا تیسرا بچہ ہونے والا تھا۔

''مبارک ہو، اللہ بھی نوازے ہوؤں کو نواز تا جاتا ہے اور ہم جیسے جھولی پھیلانے والے خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ کیسی تقسیم ہے اس رب کی؟'' اس کی آنکھیں بہنے لگی تھیں۔

''تم نے میری بات پوری سنی ہی نہیں اور پھر سے بدگمانی پر اتر آئیں۔ فروا اپنے اس بچے کو ہمیں سونپنا چاہتی ہے۔ یہی بتانے کے لیے اس نے فون کیا تھا۔'' صوفیہ نے بے یقینی سے احمد کی جانب دیکھا۔

''تم سچ کہہ رہے ہو؟ وہ اپنا ہونے والا بچہ ہمیں دے گی؟ وہ ہمارا بچہ ہوگا؟ ہم بھی ماں، باپ بنیں گے؟''

''ہاں بالکل..... وہ ہمارا بچہ ہوگا..... اسے ہم پالیں گے اور اس پر ہمارا حق ہوگا۔'' صوفیہ اس بات پر روہی تھی۔ احمد نے اسے گلے لگالیا تھا۔ اس کی اپنی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے تھے۔

فروا کے بچے کے لیے اتنی دعائیں فروا نے خود نہیں کی ہوں گی جتنی صوفیہ نے کی تھیں۔ وہ روزانہ اسے فون کر کے اس کی اور آنے والے بچے

مجھ سے ملیے:

میں مہرین ضیا انگلش میٹرک کلاس کی طالبہ ہوں، یکم اکتوبر کو کراچی میں پیدا ہوئی بہن، بھائیوں میں سب سے بڑی ہوں۔ پاکیزہ کو بچپن سے گھر میں دیکھتی آرہی ہوں اور مجھے بھی اپنی امی کی طرح پاکیزہ سے محبت ہوگئی ہے۔ مجھے کھانے پکانے کا بہت شوق ہے اور ساتھ میں کھانے کا بھی تبھی تو روز بروز موٹی ہوتی جارہی ہوں۔ پلیز پلیز اسمارٹ ہونے کی کچھ ٹپس بتادیں؟ کھانے میں بریانی اور چٹپٹے کھانے شوق سے کھاتی ہوں مگر جب کہیں جاتی ہوں تو کچھ بھی نہیں کھاسکتی بس دل میں سوچتی ہوں کاش میں یہ سب اپنے گھر لے جاسکتی تو آرام سے کھالیتی ہاہاہا..... سلائی کا بھی شوق ہے اور تھوڑا بہت سیکھ چکی ہوں اور انشاء اللہ اور بھی سیکھوں گی، مجھے فیشن اور میک اپ کا بالکل شوق نہیں ہے۔ میں جہاں بھی جاتی ہوں ہمیشہ سادہ جاتی ہوں۔ میری سب سے بڑی خامی ہے کہ میں بہت جلد چھوٹی، چھوٹی باتوں پہ خفا ہوجاتی ہوں اور پھر دیر تک روتی رہتی ہوں اور سب سے اچھی خوبی ہے کہ بہت جلد لوگوں سے گھل مل جاتی ہوں اس لیے میری سہیلیوں کی تعداد بھی زیادہ ہے میری بیسٹ فرینڈ میں میری امی، میری چھوٹی بہن صباحت ضیاالدین بخش، نایاب، حفصہ، خدیجہ نوید، فاطمہ اکبر، عاصمہ اکبر، اقرا اکبر، نمرہ محمود، جویریہ فضل واحد، مائرہ اسلام اور بھی بہت سی جگہ کی کمی کی وجہ سے نام نہیں لکھ سکتی سوری میری سکھیوں..... میری پسندیدہ شخصیت میری پرنسپل شاہینہ شیخ ہی، میری پسندیدہ ٹیچر تو بہت ہیں مگر ثمینہ خان عرف ثمع باجی سرفہرست ہیں، مجھے اپنا شہر پشاور بہت یاد آتا ہے اور ساتھ میں اپنے سب رشتے دار بھی کیونکہ کراچی میں ہمارے چند رشتے دار رہتے ہیں باقی سب پشاور میں ہیں۔ میری شدید خواہش ہے کہ پاکیزہ میں پھر سے ایوارڈ کا سلسلہ شروع ہوجائے اور میں بھی اپنی امی کی طرح بہت سارے ایوارڈ حاصل کرلوں پلیز میری یہ خواہش ضرور پوری کردیں۔

پاکیزہ کے لیے دعا ہے کہ پاکیزہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے اور جتنے بھی لوگ پاکیزہ سے جڑے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ صحت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائیں اور ان سب کو بھی دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائیں، آمین۔

کی خیریت کا پوچھتی تھی۔ اس نے خود سے بہت ساری شاپنگ بھی کر ڈالی تھی۔ بالکل اتنی ہی خوشی اور گرمجوشی سے جتنا کہ کوئی اپنی اولاد کے لیے کرسکتا ہے۔ احمد اور اس کے درمیان واحد موضوع وہ بچہ ہی ہوتا تھا۔ وہ پہلے سے بہتر ہو رہی تھی۔ کافی حد تک ڈپریشن سے نکل آئی تھی۔ آنے والے بچے کا خیال ہی اسے خوشی دیتا تھا۔ اور یہ سب دیکھ کر احمد بہت خوش اور مطمئن تھا۔

☆☆☆

جس دن فروا نے اپنا بچہ صوفیہ کی گود میں ڈالا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس کے اردگرد کھڑے سبھی لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تھے اس کی ماں، ساس، نند اور احمد خود یہ گیارہ سال کا انتظار تھا جو ایک ایسے بچے کے گود میں آجانے سے ختم ہوا جو اُن کا نہ ہو کر بھی ان کا تھا۔ صوفیہ کی ساری توجہ اور محبت کا مرکز اب اس کی گود میں تھا جس نے اس کی زندگی بدل ڈالی تھی۔ اس کی زندگی میں جیسے سب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ اب جیسے 'عطا' کے لیے جینے لگی تھی۔ ہاں ان کی بچی، جس کا نام انہوں نے عطا رکھا تھا۔

''اولاد زندگی کو کیسے بدل دیتی ہے ناں احمد..... اسے میں نے نہیں پیدا کیا پھر بھی ایسا لگتا ہے کہ یہ میرے وجود کا حصہ ہے۔'' یہ اس کی عطا کے لیے بے پایاں محبت تھی جسے احمد سمجھ سکتا تھا۔ وہ سالوں کا ڈپریشن جو اسے پاگل کیے دے رہا تھا، ایک لے پالک بچے کے وجود سے دنوں میں جیسے ختم ہو گیا تھا۔ عطا کی تربیت، اس کی پرورش، دیکھ بھال میں وہ ساری دنیا کو بھول گئی تھی جیسے.....

''اولاد بھی کیا چیز ہوتی ہے..... میں سوچتی ہوں لوگ کیسے اولاد کے بنا زندگی گزار دیتے ہیں۔ وہ کس کے لیے کماتے اور جمع کرتے ہیں۔ کیسے اپنا وقت کاٹتے اور زندگی پوری کرتے ہیں۔ انہیں سکون اور صبر کیسے آجاتا ہے؟ میری اولاد نہیں ہوسکی یہ اللہ کی دین ہے لیکن میں کسی کی اولاد لے کر پال رہی ہوں یہ بھی تو اللہ ہی کی دین ہے۔ اس نے کسی کی اولاد سے ہی جیسے میرے اندر سکون بھر دیا ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ اپنی اولاد سے کیسا سکون ملتا ہوگا ناں.....'' وہ عطا کو اٹھتے بیٹھتے چومتے شکر کرتے کہا کرتی تھی۔ وہ پہلے جیسی صوفیہ رہی ہی نہیں تھی۔ بالکل ایک نئی صوفیہ، ایک نئی عورت بن گئی تھی جو ماں تھی..... صرف اور صرف ماں.....

جب عطا ڈیڑھ سال کی ہوئی تو صوفیہ کی طبیعت گری، گری سی رہنے لگی تھی۔ ناسازیٔ طبع کے باعث احمد اسے اسپتال لے کر گیا تھا جہاں انہیں شادی کے ساڑھے بارہ برس بعد ایک زندگی کی نوید ملی تھی۔ ان کی اپنی اولاد کی اور وہ جو کسی کی اولاد لے کر اس قدر خوش تھے کہ ناقابلِ بیان تھا اپنی اولاد کی اتنے برسوں بعد نوید سن کر جیسے بے یقینی سے ڈاکٹر کو اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا یہ سچ ہے ڈاکٹر.....؟'' احمد نے بے یقینی سے پوچھا۔

''میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ جتنا انسان پُرامید ہوتا ہے، اتنے کامیابی کے چانسز زیادہ ہوتے ہیں۔ جتنا انسان اللہ سے نیک گمان کرتا ہے اس کا شکر گزار ہوتا ہے اتنا ہی نوازا جاتا ہے۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ وہ بس آزماتا ہے اور جب انسان اس آزمائش سے سیکھ جاتا ہے تو اس کی آزمائش ختم کردی جاتی ہے۔ آپ نے کسی کی بچی لے کر پالی اور وہ بھی ایسے جیسے کوئی اپنی اولاد کو پالتا ہے۔ آپ کی بیوی کی ساری توجہ اس ایک بچے پر مرکوز ہوگئی۔ ان میں اسی کو لے کر شکر گزاری آگئی۔ اللہ کے احسان کا احساس پیدا ہوگیا۔ اسی وجہ سے آج آپ کو یہ نعمت ملنے جارہی ہے۔'' صوفیہ نے عطا کو گلے لگایا اور پھوٹ، پھوٹ کر رودی۔ اس کی گود میں اللہ کی عطا تھی۔ اس کی زندگی میں اللہ کی عطا تھی۔ اس کی کوکھ میں بھی اللہ کی عطا کی تھی۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ یہ اس نے بارہ سال کی تکلیف کے بعد بخوبی جان لیا تھا۔

منزلِ پروانہ

افشاں علی

''مل گئی نوکری.....؟'' وہ جو ابھی تھکا ماندہ سڑکوں کی خاک چھانتا گھر میں داخل ہی ہوا تھا کہ اس جملے نے اس کا استقبال کیا۔ بغیر کوئی جواب دیے ہاتھ میں موجود فائل کو لاؤنج کے صوفے پر پٹخ کر وہ خود بھی ڈھے سے گیا۔

''ہاں برخوردار مل گئی تمہیں تمہارے معیار و پسند کی نوکری؟ یا پھر آج بھی خالی مٹر گشتی کر کے لوٹے ہو.....'' قدوسی صاحب نے استہزائیہ انداز اپناتے ہوئے صوفے پر نیم دراز ضیا کو مخاطب کیا۔

''آپ کا بھی حال نہیں..... دیکھ بھی رہے ہیں صبح کا گیا تھکا ہارا اب جا کر لوٹا ہے اور آتے ہی آپ کے طعنے شروع.....'' ضیا کی طرف پانی کا گلاس بڑھاتے ہوئے جہاں آرا بیگم نے قدوسی صاحب کو سرزنش کی۔

''تو کس نے کہا ہے اسے یوں در، در بھٹکنے کو.....؟ اپنی دکان ہے، عزت سے بیٹھے، کمائے یا شام کو ٹیوشن پڑھائے.....'' عینک کے پیچھے سے جھانکتی آنکھیں اس پر مرکوز تھیں۔

''پاپا..... میں نے M.com کسی کریانے کی دکان پر بیٹھنے یا ٹیوشن پڑھانے کے لیے نہیں کیا.....'' نہ چاہتے ہوئے بھی ضیا کا لہجہ تلخ ہوا۔

''تو پھر تم نے M.com کیا سڑکوں کو ناپنے کے لیے کیا ہے؟''

''بس بھی کریں..... آپ جائیں آپ کے اسٹوڈنٹ آپ کی راہ دیکھ رہے ہوں گے.....'' جہاں آرا نے شوہر کو ٹوکتے ہوئے باہر کی راہ دکھائی۔

''میں تو جا ہی رہا ہوں مگر آپ اپنے اس لاڈلے کو سمجھا دیجیے، جاگتی آنکھوں سے خواب کے بجائے حقیقت دیکھے، نہیں ملتی اسے نوکری بلاوجہ..... M.com کی فائلز کا بوجھ اٹھائے نہ گھومے.....'' قدوسی صاحب جاتے، جاتے بھی طنز کرنا نہ بھولے جسے سن کر ضیا دل برداشتہ ہو کر اپنے کمرے میں ہی چلا

گیا جبکہ پیچھے جہاں آرا بیگم اسے آوازیں دیتی رہ گئیں۔

☆☆☆

ضیا کی قسمت اچھی تھی کہ بی کام کرتے ہی اسے اک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب مل گئی جہاں سیلری پیکج بھی اچھا تھا۔ اس لیے اپنی خوش اخلاقی، محنت و ذہانت سے کمپنی میں نہ صرف اپنا نام بلکہ مقام بھی بنالیا۔ ایم کام (ماسٹر آف کامرس) کرتے ہی اس کا ڈبل پرموشن ہوگیا۔ وہ خوش و مطمئن تھا۔ لیکن کہتے ہیں ناں کہ وقت اک سا نہیں رہتا بدلتے سالوں کی طرح آتے جاتے موسموں کی طرح یہ بھی بدلتا ہے۔''

کمپنی کا دیوالیہ کیا ہوا۔ کمپنی نے ڈاؤن سائزنگ میں ایک ساتھ سترہ ایمپلائز کو جاب سے ہی فارغ کردیا۔ ضیا کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جن سترہ ایمپلائز کو ٹرمینیشن لیٹر دیا جارہا ہے۔ ان میں ایک نام اس کا بھی ہوگا..... اور یوں اک اچھی جاب بطور تحفہ دینے کے بعد قسمت نے واپس چھن کر ضیا کو پھر بیروزگاروں کی فہرست میں لا کھڑا کیا تھا۔ وہ کچھ وقت تک تو مینٹلی ڈسٹرب رہا لیکن پھر ہمت باندھ کر نئی جاب کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ پچھلے چار ماہ میں وہ کئی جگہ انٹرویو دے چکا تھا۔ کچھ جگہ سے اسے آفر بھی ہوئی مگر چونکہ وہ اتنا عرصہ ملٹی نیشنل کمپنی میں اک اچھے پیکج پر جاب کرچکا تھا اس لیے اس کا معیار اب بلند تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ وہ کئی آفرز کو محض کم سیلری پیکج اور اپنے تعلیمی معیار کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ریجیکٹ کرتا رہا۔ موجودہ حالات میں جہاں جاب کا ملنا بھی گویا بھوسے میں سوئی مل جانے کے مترادف ہے ایسے میں پسند و معیار کے مطابق جاب کا ملنا بھلا کہاں آسان..... یہی بات دوست، یار سمیت ضیا کے والدین نے بھی اسے سمجھائی مگر وہ اپنے پچھلے گراف سے نیچے آنے کو تیار ہی نہیں تھا۔ حالانکہ اس کے والد جو خود اچھے زمانے کے انٹر پاس تھے۔ پچھلے 25 سالوں سے صبح کے وقت گھر سے ملحقہ کریانے کی دکان چلاتے تھے تو شام میں محلے کے کئی بچوں کو علم کی شمع سے منور کراتے تھے مگر ضیا کو ان دونوں کاموں سے کوئی سروکار نہ تھا۔

☆☆☆

روم کوائے سی کی خنک کولنگ نے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینے کے ننھے، ننھے قطرے چمک رہے تھے وہ اس وقت شاہ زر انڈسٹری کے مین آفس میں انٹرویو پینل کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ محض تین چار سوالوں پر مشتمل انٹرویو تو لیا جاچکا تھا۔ اب ضیا کی CV پر نظر ثانی جاری تھی۔ روم میں اک گہرا سکوت تھا بس کبھی، کبھار ہلکی سی کھسر پھسر کی آواز ابھرتی۔ ضیا بے چینی کے سمندر میں امید کے کنارے کے کا منتظر تھا۔ اگلے پل انٹرویو پینل میں بیٹھے ایم ڈی کی بھاری آواز نے روم میں چھائی خاموشی کو توڑا۔

''مسٹر ضیا! آپ کی CV سے آپ کی قابلیت کا تو بخوبی اندازہ ہورہا مگر sorry to say آپ کے پاس صرف چار سال کا ایکسپرینس ہے اور ہمیں کم از کم دس سال کا ایکسپرینس چاہیے.....'' ایک بار پھر سے وہی گھسا پٹا جملہ جو پچھلے چار ماہ سے چار سو چالیس بار سن چکا تھا سننے کو ملا..... بغیر کچھ کہے ضیا نے کرسی کو اٹھتے ہوئے سامنے موجود ٹیبل پر پڑی اپنی فائل..... اٹھائی اور جانے کو مڑا مگر پھر کچھ سوچ کر یک دم وہ پیچھے پلٹا۔

"sir, I have a question" اس نے شاہ انڈسٹری کے اونر کو مخاطب کیا..... ''سر، آپ سے پہلے اس کمپنی کے اونر آپ کے پاپا تھے ناں.....؟ جب انہوں نے آپ کو اس کمپنی کی اونر شپ دی تو کیا اس وقت آپ کے اس دس سال کا ایکسپرینس تھا.....'' کوئی جواب سنے بغیر باہر کی سمیت مڑا۔

''سر! آپ کی اور میری ایج میں اندازہ..... ''پندرہ سال کا ہی تو ڈیفرنس ہوگا تو جب آپ نے اس کمپنی کو جوائن کیا تب آپ کے پاس دس سال کا یہ (تجربہ) تھا.....؟'' وہ کچھ پل کے لیے خاموش ہوا۔

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے باری، باری ان سب کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں میں جواب کے بجائے الجھن نمایاں تھی۔

''اگر سب کمپنیز ایکسپرینس مانگیں گی تو اس کا مطلب ہمارے جیسے 27 سالہ نوجوان کو سترہ سال کی عمر میں پڑھائی مکمل کرنے کے بجائے جاب ہی اسٹارٹ کردینی چاہیے تاکہ 27 سال کی عمر میں آکر ہمارے پاس کم سے کم دس سال کا تو ایکسپرینس ہو..... لیکن اب اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ سترہ سال کی عمر میں ہمیں کوئی کمپنی اس بنیاد پر اپائنٹ کرلے گی کہ ہماری CV میں ٹین ائیر کا ایکسپرینس شامل ہوسکے۔''

ضیا کے پُر اعتماد و ٹھوس لہجے میں کہی گئی باتوں نے وہاں موجود لوگوں کی پریشانی پر سوچوں کے جال بن دیے تھے۔ اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں بلکہ لمبے، لمبے ڈگ بھرتا روم سے باہر نکل گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی کہی گئی باتوں کے

جواب وہاں بیٹھے کسی شخص کے پاس نہ تھے مگر اس کی کہی باتوں کی بازگشت روم میں ضرور گونجتی تھی۔

☆☆☆

وہ شکستہ قدموں سے ہاتھ میں موجود فائل کا نادیدہ بوجھ اٹھائے بے سمت چلتا جارہا تھا تبھی پاس ہی رکشے کے تیز ہارن کے ساتھ اک مردانہ آواز ابھری۔

''کہاں جانا ہے بھائی.....؟''

''کہیں نہیں.....'' بنا اس شخص کی سمت دیکھے ضیا نے مختصر اجواب دیا اور یونہی چلتا رہا مگر وہ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ وہ رکشا پھر سے اس کے قریب آ کر رکا۔

''کہانا کہیں نہیں جانا، جاؤ اپنا کام کرو.....''

ضیا نے درشتی سے جواب دے کر قدم آگے بڑھائے۔

''ارے ضیا ناراض کیوں ہوتا ہے یار.....؟'' مخالف کے منہ سے اپنا نام سن کر ضیا نے پلٹ کر دیکھا جسے وہ رکشا ڈرائیور سمجھ رہا تھا وہ تو وسیم تھا۔

''کہاں جانا ہے یار.....؟ آجا چھوڑ دوں، اب تم سے پیسے تھوڑی ناں لوں گا.....'' وسیم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''نہیں یار، ایسی بات نہیں دراصل میں نے تجھے پہچانا نہیں.....بس اپنی ہی دُھن میں چلتا رہا تھا۔'' ضیا کا لہجہ خفت بھرا تھا۔

''اچھا، چلو، آؤ بیٹھو.....'' وسیم کے اصرار پر وہ پچھلی سیٹ پر آبیٹھا.....رکشا روڈ پر رواں دواں تھا۔

''اور بتاؤ یہاں روڈ پر کہاں جاب کر رہے ہو؟'' وسیم کی بیک ویو مرر سے جھانکتی سوالیہ نگاہوں نے گویا ضیا کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

''ابے یار، کیسی جاب.....؟ میں تو انٹرویو دینے آیا تھا۔''

''خیریت.....؟'' اس سے پہلے والی جاب چھوڑ دی کیا؟''

''جاب ملتی تو چھوڑتا ناں.....چند ماہ سے بس انٹرویو دیتا جارہا ہوں۔'' ضیا کے مایوسی بھرے لہجے پر وسیم نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا جس کا چہرہ پچھلے چار ماہ کی بیروزگاری کی داستان سنا رہا تھا۔

''خیر مجھے چھوڑو تم بتاؤ یہ تم نے پارٹ ٹائم جاب کے طور پر رکشا چلانا کب سے اسٹارٹ کیا؟''

''یہ پارٹ ٹائم نہیں.....فل ٹائم ہی جاب ہے۔''

''مطلب.....؟'' وسیم کی عام سے انداز میں کہی گئی بات پر ضیا چونکا۔

''مطلب یہ ہے میں رکشا ہی چلاتا ہوں کیونکہ فی الحال کوئی اور جاب ملتی نہیں.....'' وسیم کے جواب پر ضیا حیرانی سے اپنے رکشا ڈرائیور کو دیکھا۔ ضیا سمیت جن ستر ایمپلائز کو جاب سے فارغ کیا گیا تھا ان میں وسیم بھی شامل تھا جو وہاں بطور ایڈمن آفیسر کام کرتا تھا مگر اب رکشا چلا رہا تھا۔

ضیا کی حیران و پریشان سی نظریں رکشا چلاتے وسیم پر ٹکی تھیں مگر ذہن میں سونڈ بونڈ وسیم کا عکس ابھر رہا تھا وہ سوچوں میں مستغرق تھا اور رکشا اس کے محلے میں داخل ہو چکا تھا۔ رکشا گلی کے نکڑ پر رکتے ہی ضیا حال میں لوٹا۔

''یار تم کوئی اور جاب کیوں نہیں ڈھونڈ لیتے رکشا ہی آخر کیوں؟'' رکشے سے اترتے ہوئے بالآخر ضیا نے وہ سوال پوچھ ہی لیا جو کب سے اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔

''آج کل اچھی جاب کا ملنا اتنا آسان کہاں؟ اور تمہیں کیا لگتا میں نے کوشش نہیں کی ایک ماہ تک تو میں بھی صبح شام جاب کی تلاش میں خوار ہوا ہوں.....پھر سوچا میرے جاب لیس ہونے میں میرے والدین کا کیا قصور.....؟ انہوں نے مجھے اتنا پڑھا لکھایا اس لیے تو نہیں تھا کہ میں صبح شام بس اپنی تعلیمی معیار کی جاب ڈھونڈنے اور قسمت کو کوسنے میں گزار دوں.....کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے کہ مصداق کم از کم گھر خالی ہاتھ لوٹنے سے تو رکشا چلانا بہتر ہے۔ آخر کو عزت و محنت سے کمائی گئی روٹی مانگے کی روٹی سے حد درجہ افضل ہوتی ہے۔'' وسیم.....جاتے، جاتے اپنی بات سے ضیا کو مایوسی میں امید کی اک ننھی کرن دکھا گیا۔

''جب وسیم جیسا بندہ اپنے والدین کے لیے اپنی خواہشات کو پس پشت ڈال سکتا ہے تو میں کیوں نہیں.....؟ میرا تو نام ہی روشنی ہے اور میں بیوقوف اپنے قریبی اندھیرے کو دور کرنے کے بجائے دوری پر چراغاں کرنے چلا تھا۔ روشنی کی تو اک چھوٹی سی کرن بھی تاریکی کا خاتمہ کرنے کو کافی ہوتی ہے۔ لازمی تو نہیں کہ ایم کام کرنے والا کسی آفس میں بیٹھ کر بزنس ہی کرے گا وہ اپنی تعلیم اپنے علم کی شمع سے کسی بھی کمرے میں بیٹھ کر نئی نسل کو مستقبل کا بزنس مین بھی تو بنا سکتا ہے۔'' گھر کی طرف بڑھتے ضیا کے قدم پُرجوش تھے اس کے ہر قدم اک نئی امید اور روشنی کی ننھی کرن تھی جس سے اب جہاں میں اجالا کرنا تھا.....آخر کو.....

پنکھوں سے نہیں حوصلوں سے اڑان ہوتی ہے.....

❁❁❁

اس لیے کام اتنا ہی پھیلایا جتنا سنبھالنا ممکن ہو۔ اب ان کے پاس بہترین آرکیٹیکٹس اور انٹیریئر ڈیزائنر ڈیکوریٹرز کی ایک پوری ٹیم تھی مگر ہر پراجیکٹ کا فائنل پلان اب بھی وہ دونوں ہی بناتے تھے۔

☆☆☆

''کوئی مجھے یہ بتائے کہ آخر اس قدر گرمی میں شادی رکھ کر ہمارے والدین نے ہم سے کون سے جرم کا بدلہ لیا ہے۔'' یہ احتجاج خرم کی طرف سے آیا جسے گرمی کچھ زیادہ ہی لگتی تھی۔

''اسلام آباد میں اپریل اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہوتا کہ تم ابھی سے بلبلانے لگے۔ ویسے بھی گرمی اور بے عزتی جتنی محسوس کرواتی ہی لگتی ہے، اس لیے اپنے احساسات کا بٹن کبھی، کبھی آف بھی کر دیا کرو۔'' صوفے میں دھنسی ہانیہ نے پاپ کارن کھاتے ہوئے خرم کو پوائنٹ مارا تو اس کی آنکھیں شرارت سے چمکنے لگیں۔ اس نے ایک چھلانگ لگا کر ہانیہ کی گود سے پاپ کارن کا پیالہ اٹھایا اور وہ بیچاری منہ کھولے اس کی پھرتی کو دیکھتی ہی رہ گئی۔

''سوچ لو مائی ڈیئر ہانیہ..... احساسات کا بٹن آف کر دیا تو پھر شکوہ نہ کرنا۔'' اس کی ذومعنی بات اور چہرے کے شریر تاثرات پر وہ جھینپ کر اٹھی اور باہر نکل گئی۔ اپنے پیچھے اسے خرم کے زوردار قہقہے کے ساتھ شفق کی ہنسی بھی سنائی دی جو لاؤنج میں بکھرے کشن سمیٹ کر صوفوں پر ترتیب سے لگا رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے حیدر بھی یہیں موجود تھا اور جہاں وہ موجود ہو وہاں کوئی بھی چیز اپنی اصل جگہ پر نہیں رہتی، خاص طور سے کشن۔ اسی وقت وجیہہ کی امی عذرا بیگم، ہارون کی امی اپنی سمدھن شاہین بیگم کے ساتھ اندر آئیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک لمبا سا پرچہ اور پین تھا۔

''مہمانوں کی فہرست تو ابھی ہی بنانی ہوگی ظاہر ہے اتنا بڑا خاندان ہے، اسی حساب سے ساری تیاری کرنی ہوگی۔'' بات کرتے، کرتے وہ شفق کی طرف مڑیں۔

''بیٹا جاؤ ذرا اپنی امی اور نزہت چچی کو بھی یہیں بلا لاؤ تاکہ تم لوگوں کے ننھیال کی طرف کے لوگ بھی لسٹ میں شامل کرلوں۔'' شفق سر ہلاتی وہاں سے نکلی تو خرم بول اٹھا۔

''تائی جان یہ آپ لوگوں نے کیسا ظلم کیا ہے، اپریل میں بھی بھلا کوئی شادی کرتا ہے؟ اس قدر گرمی ہوتی ہے۔ شادی کرنی ہے تو ابھی جنوری میں کرلیں یا پھر فروری میں۔ سب فارغ ہی ہیں انٹالیٹ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' اس بات پر عذرا بیگم نے پرچے سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور محبت سے مسکرا کر بولیں۔

''بیٹا چاہتے تو ہم بھی یہی تھے کہ شادی فروری یا مارچ میں ہو، بہترین موسم ہوتا ہے مگر کیا کریں خاندان والوں کو بھی تو دیکھنا پڑتا ہے ناں۔ اب دو، دو مسئلے آ پڑے ہیں۔ ایک تو یہ کہ میری اکلوتی بہن سامعہ، جو امریکا میں رہتی ہے وہ مارچ میں آ رہی ہے اور دو ماہ آرام سے رہے گی۔ میں تو اس کی وجہ سے مارچ میں شادی رکھ رہی تھی مگر پھر معلوم ہوا کہ شاہین بھابی کے میکے میں سب کے بچوں کے فائنل پیپر مارچ میں ہیں۔ اب کیا کریں، ہم دونوں کے گھر کی پہلی اور آخری شادی ہے۔ اس پر بھی سب انجوائے نہ کرسکیں تو کیا فائدہ۔ بہن بھائی تو قریبی ہیں، انہیں تو دیکھنا پڑتا ہے ناں۔'' شاہین تائی نے ان کی بات کی تائید کی۔

☆☆☆

جنوری اختتام کی طرف گامزن تھا، دونوں گھرانوں کی شاپنگ اور تیاریاں عروج پر تھیں۔ وجیہہ اور ہارون بھی کچھ وقت کے لیے کام سے ہٹ کر شادی کی شاپنگ پر توجہ دینے لگے۔ دونوں نے مل کر ہارون کے پورشن کے بالائی حصے کو نئے سرے سے ڈیزائن کیا۔ عروسی ملبوسات کے لیے دونوں کئی بار مختلف ڈیزائنرز کے چکر لگا چکے تھے مگر وجیہہ کو کچھ پسند ہی نہ آتا۔ اس روز بھی سب مشترکہ لان میں جمع تھے اور یہی مسئلہ زیر بحث تھا۔ ان سب کے درمیان میں دھری بڑی سی میز پر ڈھیر سارے برائڈل کیٹلاگ پڑے تھے اور سب ہی کوئی نہ کوئی ڈیزائن اٹھا کر وجیہہ کو دکھا رہے

تھے مگر نہ جانے وہ کس قسم کا لباس پہننا چاہتی تھی جو کوئی ڈیزائن اس کی نظر میں نہیں سما رہا تھا۔

''تم ایک بار بتا دو کہ آخر تم کس قسم کا ماورائی لباس پہننا چاہتی ہو؟'' شفق نے ملک کی سب سے مشہور ڈیزائنر کا کیٹلاگ میز پر پٹخا تو وجیہہ بھی کنفیوز اور پریشان سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ تبھی اس کی طرف متوجہ تھے۔

''میں خود بھی نہیں جانتی کہ میں کیا پہننا چاہتی ہوں مگر یہ بھی سچ ہے کہ ان میں سے ایک بھی ڈیزائن مجھے پسند نہیں آرہا۔ کوئی بے انتہا بھاری ہے تو کوئی بے حد عام سا۔ کوئی بہت ہی کامن ڈیزائن ہے تو کسی میں کام عجیب سا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ آج کل برائڈل ڈریسز کے نام پر یہ کیا آرہا ہے مارکیٹ میں۔ زیادہ تر اوٹ پٹانگ اور غرارے، شرارے ہیں جو دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مجھے اس قسم کا ڈریس نہیں چاہیے۔ پھر سب پر کام اس قدر بھاری ہے، کلرز میں کوئی ورائٹی نہیں ہے، میں کیا کروں یار.....'' اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرالیا۔

''تم ایسا کیوں نہیں کرتی ہو کہ اپنی مرضی کا ڈریس خود ڈیزائن کرلو۔ مارکیٹ سروے کرو، کپڑا اور کلر سرچ کرو اور پھر ڈیزائننگ کروالو۔'' یہ آئیڈیا اس کی نائلہ پلس ساس شاہین بیگم کا تھا۔ وہ روایتی ساسوں کی طرح اس کے نخروں پر ناک بھوں نہیں چڑھا رہی تھیں بلکہ وہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ ان کی اکلوتی بہو سب سے منفرد لگے۔ سوسائٹی میں ان کے خاندان کا خاصا اونچا مقام تھا اور باقی سب کی طرح وہ لوگ بھی ان معاملات میں کافی حساس تھے کہ ہر کام، ہر چیز پرفیکٹ نظر آنی چاہیے۔ ان کا آئیڈیا وجیہہ کو اچھا لگا۔

''یہ آپ نے اچھا مشورہ دیا نائلہ جان۔ میں اپنی ڈیزائنر سے ایک میٹنگ کرتی ہوں، اگر وہ میرا ڈریس پڑھ پائی تو میں اسے سمجھا دوں گی جو میں پہننا چاہتی ہوں۔ پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ مہندی، ولیمہ، نکاح، بارات، ولیمہ کل ملا کر پانچ ڈریسز تیار کرانے ہیں کافی وقت لگے گا۔'' یوں اگلے دن وجیہہ اپنی ڈیزائنر کے سر ہوگئی۔

''ڈھولکی کے لیے مجھے گھاگرا چاہیے، بہت ہی خوب صورت رنگوں کے امتزاج سے بنا۔ جس میں ہر شوخ رنگ کی ایک پرت ہو، دو دوپٹے ہوں مگر یوں لگے کہ ایک ہی دوپٹے کے دو رنگ ہیں۔ گھاگرا چولی دونوں کی ڈیزائننگ میں روایتی ٹچ نمایاں ہو مگر اس پر بنا کام بھاری نہ ہو۔ اس کے ساتھ مجھے جیولری کے نام پر صرف جھمکے چاہئیں مگر..... بے حد لمبے، بڑے اور بھاری جھمکے۔'' وہ ذرا رکی۔

''مہندی کے لیے غرارہ ہو، مکمل زرد اوبٹن والے رنگ میں سرخ اور سبز کا ہلکا سا ٹچ صرف اس کی کامدانی میں ہو اور سرخ کناری کے ساتھ سبز دوپٹا۔ غرارے کی قمیص انگرکھا اسٹائل ہو مگر ڈبل شرٹ کی طرح۔ جیولری گوٹے کے پھولوں والی ہو۔'' ڈیزائنر کا دماغ چکرا گیا۔

''نکاح کے لیے مکمل سفید جوڑا بالکل سادہ، کوئی کامدانی نہیں کوئی ستارے موتی نہیں بس سفید اور سلور ہو۔ را سلک استعمال کر کے لمبی قمیص اور ٹراؤزر بنانا، گھونگٹ کا دوپٹا مکمل سرخ ہو اور سفید موتیوں کے کام سے بھرا ہوا ہو۔ جیولری صرف سلور انتہائی نازک اور ہلکی ہو۔'' پھر اس نے کہا۔

''بارات کے لیے مجھے انتہائی بڑے گھیر والا لہنگا چاہیے، جتنا بڑا گھیر اتم کرسکتی ہو مگر فرشی لہنگا نہ ہو بس گھیرا بڑا ہو۔ کلر ریڈ ہو اور اس پر سارا کام صرف سفید موتیوں کا ہو۔ لہنگا سادہ، چولی کا کام بھرا ہوا اور دوپٹا صرف بارڈر۔ سفید باریک موتیوں کے سوا کوئی چیز استعمال نہیں کرنی۔ میری جیولری بھی صرف سفید موتیوں کی ہونی چاہیے۔'' اس نے ڈیزائنر کو دیکھا۔

''ولیمے کے لیے مجھے چاہیے سلور گرے پیروں تک آتی فراک، بہت بھاری کام اور بالکل ہلکا انتہائی نازک جیولری سیٹ۔'' اس نے صحیح معنوں میں ڈیزائنر کو دانتوں پسینہ آنے کا مطلب سمجھا دیا۔ عام زندگی کے معاملات میں وجیہہ بہت ہی سادہ مزاج، خوش اخلاق اور اچھی بچی ٹائپ لڑکی تھی جو کسی کو کبھی تنگ نہیں کرتی تھی۔ کپڑے، جوتے، جیولری وہ واحد کام تھا جس میں وہ انتہا کی مشکل پسند بن جاتی تھی۔ اسے کوئی

بھی چیز بہت ہی مشکل سے پسند آتی تھی اور پھر جو وہ پہنتی تھی وہ دیکھ کر سب اس کی چوائس پر واہ، واہ کرتے تھے۔ جب عام زندگی میں اپنے پہناوے کے معاملے میں وہ اس قدر باریک بین تھی تو شادی جیسے اہم موقع پر بھلا کیسے کوتاہی برت لیتی۔ فروری کا پورا مہینہ اسے ڈیزائنر کے ساتھ میٹنگز کرنے میں گزر گیا تب جا کر ڈیزائنر اس کی مطلوبہ ڈیمانڈز سمجھ پائی۔

عذرا بیگم کی بہن سامعہ بیگم بھی امریکا سے آ گئیں اور پھر وہ رونق لگی کہ شادی کی تیاریوں کا مزہ دوبالا ہوگیا۔ وہ روزانہ شام کو ڈھولکی لے کر بیٹھ جاتیں اور پھر ایسی جم کر ڈھولک بجاتیں کہ سارے گھر والے وہیں عذرا بیگم کے لاؤنج میں جمع ہو جاتے۔ لڑکیاں گیت گاتیں اور لڑکے بھنگڑا ڈالتے۔ سگی خالہ تو وہ وجیہہ کی تھیں مگر باقی سب سے بھی اس قدر محبت اور خلوص سے پیش آتی تھیں کہ سبھی کو ان سے سگی خالاؤں جیسی محبت محسوس ہوتی۔ ویک اینڈ پر منیبہ اور نزہت بیگم کے میکے سے بھی رشتے دار آ جاتے اور خوب ہلا گلا ہوتا۔ ابتہاج ہاؤس میں خوب گہما گہمی اور رونق کا سماں رہتا سب اسی میں مگن تھے۔

مگر پھر وہ ہوگیا جس کا کبھی کسی نے گمان تک نہیں کیا تھا۔ فروری جاتے جاتے ایسی وبا کا پیغام لایا کہ ساری دنیا کا نظام درہم برہم ہوگیا۔ مارچ کے اوائل تک تو سب کو یہی لگ رہا تھا کہ یہ ڈینگی جیسی کوئی وبا ہے جو معمولی احتیاط اور علاج سے رفع دفع ہو جائے گی مگر جوں، جوں دن گزرتے گئے وبا میں شدت آتی گئی اور خبروں میں سنسنی بڑھتی چلی گئی۔ اس روز بھی پورا خاندان مشترکہ لان میں جمع تھا اور سب اپنی، اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ حسیب صاحب سب سے زیادہ متفکر تھے کیونکہ معاملہ ان کی اکلوتی اولاد کی شادی کا تھا اور تیاریاں کافی حد تک مکمل تھیں۔

''حالات جس نہج پر جا رہے ہیں اس سے تو یوں لگ رہا ہے کہ جلد پوری دنیا میں لاک ڈاؤن ہونے جا رہا ہے۔ اگر ایسا ہوگیا تو شادی کا کیا ہوگا؟'' حسیب صاحب کی بات پر بھی کو تشویش ہوئی۔ شہزاد صاحب جو چائے پیتے ہوئے مسلسل سوچ میں گم تھے، پیالی میز پر رکھ کر بولے۔

''بھائی جان صبح سے میں مسلسل صرف نیوز چینلز دیکھ رہا ہوں اور سب پر کافی تشویش ناک خبریں مل رہی ہیں۔ اگر واقعی لاک ڈاؤن ہوگیا تو صرف شادی نہیں بہت کچھ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ اب دیکھیے ناں، سامعہ بھی امریکا سے آئی ہوئی ہیں، لاک ڈاؤن ہوگیا تو یہ کیسے واپس جائیں گی کیونکہ اگر ایک بار لاک ڈاؤن ہوگیا تو نہ جانے کتنے عرصے تک سب کچھ معطل رہے گا۔'' ان کی بات پر سامعہ بیگم بھی فکرمند ہوگئیں۔

''ارے یہ کیا کہہ رہے ہیں شہزاد بھائی؟ کل میری اطہر سے فون پر بات ہوئی، وہ بھی کچھ اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ کیا مجھے ابھی واپس چلے جانا چاہیے؟ مگر میری تو اپریل کی بکنگ ہو چکی ہے۔''

''سامعہ بہن، ابھی ہم اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ مجھے نہیں لگتا کہ اب مزید کوئی بھی نیشنل یا انٹرنیشنل فلائٹس بک ہوں گی۔ پھر بھی میں کل اپنے ٹریول ایجنٹ سے بات کر کے آپ کو بتا دوں گا۔'' اس بات پر تو لڑکے لڑکیوں میں الجھن اور بے چینی پھیل گئی۔ سب سے پہلے وجیہہ اپنی خالہ کی طرف لپکی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں سامی خالہ آپ میری شادی کے لیے آئی ہیں، ایسے کیسے ایک دو دن میں واپس جا سکتی ہیں۔ چھوڑیں آپ ان سب باتوں کو۔ پاکستان میں ہر وقت اس قسم کی افواہیں اور خوف و ہراس گردش کرتا رہتا ہے۔ آپ دیکھیے گا یہ وبا بھی دو چار دن میں ٹل جائے گی۔ کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو کہیں بھی جانے کی۔'' وہ روہانسی ہوگئی تو سامعہ بیگم نے اس کا ہاتھ تھام کر چوم لیا۔

''ارے میری چندا فکر نہ کرو سب اچھا ہوگا۔ تمہاری بات اپنی جگہ ٹھیک ہے کہ پاکستان میں ایسے مسائل اٹھتے رہتے ہیں مگر بیٹا یہ مسئلہ عالمی سطح کا ہے، اس میں پاکستان کا کوئی عمل دخل نہیں اس وبا سے تو پوری دنیا یکساں متاثر ہو رہی ہے۔'' معیز صاحب نے

بھی ان کی تائید کی۔

''سامعہ آپا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بیٹا۔ آپ تو خود مارکیٹ میں بیٹھی ہیں آپ کو بھی اندازہ ہو ہی رہا ہوگا کہ حالات کس رخ پر جا رہے ہیں۔ اگر لاک ڈاؤن ہو گیا تو ہمیں یہ شادی ملتوی کرنی پڑ جائے گی۔'' اس بات پر سب متفکر سوچوں میں غرق ہو گئے اور اتنے سارے افراد اکٹھے ہونے کے باوجود وہاں گہری خاموشی کا راج ہو گیا۔ وجیہہ بلاشبہ ایک بے حد ذہین اور سمجھدار لڑکی تھی، وہ خود بھی سب حالات کا مشاہدہ کر رہی تھی، خبریں بھی دیکھتی اور سوشل میڈیا بھی چیک کرتی تھی مگر شادی کا معاملہ خاصا حساس ہوتا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس معاملے میں حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرنے سے کترا رہی تھی یا یوں کہنا بجا ہوگا کہ کبوتر کے مانند آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی جبکہ وہ جانتی تھی کہ ایسا کرنے سے خطرہ ٹل نہیں سکتا۔

☆☆☆

پھر وہی ہوا جس کا چرچا تھا۔ دنیا بھر میں سارا نظام درہم برہم ہو گیا اور جزوی لاک ڈاؤن ہو گیا۔ کاروبار بند، مساجد، اسکول، مدرسے، ادارے، سب بند ہو گیا صرف اشیائے ضروریہ اور دواؤں کی دکانیں کھلی رکھنے کا حکم تھا مگر ان کے بھی اوقات مقرر ہو گئے۔ اس روز ڈنر کے بعد سب لوگ حسیب صاحب کے بلاوے پر اُن کے پورشن میں جمع ہوئے۔

''دیکھیں بھئی، فی الحال تو یہی سننے میں آ رہا ہے کہ ایک ماہ تک لاک ڈاؤن رہے گا، اس کے بعد کچھ کمی ہو گی مگر ایسا لگتا نہیں کہ اب زندگی معمول پر آ پائے گی۔ اب جو تاریخ ہم نے رکھی تھی اس پر تو شادی ممکن ہے البتہ سب ذہنی طور پر تیار رہیں کہ لاک ڈاؤن ختم ہوتے ہی ہمیں از سرِ نو شادی کی تاریخ رکھنی ہوگی۔'' تنویر صاحب نے انہی کی بات کو آگے بڑھایا۔

''اس بارے میں، میں بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں خاص طور پر آپ خواتین سے۔ آپ لوگ گھر کے تمام ملازمین کو چھٹی پر گھر بھیج دیں اور حکومتی ہدایات کے مطابق مکمل احتیاط کریں۔'' اس بات پر تو خواتین میں کھلبلی مچ گئی۔

''ملازمین کو چھٹی پر بھیج دیں؟ پھر اتنا کام کون کرے گا؟ اور ان کا گھر کیسے چلے گا، وہ کھائیں گے کہاں سے؟ اور اتنا بڑا گھر اور سارا نظام ہم کیسے سنبھالیں گے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' حسیب صاحب مسکراہٹ دبائے کبھی اپنے گھر کی خواتین کو دیکھتے تو کبھی اپنے بھائیوں کو... چاروں بھائی تاسف سے نفی میں سر ہلا رہے تھے۔ پھر شہزاد صاحب بولے۔

''ساری دنیا کی خواتین گھر کے کام خود کرتی ہیں اور پہلے زمانے کی خواتین بھی سارے کام اپنے ہاتھوں سے کیا کرتی تھیں۔ میرے خیال میں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ویسے بھی کام کاج سے انسان چست رہتا ہے۔ آپ لوگ ہر وقت فارغ بیٹھ بیٹھ کر وزن بڑھا لیتی ہیں اور پھر جم کی طرف بھاگتی ہیں ہزاروں روپیہ لٹا کر وہاں مشقت کر کے وزن گھٹا کر گھر آ کر پھر سے صوفے پر دراز ہو جاتی ہیں۔ دیکھا جائے تو اب ویسے بھی جم بند ہو گئے ہیں۔ گھر کے کاموں کو جم پریکٹس سمجھیے، ملازمین کو ہٹائیں اور وہ جو کاموں میں ڈنڈی مارتے ہیں ان سب کاموں کو خود مانیٹر کیجیے۔ گھر بھی سنور جائے گا اور آپ لوگوں کے فگر بھی۔'' اتنا کہہ کر شہزاد صاحب اٹھے اور شرارتی انداز میں ہاتھ ہلاتے اندر کی جانب بڑھ گئے کیونکہ جانتے تھے کہ اس تقریر کے بعد خواتین کا جو اُن پر زبانی حملہ ہوگا وہ اسے سہار نہیں سکیں گے۔ ان کے بھاگنے پر حسیب صاحب نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''بھئی میں تو شہزاد سے پوری طرح متفق ہوں۔''

اس بات پر خواتین میں مزید شور مچ گیا۔

''آپ مردوں کو کرنا پڑے ناں اتنا کام تو میں پوچھوں آپ سے.....'' یہ خالص مڈل کلاس خواتین والا طعنہ شاہین بیگم کی طرف سے آیا جس پر حسیب صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ارے ارے..... اس سے پہلے تو آپ کا یہ

روپ میں نے کبھی نہیں دیکھا..... مطلب سارا اخلاق صرف عیش و آرام کی زندگی کا مرہونِ منت ہے، کام سر پر پڑے نہیں اور اوسان خطا ہوئے نہیں۔'' اس بات پر شاہین بیگم سٹپٹا کر خاموش ہو گئیں مگر عذرا بیگم میدان میں اتر آئیں۔

''جی نہیں بھائی جان ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ماشاءاللہ ہمارا گھر بلکہ ہمارے گھر کس قدر وسیع و عریض ہیں اور گھر میں خواتین گنی چنی۔ کوئی درجن بیٹیاں تو ہماری ہیں نہیں جو سارے گھروں کے سب کام خوش اسلوبی سے سنبھال لیں اور اُف تک نہ کریں۔ آپ خود سوچیں چار خواتین اور صرف تین لڑکیاں جبکہ چار عدد بڑے، بڑے پورشنز، کیسے دیکھیں گی سب؟'' سب زنانہ پارٹی ان کی تائید میں زور و شور سے دلائل دینے لگی۔ ایسے میں ہارون نے ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش کرایا اور بولا۔

''پلیز، پلیز، پلیز خاموشی..... آپ سب کو اپنی، اپنی فکر پڑ گئی ہے کسی نے ایک بار بھی ان ملازمین کے بارے میں نہیں سوچا جن کے گھر کا خرچ ہماری تنخواہ سے چلتا ہے۔ نہیں سوچا کہ ان کا کیا ہوگا؟'' اس بات پر ہانیہ چمک کر بولی۔

''میں نے یہ پوائنٹ اٹھایا تھا ہارون بھائی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ دیکھیں ناں اگر ہم انہیں فارغ کر کے گھر بٹھا دیں گے تو یہ لوگ کہاں سے کھائیں گے۔ اسی لیے بہتر ہے کہ ہم ان سب کے کووڈ ٹیسٹ کروا کر انہیں یہیں رکھیں کام کرائیں اور تنخواہ دیتے رہیں۔ ہم کیوں کسی کی روزی پر لات ماریں۔'' اس جذباتی تقریر کے اختتام پر ہارون نے استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے تالی بجائی تو وہ خفیف سی ہو گئی۔

''کیا کہنے آپ کے مس ہانیہ معیز کیا کہنے۔ آپ نے بھلا فیشن ڈیزائننگ کس چغد کے کہنے پر چن لی؟ آپ کو تو وکیل بننا چاہیے تھا۔'' ہارون کی بات پر خرم اور حیدر نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگایا تو ہانیہ تپ گئی۔

''ہارون بھائی.....'' وہ احتجاجی انداز میں ٹھنکی۔

''میری پیاری بہنا..... اگر آپ کو ملازمین کا اتنا ہی احساس ہے تو کیا کبھی آپ نے ان کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹایا؟ خاص طور پر تب جب ان میں سے کوئی بیمار ہو؟'' ہانیہ لاجواب ہو کر دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ ہارون اپنے والد حسیب صاحب کی جانب مڑا اور بولا۔

''اب یہ وقت ایسا کہ ہمیں ایک دوسرے کا احساس کرنا ہوگا بابا۔ کیا میں کچھ مشورے دے سکتا ہوں؟ بابا، چاچو، چاچی؟'' ہارون نے سب کو بیک وقت سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو سبھی نے تائید کی۔

''ضرور کہو بیٹا تم اس گھر کی سب سے بڑی اولاد ہو۔''

''ملازمین جتنے بھی اچھے اور مخلص ہوں مگر وہ جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اس کی وجہ سے ان میں فطری طور پر احتیاط پسندی سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ پھر ان میں قوتِ مدافعت کی بھی کمی ہوتی ہے کیونکہ وہ سارا دن کام میں جتے رہتے ہیں اور ہم جیسی بہترین خوراک نہیں لیتے، نہ ہی ان کا علاج کسی بہترین جگہ سے ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ ہم ان سب کو چھٹی پر بھیج دیں تاکہ یہ لوگ بھی کچھ عرصہ آرام سے گزار سکیں۔ اچھی خوراک نہ سہی مگر کم از کم انہیں جسمانی آرام تو ملے گا۔ اب رہی بات ان کی تنخواہ کی کہ ان کا گزارہ کیسے ہوگا تو اس کا بھی حل ہے۔ الحمدللہ ہم سب معاشی طور پر اتنے مستحکم تو ہیں کہ چند ماہ کیا کئی سال بھی گھر بیٹھ کر گزار سکتے ہیں۔ تو کیوں نہ ہم ان ملازمین کو پیڈ لیو پر بھیجیں اور انہیں یقین دہانی کرائیں کہ انہیں ان کی تنخواہ ہر ماہ اسی طرح ملتی رہے گی۔ ہماری جانب سے یہ ایک طرح کا صدقہ ہو جائے گا اور صدقہ بلاؤں کو ٹالتا ہے۔'' اس بات پر حسیب صاحب نے باقاعدہ اپنی کرسی سے اٹھ کر ہارون کا کاندھا تھپکا اور بولے۔

''ویری ویل سیڈ میرے بیٹے۔ یہ تجویز میرے ذہن میں تھی مگر میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اس نہج پر کون پہلے سوچتا ہے۔'' خرم اس بات پر اچھلا اور بولا۔

"یہ تو زیادتی ہے تایا جان اب میں اور حیدر تو کئی دن سے اس بارے میں ہی ڈسکشن کر رہے تھے مگر ہمیں تو آپ نے گھاس ہی نہیں ڈالی۔" اس شاندار بات پر حیدر کا پہلے حیرت سے منہ کھلا پھر وہ منہ پر ہاتھ پھیر کر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ حسیب صاحب سب سمجھ رہے تھے اس لیے زیرِ لب مسکراتے رہے۔ تنویر صاحب نے ہاتھ بڑھا کر خرم کا کان پکڑ لیا۔

"کس بارے میں ڈسکشن کر رہے تھے آپ اور حیدر، یہ مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ آپ کے کمرے کا ٹیرس میرے ٹیرس سے جڑا ہوا ہے اور آپ دونوں کو ان دنوں کیا غم کھائے جا رہا ہے وہ میں یہاں سب کو بتا دوں اگر آپ کی اجازت ہو تو......؟" اس انکشاف پر حیدر کا تو رنگ اڑ گیا جبکہ خرم اپنا کان چھڑا نے لگا۔

"نہیں مطلب، کیا بابا...... میں...... وہ...... ہم بات کر رہے تھے آپ کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی کیوں حیدر!" اس نے مڑ کر حیدر کی حمایت حاصل کرنی چاہی تو معلوم ہوا وہ رفو چکر ہو چکا تھا۔ عافیت اسی میں تھی کہ وہ بھی اٹھ کر بھاگ جاتا اور اس نے یہی کیا۔ پیچھے سب کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔ منیبہ بیگم نے شوہر کو مخاطب کیا۔

"کچھ بتائیں گے کیا ڈسکشن چل رہی تھی دونوں میں؟" تنویر صاحب نے ہنس کر ٹال دیا۔

"ارے چھوڑو بچے ہیں۔ ایسی کوئی قابلِ گرفت بات نہیں بس میں تو یونہی انہیں تنگ کر رہا تھا۔ ہاں تو کیا بات ہو رہی تھی۔"

"بھائی جان ملازمین کے حوالے سے تو آپ کی تجویز مناسب ہے مگر گھر کے کام کاج کا کیا ہو گا ہماری تو اولادیں ہی اس قدر لاڈلی ہیں کام کون کرے گا وہ بھی اتنا زیادہ۔" نزہت بیگم جو اتنی دیر سے خاموش تماشائی بنی لطف لے رہی تھیں۔ بولیں۔ اس تعریف پر اولادوں نے برے، برے منہ بنانے شروع کر دیے۔

"ہم نے تو کافی تجاویز دے دیں، آپ اور آپ کے میاں ہی اتنی دیر سے خاموش بیٹھے ہیں کچھ آپ بھی اپنا حصہ ڈالیں۔" حسیب صاحب نے معیز کو ٹہوکا دیا تو وہ مسکرائے۔

"میرے پاس ایک تجویز تو ہے مگر اس سے سب کا متفق ہونا مشکل ہو شاید۔"

"ارے آپ کہیں تو سہی۔" نزہت بیگم نے اصرار کیا تو وہ بولے۔

"دیکھیں، کام کا بوجھ بانٹنے کے لیے ایک ترکیب تو یہ ہے کہ جب تک لاک ڈاؤن چل رہا ہے ہم چاروں بھائی اپنا کچن مشترک کر لیتے ہیں اور خواتین مل جل کر کچن چلا لیں۔ صفائی ستھرائی کے لیے تینوں لڑکیاں یکجا ہو جائیں اور ہر روز صرف ایک پورشن کی صفائی کر لیا کریں۔ اپنا، اپنا کمرا صاف کرنے کا ذمّہ کمرے کے مکین کا ہوگا چاہے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ کام کاج میں کوئی برائی نہیں، نہ ہی اس میں جنس کی کوئی تخصیص ہونی چاہیے۔ لڑکوں کو بھی سب کام آنے چاہئیں۔ پھر رہ گیا پورچ اور لان، تو ان کی ذمّے داری لڑکوں کو سونپ دیں۔ گھر کا سودا سلف اور دیگر انتظامی معاملات ہم چاروں بھائی دیکھ لیں گے اور جس حد تک ممکن ہوا آپ خواتین کی بھی مدد کروا دیں گے۔ ویسے میری تجویز سے اختلاف کا حق آپ سب کو ہے۔" اس بات پر ہارون نے دائیں بائیں نظر دوڑائی اور بولا۔

"باقی لڑکے تو رفو چکر ہو چکے ان کے بارے میں، میں کچھ کہہ نہیں سکتا، میں البتہ دل سے متفق ہوں چاچو۔" شاہین بیگم نے بیٹے کا کاندھا تھپکا اور بولیں۔

"معیز تم نے انتہائی بہترین تجاویز دی ہیں۔ ان حالات میں یہ بالکل مناسب ہے۔ ویسے بھی خاندان کا مطلب اور [illegible] یتا ہے، مل جل کر رہنا اور سب مسائل کا مل جل کا مقابلہ کرنا۔ بس ڈن ہو گیا۔ کل سے سب لوگ اپنی ڈیوٹیاں سنبھال لیں۔" لڑکیاں منہ بسورنے لگیں تو عذرا بیگم نے انہیں گھر کا۔

''لڑکیوں کو سب کام کاج آنے چاہئیں اور انہیں کرنے کا حوصلہ بھی ہونا چاہیے۔ آج تو آپ سب اپنے باپ کے گھر میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہی ہیں لیکن بیٹا وقت اور حالات کی کروٹ کا کوئی بھروسا نہیں۔ حالیہ مثال سامنے ہے۔ کالج، یونیورسٹی اور پھر جاب لائف میں ہم سارا، سارا دن کھپے رہتے ہیں ہر طرح کے کام کرتے ہیں اور پورا دن مشقت کرنے کو بہت ویلیو دیتے ہیں مگر جب گھر کے کاموں کی بات آئے تو ہم اسے دقیانوسی اور آؤٹ ڈیٹڈ سمجھنے لگتے ہیں۔ گھر انسانوں سے بنتا ہے اور انسانوں کو رہنے کا ڈھنگ آنا چاہیے۔'' عذرا بیگم کی بات میں وزن تھا۔

اس کے بعد حسیب صاحب نے سب ملازمین کو ہارون کے ساتھ بھیج کر سب کے کووڈ ٹیسٹ کروائے اور رپورٹس نیگیٹو آنے پر سب کو تنخواہ کے ساتھ، ساتھ اضافی راشن دے کر غیر معینہ مدت کے لیے رخصت کر دیا۔ جانے سے پہلے حسیب صاحب نے سب ملازمین کو تسلی دی۔

''آپ سب ملازمین ہمارے لیے ہمارے گھر کے افراد جیسی اہمیت رکھتے ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ اس مشکل دور میں آپ لوگوں پر کوئی مصیبت آئے۔ آپ لوگ سکون سے اپنے گھروں پر آرام کریں لیکن یہ مت سوچیں کہ ہم آپ کو ملازمت سے نکال رہے ہیں۔ حالات موافق ہوتے ہی آپ سب کو یہیں واپس آ کر ڈیوٹی دینی ہے۔ جب تک حالات بہتر نہیں ہو جاتے، تب تک ہم آپ سب کی ماہانہ تنخواہیں آپ کو گھر پر پہنچاتے رہیں گے اور اس کے علاوہ بھی آپ کو کسی مدد کی ضرورت ہو تو ہم آپ کا پورا ساتھ دیں گے۔ اس لیے روزی روزگار کی فکر چھوڑ کر صرف صحت کی فکر کریں اور گھر پر رہیں۔ اور احتیاطی تدابیر اختیار کریں..... اور اپنے گھر والوں کا بھی خیال رکھیں۔'' سب ملازمین انہیں دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوئے۔

☆☆☆

اگلے دن سب صبح سویرے اٹھے، ناشتا خواتین نے مل کر بنایا اور ناشتے کے بعد سامعہ بیگم نے سب کو ڈیوٹیاں سونپ کر کام پر لگا دیا۔ اب گھر کا منظر کچھ یوں تھا کہ وجیہہ گھر میں جگہ، جگہ رکھے تمام رگز اور قالین کے پیسز کو ویکیوم سے صاف کر کے فرش پر برش پھیر رہی تھی، ہانیہ ڈسٹنگ کرتی جا رہی تھی اور شفق ان کے پیچھے، پیچھے فرش پر پوچا پھیرتی جا رہی تھی۔ خرم، ہانیہ کے پیچھے، پیچھے پھرتا اس کی ڈسٹنگ میں نقص نکال رہا تھا، جہاں گرد دیکھتا وہیں اپنا نام لکھ کر اشارہ کرتا.....

''دیکھو ہانی یہاں کتنی گرد ہے۔ اسے بھی صاف کرو۔'' وہ جھلا کر اس طرف جاتی ہے تو اس کا نام دیکھ کر تلملا جاتی ہے۔

''ہر جگہ اپنا نام لکھنے کی کیا تُک بنتی ہے۔'' وہ جھنجلا کر بولی.... تو خرم ستر کی دہائی کے فلمی ہیرو کی طرح جھوم جھوم کر کہتا۔

''میں چاہتا ہوں جہاں، جہاں تم جاؤ وہاں وہاں تمہیں میں نظر آؤں میرے نشان نظر آئیں۔''

''تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔'' ہانیہ سخت گھوری دے کر پھر سے کام میں مگن ہو گئی کیونکہ منہ توڑ جواب دینے کا نہ وقت تھا نہ فرصت، کام، کھانے سے پہلے، پہلے ختم کرنا تھا، دوسری طرف شفق جہاں، جہاں گیلا پوچا پھیرتی پیچھے سے حیدر گیلے فرش پر اپنے سلیپرز کے نشان چھاپتا ہوا غائب ہو جاتا۔ وہ واپس پلٹتی تو چپلوں کے نشان دیکھ کر بہ آواز بلند اس کی شان میں دو چار جملے کہتی اور پھر اس جگہ خشک کپڑا پھیر کر نشانات مٹاتی جاتی۔ وجیہہ کا سب پر رعب تھا اور پھر ہارون کی منگیتر کی حیثیت سے بھی اس کا مقام بلند ہی تھا اس لیے اسے تنگ کرنے کی کوئی جرأت نہیں کرتا، البتہ وہ شفق اور ہانیہ کی درگت پر منہ چھپا کر مسلسل ہنس رہی تھی۔

''قسم سے یار بڑا مشکل کام ہے گھر کی صفائی کرنا۔ گھر میں اتنی بڑی، بڑی کھڑکیاں ہیں، ابھی جہاں سے ڈسٹنگ کر کے ہٹتی ہوں دو منٹ بعد وہاں پھر گرد نظر آتی ہے اور یہ بدتمیز خرم کا بچہ ہر جگہ اپنے دستخط کرتا پھر رہا ہے۔'' ہانیہ بری طرح تپ کر بولی تو شفق کھلکھلا کر ہنسی۔

''بھیا کو شاید ہر جگہ اپنا نکاح نامہ نظر آ رہا ہوگا ی...'' اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی ہانیہ نے بھرا کپڑا اس کی طرف اچھال دیا۔ وہ جھکائی دے فائلر جب پوچا لگے فرش پر گرد کے بنے خوب صورت ... پرنٹس دیکھے تو چیخی۔

''ہانی کی بچی...... تمہارا بھائی کم تھا کیا جواب تم نے ... نام بڑھا دیا۔'' ہانیہ کسی... فسادی نند جیسی دل جلانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجا کے اس کے پاس آئی اور اس ... اپنے سے بھیگی لٹ کان کے پیچھے اڑس کر بولی۔

''تمہارا بھائی بھی اسی طرح میرا جیا جلا رہا ہے۔ ... برابر۔'' اور پونی کو جھٹکا دے کر آگے بڑھ گئی۔ اس کا کام ختم ہو چکا تھا۔ شفق بل کھا کر رہ گئی۔ دوسری طرف ... ویکیوم اسٹور میں رکھ کر خود کو کام سے فارغ سمجھتی ... ے میں جانے کو تھی کہ سامعہ خالہ نے دھماکا کیا۔

''وجیہہ بیٹا، عذرا آپا نے کہا ہے کہ لانڈری کا کام ... رنا ہے کیونکہ روز ہی سب کے کپڑے تبدیل ہوتے ... لیے، چادریں سب دھلتے ہیں۔ تم ایسا کرو لانڈری طرف جاؤ میں ہانیہ کے ہاتھ کپڑے بھجواتی ہوں۔ مل ... کام بھی کر ڈالو۔'' وجیہہ کراہ کر رہ گئی۔

''اُف اب لانڈری بھی کرنی ہوگی۔'' وہ کمزور سی آواز میں بولی تو سامعہ خالہ ہنسیں۔

''تو کون سا ہل جوتنے ہوں گے، آٹومیٹک مشین ہے کام تو مشین نے کرنا ہے۔'' سامعہ خالہ کہہ سکتی تھیں کیونکہ امریکہ میں تو سب کو سب کام خود ہی کرنے ... ہیں وہاں تو ملازمین کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ وہ ... ے قدموں سے لانڈری روم کی طرف چل ... شفق فارغ ہوئی تو اسے بھی حکم نامہ ملا کہ دھلے ... کپڑے تار پر پھیلانے اور بعد میں متعلقہ کمروں ... نے کا ذمہ اس کا ہے۔ دوسری طرف ہارون ... دیکھا کہ اپنے، اپنے کمروں کی الٹی سیدھی ... خرم اور حیدر صرف لڑکیوں کو تنگ کرنے کا انجام دے رہے ہیں تو اس نے کان سے پکڑ ... ڈیوٹیاں سونپ دیں۔ ان کے بھی چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اب خرم تیز دھوپ میں کھڑا لان میں سب پودوں کو پانی دے رہا تھا اور حیدر فالتو پتوں اور ٹہنیوں کی کانٹ چھانٹ کر رہا تھا۔

''یار خرم، یہ مالی بابا کس قدر ہڈ حرام تھا......''

خرم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اس کی زبان کے جوہر ملاحظہ کیے تو وہ گڑبڑا گیا۔

''ہم...... میرا مطلب ہے کہ یار دیکھو ناں سارے پودوں اور درختوں کی حالت کس قدر مخدوش ہے۔ لگتا ہے عرصہ دراز سے اس نے نہ تو کیاریوں میں گوڈی کی، نہ پودوں کو ٹھیک سے پانی دیا اور نہ ہی فالتو مردہ پتے اور ٹہنیاں نکال کر پھینکے۔ فالتو کی تنخواہ لے رہا تھا۔'' وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کیونکہ حیدر نے لان میں مردہ پتوں اور ٹہنیوں کا ڈھیر لگا دیا تھا۔ اسی وقت ہارون وہاں آیا۔

''حیدر جلدی سے اس کام سے فارغ ہو کر میرے ساتھ سٹنگ ایریا میں آؤ وہاں بھی صفائی کی ضرورت ہے۔'' اس نے کینہ توز نظروں سے ہارون کی پشت کو گھورا جواب لان میں ایک طرف سب کے بیٹھنے کے لیے بنائی گئی جگہ کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں خوب صورت شیڈز لگا کر لان چیئرز اور صوفے سیٹ کیے گئے تھے جہاں وہ سب گھر والے مل کر شام کی چائے پیا کرتے تھے اور کسی بھی فنکشن کی صورت میں وہاں میزیں لگا کر کھانا چنا جاتا تھا۔ اس جگہ کی صفائی کے بعد پورچ کی دھلائی کی باری آئی اور پورچ کی دھلائی کا مطلب تھا پہلے گاڑیوں کی دھلائی ہوگی اور اس وسیع و عریض پورچ میں دس عدد گاڑیاں تھیں۔ خرم اور حیدر کو دانتوں پسینہ آ گیا۔ چار گاڑیاں چاروں بھائیوں کی، تین گاڑیاں ان لڑکوں کی، اور باقی تین لڑکیوں کی۔

''اب لڑکیاں تو اپنی گاڑیاں خود دھوئیں ناں ہارون بھائی، یہ تو زیادتی ہے، چلائیں وہ اور دھوئیں ہم......'' خرم بلبلایا تو ہارون نے سوچنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔

''کہتے تو تم ٹھیک ہو۔ چلو پھر ایسا کرتے ہیں کہ تم لانڈری ایریا میں جا کر لانڈری کا کام دیکھو اور وجیہہ کو

یہاں بھیج دو وہ واش کر لے گی تینوں گاڑیاں۔'' خرم نے کراہ کر شکوہ کناں نظروں سے ہارون کو دیکھا اور بولا۔

''کر لیتا ہوں یار ہارون بھائی، اتنی بھی انسلٹ نہ کریں کہ میں یعنی کہ میں خرم تنویر، اس قدر ہینڈسم ڈیشنگ کارپوریٹ پرسن اب کیا لانڈری کرتا اچھا لگوں گا؟ زیادتی ہے بھئی۔'' ہارون ہنسا۔ ہر وقت نکھرے سنورے حلیے میں گھومنے والے اس کے خوبرو کزنز اس وقت ٹریک سوٹ میں پسینے میں تر بتر اچھے خاصے مضحکہ خیز لگ رہے تھے۔

''جی، جی آپ ہینڈسم ڈیشنگ مسٹر خرم تنویر صرف کار واش کرتے ہوئے ہی مزید ڈیشنگ لگتے ہیں سو پلیز کیری آن۔'' اس بات پر حیدر نے اپنے بابا کی کار کو رگڑتے ہوئے زوردار قہقہہ لگایا اور خرم نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے اسی کی کار کو لات رسید کر دی جو سیدھی جا کر حیدر کے دل پر لگی۔ اس نے خرم کی دھلی دھلائی کار پر شیمپو سے بھرا اسپنج نچوڑ دیا۔

''تیری تو......'' خرم اسے مارنے لپکا تو گیلے فرش پر بری طرح پھسلا، اس سے پہلے کہ وہ پھسل کر کوئی ہڈی تڑوا بیٹھتا، ہارون نے اسے تھام لیا۔

''واہ کیا سین ہے ہارون بھائی، اچھا خاصا رومینٹک سین ہو جاتا اگر خرم کی جگہ کوئی لڑکی ہوتی تو......'' حیدر نے شرارت سے کہہ کر جملہ ادھورا چھوڑا تو خرم نے تو اسے خونخوار نظروں سے گھورا ہی، ہارون نے وائپر اٹھا کر اس کی کمر پر دے مارا۔ وہ کمر پکڑ کر ہائے، ہائے کرتا اپنا کام کرنے لگا۔

''واقعی صحیح کہتے ہیں لوگ......'' ہارون نے جملہ ادھورا چھوڑا تو خرم اور حیدر دونوں اس کی طرف مڑے جو ان کی دھوئی گاڑیوں کو سکھانے کا کام سرانجام دے رہا تھا۔

''کیا......؟'' دونوں یک زبان ہوئے۔

''یہی کہ یہ لاک ڈاؤن سب کی برداشت اور حوصلے کا امتحان ہے۔ سچ میں پتا چل گیا ہے کون کتنے پانی میں ہے۔'' خرم اور حیدر ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے جبکہ ہارون یوں کام میں مگن تھا جیسے کسی سروس اسٹیشن پر یہی کام کرتا رہا ہو۔

☆☆☆

اپنا رخ کچن کی طرف کریں تو وہاں کا منظر بھی خاصا قابلِ رحم تھا۔ مارے گرمی کے خواتین کا برا حال تھا۔ عذرا بیگم سبزی، گوشت وغیرہ کی کٹنگ میں لگی ہوئی تھیں، شاہین بیگم اور منیبہ بیگم مل کر کوکنگ کر رہی تھیں کیونکہ تمام افراد کی پسند ناپسند کا خیال رکھنے کے لیے تین چار ڈشز بنانا لازمی تھیں۔ سامعہ بیگم بھی کٹنگ میں عذرا بیگم کی مدد کرواتیں تو کبھی منیجر بن کر لڑکیوں کی کارکردگی دیکھتی جاتیں اور کبھی ساتھ، ساتھ گندے ہونے والے برتن دھوتی جا رہی تھیں۔ خواتین کا حشر نشر ہوتا دیکھ کر مرد حضرات نے انٹری ماری اور زندگی میں پہلی بار خواتین کے ساتھ کچن میں مدد کروائی۔ کھانے میں مٹن کڑاہی، چکن بریانی، مکس سبزیوں کی بھجیا اور دال چاول تھے۔ سلاد تنویر صاحب نے بنائی اور رائتہ شہزاد صاحب نے۔ معیز صاحب نے ساتھ کھڑے ہو کر شامی کباب تلے اور حسیب صاحب نے الماری سے برتن نکال کر میز پر رکھے۔ لڑکے لڑکیاں کام سے تھک ہار کر نہا دھو کر میز پر آئے تو یہ منظر دیکھ کر خوب لطف اٹھایا۔ میز پر کھانا بھی تنویر اور شہزاد صاحب نے مل کر لگایا۔

''بھئی آج تو مزہ ہی آ گیا۔ پہلی بار ہم سب نے اکٹھے اتنا سارا وقت یوں گزارا کہ آفس کی کوئی ٹینشن تھی نہ کوئی پینڈنگ کام۔ میں نے تو کچن میں کافی انجوائے کیا۔ پہلی بار یہ اندازہ بھی ہوا کہ کچن کی گرمی میں کام کرنا کس قدر مشکل کام ہے اور خواتین کی کتنی بڑی قربانی ہے روزانہ تین سے چار وقت کچن میں کام کرنا اور سب کو تازہ کھانا فراہم کرنا۔'' حسیب صاحب نے پہلا لقمہ منہ میں رکھتے ہی یہ بات کہی تو شہزاد صاحب ہنسے۔

''ارے بھائی جان، خواتین کی نہیں ملازمین کی قربانی کہیے۔'' اس بات پر خواتین کے تو سر سے لگی اور تلووں پر بجھی۔ عذرا بیگم جل کر بولیں۔

''ابھی تو کوئی ملازمین نہیں ہیں ناں، اب تو

ہی ہیں، صبح سے کھانے پکا، پکا کر بھوک ہی مر گئی ہے۔"
"اس کرونا وبا میں سب کے اصلی چہرے سامنے آ رہے ہیں بھائی جان، سب پتا چل رہا ہے کس میں کتنا حوصلہ ہے۔" معیز صاحب نے لقمہ دیا تو لڑکیاں چیخ پڑیں۔
"چاچو...... یہ فاؤل ہے......" مرد حضرات کے قہقہے بلند ہوئے، لڑکوں میں تو اس کی بھی ہمت نہیں تھی۔
"ہمارے امریکا میں تو ہر کوئی اپنے سب کام خود ہی کرتا ہے ملازمین تو افورڈ ہی نہیں کر سکتے، یہ تو آپ کے پاکستان میں شاہانہ زندگیاں ہیں، بیٹھ کر کھاتے ہیں اور ملازمین پر حکم چلاتے ہیں۔ سچی بات ہے کام کاج کرتا رہے تو بندہ فٹ رہتا ہے۔ جب سے میں یہاں آئی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے میری ہڈیوں کو زنگ ہی لگ گیا ہو۔ ملازمین کی چھٹی ہوئی تو آج میرے جوڑ کھلے کام کاج کر کے۔" سامعہ بیگم کی بات پر سبھی نے تعریفی کلمات کہے۔ یہی وجہ تھی کہ سب کے چہروں پر تکان تھی مگر سامعہ بیگم بالکل تر و تازہ لگ رہی تھیں۔ مہمان سمجھ کر شاہین بیگم نے ان کی کوئی ڈیوٹی نہیں لگائی تھی مگر وہ بھاگ بھاگ کر ہر ایک کے ساتھ مدد کروا رہی تھیں، اس کے باوجود اُن کے چہرے پر تھکن کا شائبہ تک نہ تھا۔
"ویسے ایک بات تو ماننی پڑے گی، عرصے بعد آپ خواتین کے ہاتھ کا کھانا کھا رہے ہیں تو صحیح معنوں میں سواد آ گیا۔ بہت مزیدار کھانا بنا ہے۔" تنویر صاحب کی تعریف کی سب نے تائید کی اور خواتین کی تھکن وہیں دور ہو گئی، چہرے ہشاش بشاش ہو گئے۔
"کتنی معصوم ہوتی ہیں یہ خواتین بھی۔ ذرا سی تعریف اور حوصلہ افزائی سے کھل کر گلاب ہو جاتی ہیں، ساری تھکن بھول بھال کر ہنسنے بولنے لگ جاتی ہیں۔" ہارون نے خواتین کے تھکے ہارے چہروں پر چمک آتی دیکھی تو سوچا پھر مسکراتے ہوئے کھانا کھانے لگا۔
کھانا کھانے کے بعد برتن دھونے کا ذمہ سامعہ نے از خود اپنے سر لیا مگر وجیہہ کو اچھا نہیں لگا سو وہ بھی دھونے کھڑی ہو گئی۔ شفق اس کے ساتھ برتن خشک کر کے سنبھالنے کا کام کرنے لگی تو ہانیہ نے کھانا اور میز سمیٹنے اور ڈائننگ ہال صاف کرنے کا بیڑا اٹھا لیا۔ سامعہ بیگم ان کے ساتھ لگ گئیں۔ آرام سے بیٹھنا انہیں آتا ہی نہ تھا۔ دن کے کھانے کے بعد سب کا تھکن کے مارے ایسا برا حال ہوا کہ وہ جو سب اکٹھے کسی ایک پورشن کے لاؤنج میں جمع ہو کر ساری دوپہر گپیں ہانکتے تھے، لڑھکتے ہوئے اپنے، اپنے کمروں میں گھسے اور بستر پر گر کر ایسے سوئے کہ پھر شام کی خبر لائے۔ شام کو بستر سے اٹھنا کارِ محال ثابت ہوا۔ سب کے مشورے سے ان کا کھانے پینے، کام کاج اور گپ شپ کا مستقل بسیرا حسیب صاحب کے پورشن میں تھا، صرف سونے کے لیے سب اپنے، اپنے پورشنز میں جاتے تھے۔ اسی لیے کچن بھی شاہین بیگم کا ہی استعمال ہو رہا تھا۔ شاہین بیگم چائے بنانے کے لیے کچن میں آئیں تو دیکھا سامعہ بیگم چائے بنا کر سب کچھ ٹرالی میں سیٹ کر چکی تھیں۔ وہ ان کی چست طبیعت کی قائل ہو گئیں۔
"وہاں کی روٹین نے تو تمہیں صحیح ایکٹو کر دیا ہے سامعہ، ہم تو یہاں نوکروں کی وجہ سے ہڈ حرام بنے رہے، اب کام سر پر پڑا تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ ایسی گہری نیند آئی کہ اٹھنے کو دل ہی نہیں کر رہا تھا۔ تمہارا شکریہ کہ تم نے چائے بنا دی۔ اس کے بغیر تو آنکھیں بھی نہیں کھلیں گی۔" سامعہ بیگم ان کی بات پر مسکرا دیں۔ چائے کے لیے سارا گھرانا لان میں جمع ہوا تو سب کے چہروں پر کچی نیند کے آثار تھے۔ ہارون جو سب میں مضبوط اعصاب اور سب سے زیادہ صبر اور برداشت والا بندہ تھا، سب کی طرف باری، باری دیکھ کر مسکرایا اور گلا کھنکھار کر بولا۔
"جی تو لیڈیز اینڈ جنٹلمین، کیسا گزرا لاک ڈاؤن کا پہلا دن ملازمین کے بغیر؟" اس سوال پر سب کے چہروں پر بیچارگی طاری ہو گئی اور سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ سب سے پہلے ہانیہ بولی۔
"اُف ہارون بھائی نہ ہی پوچھیں یہ سوال۔ قسم سے آج اندازہ ہوا کہ گھر میں کتنے ان گنت کام ہوتے

ہیں۔ میری تو کمر جواب دے گئی مگر کام مکمل نہیں ہوئے۔ ایک دن ایک پورشن کی صفائی بھی اچھا خاصا جان جوکھم کا کام ہے۔ مجھے تو آج ایک ہی دن میں ملازمین کی قدر ہوگئی ہے۔ ہم کیسے ان کے کاموں میں نقص نکال کر مزے سے آگے بڑھ جاتے ہیں، آج خود کررہے تھے تو پتا لگا کہ یہ سب کام اتنے آسان نہیں جتنے دکھائی دیتے ہیں۔'' اس بات کی شفق نے بھی تائید کی۔ سامعہ بیگم کرسیوں پر آڑے ترچھے پڑے سب افراد کو چائے کی پیالیاں تھماتی جارہی تھیں۔

''ہانی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے ہارون بھائی، میں تو پوچھا لگا، لگا کر مرگئی۔ ہم تو مزے سے گیلے فرش پر چلتے چلے جاتے تھے ہمیں پتا ہی نہیں ہوتا تھا کہ پیچھے ہمارے سلیپرز کے کیسے بدنما نشان رہ جاتے ہوں گے اور میڈز ہمیں دل ہی دل میں گالیاں دیتی ہوں گی وہ نشانات صاف کرتے ہوئے۔'' اس کا یہ کہنا غضب ہوگیا۔ حیدر تو اس کا جملہ پکڑنے کو تیار بیٹھا تھا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج تم پورا دن مجھے گالیاں دیتی رہی ہو۔ دیکھ رہی میں آپ تائی امی اپنی بیٹی کو.....'' اس بات پر جہاں شفق سٹپٹائی وہیں ہارون نے حیدر کا جملہ پکڑ کر اسے بغلیں جھانکنے پر مجبور کردیا۔

''شفق تمہیں گالیاں دیتی رہی..... اس کا مطلب کہ تم سارا دن اس کے صاف کیے فرش پر اپنے سلیپرز کے نشان چھاپتے رہے۔ دیکھ رہی ہیں چچی جان آپ اپنے لاڈلے کے کرتوت۔'' اور گھر کے بڑوں نے زوردار قہقہہ لگایا، حیدر اپنا سامنہ لے کر رہ گیا اور چپ چاپ چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔ شدید تھکن اور نیند سے ماؤف دماغ کو گرم چائے کی چسکیوں نے جگا دیا۔ خرم نے سامعہ بیگم سے اپنی پیالی پکڑ کر سامنے میز پر رکھی اور دہائی دی۔

''یہ ساری ہمدردیاں خواتین کیوں سمیٹ لیتی ہیں بھئی۔ ہم بیچاروں نے کیا کم کام کیا سارا دن؟ آسان نہیں ہوتا دس گاڑیاں دھونا، پورچ دھونا اور مالی کا چولا پہننا۔ ہماری بھی ہڈیاں دہائیاں دے رہی ہیں لیڈیز، کچھ ہم پر بھی نظرِ کرم کی جائے۔'' ہانیہ جو بچوں کی طرح چائے میں بسکٹ ڈبو، ڈبو کر کھا رہی تھی اس دہائی پر تلملا گئی۔ پھر وہ بھلا کیوں پیچھے رہتی جو سارا دن اس کی وجہ سے جلتی کڑھتی رہی تھی۔ اس نے پیالی میز پر رکھی اور آستینیں چڑھا کر ٹراکا پڑوسن کی طرح بولی۔

''ارے واقعی، کاموں کی لسٹ میں ایک کام تو تم بھول ہی گئے جس نے تمہیں سارا دن ہلکان کردیا۔'' اس کے لہجے میں چھپا طنز صرف خرم ہی سمجھ پایا اور اس کے کانوں میں خطرے کے سائرن بجنے لگے۔

''وہ کیا؟'' سب لوگ یک زبان ہوئے اور خرم دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ پول کھلنے کو تھا، وہ بھی بڑوں کے سامنے۔ اس وقت بڑے صرف خاموشی سے بچوں کی شرارتیں سن کر حظ اٹھا..... رہے تھے۔

''سارا دن پورے گھر میں یہ گرد آلود جگہیں تلاش کرکر کے سب جگہ اپنے سائن کرتا پھر رہا تھا۔'' ہانیہ نے نیوز اینکرز کی طرح آنکھیں پھیلا، پھیلا کر الفاظ چبا، چبا کر یوں کہا جیسے بہت بڑا انکشاف کیا ہو، سب ہنس پڑے مگر وہ خرم ہی کیا جو شرمندہ ہو جائے، بڑوں کو ہنستا دیکھ کر ڈھٹائی سے بولا۔

''ارے بھئی میں تو اسی کا کام آسان کررہا تھا مگر بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں۔ اب دیکھیں ناں کس، کس جگہ گرد پڑی ہے آسانی سے نظر تھوڑی آتی ہے، میں گرد آلود جگہیں تلاش کرکے اپنا سائن اس لیے کررہا تھا تاکہ ہانیہ کی آنکھیں نہ تھکیں اور اسے میرے نام کی وجہ سے گرد آسانی سے نظر آجائے۔'' اس بات پر مزید زوردار قہقہہ پڑا۔ سب اپنی، اپنی تھکن اور کسلمندی بھول گئے۔

''یقین کرو منیبہ مجھے پہلی بار بہت اطمینان محسوس ہورہا ہے۔ گو کہ آج سارا دن کام کاج کرکر کے ہم لوگ تھک کر چور ہوگئے ہیں لیکن ایک عجیب سا سکون ہے جو میرے اندر تک سرایت کرتا جارہا ہے۔'' شاہین بیگم نے کہا تو باقی خواتین نے بھی ان کی تائید کی۔ یور لاک ڈاؤن میں سب یکجا بھی ہوگئے اور اخراجات میں بھی واضح کمی آئی۔ اس روز گھر کے کسی بڑے کو نیند کی

دوا لینی یاد ہی نہ رہی اور سب سکون سے گہری نیند سو گئے اور اسی سب صبح بے حد تر و تازگی سے بیدار ہوئے۔ مسلمان کی فطرت میں یہ بات رچی ہے کہ وہ کسی بھی مصیبت کے دور میں پریشان ہو جائے تب بھی اس مصیبت سے سبق ضرور سیکھتا ہے اور جتنا مرضی واویلا کرلے، آخر اس رب کی طرف ہی پلٹتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے وہی پالن ہار ہے وہی مشکل کشا۔

☆☆☆

پوری دنیا میں کرونا وبا نے تباہی پھیلا رکھی تھی۔ ہر طرف ایک ڈپریشن سا پھیلا تھا۔ لوگوں کی نوکریاں چھوٹ گئی تھیں، کاروبار ٹھپ ہو گئے تھے، غریب مزید مفلس ہو گیا تھا اور خبروں کے مطابق روز بروز اموات کی شرح میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ابتہاج ہاؤس میں بھی سب افراد گھر کے اندر مقید تھے۔ صرف ضروری سودا سلف کے لیے کوئی ایک فرد باہر نکلتا اور مکمل احتیاط کے ساتھ خریداری کر کے واپس آجاتا۔ گھر میں فضول خرچی پر سب کا دھیان تھا کہ کھانے کی کوئی چیز ضائع نہ ہو جو کچھ میڈیا بتا رہا تھا اسے دیکھ کر سبھی پریشان تھے۔ اگلے کئی ماہ تک لاک ڈاؤن ختم ہونے کے کوئی آثار نہ تھے۔ ایسی سنگین صورتِ حال میں کچھ خدا ترس لوگ ایسے بھی تھے جو دوسروں کا احساس کر رہے تھے۔ ہر کوئی اپنے حساب سے چھوٹے پیمانے پر راشن تقسیم کر رہا تھا۔ حبیب صاحب نے بھی سب گھر والوں کے مشورے سے ایک خطیر رقم سے راشن خریدا، سب افراد نے مل کر پیکٹس بنائے اور پھر انہوں نے جا کر آس پاس کے دیہی علاقوں میں تقسیم کر دیے۔ ان بھائیوں کا اپنا کاروبار اس قدر وسیع تھا کہ وہ کئی سال گھر بیٹھ کر کھا سکتے تھے۔ حبیب صاحب نے اپنے کسی ملازم کو نوکری سے برخاست نہیں کیا بلکہ سب کو ان کی پوری تنخواہیں وقت پر ہر ماہ بینک میں جمع کرواتے رہے۔ تنویر صاحب نے ایک روز کہا۔

''بھائی جان اس وقت بھی کاروبار معطل ہے اور کوئی بھی اپنے اسٹاف کو تنخواہ نہیں دے رہا۔ لوگ اس بات کے لیے ذہنی طور پر تیار ہیں۔ ہمارا کاروبار بھی بند ہے..... پھر ہم سب کو پوری تنخواہیں دے کر اپنا بجٹ تو نہیں بگاڑ رہے؟'' اس پر حبیب صاحب نے ایسی بات کہی کہ وہ لاجواب ہو گئے۔

''میرا ایمان ہے کہ اگر میں صرف اللہ کی رضا کے لیے یہ سوچ کر سب کو گھر بیٹھے ان کی تنخواہ پہنچاؤں گا کہ ان کا چولھا جلتا رہے تو میرا اللہ میرے بند کاروبار کے باوجود میرے رزق میں ایسی برکت ڈالے گا کہ ہم کبھی گمان بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ نے ہمیں اس قابل سمجھا ہے کہ ہمیں لوگوں کے رزق کا وسیلہ بنایا تنویر، ہم پر بہت بڑی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ آج سے پہلے میں بھی اس طرح نہیں سوچتا تھا مگر ان حالات نے میری سوچ کا رخ یکسر بدل دیا ہے۔ میں کبھی بھی بہت دیالو اور سخی مالک نہیں رہا لیکن اب مجھے لگتا ہے اللہ اس وبا کے ذریعے ہمیں کچھ سبق سکھانا چاہتا ہے۔ آئندہ ایسی بات کبھی سوچنا بھی مت۔ بس یہ سوچنا کہ جو آج ایک ایک پائی کو ترس رہے ہیں، کل خدانخواستہ ہم بھی اسی صف میں نہ ہوں۔ میں کوئی درویش نہیں ہوں تنویر، میں بھی ایک عام سا خود غرض انسان ہوں، اپنے آنے والے کل کو بچانا چاہتا ہوں۔'' تنویر صاحب شرمندہ ہو گئے۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی جان۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔''

☆☆☆

شفق اپنے کمرے میں قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی گھوم گھوم کر اپنا جائزہ لے رہی تھی جب ہانیہ نے اندر قدم رکھا۔

''خیر تو ہے، کمر میں کوئی کُب نکل آیا ہے کیا جو یوں مڑ، مڑ کر دیکھے جا رہی ہو، ذرا دھیان سے، کہیں ایسے دیکھنے سے کمر میں چک ہی نہ پڑ جائے۔'' شفق نے برا سا منہ بنا کر اسے گھورا۔

''کبھی تو کوئی ڈھنگ کی بات کر لیا کرو۔'' اتنا کہہ کر پھر سے خود کو دیکھنے کے شغل میں مصروف ہو گئی۔

ہانیہ دھپ سے اس کے بستر پر گری اور سر تا پا اس کا

جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

''تو تم بھی کوئی ڈھنگ کی حرکت کر لیا کرو۔''

ہانیہ کی بات پر شفق جوشیلے انداز میں بولی۔

''ہانی ذرا دیکھو تو.....'' کہہ کر اس نے کمر سے اپنی قمیص کھینچ کر پھیلائی۔ ''میری کمر پر کتنا fat تھا ناں، تم لوگ ہمیشہ میرا مذاق اڑاتے تھے کہ میں سب میں گول مٹول لگتی ہوں۔ اب دیکھو میری کمر کیسی سلم ہو رہی ہے اور قمیص بھی ڈھیلی ہو گئی ہے یہاں سے۔'' اس بات پر ہانیہ نے غور سے جو دیکھا تو اسے واقعی شفق اسمارٹ لگی۔ اس کی آنکھوں میں ستائشی چمک ابھری پھر شرارت سے بولی۔

''ہاں واقعی شفق..... مائے بے بی ایلیفنٹ، سلیماں کی پوچے والی ڈیوٹی سنبھالنے سے تمہاری تو کمر بھی سلیماں جیسی نازک ہو گئی ہے۔'' اور اس موازنے پر شفق نے اسے ایک زوردار دھپ رسید کی۔ ہانیہ کراہ اٹھی۔

''چیپر تو جگا بدمعاش والی ہے، دکھاؤ ذرا پوچا لگا، لگا کر خرم جیسے ڈولے تو نہیں بنا لیے تم نے؟'' وہ اس کا بازو ٹٹولنے لگی تو شفق نے اس کا ہاتھ جھٹکا اور چبا، چبا کر یوں بولی جیسے ہانیہ کو ہی کھا جائے گی۔

''ایکسکیوزمی مس ہانیہ، میرے بھائی نے پوچا لگا، لگا کر ڈولے نہیں بنائے۔'' ہانیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ شفق نے اسے وہیں چھوڑا اور اپنے سلم ہونے کی خوش خبری سب کو سنانے بھاگی۔ ہنستے، ہنستے ہانیہ رکی تو اس کی نظر آئینے میں اپنے وجود پر پڑی۔ وہ پہلے سے ہی اپنی فٹنس کا بہت خیال رکھتی تھی اس لیے اسمارٹ تھی مگر اب جو آئینہ دیکھا تو حیران رہ گئی۔

''قمیص تو میری بھی کچھ ڈھیلی، ڈھیلی لگ رہی ہے۔ تھکن تو بہت ہو جاتی ہے مگر جم کی بھاری فیس کے بغیر یہ فائدہ تو بڑا زبردست نکلا۔'' اب وہ بھی شفق کی طرح گول، گول گھوم کر ہر زاویے سے خود کو دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

عذرا بیگم پلاؤ کا مسالا بھون رہی تھیں، سامعہ بیگم دوسری ہنڈیا کی تیاری میں منیبہ بیگم کی مدد کروا رہی تھیں۔ اب سبھی کو کام کاج کی روٹین کی عادت ہو گئی تھی اس لیے تھکن بھی کم محسوس ہوتی تھی مگر لاک ڈاؤن اور ملکی صورتِ حال کی وجہ سے اب سب طرف اضمحلال پھیلنے لگا تھا۔

''عذرا آپا مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی حالات کب ٹھیک ہوں گے اور میں کب تک یہاں بیٹھی رہوں گی۔ میں تو بری پھنس گئی یہاں۔'' سامعہ بیگم کو اپنے گھر کی فکر ستا رہی تھی۔ اپریل شروع ہو چکا تھا مگر لاک ڈاؤن کھلنے کا کوئی امکان تھا نہ ہی وبا میں کمی آ رہی تھی۔ امریکا میں ان کے شوہر اور بچے بھی گھر میں مقید تھے۔ عام حالات میں تو شادی کے بعد اپریل کے دوسرے ہفتے میں ان کی واپسی کی ٹکٹ بک تھی مگر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ ساری دنیا جہاں تھی وہیں تھم کر رہ گئی۔ عذرا بیگم نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو سامعہ ہم سبھی برے پھنس گئے۔ بچوں کی شادی کی اچھی بھلی تیاری چل رہی تھی وہ معاملہ بھی اٹک گیا۔ اب اگر تم چلی بھی جاؤ تو پھر شادی کے لیے دوبارہ نہیں آ سکو گی۔ نہ جانے حالات آگے کیا کروٹ لیں۔'' حسیب صاحب جو کچن کے ضروری سامان کی خریداری کے لیے گئے ہوئے تھے، اسی وقت اندر داخل ہوئے اور نئی خبر سنائی۔

''سنا ہے کہ گورنمنٹ رمضان کے لیے جزوی طور پر لاک ڈاؤن میں نرمی پیدا کرنے کے بارے میں غور کر رہی ہے۔'' اس خبر پر سامعہ بیگم پُرجوش ہو گئیں۔ سبزیاں وہیں کاؤنٹر پر چھوڑ کر وہ حسیب صاحب کی طرف بڑھیں۔

''تو کیا فلائٹ آپریشن بھی کھل جائے گا؟''

حسیب صاحب نے نفی میں سر ہلایا تو وہ مایوس ہو گئیں۔ سامان عذرا بیگم کو تھما کر وہ وہیں لاؤنج میں ٹی وی لگا کر بیٹھ گئے اور تازہ خبریں دیکھنے لگے۔

''فلائٹس تو ابھی کسی صورت نہیں کھل سکتیں۔ آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں سامعہ بہن، اگر آپ کو یہاں کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتائیے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں، بس

آپ پریشان نہ ہوں۔'' سامعہ بیگم شرمندہ ہوگئیں۔

''ارے نہیں بھائی جان ایسی کوئی بات نہیں، مجھے بھلا یہاں کیا پریشانی ہوسکتی ہے میں تو بہت خوش ہوں بلکہ لاک ڈاؤن میں تو ایک طرح سے فائدہ ہی ہوا ہے کہ سب لوگ مسلسل گھر پر ہیں تو میرا آبھی کے ساتھ اچھا بھرپور وقت گزر رہا ہے۔ ورنہ تو سارا دن بچے گھر ہی نہ ہوتے میں بہنوں کے ساتھ ہی وقت گزارتی اور بچوں کے ساتھ اچھا وقت گزارنے کی حسرت لیے واپس چلی جاتی۔ اس لحاظ سے تو وقت اچھا گزر رہا ہے مگر پیچھے اپنے گھر کی فکر بھی ستا رہی ہے مجھے۔ پھر یہ بھی سوچتی ہوں کہ فلائٹس کھلنے کے بعد تو مجھے فوری طور پر جانا پڑے گا اور پھر ظاہر ہے میں وجیہہ کی شادی کے لیے دوبارہ نہیں آسکوں گی۔ کاش یہ سب نہ ہوتا تو اب شادی کی رونقیں عروج پر ہوتیں۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔'' منیبہ بیگم نے بھی ان کی تائید کی۔ ''اب نہ جانے کب یہ شادی ہوگی۔ ہمارے گھرانے کی پہلی شادی ہے اتنے ارمان تھے اور سب خاک میں مل گئے۔'' خواتین ایک بار پھر یہ غم لے کر بیٹھ گئیں جبکہ دوسری طرف حسیب صاحب کسی گہری سوچ میں گم ہوگئے۔ ان کی باتوں نے ان کے ذہن میں ایک نیا خیال ڈالا اور وہ اسی کے بارے میں سوچتے، سوچتے بھائی شہزاد کے کمرے کی طرف بڑھ گئے تاکہ ان سے مشورہ کر کے اپنی سوچ پر دورائے لی جاسکے۔

☆☆☆

شام کی چائے پر جب سب لوگ اکٹھے ہوئے تو حسیب صاحب نے بم پھوڑا۔

''میں اور شہزاد آج دن بھر ایک ڈسکشن کرتے رہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہم اپنی رائے آپ سب کے سامنے رکھیں تاکہ آپ ہمیں بتاسکیں کہ ہمارا فیصلہ درست ہے یا نہیں۔'' سب سوالیہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

''کہیے ابا، ایسی کیا خاص بات ہے؟'' ہارون نے پہل کی تو وہ مسکرائے اور شہزاد صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

''حالات اور خبروں کے مطابق تو لاک ڈاؤن کئی ماہ تک ختم ہونے کے کوئی امکانات نہیں ہیں۔ رمضان میں بھی یہی حال رہے گا اور اس بار عید بھی اسی ٹینشن میں گزرے گی۔ گھر میں بند، احتیاطوں کے ساتھ۔ بڑی عید تک بھی حالات بہتر ہونے کا کوئی امکان نہیں البتہ گرمی کی شدت ضرور بڑھ جائے گی۔ اس لیے ہم نے ایک فیصلہ کیا ہے کہ ہم گرمی بڑھنے سے پہلے، پہلے سادگی سے ہارون اور وجیہہ کی شادی کر دیں۔'' اس بات پر سب لوگ جھٹکا کھا کر سیدھے ہو بیٹھے اور اپنی اپنی ہانکنے لگے۔ سب سے زیادہ بڑا جھٹکا ہارون اور وجیہہ کو لگا، وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

''کیا..... شادی..... یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ تو ممکن ہی نہیں..... فنکشنز کی اجازت ہی کب ہے..... تیاری ادھوری ہے..... رشتے دار کیسے شریک ہوں گے.....'' سب کے سب اکٹھے شروع ہوگئے۔

''دیکھیں بھئی آپ لوگ جذباتی ہو کر مت سوچیں، تھوڑا تھم جائیں ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں اس وقت یہی بہتر فیصلہ ہے۔'' حسیب صاحب نے کہا تو شاہین بیگم پریشان سی ہوکر بولیں۔

''مگر حسیب صاحب رشتے داروں کا کیا کریں گے فنکشن کی جب اجازت ہی نہیں ہے تو ہم کیسے شادی کرسکتے ہیں؟''

''دیکھو شاہین... یہ ضروری نہیں کہ ہم پوری برادری اور دوست احباب کو شادی میں شامل کریں۔ ہم صرف اپنے بہن بھائیوں کو تقریب میں شامل کر لیتے ہیں، جگہ ہمارے پاس الحمدللہ بہت ہے، بہت اچھا ارینجمنٹ ہوسکتا ہے صرف اپنے گھر والے شامل ہوں اور سادگی سے نکاح و رخصتی ہوجائے۔ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ ویسے بھی ہم نے لاک ڈاؤن میں یہی سبق سیکھا ہے کہ اسلام کے اصول واقعی بہترین ہیں۔ سادگی اور میانہ روی۔'' حسیب صاحب کبھی بھی اپنی

بات ٹھونستے نہیں تھے، سجاؤ سے دلائل کے ساتھ نرمی سے سمجھاتے تھے۔ سب سوچ میں پڑ گئے۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے بھائی جان مگر شادی میں کھانا بھی دینا ہوتا ہے اور کیٹرنگ سروس بند ہے۔ کیا کریں گے ہم؟'' معیز صاحب نے اپنے تئیں اہم نکتہ اٹھایا مگر ان سب عوامل پر وہ دونوں بھائی بہت طویل ڈسکشن کر چکے تھے اس لیے شہزاد صاحب سکون سے بولے۔

''اس کا بھی حل موجود ہے۔ روزانہ ہماری خواتین جہاں چودہ پندرہ افراد کا کھانا بناتی ہیں وہاں تیس پینتیس افراد کا بھی بنا ہی سکتی ہیں۔ پانچ چھ ڈشز بنا لیں تو کم بھی نہیں پڑیں گی۔ انتظام گھر کے لان میں ہوگا، برتن چاروں خواتین مل کر اپنے استعمال کر لیں، سرونگ کا کام ہم مرد سنبھال لیں گے اور مل جل کر باقی سارے انتظامات بھی دیکھ لیں گے۔'' سب ہونق ہو کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ ان دونوں نے تو جیسے ہر مسئلے کا حل پہلے ہی سوچ لیا تھا۔ خرم سب سے پہلے گہری سوچ سے باہر نکلا۔

''مگر تایا جان پھر بھی..... اتنا کشٹ اٹھانے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے، ہم انتظار کر سکتے ہیں۔ ہمیں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ لاک ڈاؤن ابھی نہ سہی کبھی تو کھلے گا ناں، ساری عمر تو یہ حالات نہیں رہیں گے۔ تب ہو جائے گی شادی۔''

''تمہاری بات اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر تم ایک بات بھول رہے ہو۔ ہم انٹر پرینیور ہیں، ہمارا کام بے حد مشکل اور پیچیدہ ہے۔ پھر وجیہہ اور ہارون کا اپنا علیحدہ بزنس ہے اور ان کا بزنس زیادہ ڈیمانڈنگ ہے۔ ان دونوں کے کئی پراجیکٹس التوا میں پڑے ہیں جو لاک ڈاؤن ختم ہوتے ہی پہاڑ بن کر ان کے سروں پر آ گریں گے۔ ہم سب بھی اس قدر بری طرح مصروف ہو جائیں گے کہ پھر شادی جیسے فنکشن کے لیے وقت نہیں نکال پائیں گے۔ پھر تم ان دونوں کا بھی سوچو جن کی شادی ہے۔ ابھی وجیہہ اور ہارون دونوں بالکل فارغ ہیں، ہم سب بھی فارغ ہیں۔ ان دنوں ان کی شادی کرنا بہترین فیصلہ ہوگا۔ اپنی نئی زندگی کی شروعات میں یہ دونوں ایک دوسرے کو کوالٹی ٹائم دے پائیں گے۔ اس کے بعد تو دونوں نے اس بری طرح کھپ جانا ہے کہ پھر ایک دوسرے کی شکل بھی نہیں دیکھ پائیں گے۔ پھر ابھی سامعہ بہن بھی یہاں ہیں۔ خاندان میں ان دنوں سبھی فارغ ہیں۔ میرے خیال سے تو یہ بہترین وقت ہے۔ جب تک لاک ڈاؤن کھلے گا گرمی اس قدر بڑھ چکی ہوگی کہ کسی فنکشن کے نام سے بھی گھبراہٹ ہوگی۔ سردی کا انتظار کافی طویل ہو جائے گا اور سردیوں میں کنسٹرکشن کا کام تو کم ہو جائے گا مگر وجیہہ کے پراجیکٹس بڑھ جائیں گے۔'' ان کے دلائل میں وزن تھا۔ ہارون تو قائل ہو گیا کیونکہ اس کے ذہن میں ان تمام پراجیکٹس کی فہرست گھوم رہی تھی جو لاک ڈاؤن کی وجہ سے رک گئے تھے۔ البتہ وجیہہ ٹھہری صنفِ نازک، اس کے اپنے ہی جذبات و مسائل تھے۔ اس وقت وہ ایک بزنس وومن کے بجائے ایک دلہن بن کر سوچ رہی تھی۔

''مگر بڑے بابا میری کوئی تیاری نہیں ہوئی، میرے ڈریسز ڈیزائنر کے پاس ادھورے پڑے ہیں، ان کا کیا ہوگا، میں اپنی شادی پر پہنوں گی کیا، جیولری کہاں سے آئے گی میک اپ کہاں سے ہوگا؟'' اس کے زنانہ مسائل پر حسیب صاحب نے کندھے اچکائے اور بولے۔

''اب اس بارے میں، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ آپ لوگوں کے پاس دو دن ہیں، اچھی طرح سوچ لیں اور یہ زنانہ فیصلے بھی کر لیں، اس کے بعد بات کریں گے کہ کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ اٹھ گئے اور ان کے ساتھ ہی سب مرد اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب لان میں صرف خواتین رہ گئیں جو سر جوڑ کر بیٹھ گئیں کہ اس فیصلے کا کیا کیا جائے۔ وجیہہ اٹھ کر شاہین بیگم کے پہلو میں جا بیٹھی۔

''بڑی ماما پلیز، بڑے بابا کو سمجھائیں میرا بڑا دن ہے یہ، میں ایسے کیسے کچھ بھی پہن لوں۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں کسی اور کے فنکشن کے لیے بھی اپنی

ڈریسنگ پر کوئی کمپرومائز نہیں کرتی پھر یہ تو میرا فنکشن ہوگا میری شادی کا فنکشن اور شادی بار، بار نہیں ہوتی۔ پلیز میں ایسے کمپرومائز نہیں کرسکتی۔ شادی کو اس سال کے آخر تک ٹال دیں۔'' ہر معاملے میں انتہائی حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرنے والی انتہائی... سمجھدار وجیہہ ڈریسنگ کے معاملے میں بالکل جذباتی ہو جاتی تھی۔ شاہین اور عذرا بیگم نے بیچارگی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''بیٹا کہتی تو تم ٹھیک ہو مگر باقی حقائق اور مسائل کو اگر دیکھا جائے تو حسیب صاحب کا مؤقف بھی درست لگ رہا ہے۔ لاک ڈاؤن ختم ہونا جہاں آسانیاں لائے گا وہیں بہت سے مسائل بھی لائے گا۔ کام کا بوجھ واقعی بہت بڑھ جائے گا۔ پھر تمہاری خالہ جو اتنی دور سے صرف تمہاری شادی کے لیے لاکھوں روپیہ خرچ کرکے آئی ہیں ان کے ارمان بھی ادھورے رہ جائیں گے۔ تم جانتی ہو نا ان کی جان ہے تم میں۔'' شاہین بیگم نے کبھی اس سے تائی یا ساس کی حیثیت سے بات نہیں کی تھی، وہ اسے بے حد چاہتی تھیں اور حقیقی معنوں میں انہوں نے ہی اسے پالا تھا کیونکہ اس کی پیدائش کے بعد عذرا کافی بیمار ہوگئی تھیں، ایسے میں انہوں نے وجیہہ کو پال کر اپنی محرومی کو دور کرنے کی ایک کوشش کی تھی جو اولاد کے دل میں بیٹی کی کمی کی وجہ سے سر اٹھاتی تھی۔ بس تب ہی انہوں نے دل میں یہ تہیہ کرلیا تھا کہ وہ وجیہہ کو ہی اپنی بہو بنائیں گی مگر اس بات کا اظہار انہوں نے کسی کے سامنے کبھی نہیں کیا تھا کیونکہ وہ نہیں جانتی تھیں کہ برسوں بعد جب بچے جوان ہوں گے تو ان کی ترجیحات اور پسند ناپسند کیا ہوں گی۔ بچے جوان ہوئے تو ان کی پسند ناپسند بھی واضح ہوگئی اور یوں انہوں نے زبانی طور پر بات پکی کرلی۔ اب عذرا بیگم تو اس سے پھر بھی کبھی سختی سے پیش آجاتی تھیں مگر شاہین بیگم نہ تو کبھی اسے غصہ کرتیں نہ ہی کبھی انہیں اس کی کوئی بات یا عادت بری لگتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ باقی سب بچوں کی طرح وہ انہیں تایا تائی کے بجائے بڑی ماما اور بڑے بابا ہی بلاتی تھی۔

''ابھی دو دن ہیں بیٹا، تم بھی اچھی طرح سوچ لو، ہم بھی سوچ لیتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں کیا راہ نکلتی ہے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اس بارے میں تم ہارون سے مشورہ کرو اور مل بیٹھ کر طے کرو۔ آخر شادی تو تم دونوں کی ہے ناں... پھر جو تم دونوں کا مشترکہ فیصلہ ہوا ہم اس کا ساتھ دیں گے۔'' شاہین بیگم نے ہمیشہ کی طرح اس کے لیے آسانی کی راہ نکالی اور وہ تشکر سے ان کا ہاتھ چوم کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔ ہارون نے واقعی اس معاملے پر اپنی کوئی رائے نہیں دی تھی، شاید وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ وجیہہ اس سے آکر بات کرے۔ وہ اس کے پورشن میں داخل ہوئی تو وہ اسے نیچے ہی اسٹڈی میں مل گیا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا اور صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔

''میں جانتا تھا تم آؤ گی بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ میں تمہارا ہی انتظار کررہا تھا۔'' وہ مسکرا دی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

''تمہید نہیں باندھوں گی۔ آپ اپنی رائے دیں آپ کیا کہتے ہیں بڑے بابا کے فیصلے کے حوالے سے۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب سامنے میز پر رکھی اور دو ٹوک انداز میں بولا۔

''دیکھو وجیہہ مجھے تو بابا کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں۔'' وجیہہ کا رنگ اڑتا ہارون نے صاف محسوس کیا۔ ''ان کی تمام تو جیہات حقائق پر مبنی ہیں، تم جانتی ہو ناں کہ لاک ڈاؤن سے پہلے ہم کن پراجیکٹس پر کام کررہے تھے..... ایف ٹین کا ریسٹورنٹ، ای الیون کا وہ وسیع و عریض پارلر، نئی ہاؤسنگ سوسائٹی کا آفس... اور بحریہ ٹاؤن کا کیفے۔ ریسٹورنٹ اور پارلر کے مالکان کتنے بچی ہیں اپنے کام کے بارے میں لاک ڈاؤن ختم ہوتے ہی ان پراجیکٹس کے ساتھ ساتھ نہ جانے کتنے نئے پراجیکٹ بھی آجانے ہیں اور ہم انکار بھی صرف ایک حد تک ہی کرسکتے ہیں۔ ایسے میں ہم شادی میں مصروف ہوگئے تو وہاں وقت نہیں دے پائیں گے اور

کلائنٹ کی ناراضی کا مطلب تم جانتی ہو وجیہہ، برانڈ بنانا آسان ہوتا ہے مگر اسے بلندی پر لے جا کر ساکھ برقرار رکھنا انتہائی مشکل۔ بابا بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، لاک ڈاؤن میں شادی کر لینا بہترین فیصلہ ثابت ہوگا۔ ہم اپنے نئے رشتے کو اچھے سے محسوس کر سکیں گے، برت سکیں گے ایک دوسرے کے ساتھ کوالٹی ٹائم گزار سکیں گے۔ اب تم بتاؤ تمہیں ڈریسنگ کے علاوہ کیا چیز پریشان کر رہی ہے۔'' وجیہہ ایک لمحے کو چپ ہی رہ گئی۔ ہارون کے سامنے ڈریسز کی بات کرنا اسے بچکانہ سا لگا مگر کہنا تو تھا۔

''مجھے بس یہی پریشانی ہے کہ جتنی تیاریاں ادھوری رہ گئیں ان کے بغیر شادی کیسی لگے گی روکھی پھیکی سی.....'' اسے خود احساس تھا کہ اس کی بات بے وزن ہے اور لہجہ کھوکھلا۔

''کیا ان ڈریسز اور رسومات کے بغیر شادی ممکن نہیں؟'' وہ سٹپٹا گئی۔

''ممکن ہے، بالکل ممکن ہے مگر ہر انسان کے کچھ خواب ہوتے ہیں.....'' وہ آگے بول نہیں پائی۔

''اور ہر خواب پورا ہونے کے لیے نہیں ہوتا.....'' ہارون نے اس کی بات میں ٹکڑا جوڑا تو وہ لاجواب ہو گئی۔ وہ مزید بولا۔

''دیکھو وجیہہ یہ خواب، ارمان اور خواہشات..... یہ کچھ نہیں ہوتے، جب انسان کو حقائق کے تھپیڑوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ان خوابوں کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ اچھا چلو چھوڑو ہم مشکل باتیں نہیں کرتے سمپل بات کرتے ہیں۔ تم نے جو بھی ڈریسنگ کرنی ہے میرے لیے کرنی ہے، تم مجھے خوب صورت لگنا چاہتی ہو، ہے ناں؟'' ہارون کے سوال پر وہ صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

''تو بس پھر مسئلہ ہی ختم۔ مجھے تو تم ان سادہ لان کے کپڑوں میں بھی اچھی لگ رہی ہو۔ میں چاہوں تو ابھی نکاح خواں کو بلاؤں اور نکاح پڑھوا لوں۔ نکاح ہو جائے گا ناں؟ تم اقرار کر لو گی ناں؟'' وہ جھینپ گئی۔

''یہ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں آپ؟'' وہ اٹھ کر جانے لگی تو ہارون نے اس کا ہاتھ تھام کر واپس بٹھا دیا اور سنجیدگی سے بولا۔

''دیکھو وجیہہ چیزوں کے لیے اتنا اپ سیٹ نہیں ہونا چاہیے۔ آن لائن سروسز اب بھی موجود ہیں، تم کسی بھی برائڈل ڈیزائنر سے ڈریس پسند کر کے آن لائن آرڈر کر دو، جیولری میک اپ جوتے سب کچھ آن لائن منگوا لو۔ بلکہ ایسا کرتے ہیں میں خود کوئی ڈریس پسند کر لیتا ہوں۔ تم میری دلہن بنو گی ناں تو اگر ڈریس بھی میری مرضی کا پہنو گی تو مجھے اچھا لگے گا۔ پھر بھی اگر تمہیں تسلی نہ ہوئی تو میں تم سے ایک وعدہ کرتا ہوں۔ لاک ڈاؤن ختم ہوتے ہی ہم ایک گرینڈ ریسیپشن دے دیں گے، ابھی ہم جن احباب کو بلا نہیں سکتے ان سب کو اس تقریب میں بلا لیں گے اور تم بھی اپنے بقیہ ارمان پورے کر لینا۔'' وجیہہ مسکرا دی۔ اور یوں گھر میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ اب وجیہہ سارا دن آن لائن ڈریسز دیکھتی، ہارون کو دکھاتی مگر کسی ایک ڈریس پر دونوں کا اتفاق نہ ہو پاتا۔ وہ ہارون کی سب باتیں مان سکتی تھی مگر ڈریس کے معاملے میں وہ پھر اپنی مرضی کرنے لگتی۔

ایک دن ایک عجیب سی بات ہوئی۔ وہ یونہی آن لائن ڈریسز چیک کر رہی تھی جب ایک خبر اس کی نظر سے گزری۔ ایک مشہور اداکارہ نے لاک ڈاؤن میں انتہائی سادگی سے صرف گھر کے افراد کی موجودگی میں گھر کے اندر نکاح کروایا اور اسی سادگی سے رخصتی اور ولیمہ بھی ہوا۔ سوشل میڈیا پر اس اداکارہ کی تصاویر وائرل تھیں اور سب اس کے اقدام کو سراہ رہے تھے۔ حیران کن بات یہ تھی کہ ایک سے ایک بڑا اور مہنگا برانڈ پہننے والی اس اداکارہ نے شادی پر اپنی ماں کا عروسی لباس پہنا اور وہ لباس اس کی سادگی سے کیے نکاح سے زیادہ وائرل ہو گیا۔ وہ سب بھی اسی اداکارہ کو ڈسکس کر رہے تھے جب شفق نے کہا۔

''وجیہہ تم بھی اپنی ماما کا ویڈنگ ڈریس پہن لو

نان..... آج کل تو ویسے بھی ایک اداکارہ کے بعد یہ ٹرینڈ چل پڑا ہے کہ سب اپنی اپنی ماؤں کے ویڈنگ ڈریس پہن کر شہرت سمیٹ رہی ہیں۔ اسی وجہ سے اولڈ فیشن برائڈل ڈریسز پھر سے فیشن میں ان ہو گئے ہیں۔'' اس بات پر وجیہہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس کی بات میں وزن تھا۔ اس بات پر تو بڑوں نے بھی حمایت کی۔

''آئیڈیا تو زبردست ہے شفق.....'' شاہین بیگم بولیں ''پھر کیا خیال ہے عذرا تم بھی اپنے ڈریسز نکالو میں بھی نکالتی ہوں۔ جو وجیہہ کو پسند آئے وہ پہن لے۔ اچھا ٹرینڈ سیٹ ہو جائے گا۔'' یوں مذاق مذاق میں ہوئی بات سنجیدہ ہو گئی اور دونوں خواتین اپنے برائڈل ڈریسز نکالنے کے لیے اسٹور روم میں گھس کر پیٹیاں کھنگالنے لگیں۔ پھر برائڈل ڈریسز کے ساتھ ساتھ مزید جو جو شاہکار ان پیٹیوں میں سے نکلے انہیں دیکھ کر سبھی انگشت بدنداں رہ گئے۔

''سچی بات ہے تائی امی جو کپڑا آپ کے وقتوں میں ملا کرتا تھا وہ بات اب نہیں ہے۔ پلیز آپ اپنے سارے ڈریسز نکالیں میں بھی اپنے لیے انہی میں سے سلیکٹ کروں گی اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو.....'' شفق نے کہا تو شاہین بیگم نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''ارے ہاں، ہاں کیوں نہیں تمہیں جو چاہیے ہو تم اٹھا لو۔ چلو ایسا کرو لڑکوں کو بلاؤ یہ پیٹیاں اٹھا کر لاؤنج میں رکھیں تسلی سے بیٹھ کر سب دیکھتے ہیں یہاں تو بہت گرمی ہے۔'' ان کا ایک بہت بڑا مشترکہ اسٹور تھا جس میں ان سب کا پرانا سامان رکھا ہوا تھا۔ وہیں منیبہ اور نزہت بیگم کے ٹرنک بھی دھرے تھے۔ وہ بھی اپنے، اپنے پرانے جہیز و بری کے ملبوسات نکال لائیں اور جیسے لاؤنج میں رنگوں کی بارات اتر آئی۔ وجیہہ، ہانیہ اور شفق تینوں چہک رہی تھیں اور ایک، ایک لباس اٹھا، اٹھا کر اپنے ساتھ لگا کر دیکھ رہی تھیں۔ وجیہہ کو شاہین بیگم نے اپنے پاس بٹھا لیا اور اپنے سب ملبوسات اس کے آگے ڈھیر کر دیے جو وہ بے حد شوق سے دیکھنے لگی۔

شادی مبارک

ریما مستجاب اپنے ہم سفر مستجاب احمد کے ہمراہ کینیڈا میں اپنی شادی کی سلور جوبلی کے موقع پر

اسما ناصر، کراچی میں اپنی شادی کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر اپنے شریکِ حیات ناصر انور کے ہمراہ (ماشاءاللہ)

''ویسے بڑی ماما، ایک بات تو ماننی پڑے گی کہ اس زمانے میں بھی آپ لوگوں کا ذوق اس قدر اعلیٰ تھا کہ یہ ڈریسز آج بھی کسی جدید فیشن کے ڈریس کا مقابلہ کرتے ہیں۔'' اس کی تعریف پر شاہین بیگم کا سیروں خون بڑھ گیا۔ وہ مزید بولی۔ ''ماما..... اور بڑی ماما..... میرے لیے تو فیصلہ کرنا مزید مشکل ہو گیا ہے بھئی، آپ دونوں کے سب برائڈل ڈریسز اس قدر حسین ہیں کہ مجھ سے چناؤ نہیں ہو رہا۔'' اسے واقعی توقع نہیں تھی کہ دو تین دہائی پرانے کپڑوں میں ایسے شاہکار بھی نکل سکتے ہیں۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے ہمارے قدیم ڈریسز پہننے کا فیصلہ تو کر لیا ہے.....'' عذرا بیگم نے بیٹی کو جانچتی نظروں سے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

''جی ماما یہ فیصلہ تو ڈن ہے مگر اب ان میں سے کس کا جوڑا پہنوں سارے تو نہیں پہن سکتی ناں میری مدد کریں کہ مہندی بارات ولیمہ تینوں فنکشنز کے لیے میں کس کا جوڑا اٹھاؤں، اپنی ماما کا یا بڑی ماما کا۔ چلو لڑکیو تم لوگ رائے دو۔'' اس نے ہانیہ اور شفق سے رائے مانگی تو شفق چہک کر بولی۔

''ارے بھئی ہم کیا بتائیں، یہ مشورہ تو آپ اپنے مسٹر رائٹ سے مانگیں، آخر دلہن تو آپ انہی کی بنیں گی ناں میڈم۔'' اس بات پر ہانیہ اچھلی۔

''بالکل ٹھیک کہا، میں ابھی ہارون بھائی کو بلا کر لاتی ہوں۔'' وہ اٹھی اور باہر کی جانب لپکی، پیچھے وجیہہ اسے روکتی ہی رہ گئی۔

''ارے بیٹا ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے وہ، اچھا ہے ہارون ایک فائنل سلیکشن کر لے ورنہ تو ہم لوگ بھی کنفیوز ہی ہو گئے ہیں، کیوں عذرا.....'' شاہین بیگم نے دیورانی سے پوچھا تو وہ بھی ہنس پڑیں۔ نزہت بیگم اپنے نکاح کا جوڑا تھامے بیٹھی تھیں۔ شفق ان کے پاس ہی بیٹھی ان کی بڑی کے کپڑے دیکھ رہی تھی کہ انہوں نے اپنے نکاح کے جوڑے کا دوپٹا کھول کر اچانک سے شفق کے سر پر ڈال دیا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ اس حرکت پر باقی خواتین نے بھی ان دونوں کی طرف دیکھا تو نزہت بیگم بولیں۔

''بھئی میرے نکاح کا دوپٹا تو شفق پر جچ گیا ہے، منیبہ بھابی، بس اب یہ میری ہوئی۔'' منیبہ بیگم ہونق ہو گئیں اور شفق کے چہرے پر اصلی شفق پھوٹ پڑی۔ سامعہ بیگم نے سب سے پہلے بات کو سمجھا اور شور مچا دیا۔

''ارے بھئی واہ بھئی واہ، مبارک ہو منیبہ بہن، کیا اچھا شگون ہے، ایک شادی کی خوشیوں میں دوسری خوشی کی بات۔ میں تو کہتی ہوں وجیہہ کی تقریب کے ساتھ ہی نزہت بہن آپ بھی اپنے حیدر کے سر پر سہرا سجا لیں۔'' جانتے تو سبھی تھے کہ یہ رشتے اسی ترتیب سے ہونے ہیں مگر واضح طور پر طے نہیں ہوئے تھے۔ منیبہ بیگم دھیمی مسکراہٹ چہرے پر سجائے بیٹی کو دیکھنے لگیں جو سر جھکائے لب سیئے بیٹھی تھی۔ سبھی جانتے تھے کہ حیدر کو شفق اور شفق کو حیدر بے حد پسند ہیں۔ ٹھیک اسی طرح خرم اور ہانیہ بھی ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ اسی وقت ہارون کے ساتھ ہانیہ اندر داخل ہوئی اور ماحول میں چھائی انوکھی سی خوشی دیکھ کر ٹھٹکی، شفق کا جھکا سر اور سر پر ٹکا اپنی ماں کا دوپٹا دیکھا تو سب سمجھ گئی۔

''ارے ارے ارے یہ کیا ہو رہا ہے یہاں بھئی ماما جانی.....'' نزہت بیگم مسکرائیں اور شفق کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

''ہم نے شفق کو تمہاری بھابی بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے بھئی، اب سے تم پر اس کی عزت فرض ہے۔'' ہانیہ یہ سن کر بے ہوش ہونے کی ناکام اداکاری کرنے لگی اور دھپ سے شفق کے برابر صوفے پر خود کو گرا لیا۔

''اُف ہائے میرے اللہ یہ میں کیا سن رہی ہوں، میرے اکلوتے لاڈلے ہینڈسم اسمارٹ بھائی کے لیے یہ بے بی ایلیفنٹ شفق ہی رہ گئی تھی ماما جانی یہ آپ نے کیسا ظلم ڈھایا میرے معصوم بھائی پر، حیدر..... ارے او حیدر.....'' وہ پرانے زمانے کی ہیروئنوں کی طرح دہائیاں دیتی ایک کونے سے دوسرے کونے تک چکر کاٹنے لگی تو سب کے قہقہے بلند ہو گئے۔ ہارون نے اس

کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا اور ایک چپت رسید کی۔ پھر منیبہ بیگم کی طرف دیکھ کر بولا۔

''چچی جان، دیکھ رہی ہیں آپ یہ آپ کی لاڈلی بیٹی کی کس طرح انسلٹ کر رہی ہے۔ آپ بھی شفقت کو یہ موقع عنایت کریں کہ وہ بھی اپنے اکلوتے لاڈلے ہینڈسم اسمارٹ بھائی کی قسمت پر آنسو بہا، بہا کر دہائیاں دے سکے۔'' ہارون کا یہ بات کہنا تھا اور ہانیہ کا رنگ ہوا فق..... منیبہ بیگم نے اپنے نکاح کا دوپٹا اٹھایا اور آگے بڑھ کر ہانیہ کے سر پر ڈال دیا۔ ہانیہ کا سر بھی میکانکی انداز میں جھک گیا جیسے چابی والی گڑیا کی چابی ختم ہوگئی ہو۔ ہارون نے پکڑ کر اسے صوفے پر بٹھا دیا۔

''بالکل ٹھیک کہا ہارون نے..... تو بھئی نزہت، ہم تو بیٹی کے بدلے بیٹی لیں گے، بولو منظور ہے؟'' منیبہ بیگم نے کہا تو سامعہ بیگم نے لقمہ دیا۔

''ارے رے وٹہ سٹہ..... توبہ توبہ بھئی ہم تو نہیں مانیں گے۔'' ان کے انداز پر سبھی ہنس پڑے۔ منیبہ بیگم مان سے بولیں۔

''ہماری بیٹیاں وٹہ نہیں ہیں بھئی پھول ہیں ہمارے آنگن کے۔ ہماری نظروں کے سامنے رہیں گی اور ہمیں کیا چاہیے بھلا۔ کیوں نزہت؟'' ان کی بات پر نزہت بیگم نے اٹھ کر انہیں گلے لگایا اور بولیں۔

''بالکل بھابی ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ مجھے تو لگ رہا ہے کہ ہارون اور وجیہہ کی شادی اس گھر کے لیے بابرکت ثابت ہوئی ہے، ہمارے سارے بچوں کی نسبتیں آج ہی طے ہوگئیں۔'' اسی وقت خرم اور حیدر نے اندر قدم رکھا اور اندر کی بات جان کر دونوں نے ناچنا شروع کر دیا۔

''بھنگڑا تو بنتا ہے ناں ہارون بھائی۔ آیئے آپ بھی۔'' اور پھر جو تینوں لڑکوں نے مل کر بنا موسیقی کے بھنگڑا ڈالا، ہنس ہنس کر سب خواتین کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ سامعہ بیگم کچن سے آٹے کا تسلہ اٹھا لائیں اور اسے ڈھولکی کی طرح بجانے لگیں تو لڑکوں کا بھنگڑا زور پکڑ گیا۔ اسی وقت مرد حضرات بھی اندر آئے اور اس رونق کا حصہ بن گئے۔ خواتین کی بات مردوں کو بتائی گئی تو حسیب صاحب بولے۔

''بھئی پھر کیا خیال ہے اسی قرنطینہ میں ہم اپنی ساری اولادوں کی شادیاں اکٹھی ہی نہ کر لیں؟'' ان کی اس بات پر حیدر نے بھنگڑا ڈالنے کے انداز میں ہاتھ اٹھائے تو ہارون نے اسے ایک زوردار دھپ رسید کی اور بولا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں بابا، اب یہ دونوں اپنی ہی شادیوں پر مہمانوں کے آگے کھانا سرو کرتے کوئی اچھے لگیں گے۔'' ہارون کا مذاق سمجھ کر خرم نے چہرے کے زاویے بگاڑے اور بولا۔

''جی، جی تایا جان ہارون بھائی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ بھئی پہلے ان کی شادی کروائیں تاکہ جب ہماری شادیاں ہوں تو مہمانوں کے آگے کھانا سرو کرنے کے لیے ہارون بھائی موجود تو ہوں ناں۔'' اس بات پر پھر سے سب کا قہقہہ ابل پڑا۔ اتنے میں شاہین بیگم بولیں۔

''بھئی آپ لوگ اپنی، اپنی شادیاں اور رشتے ذرا دیر کو روک دیں۔ ہمارا مسئلہ تو دھرا کا دھرا رہ گیا۔ ہم نے ہارون کو برائڈل ڈریسز سلیکٹ کرنے کے لیے بلوایا تھا جو کھٹائی میں ہی پڑ گیا۔'' انہوں نے اپنے اور عذرا بیگم کے عروسی ملبوسات ہارون کے آگے پھیلائے تو اس نے چند ملبوسات الگ کر دیے۔

''میرا خیال ہے کہ جب سب کچھ سادگی سے ہی ہونا ہے تو فالتو رسومات کو بھی نکال دینا چاہیے۔ دنیا دکھ اور غم میں مبتلا ہے اور ایسے میں ہم یوں اپنی خوشیوں کا ڈھول پیٹنے اچھے نہیں لگیں گے۔ خوشی کا موقع ہے مگر ہمیں دکھی لوگوں کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے صرف دو ہی فنکشن ہوں گے، نکاح اور ولیمہ۔ ہماری شادی کے لیے جتنے اخراجات کا تخمینہ ہم نے مل کر لگایا تھا وہ ساری رقم میں راشن پیکٹس بنانے پر خرچ کر رہا ہوں۔ امید ہے آپ میں سے کسی کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ یہ دو جوڑے، نکاح پر چچی جان کا جوڑا اور

ولیمے پر ماما کا جوڑا و جیہہ کے لیے الگ کرلیں، ان کے ساتھ کی میچنگ جیولری بھی نکال لیں اور تیاری شروع کریں۔'' اس بات پر شہزاد صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ہارون کی پیٹھ تھپتھپائی۔

''پراؤڈ آف یو مائے سن۔ تم نے بہترین فیصلے کیے ہیں۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ راشن کب تقسیم کرنا ہے؟ ہمیں ساتھ شامل کرنا ہم سب بھی اپنا، اپنا حصہ ڈالیں گے۔''

''تھینکس چاچو آپ نے میرا مان بڑھا دیا۔ میں چاہتا ہوں مہندی کی فضول رسم کے بجائے ہم راشن کی تقسیم کی رسم ادا کریں۔ اس سے پہلے تک ہم سب بھی غفلت میں پڑے تھے لیکن جو حال میں لوگوں کا دیکھ رہا ہوں اس کے بعد یقین کریں میں کئی راتیں ٹھیک سے سو نہیں پایا۔ آپ نے دیکھا کہ جب تک ملازمین تھے ہمارا اپنا کھانے پینے کا کس قدر کھلا خرچہ ہوتا تھا اور کتنا کھانا ضائع بھی ہو جاتا تھا۔ خود محنت کر کے پکانا پڑا تو ہمیں احساس ہوا کہ ہم کیا، کیا اسراف کر رہے ہیں۔ اب میں دیکھ رہا ہوں کہ قرنطینہ کے باعث لوگوں کی نوکریاں ختم ہو گئیں کاروبار بند ہو گئے اور سب سے زیادہ کرائسز میں وہ طبقہ ہے جو ریڑھی لگاتا ہے یا مزدوری ہے، جو روز کما کر روز کھاتا ہے۔ بری، جہیز، گھر کی رینوویشن، فنکشنز کی کیٹرنگ، رسومات، پارلر اور ڈریسز کے نام پر دونوں گھروں کا لاکھوں کا خرچہ ہونا تھا جو اب نہیں ہوگا۔ میں نے ان تمام اخراجات کی ایک لسٹ بنائی اور اس کا تخمینہ نکال کر رقم الگ کر دی ہے۔ اب تک تو ہم نے محدود تعداد میں راشن پیکٹس بنائے تھے مگر اب میں چاہتا ہوں اس بار ہم ہر پیکٹ میں کچھ رقم بھی ڈال دیں کیونکہ خوراک کے علاوہ بھی ہزاروں اخراجات ہوتے ہیں جو ہر بندہ خود ہی سمجھ سکتا ہے۔ کئی لوگ اپنے گھروں یا دکانوں کا کرایہ نہیں دے پائے، کئی لوگ بچوں کے اسکول کی فیس نہیں دے پائے۔ کل میں جا کر راشن اٹھاؤں گا اور اپنے اس پلان کے مطابق ایک مخصوص رقم کے لفافے بنا کر پرسوں تقسیم کا کام شروع کر دوں گا۔''

''ہم آپ کے ساتھ ہیں ہارون بھائی۔ کچھ شیئر ہم بھی ڈالیں گے اس کام میں۔'' خرم اور حیدر نے اپنی طرف سے یقین دہانی کروائی اور ہارون مسکرا دیا۔

''یہ قرنطینہ کی سب سے حسین شادی ہوگی۔ اللہ اس کارِ خیر اور اس خوب صورت سوچ کے صدقے تم دونوں کی نئی زندگی میں خوشیاں بھر دے۔'' سامعہ بیگم نے رقت آمیز لہجے میں کہا تو سب نے بلند آواز میں آمین کہا۔

☆☆☆

''بڑی ماما، سب کچھ طے ہو گیا مگر ایک چیز تو رہ ہی گئی اور وہ بہت اہم ہے۔'' وجیہہ پریشان سی ایک بار پھر اپنی تائی کے سر پر سوار تھی۔

''میں شادی پر تیار کہاں سے ہوں گی پارلر جو بند ہیں.....'' اس سوال پر تو ان کی بھی سٹی گم ہو گئی۔ وہ جس پارلر کی ریگولر کسٹمر تھی وہاں سے بیوٹیشن کو گھر بھی بلوا سکتی تھی مگر احتیاط بھی از حد ضروری تھی۔ وہ سب تو اپنے ٹیسٹس کروا کر گھروں میں بند بیٹھے احتیاط کر رہے تھے مگر باہر کے کسی بھی فرد کی بے احتیاطی سے کوئی مسئلہ ہو جاتا تو کیا ہوتا۔ اپنے موبائل پر مصروف شفق نے چٹکی بجائی۔

''انٹرنیٹ کے دور میں یہ بھی بھلا کوئی پریشانی والی بات ہے۔ میں ہوں ناں..... میں کروں گی تمہیں تیار۔'' اس کی فراخ دلانہ آفر پر وجیہہ نے اسے بری طرح گھورا اور چبا، چبا کر بولی۔

''تم..... یعنی کہ تم مجھے تیار کرو گی۔ تمہیں برائڈل میک اپ آتا ہے کیا؟''

''یوٹیوب زندہ باد.....'' اس نے نعرہ لگایا تو وجیہہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''کیا مطلب یوٹیوب.....؟'' وہ مشکوک نگاہوں سے اسے گھورنے لگی تو شفق نے اپنا موبائل لہرایا۔

''بھئی دیکھو آج کل یوٹیوب پر ہر چیز کے ٹیوٹوریلز دستیاب ہیں۔ برائڈل میک اپ کا ایک ٹیوٹوریل نکالیں گے اور اس کے حساب سے تمہیں تیار کر دیں گے۔ میک اپ کی ایکسٹس تو ہمیں بھی آتی ہیں

آخر پارٹی میک اپ تو ہم اپنا خود ہی کرتے ہیں اور کسی بھی بیوٹیشن سے اچھا ہی کرتے ہیں۔'' وجیہہ سوچ میں پڑ گئی۔ شفق کی بات ٹھیک تھی، وہ واقعی یوٹیوب پر میک اپ کے ٹیوٹوریلز سے بہت کچھ سیکھ گئی تھی اور ہانیہ سمیت گھر کی خواتین بھی تقاریب پر اپنا میک اپ اسی سے کرواتی تھیں۔ اس کے پاس میک اپ کے سامان میں ہر ضروری شے اور ہر طرح کا شیڈ موجود تھا۔ وہ اور ہانیہ میک اپ کی رسیا تھیں اسی لیے کوئی نیا پراڈکٹ مارکیٹ میں آتے ہی ان کی میک اپ کی پٹاری کا حصہ بن جاتا تھا۔ اس حوالے سے تو کوئی پریشانی نہیں تھی۔

''شفق بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹا۔ یہی مناسب ہے۔ تم ٹھہرو، میں ذرا ان برائڈل ڈریسز کے ساتھ کی جیولری نکال لاؤں۔'' شفق تو جھٹ سے اپنے فون پر ٹیوٹوریلز نکال کر اسے دکھانے لگی۔ ہانیہ بھی وہیں آ گئی اور پھر محفل جم گئی۔ برائڈل میک اپ کے ساتھ، ساتھ برائڈل سروسز اور فیشل وغیرہ کی بھی وڈیوز نکالی گئیں اور شفق سب ڈاؤن لوڈ کرتی رہی۔ وجیہہ کو اس پر اتنا اعتماد تو تھا ہی کہ وہ اسے اچھا تیار کر دے گی۔ اتنے میں شاہین بیگم افتاں و خیزاں اندر داخل ہوئیں، ان کے ہاتھوں میں تین چار بڑے، بڑے جیولری باکس تھے۔

''ارے شفق بیٹا، اپنے یوٹیوب پر کوئی اس زیور کو صاف کر کے چمکانے کے لیے بھی ٹیوٹوریل ڈھونڈو، یہ سب تو میلے ہو رہے ہیں۔'' شفق کھلکھلا کر ہنسی اور چٹکی بجاتے ہوئے بولی۔

''ارے تائی جان آپ فکر ہی نہ کریں، ابھی نکالتی ہوں وڈیوز، آپ یہ زیور میرے حوالے کریں میں ایسے چمکا کر لاؤں گی کہ سب دنگ رہ جائیں گے۔'' پھر واقعی شفق نے زیورات کو ایسے چمکایا کہ کیا کوئی جیولر پالش کرتا ہوگا۔ شاہین بیگم تو اش اش کر اٹھیں۔

''واہ رے یوٹیوب تیری کرامات۔'' سبھی قائل ہو گئے۔

''اور مجھے مہندی کون لگائے گا یار..... وہ تو یو ٹیوب سے نہیں سیکھی جا سکتی کیونکہ اس کام کے لیے مہارت اور صفائی ضروری ہے۔ یہ کام تو تم دونوں کے نہیں آتا۔ اب بتاؤ اس کا حل۔'' وجیہہ نے ایک نیا پوائنٹ اٹھایا تو سب سوچ میں گم ہو گئے۔ پھر اس مسئلے کا حل ہانیہ نے نکالا۔

''میں اپنی دوست ہما کو بلا لوں گی، اس کی مہندی تو تمہیں بھی بہت پسند ہے۔ آج کل وہ بھی فارغ ہے، آ جائے گی۔'' یوں یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔

☆☆☆

''بڑی ماما.....'' اگلے دن وجیہہ پھر روہانسی صورت لیے ان کے پاس آئی۔ وہ جو کھانا بنا کر تھوڑا دم لینے کو لاؤنج میں آ کر بیٹھی تھیں، اس کی شکل دیکھ کر پریشان ہو اٹھیں۔ عذرا بیگم کو غصہ آ گیا۔

''یہ کیا تم ہر وقت بھابی کے سر پر سوار رہتی ہو، مت پریشان کرو انہیں، جاؤ یہاں سے۔'' انہوں نے اسے اٹھانا چاہا تو شاہین بیگم نے تنبیہہ کرتی نظروں سے انہیں دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔

''میں بالکل پریشان نہیں ہوتی اپنی بیٹی کے مسائل حل کر کے۔ تم ہم دونوں کے بیچ میں نہ آیا کرو۔'' پھر وہ وجیہہ کی طرف مڑیں۔

''بڑی ماما صدقے، میرا بچہ کیا ہوا کیوں اتنی پریشان ہو؟'' وجیہہ کی آنکھوں میں تو سچ مچ آنسو بھرے ہوئے تھے۔ عذرا بیگم منہ بناتی واپس کچن میں گھس گئیں اور اپنا غصہ سلاد کی سبزیوں پر نکالنے لگیں۔

''ایک اور بڑا مسئلہ ہے بڑی ماما..... میرے لڈو.....'' کچھ لمحے تو شاہین بیگم سمجھ ہی نہ پائیں۔ پھر جیسے ہی بات سمجھ آئی انہوں نے ماتھا پیٹا۔

''اوہو اتنی سی بات۔ ارے آ جائیں گے تمہارے فیورٹ لڈو بھی۔ ابھی آرڈر.....'' کہتے، کہتے وہ رک گئیں۔ وجیہہ نے منہ بنایا۔

''اسی لیے تو پریشان ہوں بڑی ماما۔ کہاں سے آئیں گے وہ میرے فیورٹ لڈو۔ بڑے بابا سے کہیں ناں کسی طرح اس بندے سے رابطہ کریں جو اس بیکری

سب لوگ دولھا دلہن کے لیے سجائی سیج کے سامنے جمع ہو گئے اور حسیب صاحب اونچی آواز میں بولے۔

''ہارون اور وجیہہ کی شادی کے اس خوب صورت موقع پر ہم بھائیوں نے اپنے رشتے مزید مضبوط کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے دونئی رسمیں کرنے کا سوچا ہے۔ آیئے بیٹا.....'' انہوں نے خرم اور حیدر کو سیج پر لگی کرسیوں پر بٹھایا۔ شاہین بیگم نے ہانیہ اور شفق کے ہاتھ پکڑ کر انہیں خرم اور حیدر کے ساتھ بٹھا دیا۔ خرم نے ہانیہ کو انگوٹھی پہنائی تو وجیہہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک لڈو اٹھا کر خرم کے منہ میں ٹھونس دیا۔ سب ہنس پڑے۔ حیدر نے شفق کو انگوٹھی پہنائی تو وجیہہ کا ہاتھ دوسرے لڈو کی طرف بڑھا مگر شفق نے اس کا ہاتھ تھام کر روک دیا۔

''کیا ہوا.....؟'' وہ حیران ہوئی۔ اسی پل منیبہ بیگم نے گلاب جامنوں سے بھری پلیٹ وجیہہ کی طرف بڑھائی تو حیدر کے منہ سے بے ساختہ اوووو کی آواز نکلی، شفق نے جھینپ کر سر جھکا دیا۔ وجیہہ نے گلاب جامن اٹھا کر نور احیدر کے منہ میں ٹھونس دیا۔ محفل میں رنگ ہی رنگ بکھر گئے۔

☆☆☆

وہ خرم اور حیدر کی برادرانہ محبتوں کی مقروض ہو رہی تھی۔ جس طرح ان دونوں نے اسٹیج سجایا تھا اس سے کہیں زیادہ حسین ان دونوں نے ہارون کا کمرا سجایا تھا۔ وجیہہ اپنے حجلۂ عروسی میں بیٹھی انگشت بدنداں تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ محدود وسائل اور بند مارکیٹس کے باوجود بھی کوئی اتنا خوب صورتی سے کمرا سجا سکتا ہے۔ اسی وقت ہارون نے اندر قدم رکھا۔ وہ سمٹ سی گئی۔ نیٹ کے گھونگٹ کی آڑ سے اس کا حسین چہرہ مزید حسین لگ رہا تھا۔ ہارون نے گھونگٹ اٹھایا اور بولا۔

''یقین کرو کہ کوئی بڑے سے بڑا پارلر بھی تمہیں اتنا خوب صورت نہیں سجا سکتا تھا جتنا تم گھر میں سج کر لگ رہی ہو۔'' وجیہہ مسکرا دی۔ وہ مزید بولا۔ ''یار یہ بیوٹیشنز نہ جانے کیا لگاتی ہیں چہرے پر، اچھی بھلی دلہن کا چہرہ بھیانک لگنے لگتا ہے۔ بس صرف تصاویر میں ہی اچھی لگتی ہیں مگر سامنے بیٹھ کر دیکھو تو بندہ ڈر ہی جائے۔'' ساری شرم بھلا کر اس نے نظریں اٹھائیں اور بھویں اچکا کر تیکھے لہجے میں بولی۔

''کتنی دلہنیں دیکھی ہیں آپ نے یوں'' سامنے بیٹھ کر؟'' ہارون کا قہقہہ بلند ہوا۔ وہ جھینپ گئی۔ پھر وہ اٹھا اور سائڈ ٹیبل کی دراز سے ایک مخملیں ڈبا نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''تمہاری بڑی ماما کا سب سے قیمتی ترین زیور، تمہارے نام.....اس حسین رات میں۔'' اس نے باکس کھولا تو اس کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ اس میں موجود بھاری جڑاؤ سیٹ شاہین بیگم جب بھی پہنتی تھیں وجیہہ کو بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ انہیں ان کی والدہ نے ولیمے پر تحفے میں دیا تھا۔ وجیہہ ان کی محبت محسوس کر کے مسکرا دی۔ وہ اسے واقعی اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتی تھیں کیونکہ اگر ان کی کوئی بیٹی ہوتی تو یہ سیٹ وہ اسی کو دیتیں جواب اس کی ملکیت تھا۔'' اسے بھی شفق نے ہی یوٹیوب سے ٹیوٹوریل دیکھ کر پالش کیا۔'' ہارون نے بتایا تو وہ ہنس دی۔

''ویسے وجیہہ ایک بات تو بتاؤ۔ یہ اس قدر مزیدار لڈو آئے کہاں سے؟ بابا کو حلوائی کا ایڈریس مل گیا تھا کیا؟ ذائقہ تو بالکل وہی تھا، تمہارے فیورٹ حلوائی والا۔'' وجیہہ نچلا لب دانتوں تلے دبا کر مسکرائی تو ہارون کو اچنبھا ہوا۔ ''کیا ہوا بھئی؟ ایسے کیوں مسکرا رہی ہو؟''

''وہ لڈو حلوائی نے نہیں حلوائن نے بنائے تھے۔'' ہارون مزید حیران ہوا۔

''کیا مطلب؟ کون حلوائن؟''

''ہماری شفق..... اور کون.....'' ہارون کے چہرے پر حیرانی بڑھ گئی۔ ''جیسے شفق نے یوٹیوب پر ٹیوٹوریل دیکھ کر مجھے دلہن بنایا اور یہ زیورات چمکائے ویسے ہی ٹیوٹوریل دیکھ کر لڈو اور گلاب جامن بھی بنا لیے تھے۔'' ہارون کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''رئیلی..... امیزنگ یار..... شفق تو واقعی حلوائن نکلی۔ ماما بتا رہی تھیں کہ گلاب جامن بھی اسی نے بنائے تھے۔'' وہ کھل کر ہنسا۔

''کمال ہے یار، اس وبا نے تو ہمیں کیا، کیا سکھا دیا۔ سچ ہے ویسے ہے تو یہ ہم پر اللہ کا عذاب مگر دیکھو کہ اللہ عذاب کے ذریعے بھی ہمیں کیسے کیسے سبق پڑھا دیتا ہے۔ سنت کے مطابق زندگی گزارنے سے لے کر سنت کے مطابق شادی تک.....'' وہ سنجیدگی سے بولا تو وجیہہ بھی سنجیدہ ہوگئی۔

''بے شک.....!''

''ویسے بائے داوے..... میرا خیال ہے شفق کو آن لائن مٹھائیوں کا کاروبار شروع کر دینا چاہیے، اس لاک ڈاؤن میں تو بہت چلے گا، ہماری طرح کئی لوگوں کو شادی کے لیے مٹھائیاں درکار ہوں گی اور سب تو شفق کی طرح سگھڑ نہیں ہو سکتے ناں۔'' اس مشورے پر وہ دلہنا پا بھلا کر کھلکھلا کر ہنسی۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، اور اس آن لائن بزنس کا نام کیا ہوگا..... کچھ ایسا جو لوگوں کو متوجہ کرے.....'' اپنی سہاگ رات پر مٹھائیوں کے بارے میں شاید ہی کسی نے اتنی ڈسکشن کی ہو جتنی وہ دونوں کر رہے تھے۔ ہانیہ ٹھیک کہتی تھی، وہ دونوں اتنے بورنگ تھے کہ اپنی سہاگ رات پر بھی کاروبار کی باتیں کر رہے تھے، اپنے نہ سہی شفق کے لیے ہی سہی۔

''ہاں ہے ناں ایک ایٹریکٹو نام میرے ذہن میں۔'' ہارون نے کہا تو وجیہہ کو تجسس ہوا۔

''وہ کیا؟''

''لاک ڈاؤن لڈو.....'' ہارون کے ترنت جواب پر وہ کھلکھلا کر ہنسی تو اس کی ہنسی میں ہارون کا قہقہہ شامل تھا۔ ان کے کمرے کے باہر سے گزرتی شاہین بیگم نے ان کی کھلکھلاہٹیں سنیں تو محبت سے مسکرا دیں اور اپنے کمرے میں آ کر شکرانے کے نفل ادا کرنے کے بعد دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے۔

''میرے بچوں کے اس پُرخلوص عمل کے صدقے میرے مالک دنیا سے اس وبا کو ٹال دے تاکہ سب لوگ پھر سے خوشیاں منا سکیں۔''

''الٰہی آمین!'' پیچھے سے حسیب صاحب کی آواز آئی۔

❁❁❁

شادی مبارک

آسیہ عامر اور محمد عامر اپنے ولیمے کے روز

دلہن مریم ناصر دولہا ناصر احمد کے ہمراہ ولیمے کے روز (شکاگو)

عورت کا کردار

ایک عام تاثر یہی ہے کہ عورت ایک کمزور اور کم تر ہستی ہے... مگر یہی کمزور اور کم تر ہستی صنف مخالف پر کس، کس طرح اثر انداز ہوتی اور وقت پڑنے پر چٹان جیسی مضبوطی بھی دکھاتی ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے شروع ہونے والے اس نئے سلسلے عورت کہانی میں ہماری معروف قلم کار فرحین اظفر نے یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔

جداگانہ موضوعات لیے کہانیوں کا نیا سلسلہ آپ جیسے باذوق قارئین کی نذر

اب تو خاندان بھر میں کوئی بال بچہ فارغ نہیں بچا تھا۔ سوائے ایک نگینہ کے.....

نگینہ حسن و خوب صورتی میں اپنی مثال آپ تھی تو ذہانت میں بھی لاجواب..... ڈریسنگ سینس کمال کا تھا اور اس پر اس کا بے حد متناسب جسم..... وہ سراپا حسن تھی۔ گھنے سلکی بال جو کبھی لمبائی میں بھی سب کو پیچھے چھوڑے ہوئے تھے۔ اب سنبھالنے کے جھنجٹ سے الجھ الجھ کے فقط شانوں سے کچھ نیچے ہی آتے تھے۔ ماڈرن ہیئر اسٹائل کے ساتھ صبح صبح تیار ہو کے خوشبوؤں میں بسی جب وہ لان سے نکل کے اپنی گاڑی کی طرف جاتی تو ساتھ، ساتھ جڑے رشتے داروں کے بڑے بڑے بنگلوں سے کبھی ٹیرس، کبھی بالکونی سے جھانکتا کوئی بھی شخص ایک بار نظر ڈال کے رکتا ضرور تھا۔

یوں لگتا تھا ہر موسم بس اسی کے لیے ہے۔ ہر ادا اس پر جچتی تھی۔ ہر لباس کی قیمت اس پر سج کے بڑھتی تھی۔ ہر رنگ، رنگین تھا جو اس نے پہنا..... تیز ہوا، شدید گرمی، حبس، لو، برفانی طوفانی موسم، بارش، ہر رُت میں وہ ہمیشہ ایک ہی جیسی دکھائی دیتی تھی۔ گرمی میں اس کا پسینہ ٹپ ٹپ بہتا تھا جسے صاف کرتے ہوئے وہ کنفیوز ہو جائے نہ سردی میں ٹھٹھرتی ہوئی، سی سی کرتے خشک ہاتھ رگڑتی موسم کی شدت کے آگے بے بس نظر آتی.....

کتنے ہی بچے جو اب لڑکپن میں جا رہے تھے قسم کھانے کو تیار تھے کہ انہوں نے پیدائش کے بعد سے اب تک نگینہ کو جوں کا توں ہی دیکھا تھا۔

''ایسا لگتا ہے سب بڑے ہو رہے ہیں سوائے نگینہ باجی کے۔''

یہ بھی اتفاق تھا کہ وہ خاندان کی لڑکیوں میں سب سے ہی بڑی تھی اس سے عمر میں بڑے سب لڑکے ہی لڑکے..... اسی حساب سے اسے ہمیشہ اہمیت ملی اور پھر اس نے خود کو اس اہمیت کا حقدار ثابت کر چھوڑا۔ حسین، ذہین و فطین نگینہ کی مکمل شخصیت میں رہی سہی کسر اس کی ہائی فائی ڈگری اور پھر اس کی جاب نے پوری کر

دی......اوہ......یلیچرر،نہیں پروفیسر......اور وہ بھی کالج نہیں یونیورسٹی کی......واؤ......

اس کا اپنا ہی ایک چارم تھا۔ایک پرسنالٹی تھی۔

اس کی اپنی ہی ایک پہچان تھی۔ایک رعب تھا۔

اس کی اپنی ایک ہی بہن تھی۔ جو اس کی اکلوتی دوست بھی تھی۔ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ نگینہ نے اگر کبھی اپنے دل کی بات کسی سے کی تھی تو وہ شبینہ ہی تھی۔

☆☆☆

ایک قطار میں برابر کھڑے طویل بنگلوں میں ایک قدر مشترک یہ تھی کہ سب اپنے پچھلے احاطوں میں دروازوں کے ذریعے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ رات بےرات، دن دیہاڑے جب جس کا دل چاہتا ایک دوسرے کے گھر آ جا سکتا تھا......بچپن میں یہ دروازے کسی کوہِ قاف کے پرستان کی طرف کھلنے والے دروازوں جیسے پُرکشش ہوا کرتے تھے۔

گزرتے وقت نے جہاں جوانوں کو بڑھاپے کی چادر اوڑھائی وہیں بچے بڑے ہوتے، ہوتے اپ مصروفیات میں ایسے گم ہوئے کہ ان کا استعمال ن ہونے کے برابر رہ گیا۔

اب بھی ان دروازوں میں تالا تھا نہ کنڈی بند ہوتی تھی۔ بس آنا جانا کم ہوا تھا تو یہی جگہ تھی کہ وہاں سے گزرنے والوں کا کوئی گنتی شمار نہ تھا۔

اب ان دروازوں کی چرچراہٹ اگر پچھلے احاطے میں گونجتی تو جس کے کانوں میں جاتی وہ ایک نظر جھانکتا ضرور تھا کہ آج یہاں سے آنے کی کس کو ضرورت پڑ گئی۔

شاداب خان، خاندان کے سربراہ تھے۔ جسمانی ضعیفی اپنی جگہ لیکن سربراہ ہونے کے ناتے وہ ہی کبھی، کبھی اس راستے سے اپنے بیٹوں کے گھر کی خیر خبر لینے

آجایا کرتے تھے۔

زیادہ تر ان کی آمد کسی اہم فیصلے کے موقع پر اس گھر میں ہوتی تھی۔ جہاں کے افراد کے متعلق کوئی بات یا فیصلہ کرنا ہوتا۔

خاندان کے سب بڑوں کی میٹنگز اب تک، شادی، منگنی اور نکاح جیسے اہم خوشی کے معاملات تک ہی محدود تھیں یا پھر خیر النسا جو شاداب خان کی شریکِ حیات تھیں کے انتقال کے موقع پر، ان احاطوں میں سوگوار رونق پائی گئی تھی۔

یا پھر سالوں پہلے اس دن، جس دن گھر کے کم و بیش سب افراد کی امیدوں پر پانی پھیرتے ہوئے نگینہ نے اپنے تایازاد سکندر خان سے رشتہ جوڑنے سے انکار کردیا تھا۔

☆☆☆

''آخر کمی کیا ہے نگو؟'' اس نے بے پروائی سے موبائل پر مصروف نگینہ کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ نگینہ ایک بار انکار کرنے کے بعد گھر والوں کی ناراضی اور متوقع غصے کو خاطر میں نہ لانے کی ایکٹنگ کررہی ہے۔ ورنہ نہ وہ اتنی گھمنڈی تھی کہ اپنے حسن اور ذہانت کے بل پر کسی کو نیچا دکھاتی۔ نہ اتنی... ناسمجھ کہ سب کی امیدوں کو انجانے میں ٹھیس پہنچاتی۔

''اچھے بھلے تو ہیں سکندر بھائی۔'' وہ زچ ہورہی تھی۔ اماں نے یہ فضول ذمے داری پتا نہیں کیا سوچ کے اس کے سر پر ڈال دی تھی۔ اسے پتا تھا اس کی بہن کہیں اور انوالوڈ نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی اماں کو سب سے پہلے خیال آیا تھا۔

''بتایا تو ہے..... بس مجھے اس لحاظ سے نہیں پسند۔''

اس کا ایک ہی جواب تھا اور سب کے لیے یہی تھا۔ ابا، اماں اور باقی سب جس، جس نے اس سے بالواسطہ یا بلاواسطہ پوچھنا چاہا۔ اس کے منہ سے کچھ اور نہ اگلوا سکے..... بس یہی.....

''مجھے نہیں پسند وہ، اس لحاظ سے.....''

''کس لحاظ سے؟'' شبینہ کا ضبط اپنے عروج پر تھا۔

''اسی لحاظ سے کہ میں ان سے شادی کر لوں..... اور ابھی عمر ہی کیا ہے۔''

''تمہاری.....؟'' شبینہ کو حیرت نے آن گھیرا۔

''ارے میری نہیں..... میری خیر ہے..... ان کی.....''

''سکندر بھائی کی.....'' اس کی آنکھیں ابل پڑیں۔

''اور کیا..... اس عمر کے لڑکے اپنے ریلیشن شپ کو لے کے بہت نان سیریس ہوتے ہیں۔ آج ایک سے دوستی ہے تو کل دوسری سے، کبھی کس پر ان کا کرش ہوتا ہے اور کبھی کوئی ایکس.....''

وہ اب بھی بے پروائی سے بول رہی تھی۔ اور شبینہ کو سنتے، سنتے یقین ہوگیا کہ وہ یقیناً اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔

اس دن ان دونوں کی بحث بنا کسی نتیجے کے ختم ہوگئی۔ اور کچھ دن بعد یہ بات بھی..... لوگ اپنے اپنے تاثرات دے کے نارمل ہوگئے۔ شبینہ بھی بھول بھال گئی۔

یہ بھی سننے میں آیا کہ تائی امی اب سکندر بھائی سے جب بھی شادی کی بات کرتی ہیں وہ ہتھے سے اکھڑ جاتے ہیں۔ شبینہ بھی سنتی رہتی۔ نگینہ بھی بے خبر نہیں تھی۔ وہ انٹرمیڈیٹ میں شاندار نمبر لے کے پاس ہو چکی تھی۔ اور آج کل اپنی کامیابی کو دھوم دھام سے منانے کے لیے اماں کے سر گلی ہوئی تھی۔

اماں کا دل اس کے انکار سے دکھا ہوا تھا وہ چاہتی تھیں خاندان کی پہلی لڑکی ہونے کے ناتے نگینہ ہی سب سے پہلے بیاہی جائے۔ نگینہ نے ان کا خواب چکنا چور کردیا تھا۔

لڑکیوں پر بے جا پابندیاں اور سختی تو کوئی نہیں تھی۔ شادی سے پہلے ان سے مرضی تو لی جاتی ہی تھی لیکن اس کا انکار بھی کچھ ایسا بھایا نہیں تھا ان کے دل کو.....

''میں جانتی ہوں نگینہ..... تم نے سکندر بھائی کو ان کی معمولی شکل کی وجہ سے انکار کیا ہے۔'' شبینہ نے کہہ دیا۔

کالج کے فنکشن میں جانے کی اجازت مل گئی تھی

اور خوب اچھی سی تیاری کے بعد وہ دن بھی آ گیا تھا۔

نگینہ اس وقت اپنے گلابی ہونٹوں کو مزید گلابی چمک دے رہی تھی جب ڈریسنگ کے آئینے میں شبینہ کا عکس ابھرا۔

اس کے لبوں سے ادا ہونے والے الفاظ نے نگینہ کا ہاتھ تھام لیا۔

''جب پتا ہے تو پوچھ کیوں رہی ہو۔''

''کنفرم کر رہی تھی۔''

''کیا؟''

''تمہارا غرور..... اور تمہاری خود پرستی.....''

نگینہ جھٹکے سے اس کی طرف مڑی۔

''میں مغرور اور خود پرست ہوں؟''

''بالکل ہو..... اگر نہ ہوتیں تو..... سکندر بھائی کو منع نہ کرتیں.....''

شبینہ دوبارہ بحث کے موڈ میں تھی لیکن وہ نہیں..... اور جب اس کا موڈ نہ ہوتا تو اس سے کسی معاملے میں رائے لینا ہی کافی مشکل ہوتا کجا کہ بحث..... اور وہ بھی اس خاص دن کے خاص موقع پر.....

''جو دل کرے سمجھو۔ جو بات تھی..... میں تمہیں بتا چکی ہوں۔'' اس نے کندھے اچکا دیے۔

شبینہ دیر تک اسے اپنا دوپٹا سیٹ کرتے ہوئے دیکھتی رہی۔

☆☆☆

اِدھر خاندان کی آخری لڑکی کی بات طے ہوئی اُدھر اماں کو پنکھے لگ گئے۔ اب وہ اکثر اٹھتے بیٹھتے، نگینہ کے سامنے اس کے گھر بس جانے کی خواہش کا اظہار کرتیں۔

وہ کبھی مسکرا دیتی کبھی ان سے لاڈ کرنے لگ جاتی۔

توازن اور ضبطِ نفس کنٹرول دو اضافی خوبیاں تھیں جو اس نے اپنی شخصیت کو مضبوط کرنے کے لیے سیکھی تھیں اور اس سے اکثر ہی فائدہ اٹھاتی تھی۔

جو کزنز اس سے شکایت کرتے کہ اسے کوئی بات حیران نہیں کرتی، وہ دل ہی دل میں اس سے خوب حظ اٹھاتی۔ اور ان کو بتاتی تھی کہ مجھے تم لوگوں کی یہی بات حیران، پریشان کرنے کو کافی ہے کہ تم لوگوں کو میرا چہرہ ایکسپریشن لیس لگتا ہے۔

ایسے ہی ایک چھٹی والے دن اماں اس کو زبردستی پکڑ کے اس کے سلکی بالوں میں تیل ڈالنے بیٹھی تھیں۔

''دیکھو تو ذرا..... یہ لمبے کمر سے نیچے جاتے بالوں کی پونچھ بنا کے رکھ دی ہے تم نے..... کیا حال کر لیا ہے۔ بالکل جھاڑ جھنکار لگ رہے ہیں.....''

وہ زیرِ لب مسکراتی ہوئی سنتی رہی۔

''جن بالوں کو آپ جھاڑ جھنکار کہہ رہی ہیں ماں..... آدھی یونی مرتی ہے ان پر۔''

''اے چل رہن دے..... ان کو کیا پتا کہ اچھے بال... کیسے ہوتے ہیں۔'' اماں کی انگلیاں برق رفتاری سے اس کے سر میں چل رہی تھیں..... ساتھ ہی ان کا ہمیشہ کا لیکچر اسٹارٹ ہو چکا تھا۔ وہ آنکھیں موندے سنتی رہی۔

اماں اسے شادی کے فوائد اور اپنی فکریں گنوا رہی تھیں..... اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔

''جیون ساتھی کی محبت بڑی ڈھارس ہوتی ہے..... ہمارا کیا ہے آج مرے کل دوسرا دن..... ہمارے بعد کون ایسے لاڈ اٹھائے گا تمہارے۔ خوشی، غمی میں ساتھ دینے کو کوئی اللہ کا بندہ تو ہونا چاہیے جس کے کندھے پر سر رکھ کے دل ہلکا کر سکے بندہ.....''

موندی ہوئی آنکھوں کے پردے کے پیچھے، نیم خوابیدہ ذہن میں اماں کی باتیں ایک لوری کی طرح گونجنے لگیں۔ ہلکے ہلکے ہلتا ہوا سر، سُرور میں ڈوبا ذہن بند آنکھوں کے پیچھے انجانے منظر ادھیڑ رہا تھا۔

کوئی دور بہت دور سے آواز دیتا ہوا آ رہا تھا۔

غالباً یہ شبینہ کی آواز تھی۔ وہ دروازے تک آ چکی تھی پھر اس نے دھیرے سے دروازے پر دستک دے کر اندر جھانکا۔

وہ سامنے بیڈ پر پیر لٹکا کے بیٹھی تھی..... پوری طرح نک سک سے تیار چند گھنٹے پہلے کی تیاری میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ سوائے اس چہرے کے، جس کے تاثرات ناقابلِ فہم تھے..... حد درجہ سنجیدہ اور

ای حد تک غضب ناک بھی۔

''کیا ہوا تم یہاں کیوں آ کے بیٹھ گئیں..... سب کے ساتھ کھانا نہیں کھایا تھا..... اب تو کھالو بڑے ابا بلا رہے ہیں تمہیں.....'' اس کے انداز پر تشویش ہونے کے باوجود اس نے خود سے کچھ پوچھا نہ کریدا..... وہ اس کی بہن تھی۔ جانتی تھی کہ وقت ہوگا تو وہ خود ہی بتا دے گی ورنہ کبھی نہیں۔

نگینہ نے گہری سانس لے کے خود کو پُرسکون کیا۔

''آ رہی ہوں چینج کر کے..... یہ جیولری اور میرے ایئر رنگز بہت درد کر رہے ہیں..... ہیلو پہنے' پہنے مسلسل چلنا پڑا..... اب تو چلا بھی نہیں جا رہا۔''

شبینہ کو صاف محسوس ہوا کہ اس نے خود پر سے دھیان ہٹانے کی بہت جاندار ایکٹنگ کی تھی..... اس نے کچھ کہے بغیر فرش کو دیکھا۔ اس کے سینڈلز کی ہیلز اتنی ہائی نہیں تھیں کہ پیر دکھ جاتے..... وہ ایسی بے ترتیبی سے پڑی تھیں جیسے پیر سے اتری نہیں بلکہ بڑی بے دردی سے نکال کے پھینکی گئی ہوں۔

''ٹھیک ہے..... آ جاؤ تم..... میں جا رہی ہوں نیچے بتا دوں کہ تم آ رہی ہو چینج کر کے.....''

نگینہ سر ہلا کے اٹھی۔ شبینہ دروازے تک پہنچی تھی جب اس نے نگینہ کی پکار سنی۔

''سکندر کو ریجیکٹ کرنے کا میرا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا۔''

شبینہ وہیں کھڑی رہ گئی..... وہ باتھ روم میں بند ہوگئی۔

شبینہ الجھی ہوئی سوچیں لیے جانے کب تک وہاں کھڑی رہی تھی۔

وہ وہی رات تھی جب گھر میں اس کی کامیابی کی خوشی میں فنکشن رکھا گیا تھا۔ پتا نہیں کیوں آج، اس وقت وہ بھولی بسری بات اسے یاد آ گئی تھی..... یا شاید وہ رات، وہ بات اسے بھولی ہی کبھی نہیں تھی۔ بس..... دن رات کی گردش میں دوسری یادداشتوں کے نیچے دبی پڑی تھی..... اب اماں کے ہاتھوں کے جگائے ہوئے سُرور نے اسے گزرے وقت کی دھنک میں دھکیلا، تو وہ یادیں بھی ساتھ آن بیٹھیں جو سیاہ رنگ تھیں۔

''ارے ابا جی..... آپ.....!'' اماں کی آواز نے اسے واپس حال میں گھسیٹا۔

اس نے یک دم موندی آنکھیں کھولیں تو بڑے ابا سامنے ہی کھڑے تھے۔

اماں اب اس سے پرے ہو کے سر پر دوپٹا لے رہی تھیں۔ اس نے بھی جلدی سے سیدھے ہو کے قریب ہی بے پروائی سے پڑا ہوا دوپٹا اٹھا کے شانوں پر پھیلایا۔

شکر ہے کہ دوپٹا قریب ہی پڑا تھا۔ عام طور پر وہ گھر میں اس چیز سے بے نیاز ہی رہتی تھی۔

''آواز ہی نہیں آئی آپ کے آنے کی۔'' اماں کی آواز میں سسر کو دیکھ کے خود بخود احترام اور تہذیبی خوشگواریت در آئی تھی۔

''سکندر آ رہا ہے پاکستان واپس..... سوچا خود ہی بتا آؤں جا کے..... ادھر کا چکر بھی.....''

بڑے ابا اور بھی بہت کچھ کہہ رہے تھے۔ لیکن اس کا دماغ ان کی پہلی بات میں ہی اٹک گیا تھا۔

اب سمجھ آ رہا تھا۔ آج اتنی سالوں بعد، اتنی اچانک کیسے وہ رات یاد آ گئی تھی جب اس نے..... دل کو دل سے راہ یقیناً ہوئی ہوگی لیکن صرف سجنوں کی نہیں.....

☆☆☆

وہ اندر ہی اندر بہت بے چین سی، بظاہر پُرسکون بنی سب کے درمیان ہی بیٹھی تھی۔ کبھی نظریں جھکا لیتی، کبھی اٹھا کر مثلِ طائر یہاں وہاں اڑا لیتی..... شبینہ کے علاوہ بھی کچھ لوگ اس کے ری ایکشن کے منتظر تھے۔

برسوں پہلے جب اس کی شادی کی بات چلی تھی، تب.....

اس رات کچھ ہوا تو تھا۔ کوئی بدمزگی، کوئی کھٹ

پٹ..... شبینہ نے اڑتی، اڑتی سنی تھی جس میں سکندر کا نام تو تھا ہی ساتھ میں نگینہ بھی کہیں کہیں جڑی ہوئی تھی۔

نگینہ نے کبھی اس بارے میں اپنے لب نہیں کھولے۔ اور اس کی بے پروائی میں چھپی محتاط وارننگ سے سب ہی واقف تھے، اس لیے کسی کو اس سے پوچھنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ بس وہ اِک بات تھی جو آئی گئی ہو گئی تھی۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہی سکندر باہر چلا گیا اور سب کچھ قصۂ پارینہ بن گیا۔

اب سکندر کی واپسی کے ساتھ ہی تقریباً سب ہی لوگوں کو اگر وہ بات یاد آئی تھی تو اس کے ساتھ ہی، شبینہ کو اس رات نگینہ کا الجھا ہوا انداز بھی یاد آ گیا تھا۔ شبینہ جو اب خود بھی تائی امی کے گھر کی بہو تھی اور سکندر سے چھوٹے ہمایوں کی بیوی تھی۔ بدلتے وقت اور رشتوں نے اس واقعے پر گرد ڈالی تو اس نے بھی دوبارہ کبھی نہیں کریدا۔

نگینہ اس کے بعد دوبارہ نارمل یوں ہو گئی تھی جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں.....

اب سب لوگوں کے ساتھ وہ بھی تایا ابا کے گھر بظاہر سکندر کے انتظار میں اس کو ویلکم کہنے کے لیے ہی بیٹھی تھی۔ لیکن شبینہ جانتی تھی اماں نے اسے کس طرح مجبور کیا ہوگا۔ وہ خود بھی معاملہ فہم تھی۔ اگر ابھی نہ آتی تو پھر سب کے ہاتھ ایک ٹاپک لگ جانا تھا۔

نگینہ ویسے ہی اس عمر میں کنواری ہو کے اکثر ہی گفتگو کا موضوع بن جایا کرتی۔ کزنز کے رشک و حسد، اور بزرگوں کی اس معاملے میں ناگواریت نے اس کا ہمیشہ پیچھا کیا تھا۔ وہ خود بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی غیر موجودگی کے بارے میں دوبارہ باتیں بنائی جائیں، اس لیے وہ اسی طرح سکندر کو خوش آمدید کرنے کے لیے وہاں موجود تھی جس طرح اور دوسرے خاندان والے۔ گویا ان سب میں اور سکندر میں اس کے نزدیک کوئی فرق نہیں تھا۔ لیکن حقیقت کیا تھی یہ وہ خود ہی جانتی تھی۔ صرف وہ خود یا شاید سکندر بھی.....

☆☆☆

شعور بادبان

یہ دل رکھ لو یہ جان بھی رکھ لو
یہ زمیں رکھ لو آسمان بھی رکھ لو

میرے عدو کو میرا زورِ بازو کافی ہے
یہ تیر رکھ لو کمان بھی رکھ لو

تمہیں ستا نہ پائیں ظلمتیں شب کی
یہ شمع رکھ لو شمع دان بھی رکھ لو

ہے طغیانی کی زد میں تمہارا سفینۂ دل
یہ کشتی رکھ لو بادبان بھی رکھ لو

ان کہے لفظوں کا تقاضا ہے شعورؔ
یہ قلم رکھ لو قلمدان بھی رکھ لو

از: سیمابنتِ عاصم، کراچی

سکندر کی آمد خاندان بھر کے لیے خوشی کا باعث تھی۔ اسی لیے تائی امی نے سب خاندان والوں کی ایک بڑی دعوت کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اپنے گھر کے علاوہ دور پرے کی سب ہی رشتے دار مدعو تھے۔

جس دن سے نگینہ نے اس دعوت کے بارے میں سنا تھا وہ ایک عجیب سی کوفت میں مبتلا تھی۔

''کیا بات ہے تم کچھ ان ایزی ہو۔''

''کس بات پر؟'' وہ بڑے انہماک سے اپنی فائلوں میں سر دے کے بیٹھی تھی۔ شبینہ کے اس اچانک استفسار پر چونک سی گئی۔

''تائی امی کی دعوت کی بات کر رہی ہوں۔''

''تمہیں کیوں لگا کہ میں ان ایزی ہوں۔''

''تمہاری جھنجلاہٹ سے..... پہلے کبھی تم نے

اپنے کام کو یوں الجھا الجھا کے نمٹایا جو نہیں۔''

نگینہ کچھ لمحوں تک ساکت ہو کے اسے دیکھتی رہی۔ وہ دل ہی دل میں شبینہ کی عمیق نگاہی کی معترف ہو رہی تھی۔

''نہیں یار..... ایک بات کرنی ہے اماں سے.....''

اب کی بار نگینہ نے اسے چونکا دیا تھا۔

''ایک بات..... اماں سے.....''

''کوئی خاص بات ہوگی یقیناً..... پلیز مجھے بتا دو۔'' اس نے دیدے گھمائے۔

اس کا انداز ایسا تھا کہ نگین کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''پلیز، پلیز، پلیز.....''

''نو، نو، نو..... ناٹ ایٹ آل..... اماں سے کرنی ہے تم سے نہیں۔ اگر تم سے کرنی ہوتی تو اماں کا نام کیوں لیتی۔ تم ہی سے کراتی ناں۔''

اس کی بات ٹھیک تھی۔ شبینہ جانتی تھی کہ اب وہ نہیں بتائے گی پھر بھی اپنے طور پر اس نے اندھیرے میں تیر چلانے کی کوشش کی.....

''کیا سکندر بھائی کے بارے میں کوئی بات ہے؟''

''واٹ..... سکندر..... وہ یہاں کہاں سے آ گیا..... اور میں کیوں کروں گی اس کے بارے میں کوئی بات۔''

ہنستی ہوئی نگینہ کے تاثرات اس تیزی سے بدلے کہ شبینہ کی مسکراہٹ لبوں پر ہی مرجھا گئی۔

''کیا دنیا میں وہ آخری شخص رہ گیا ہے جو میں اس کے بارے میں بات کروں اور وہ بھی اماں سے۔''

شبینہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن کہہ نہیں سکی کیوں کہ نگینہ اب بھی بول رہی تھی۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھ کے وارڈ روب کی طرف جا رہی تھی لیکن مسلسل بولتے ہوئے۔

''پتا نہیں کیا سوچ کے تم نے یہ بات کی ہے۔ نام مت لینا آئندہ اس کا میرے سامنے..... میں اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتی، کیا سارے کام ختم ہو گئے۔ یا میں اتنی گئی گزری ہوں..... اس بات کا مطلب سمجھتی ہو تم..... اماں سے..... سکندر..... اُف، ف، ف۔'' اس نے وارڈ روب کھول کے سلیقے سے لٹکے ہوئے کپڑے جھٹکے سے یہاں وہاں کر ڈالے۔

شبینہ جہاں کی تہاں رہ گئی..... اس کا منہ کھلا ہوا تھا جسے بند کرنے تک کا خیال نہیں آیا۔

نگینہ کا ردِعمل نہ صرف حد درجے عجیب بلکہ بہت شدید بھی تھا۔

اندھیرے میں چلایا ہوا تیر نشانے پر نہ لگتے ہوئے بھی خطا نہیں ہوا تھا۔ اس کے اندر بہت سے خیال گڈمڈ ہونے لگے۔

''دماغ خراب ہے تمہارا..... سسرال والوں کی محبت میں اندھی تو نہیں ہو گئیں کہیں.....'' اس کی باتیں اپنا ٹریک چھوڑ رہی تھیں اور اب شبینہ کو غصہ دلانے لگی تھیں۔

''میں اندھی نہیں ہوں اور نہ تم عقلِ کُل کی مالک ہو۔ اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو..... میں نے تو بس یونہی ایک بات کی ہے۔ اس میں اتنا اوور ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

وہ بول کر ایک جھٹکے سے اٹھی۔ تبھی نگینہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے بے ساختہ ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

''واقعی شبینہ نے تو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ اتنی آؤٹ آف کنٹرول کیوں ہو گئی.....'' اس نے گہری سانس لے کے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''آئی..... آئم سوری شبی میں.....''

وہ پلٹی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

اس نے جھنجلا کے وارڈ روب کو پوری قوت سے بند کیا اور بیڈ پر گر گئی۔

☆☆☆

ابھی تائی اماں کے گھر سے دعوت کا بلاوا ابھی نہیں آیا تھا کہ نگینہ کی برتھ ڈے آ گئی۔ ٹین ایج سے نکلنے کے بعد اس نے اس طرح کے چونچلے بقول خود اس کے،

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

چھوڑ رکھے تھے۔ کبھی اسٹوڈنٹس یا کولیگز کی طرف سے کوئی تحفہ مل جاتا یا اماں یا شبینہ ہی کچھ اہتمام کر لیتیں لیکن اس نے خاص طور پر اپنا جنم دن منانا سالوں پہلے چھوڑ دیا تھا۔

اس کے خیال میں وہ اتنی میچور ہو چکی تھی کہ اب برتھ ڈے کیک کاٹ کے اور وشز وصول کر کے بچوں کی طرح خوش نہیں ہو سکتی تھی۔

لیکن اس بار معاملہ کچھ الگ سا ہو گیا۔

اس نے ایک دن پہلے گھر والوں کو اطلاع دی کہ وہ اس بار اپنے کولیگز کے ساتھ گھر پر پارٹی ارینج کر رہی ہے کیونکہ اس کے کولیگز، اس کے ڈاکٹریٹ مکمل ہونے اور متوقع پروموشن کی خوشی میں ٹریٹ مانگ رہے ہیں۔

اماں اور ابا کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ بیٹا تو کوئی تھا نہیں اور شبینہ کی شادی کے بعد سے گھر میں رونق لگانے کے لیے، وہ پہلے ہی تیار رہتے تھے۔

''ابا کو پہلے سے بتا دیں اماں..... میرے کچھ میل کولیگز بھی آئیں گے پارٹی میں.....''

گھر کا ماحول بہت اعتدال کی راہ چلتا تھا لیکن اس نے پہلے سے بتا دینا مناسب سمجھا۔ سارا اہتمام اس نے اکیلے کیا۔ کھانے کا مینیو، ڈرائنگ روم اور گھر کی سجاوٹ، کیٹرز کا انتخاب، کیک کسٹمائزرز سے رابطے..... اپنا لباس یہاں تک کہ کسی معاملے میں بھی کسی سے صلاح مشورہ لینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ خود ہی سب فیصلے کیے۔

اماں اپنی دیورانی، جیٹھانیوں سے گھر کے اکثر معاملات ڈسکس کر لیا کرتی تھیں۔ ان کی زبانی سب کو نگینہ کی اس بے مروتی کا پتا چلا، وہیں یہ اندازہ بھی ہوا کہ پارٹی بہت خاص قسم کی منعقد ہونے جا رہی ہے۔ کیونکہ سب ہی شرکا مخصوص کلر تھیم کا لباس پہننے والے تھے۔ شبینہ کو اس بات کا اندازہ بہت دیر بعد ہوا تھا۔ پارٹی کی سجاوٹ کا دائرہ لان تک آنے کے بجائے گھر کے اندر، اندر صرف لاؤنج اور خاص طور پر ڈرائنگ روم تک محدود تھا۔ یہی حدود مہمانوں کی بھی تھیں۔ بے حد گنے چنے افراد جن میں اس کی اپنی سگی بہن شبینہ بھی شامل نہیں تھی مدعو کیے گئے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اماں کے لیے بھی اپنی پسند کے کپڑے لائی تھی۔

موتیا سفید اور کاپر کے امتزاج کا بہت بہترین، شیفون کا نفیس سا شلوار قمیص..... یہاں تک تو ٹھیک تھا۔ لیکن خود اس نے جب ان ہی رنگوں کے امتزاج کی ساڑی زیب تن کی تو اماں کی آنکھیں اس کے حسن جہاں خیز کے آگے چندھیا سی گئیں۔

اپنی ساڑی سے میچ کرتے بالوں کو اس نے تازہ، تازہ ڈائی کروایا تھا۔

بے حد خوب صورتی اور نفاست سے کاپر کلر کا شام کی مناسبت سے میک اپ اور نفیس جیولری نے اس کی شخصیت کو ایسا سحر عطا کیا کہ جو ایک بار دیکھ لیتا کہیں اور نگاہ ڈالنے کے قابل نہیں رہتا۔

اماں دل ہی دل میں کئی بار اس کی نظر اتار چکی تھیں۔ شبینہ خود کو انوائٹ نہ کرنے پر ناراض تھی۔ اس نے اس طرف کا رخ ہی نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی نگینہ نے ایک بار بھی اس کا ذکر کیا۔

مہمانوں کے آنے سے پہلے وہ پوری طرح نک سک سے تیار تھی۔

اِک، اِک کر کے اس کی دو خواتین کولیگز آئیں۔ چونکہ آس پاس کے گھروں میں بھی سب ہی کو پتا تھا کہ آج یہاں دعوت ہے اور کوئی بہت ہی خاص قسم کی دعوت ہے جس میں کسی اور کو شامل کرنا مناسب خیال کیا گیا نہ ہی کسی سے ذکر کیا گیا..... اس لیے کچھ کُھد بُد سب ہی کو خاص طور پر شبینہ کو لگی تھی۔

وہ ہر تھوڑی دیر کے بعد بالکونی سے جھانکتی، جب بھی باہر کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکتیں..... وہ ضرور ٹیرس پر آ جاتی۔ اس کی ایکسائٹمنٹ کو دیکھتے ہوئے، چچا میاں کی بیلی اور شبینہ کی اپنی نند بھی کافی پُرجوش سی تھیں۔

اسی تاکا جھانکی میں اچانک اس نے ایک بہت

ہی ویل ڈریسڈ اور گرومڈ پرسنالٹی کو، نئی نکور چمچماتی ہوئی گاڑی سے اترتے دیکھا۔

اب تک وہاں جتنے بھی لوگ آئے تھے سب ہی بہت تمیز و تہذیب یافتہ، خوش پوش اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہی تھے۔ یہ بات قابلِ غور نہیں تھی۔ اصل بات تو یہ تھی کہ نگینہ کی وہاں موجودگی..... جو آنے والی شخصیت کو خود ریسیو کرنے کار ڈور سے نکل کر پورچ تک چلی آئی تھی۔ انہوں نے بھی کاپر کلر کا ٹو پیس اور آف وائٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔

شبینہ کو تب ہی یاد آیا اماں کے لیے نگینہ جو سوٹ لائی تھی وہ بھی ان ہی دو رنگوں کا امتزاج تھا۔

مغرب سے ذرا پہلے کی ڈھلتی ہوئی دھوپ میں، موتیے رنگ کی ساڑی میں اس کا سراپا ایسا غضب ڈھا رہا تھا کہ اس کے منہ سے بے ساختہ ایک مرعوب سے صدا نکلی.....

''واؤ..... نگین.....''

مہین و نفیس کپڑے میں لپٹا نازک وجود خود کسی موتیے کے پھول جیسا تھا جس کی مہک سے پورا ماحول مہک اٹھا تھا۔

''یہ حضرت کون ہیں؟'' سکندر اس سے ایک قدم پیچھے ہی آ کھڑا ہوا تھا۔ جب وہ نگینہ میں گم ہوئی ہوئی تھی تب سکندر اس شخص کا جائزہ لے رہا تھا۔ جسے نگینہ بہت خوشگوار خیر مقدمی انداز میں اندر لے کر جا رہی تھی۔

وہ چونکی..... ٹیرس پر ہمایوں اور سکندر چائے پینے کب آ کے بیٹھے اسے پتا ہی نہیں چلا۔

''پتا نہیں..... نگین کے کوئی کولیگ.....''

سکندر کی آواز نے اسے نگینہ کے سحر سے نکالا تو وہ بے نیازی ہو کے ہمایوں کے ساتھ ہی بیٹھ گئی..... لیکن سکندر کی آواز میں چھپی ناگواری کو محسوس کیے بنا رہ نہیں سکی۔

ہلکی پھلکی باتوں کے دوران ہی اسے اندازہ ہوا، کہ سکندر کچھ ہی دیر بعد وہاں سے چلا گیا تھا۔

وہ ہمایوں سے بات کرتے ہوئے غیر حاضری ہونے لگی..... پتا نہیں کیوں اسے کوئی چیز مسلسل.... بے آرام کر رہی تھی..... جیسے ہی ہمایوں کے موبائل پر کسی کی کال آئی۔ وہ خود سے اماں جی کے یہاں نہ جانے کے تمام ارادے توڑتی ہوئی پچھلے احاطے کی طرف چلی آئی۔

یہ راستہ کسی کی بھی نظروں میں آئے بغیر وہاں جانے کے لیے سب سے زیادہ محفوظ تھا۔

☆☆☆

پچھلے احاطے میں معمول کی خاموشی تھی۔ مغرب کی اذانوں کی گونجتی ہوئی آوازوں کے پس منظر میں پورے ماحول پر عجیب سی اداسی طاری تھی۔ جو کم سے کم آج اور اس وقت نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن اسے کچن کے جالی والے دروازے کے پیچھے بھی کوئی خاص ہلچل محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ پھر بھی اس نے کچن کے بجائے، برابر والی گیلری سے نکل کے ڈائریکٹ اوپر اماں جی کے کمرے میں جانے کو ترجیح دی۔

جب نگینہ نے بلایا نہیں تھا تو پھر آج، عین دعوت کے وقت اس کا سامنا کرنے میں اس کی انا آڑے آتی تھی۔

اماں جی کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اس نے بے آواز احتیاط کے ساتھ اندر جھانکا تو وہ نماز کی ادائیگی میں مشغول تھیں۔

اسے حیرت ہوئی۔ جب اماں نے اسے بتایا تھا کہ نگوان کے لیے کتنا خوب صورت اور نفیس جوڑا لائی ہے پارٹی میں پہننے کے لیے تو اس وقت تو ان کو بھی نیچے ڈرائنگ روم میں ہونا چاہیے تھا۔ انہوں نے نگینہ کے لائے ہوئے سوٹ کے بجائے، گھر کے ہی کپڑے پہن رکھے تھے۔

اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے بنا کچھ کہے۔ اسی طرح دروازہ بند کیا اور دل کے لاکھ منع کرنے کے باوجود، دبے پاؤں نیچے آئی..... خیال یہی تھا کہ ابھی کسی بھی لمحے، نگینہ سے سامنا ہوا تو کسی نہ کسی کام کا

ملک بھر میں جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت ملنے میں اگر دشواری ہے تو مندرجہ ذیل نمبرز پر ہمارے نمائندوں سے رابطہ کیجیے۔

کراچی	03002680248	گجرات	03016215229	منڈی بہاؤالدین	03460827027
لاہور	03004009578	وزیر آباد	03456892591	سیالکوٹ	0524568440
ملتان	03006301461	لالہ موسیٰ	03216203640	میرپور AK	03460397119
حیدرآباد	03213060477	خان پور	03337472654	اٹک سٹی	057210003
سرگودھا	03447475344	کوہاٹ	03325465062	دیپالپور	03004059957
پشاور	03005930230	ساہیوال	03446804050	لیہ	03002373988
کوئٹہ	03337805247	پاک پتن	0300694678	قصبہ ڈنگہ	03083360600
فیصل آباد	03006698022	مظفر آباد	03469616224	عارف والا	03008758799
راولپنڈی	03335205014	بورے والہ	03347193958	لورالائی	03023844266
نواب شاہ	03003223414	وہاڑی	03136844650	کوٹلہ ارب علی خان	03016299433
سکھر	03009313528	تونسہ شریف	03346712400	جلالپور پیروالا	03338303131
رحیم یار خان	03009672096	ڈیرہ غازی خان	03336481953	ہری پور	03321905703
بہاولپور	0622730455	بہاولنگر	03336320766	چکوال	03348761952
گوجرانوالہ	03316667828	بنوں شہر	03329776400	وہوا	03346383400
جہلم	03235777931	رائے ونڈ	03004719056	حافظ آباد	03006885976
سیالکوٹ	03008711949	ہڑپہ	03317400678	کوہاٹ	03325465062
جھنگ	0477626420	ڈیرہ اسماعیل خان	03349738040	ایبٹ آباد	0992335847
بھکر	03337979701	چشتیاں	03348761952	پتوکی	03454678832
منڈی بہاؤالدین	0331-7619788	منچن آباد	0301-7681279	مانسہرہ	0333-5021421
ڈسکہ	0300-9463975	سمبڑیال	0333-8604306	کوٹ رادھا کشن	03004992290
حجرہ شاہ مقیم	03006969881	ٹوبہ ٹیک سنگھ	0315-6565459		

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ کراچی فون 35895313

E-mail:jdpgroup@hotmail.com

بہانہ بنادے گی۔ گو کہ نگینہ نے اسے بلایا نہیں تھا۔ لیکن اس کے آنے پر پابندی بھی نہیں تھی۔ وہ سگی بہن تھی جب چاہے آسکتی تھی۔

لاؤنج خالی پڑا تھا۔

قیمتی اور خوشبودار پھولوں کی آرائش جوں کی توں تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ یہاں سے کوئی گزرا بھی ہے۔

دفعتاً اسے ایک عجیب گہری خاموشی پورے گھر پر چھائی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسے لگا وہ بے کار میں اتنی احتیاط کررہی ہے۔ شاید اس وقت گھر میں اماں جی کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

یہ خیال ایک برقی رو کی مانند اس کے دماغ میں دوڑ گیا۔ اس نے تیزی سے یہاں وہاں کا جائزہ لے کے ڈرائنگ روم میں جھانکا۔

وسیع و آراستہ ڈرائنگ روم، بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔

''ہیں..... کہاں چلے گئے سب لوگ..... ابھی ابھی تو آئے تھے؟''

دھیمی آواز میں خود کلامی کرتے ہوئے وہ ایڑیوں کے بل گھومی اور کچن کے دروازے تک آئی۔

دہلیز قدم رکھتے ہی اس پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

نگینہ کا آرڈر شدہ کیک فرش کی زینت بنا، گرد میں لتھڑا ہوا پڑا تھا۔

اس کی آنکھیں پھٹنے والی ہوگئیں۔

اپنی پشت پر آہٹ محسوس کر کے وہ جھٹکا کھا کے مڑی۔

''سس..... سکینہ یہ کیا ہوا۔ نگین کا برتھ ڈے کیک..... برباد ہوگیا۔ نیچے کیسے گر گیا؟''

''پتا نہیں باجی۔ میں نے خود نہیں دیکھا۔''

ملازمہ کی آواز میں سادگی اور انجانا پن تھا۔

وہ پھر ساکت ہو کے سکینہ کا چہرہ پڑھنے لگی۔

''او..... و..... ور..... نگین اور اس کے گیسٹس وغیرہ..... وہ سب کہاں ہیں؟''

''باجی..... نگین باجی سب کو لے کے چلی گئیں۔''

سکینہ اب زمین پر اوندھے پڑے کیک کی باقیات اٹھا رہی تھی۔ جب کہ اس کی بات نے شبینہ کے حواس بھی اوندھا دیے تھے۔

''کہاں چلی گئی بھئی؟''

''پتا نہیں باجی..... کہہ رہی تھیں ہم لوگ کھانا باہر ہی کھائیں گے.....''

شبینہ کے دل و دماغ میں سوالیہ نشانوں کی گتھیاں پڑنے لگیں۔

☆☆☆

دوسرے دن صبح ہی صبح سب گھروں میں رات کی پارٹی کا ان چھوا کھانا پہنچ چکا تھا۔

شبینہ، بہن سے بات نہیں کرسکی کیونکہ جب تک وہ ناشتے سے فارغ ہوئی نگینہ جا چکی تھی اور اس کے فوراً بعد ہی تائی امی نے اپنی دعوت کا شور مچا دیا..... دعوت تو ان کو کرنی ہی تھی لیکن برابر سے آئے ہوئے پُرتکلف کھانے کو دیکھ کر ان کا جذبہ زور پکڑ گیا۔ اس میں کہیں نہ کہیں اس دیکھی جلن کا بھی ہاتھ تھا جو وہ دل ہی دل میں نگینہ سے محسوس کرنے لگی تھیں۔ حالانکہ انہوں نے کبھی کسی سے کہا نہیں تھا لیکن شبینہ ان کی بہو تھی اور نگینہ کی سگی بہن بھی..... وہ نگینہ سے ان کی چڑ کو ان کے لہجے میں بھی محسوس کرسکتی تھی۔ جیسے دیورانی کے گھر سے آئے ہوئے بے حد لذیذ کھانے کو انہوں نے جوں کا توں فریج میں رکھوا دیا۔ دوپہر میں گھر والوں کے لیے تازہ کھانا بنایا گیا۔ کسی نے اصرار کر کے کھایا ہو تو کھایا ہو۔ ورنہ انہوں نے وہ سب ذائقے دار رزق ایک..... بے قیمت ڈھیر کی طرح ملازموں میں بٹوا دیا۔ بہانہ یہ تھا کہ آج کل کے موسم میں باسی کھانا معدے کی تکلیف میں مبتلا کرسکتا ہے۔

شبینہ کو دعوت کا سن کے اپنے کپڑوں، میک اپ اور تیاری کی پڑ گئی۔

اس کے سسرال میں کافی دن کے بعد اتنی بڑی دعوت ہو رہی تھی۔ تائی امی نے اریب قریب کے سب لوگوں یہاں تک کہ اماں جی کو بھی خود تایا ابا کے ساتھ جا

کے دعوت دی تھی۔ یہ الگ بات کہ واپسی پر ان کا موڈ کچھ بجھا، بجھا سا تھا۔ شاید نگینہ کی وجہ سے ہی..... باہر سے بھی بہت سے لوگ مدعو تھے۔ نگینہ سے بات کرنے کا خیال اگر دل میں تھا بھی تو ٹلتا ہی رہا..... اور اسے اس وقت یاد آیا جب اماں وہی سوٹ پہن کے دعوت میں آئیں۔

ان کے ساتھ، ساتھ ہی نگینہ سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں چاند کی طرح چمک رہی تھی۔

شبینہ نے دل ہی دل میں اس پر سیکڑوں بار کی طرح بے اختیار رشک کیا..... وہ تھی ہی ایسی مثل ماہتاب..... ہائی ہیل پر سُبک روانی سے چلتی۔ کھلے بالوں کا رنگ بدل کے سیاہ ہو چکا تھا۔ وہ ہمیشہ موقع کی مناسبت سے اپ ٹو ڈیٹ رہتی تھی۔ اور میچنگ کے لحاظ سے ایسی چھوٹی موٹی تبدیلیاں اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھیں۔

دعوت ہمیشہ کی طرح شاندار رہی۔ شبینہ گھر کی اکلوتی بہو ہونے کے باوجود اس توجہ کی حقدار نہیں رہی جو آج بھی نگینہ کو مل رہی تھی۔ اس نے ان معاملات پر دل میں کبھی بہن کے لیے جیلسی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ اس رویّے کی عادی تھی۔ اگر نگینہ منظر سے ہٹ جاتی تو شبینہ بھی کچھ کم خوب صورت نہیں تھی۔ لیکن جیسا مکمل حسن نگینہ نے پایا تھا وہ خال' خال ہی دیکھنے میں آتا ہے۔

رات گئے تک باری، باری باہر کے سب لوگ کھانے سے فارغ ہو کے رخصت ہو گئے۔ اور صرف گھر والے ہی باقی بچے تو قہوے کا دور چلا۔ کزنز الگ مصروف تھے اور بچہ پارٹی الگ۔

ایسے میں نگینہ نے اماں سے واپسی کا کہا۔ انہوں نے خود بھی ابھی جانے سے منع کر دیا بلکہ اسے بھی کچھ دیر کے لیے روکنے لگیں۔

وہ بیٹھنا نہیں چاہتی تھی لیکن اماں کی بات کو رد بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے بجائے کزنز میں جانے کے، ان ہی کے پاس بیٹھ گئی۔

شیطان کی کمزوریاں

۱۔ جب مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو سلام کرتے ہیں۔
۲۔ جب مسلمان بھائی ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔
۳۔ ہر کام کا ارادہ کرنے سے پہلے ان شاءاللہ کہتے ہیں۔
۴۔ گناہ ہو جائے تو استغفار کرتے ہیں۔
۵۔ آپ کا نام سنتے ہی درود بھیجتے ہیں۔
۶۔ ہر کام کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کرتے ہیں۔
یہی چیزیں شیطان کو کمزور اور لاغر کرنے والی ہیں۔
مخلص: شمینہ کوکب جہلم

شبینہ، سبز چائے کا کہنے کے لیے کچن میں آئی تھی۔ جب باہر نکلی تو بزرگوں کی ٹیبل پر اس نے کچھ غیر معمولی انداز محسوس کیا۔

دور سے سب کے از حد سنجیدہ چہرے صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ تائی امی غصے میں دکھائی دے رہی تھیں۔ سب سے غیر معمولی تھی سکندر کی وہاں موجودگی..... جو بڑے تاؤ کھائے ہوئے انداز میں نگینہ کو گھور رہا تھا۔

نگینہ کچھ بول رہی تھی۔ بولتے ہوئے وہ اٹھ کے کھڑی ہو گئی۔

شبینہ کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔ وہاں کچھ نہیں، بہت کچھ غیر معمولی تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے ان کے قریب پہنچی لیکن تب تک نگینہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں سے آگے بڑھ چکی تھی۔

سب لوگ اچانک بے حد خاموش ہو گئے تھے۔ گفتگو میں جو گرما گرمی ہوئی تھی اس کے اثرات نوجوانوں تک بھی پہنچے تھے۔ کچھ دیر پہلے والے خوشگوار ماحول کی جگہ ایک گمبھیر خاموشی نے لے لی تھی۔

شبینہ نے ایک، ایک کے چہرے کو جانچا لیکن کوئی سوال کرنے کی ہمت نہ کر سکی۔

اماں اور ابا جی بڑے تھکے ہوئے انداز میں واپسی کے لیے اٹھے۔ شبینہ بت بنی ان کو دیکھتی رہی، چائے پینے کے لیے بھی نہ روک سکی۔

''کچھ بھی ہو بھائی صاحب..... آج نگین نے جس طرح بھری محفل میں ہماری بے عزتی کی ہے۔ میں اس کو کبھی بھولوں گی نہیں۔'' تائی اماں کی آواز رنجیدگی سے زیادہ غضب و غصے کی عکاس تھی۔

''میں معافی چاہتا ہوں بھابی۔ نگین نے جو بھی بات کی، اس کے لیے..... میں اسے سمجھاؤں گا..... وہ نادان ہے سمجھ جائے گی۔'' ابا کے بجائے اچانک چچا بول اٹھے۔

''اونہہ..... اگر اسے کچھ سمجھنا ہوتا تو آج سے سالوں پہلے نہ سمجھ گئی ہوتی جب ہم نے سکندر کے لیے پہلے بات کی تھی..... ہماری ہی مت ماری گئی تھی جو دوبارہ سوال کرنے بیٹھ گئے۔ اس عمر کی عورت اکیلی سب جگہ گھومتی پھرتی ہے۔ مرضی کی مالک اور خودمختار ہے۔ مجھے پہلے ہی پتا تھا۔ اس نے ضرور کوئی نہ کوئی سیٹنگ بنا رکھی ہوگی جب ہی تو.....''

''تائی امی.....''

تائی امی کی چلتی ہوئی زبان کو بریک لگ گیا۔ نگینہ جانے کب واپس پلٹ آئی تھی۔ شبینہ کے ساتھ ساتھ باقی سب کو بھی جھٹکا لگا۔

''نگین.....'' ابا کی آواز میں ایک واضح تنبیہہ تھی۔ جسے نگینہ نے پوری طرح رد کر دیا۔

''میری کردار کشی کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں۔ اور میں یا میرے ماں باپ میرے ہر عمل کے ذمے دار ہیں اور اس سے واقف بھی..... اس لیے مجھے کسی قسم کی صفائی دینے کی بھی ضرورت نہیں۔''

''نگین بیٹا..... آپ جاؤ بڑے بات کر رہے ہیں ناں۔'' چچا نے فوراً دخل اندازی کی۔

''بڑے بات نہیں کر رہے..... بات کو اچھال رہے ہیں۔ اور بات میرے بارے میں ہے اس لیے مجھے بولنا پڑے گا۔''

''نہ نہ..... نگو..... چل یہاں سے.....'' اماں تیزی سے اس کے پاس آکر اسے زبردستی واپس موڑنے لگیں۔

دور بیٹھے کزنز اور بچے اب پاس آنا شروع ہو گئے تھے۔

''میں تو چلی ہی گئی تھی اماں..... تائی امی کی اپنے بارے میں غلط فہمی سن کے واپس آئی ہوں۔'' نگین کا واپسی کا کوئی موڈ نہیں تھا۔

''یہ میری زندگی ہے اور اسے کس کے ساتھ گزارنا ہے اس کا فیصلہ کرنے کا مجھے پورا حق حاصل ہے۔ بہتر ہوگا کہ میری سیٹنگز کے بجائے اپنی اولاد پر دھیان دیں۔ ہوسکتا آپ کو یہاں اور بہت کچھ، بہت انٹرسٹنگ مل جائے.....''

''نگینہ.....'' اب کی بار سکندر کی آواز کسی دہاڑ سے مشابہہ تھی۔ شبینہ جو ایک دم بت بنی ہوئی تھی۔ دہل کے رہ گئی۔ ابا تیز قدموں سے پچھلے احاطے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ بنا کسی سے کچھ کہے اور بنا کسی کی طرف دیکھے۔

''اپنی آواز نیچی رکھو مسٹر..... چیخنا، چلانا سب کو آتا ہے۔ اور میں اپنے ساتھ، ساتھ اپنے ماں باپ کی بے عزتی بالکل برداشت نہیں.....''

سکندر بے قابو سا ہو کر اس کی طرف بڑھا۔ جیسے ابھی اس کے منہ پر تھپڑ دے مارے گا۔ قریب کھڑے دوسرے کزنز چچا، تایا، گڑبڑا گئے۔ جو دور تھے لپک کے قریب آئے، جو بیٹھے تھے، کھڑے ہوگئے۔ سکندر نے اس کو تھپڑ رسید کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا لیکن آگے بھی وہ تھی۔ جسے یوں برستے ہوئے بھی کسی نے زندگی میں شاذ ہی دیکھا ہوگا۔ اس نے سکندر کا اٹھا ہوا ہاتھ فوری جکڑ لیا۔

''آئندہ کبھی یہ غلطی نہیں کرنا سکندر، ورنہ تم نے تو ہاتھ اٹھایا ہے۔ میری اگر انگلی بھی اٹھ گئی تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔'' بیزاری اور نفرت سے اس نے سکندر کا مضبوط ہاتھ جھٹکا اور اماں سے بولی۔

''مین گیٹ سے واپس چلیں اماں جی..... پچھلے دروازے چور بھی استعمال کرتے ہیں۔''

☆☆☆

ہمایوں نے اسے دوسرے دن نگینہ سے ملنے سے منع کر دیا۔ یقیناً اس کی چاچی تائی امی نے اور تائی امی کی چابی سکندر نے ہی بھری تھی۔

وہ ہمایوں کے منع کرنے کے باوجود نگینہ سے ملنے آ گئی تھی۔ کل رات کی محفل میں جو کچھ ہوا اب اس کے بعد بہت سی باتیں کلیر کرنے کی ضرورت تھی۔

پچھلا احاطہ عبور کرتے ہوئے اسے نگینہ کے الفاظ یاد آئے۔ دل کی کیفیت عجیب ہوگئی۔ اس کے قدموں میں بے اختیار تیزی آ گئی..... نگینہ اپنے کمرے میں ہی ملی۔ اماں جی سے سامنا نہیں ہوا، اس نے شکر ادا کرتے ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔ اور نگینہ پر نظر پڑتے ہی دھک سے رہ گئی۔

اس کی حالت اس قدر بے ترتیب تھی کہ شبینہ کا ہاتھ بے اختیار دل پر پڑا۔

سرخ آنکھیں رت جگے کی چغلی کھا رہی تھیں اور ان میں ٹھہرا ہو نمکین پانی کوئی کہانی سنا رہا تھا۔

بکھرے بال، شکن زدہ لباس.....

وہ کاؤچ کے سامنے زمین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے بہت دیر سے وہیں بیٹھی ہوئی ہو۔ خالی الذہن، خالی ہاتھ اور بھری ہوئی آنکھیں.....

''نگین..... نگین کیا ہوا..... کیا ہوا تمہیں۔'' دفعتاً سارے گلوں شکوؤں پر ماں جائی کی محبت حاوی ہوگئی۔

نگین نے اسے دیکھا پھر گہری سانس لے کے آنکھیں اور چہرے پہ یوں ہاتھ پھیرنے لگی جیسے اپنے چہرے سے گزشتہ رات کے نشان مٹانا چاہتی ہو۔

''ٹھیک ہو ناں تم؟'' وہ قریب آ کے اس کا ماتھا چھونے لگی۔ بال سمیٹنے لگی۔ اس کے دل کو دھچکا لگا تھا۔ رات سے پہلے نگینہ کو یوں ٹوٹا ہوا تھکا، ہارا کبھی دیکھا جو نہیں تھا۔

''کیا ہوا کل رات.....'' نگینہ نے اس کا سوال کے ایک تیکھی زخمی نگاہ اس پر ڈالی۔

''مجھے کچھ پتا نہیں ہے۔ سچی میں، میں چائے بنوانے اندر چلی گئی تھی.....''

''اپنی ساس سے پوچھو جا کے..... مجھ سے کیا ہو چھ رہی ہو.....'' وہ تڑخ گئی تھی۔

''میں کسی سے نہیں پوچھنا چاہتی۔ مجھے صرف تم سے پوچھنا ہے۔''

''کیوں؟'' نگینہ بے طرح چڑ گئی۔

''تاکہ مجھے میرا قصور گنوا سکو جیسے کل تائی امی گنوا رہی تھیں سب کے سامنے۔''

''نہیں..... مجھے تم سے اس لیے پوچھنا ہے کیونکہ مجھے تمہارے سوا کسی پر یقین نہیں ہے۔''

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں گھر بیٹھے حاصل کریں

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 1500 روپے

آسٹریلیا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 20,000 روپے

بقیہ ممالک کے لیے 19,000 روپے

بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں

رابطہ:

مرزا ثمر عباس: 0301-2454188

سرکولیشن مینیجر سید نذیر حسین: 0333-3285269

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیز III ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی

مین کورنگی روڈ۔ کراچی

نگینہ اس کی بات پر رک کے اس کو دیکھتی رہی پھر ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

''تائی امی نے کل سب کے سامنے میرے اور سکندر کے رشتے کی بات کی تھی..... میں نے وہیں منع کر دیا اور ساتھ میں یہ بھی بتا دیا کہ میں کہیں اور.....''

نگین نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اوہ..... لیکن..... نگین..... تم نے ایک دیکھے بھالے گھر کے بندے کو چھوڑ کے، کسی اور کو سلیکٹ کر لیا..... کوئی اور ہماری فیملی کے بندے پر بھاری پڑ گیا..... کیوں؟''

اس کا سوال جائز تھا۔ نگینہ جانتی تھی وہ یہ بات ضرور پوچھے گی اور اب جواب دینے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

''کیونکہ سکندر کردار کا ہلکا ہے۔'' شبینہ کے منہ سے واضح آواز نہیں نکل سکی۔

''ہیں.....'' اس نے کشمکش میں لبوں پر زبان پھیری۔

''اگر کل تائی امی کل سب کے سامنے، میری کردار کشی کی کوشش نہ کرتیں تو یہ سب نہ ہوتا۔''

شبینہ بنا کچھ کہے، اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔

''اماں کو اس بات کا پتا ہے؟''

''اماں اور ابا دونوں کو پتا ہے۔''

''اور تم کو کیا پتا ہے سکندر بھائی کے بارے میں..... پلیز مجھ سے اب کچھ مت چھپاؤ..... مجھے حقیقت معلوم ہونی چاہیے۔ کیونکہ ایک طرف میرے شوہر کا بھائی ہے اور دوسری طرف میری بہن..... اگر اب بھی تم نے کچھ نہ بتایا تو میں سمجھ لوں گی کہ تم سکندر بھائی سے کل والے الزام کا بدلہ لے رہی ہو۔''

شبینہ جانتی تھی نگینہ کو گھیرنا آسان نہیں۔ اس لیے اس نے سب راہیں مسدود کر دی تھیں۔

''سکندر..... کو میں نے مہناز کو چیٹ کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا ایک بار.....''

''مہناز..... مہناز وہ..... وہ والی مہناز۔'' شبینہ کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

''ہاں وہی مہناز، شہناز کی بیٹی..... ایک..... چودہ سال کی بچی.....''

شبینہ کو گھر کی پرانی ملازمہ یاد آئی۔ جسے نوکری چھوڑ کر گئے ہوئے بھی سالوں ہو گئے تھے۔

''تمہیں یاد ہے۔ میرے پری میڈیکل کے رزلٹ والی سیلیبریشن..... اس رات تم مجھے کھانے کے لیے بلانے آئی تھیں جب میں سب کو چھوڑ کر اوپر آ گئی تھی؟''

شبینہ سوچ میں پڑ گئی۔

''اس رات پہلی بار سکندر نے میرے ساتھ... بدتمیزی کی تھی کیونکہ اس سے کچھ ہی دن پہلے میں نے اس کے پروپوزل کو ریجیکٹ کر دیا تھا۔ اسٹارٹنگ میں وہ جانتا نہیں تھا کہ مجھے اس کی حرکتوں کا پتا ہے جو وہ مہناز کے ساتھ کر رہا ہے۔ لیکن جب میں نے اسے ریجیکٹ کیا تو اس نے مجھ سے ڈائریکٹ وجہ پوچھی۔''

''پھر؟'' شبینہ کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

''میں نے بتا دیا کہ میں اسے بھروسے کے قابل نہیں سمجھتی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''تبھی سے وہ میرے پیچھے لگا رہا۔ میں سمجھتی تھی کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے۔ حالانکہ مجھے اس بات کی پروا نہیں تھی۔ لیکن وہ شاید مجھے پسند کرتا ہے۔ اسی لیے پروپوزل دیا۔ لیکن.....'' اس کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''وہ تو صرف مجھے چپ کرانا چاہتا تھا ہمیشہ کے لیے۔''

''جب اس کے منہ سے اس رات یہ بات نکلی تو میں بالکل ہی فرنٹ ہو گئی..... اس نے مجھ سے بدتمیزی کی، مجھے ڈرایا، دھمکایا۔ اسی دعوت کی رات مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے سکندر کو ریجیکٹ کر کے کتنا ٹھیک کیا۔ میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ میں نے سکندر کو ریجیکٹ کر کے اچھا کیا..... ایکچوئلی.....''

وہ ایک بار پھر رک کر تذبذب میں پڑ گئی۔

''پتا نہیں اس کا اور مہناز کا ریلیشن کہاں تک چلا گیا تھا کہ اسے مہناز کو نوکری سے فارغ کروا کے خود

باہر بھاگنا پڑا۔''

شبینہ نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا..... اس کی نظروں کے سامنے سب گتھیاں ریشم کے دھاگوں کے مانند کھل رہی تھیں۔

''میں سب سمجھ رہی تھی شی..... میں سب سمجھتی تھی لیکن میرا اس سے کوئی لینا دینا نہیں تھا تو، میں کیوں اسے قبول کرتی..... لیکن اسے پتا نہیں کیا خوف تھا کہ اب اتنے سالوں بعد آ کے وہ پھر میرے پیچھے پڑ گیا..... ہوسکتا ہے۔ اس بار وہ واقعی صحیح نیت سے مجھے اپنانا چاہتا ہو لیکن وہ میرے لیے قابل قبول نہیں تھا۔ کبھی بھی نہیں۔ مجھے اس کے واپس آنے سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔ میری اپنی زندگی ہے اور مجھے اس کو کس کے ساتھ گزارنا ہے۔ اس کا فیصلہ مجھے ہی کرنا تھا اور میں نے فیصلہ کرلیا تھا۔ میں نے کہا تھا ناں کہ اماں سے ایک بات کرنی ہے۔''

اس نے شبینہ کو تائیدی انداز میں دیکھا۔ شبینہ کا سر بے اختیار اثبات میں ہل گیا۔

''وہ یہی بات تھی۔ میں پروفیسر شجاع کو اماں سے ملوانا چاہتی تھی۔ اسی لیے میں نے برتھ ڈے پارٹی کا بہانہ بنا کے دوسرے کولیگز کے ساتھ ان کو گھر بلایا لیکن..... اس سکندر کے بچے نے سب کچھ غارت کردیا۔ وہ دوبارہ میرے پاس آیا اور مجھ سے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی۔ اس ذلیل نے ہاتھ مار کے کیک زمین پر گرادیا اور دھمکی دی کہ اگر میں نے اس کی بات نہیں مانی تو اچھا نہیں ہوگا.....''

شبینہ کا سر جھک گیا۔ اسے پتا نہیں کیوں اپنی بہن سے شرمندگی ہو رہی تھی۔

''تائی امی نے بھی اسی لیے بھری محفل میں اچانک بات کی تھی کہ شاید میں پریشر میں آ کے چپ ہو جاؤں گی۔ لیکن پروفیسر شجاع کے بارے میں، میں اماں اور ابا کو سب کچھ پہلے ہی بتا چکی تھی۔ اس لیے میں نے پورے اعتماد سے وہیں انکار کردیا۔ شجاع کو میں سالوں سے جانتی ہوں۔ ان کی ریپوٹیشن سے واقف ہوں۔ بھلے ان کی ایج مجھ سے زیادہ ہے لیکن میں خود بھی تو بچی نہیں ہوں۔ ان کا ایک بیٹا میرا اسٹوڈنٹ رہ چکا ہے۔ چھوٹی بیٹی ابھی آنرز کے فرسٹ ائیر میں ہے۔ میرے سامنے ان کی عادات، نیچر، ان کا پاسٹ اور پریزینٹ کھلی کتاب کی طرح ہے۔ وہ سکندر سے بہت درجے بہتر ہیں۔ سکندر کے کیریکٹر کے بارے میں، میں تو کیا اس کی اپنی ماں بھی گارنٹی نہیں دے سکتی۔ اور میرے لیے سب سے امپورٹنٹ چیز کیریکٹر ہے..... کردار ہے۔ کولیگز ہونے کے باوجود شجاع نے کبھی مجھ سے کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی۔ ان کا پروپوزل بھی ان کی بیٹی نے ہی میرے سامنے رکھا تھا۔ اسی لیے جب تائی امی نے میری کردار کشی کی تو میں چپ نہیں رہ سکی۔''

وہ یوں تھک کے خاموش ہوئی جیسے سب کچھ کہہ ڈالا ہو..... معلوم نہیں کتنے دن یا کتنے سالوں سے اس کے اندر یہ سب باتیں جمع تھیں۔

''اگر..... سکندر بھائی کے بارے میں تمہیں اتنا کچھ پتا تھا تو تم نے پہلے ہی دن سب کو سب کچھ بتا کیوں نہیں دیا..... کیوں خود پر جھیلتی رہیں سب کچھ.....''

''کیونکہ شی..... جو سکندر نے کیا وہ اس کا عمل تھا۔ اور میں نے اتنے عرصے اگر اس کی ایک غلط حرکت کو جانتے بوجھتے چھپائے رکھا تو یہ میرا عمل تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اس کی رسوائی کا سبب، اس کے کرتوت کے بجائے میں بن جاؤں..... اسے خوف ہوگا کہ کہیں میں سب کے سامنے کچھ بول نہ دوں لیکن میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ جب اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی تو میں کیوں سب میں ڈھول پیٹتی..... وہ اس کا کردار تھا۔ یہ میرا کردار ہے۔ میں ایسے شخص کو معاف تو کرسکتی ہوں۔ لیکن اپنی زندگی کا ساتھی کبھی نہیں بنا سکتی..... کیا اب تم بھی مجھے غلط سمجھو گی؟''

شبینہ کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔

نگینہ اٹھ کے واش روم میں بند ہوگئی تھی۔

❁❁❁

سلسلے وار ناول

میں عشق ہوں

نایاب جیلانی

عشق، محبت، الفت، چاہت، انسیت، لگاؤ، پیار، اپنائیت... اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ حسین جذبے... کہیں یہ پھول برساتے ہیں، زندگی مہکاتے ہیں، سانسوں کو معطر کرتے ہیں، لبوں کو ترنم بخشتے ہیں، تاریک راہوں کو منور کرتے ہیں اور کبھی، کبھی یہ مردہ ہوتے وجود میں زندگی کی نئی لہر بھی دوڑاتے ہیں... غرضیکہ انسانی حیات انہی جذبوں کی مرہونِ منت ہے... لیکن یہی جذبے کبھی عمر بھر کی تلاش کا حاصل ہوتے ہیں اور کبھی ریت کے ذروں کی طرح ہاتھ سے پھسلتے چلے جاتے ہیں اور انسان تہی داماں رہ جاتا ہے... اسی حاصل اور لاحاصل کے گرد گھومتی حساس جذبوں کی آئینہ دار ایک دلکش و دل پزیر تحریر

ابھی تو عشق میں ایسا بھی حال ہونا ہے
کہ اشک روکنا تم سے محال ہونا ہے

ملیں گی ہم کو بھی اپنے نصیب کی خوشیاں
بس انتظار ہے کب یہ کمال ہونا ہے

ہر ایک شخص چلے گا ہماری راہوں پر
محبتوں میں ہمیں وہ مثال ہونا ہے

وصی یقین ہے مجھ کو وہ لوٹ آئے گا
اسے بھی اپنے کیے کا ملال ہونا ہے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

عائم کو اپنی الماری سے وہ پیکٹ ملتا ہے تو حیران رہ جاتی ہے پھر اس کے پاس اس خیر خواہ کے کچھ میسج آتے ہیں جو وہ سمجھ نہیں پاتی۔ عائم اس پیکٹ کو کھول کر دیکھتی ہے لیکن ان عجیب سی چیزوں کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ تائی امی اسے کہتی ہیں کہ ایمان کی خواہش بابا صاحب تک پہنچ گئی ہے اور انہوں نے ایمان کو سمجھایا ہے کہ اس کی ماں ذہنی مریضہ ہے اور وہ اس کی ضد کی وجہ سے خود کو کوئی نقصان بھی پہنچا سکتی ہے تو ایمان خاموش ہو جاتا ہے۔ تائی امی کہتی ہیں کہ اب ہم جلد تمہاری شادی کر دیں گے۔ عائم جامعہ جانے کے لیے نکلتی ہے تو پورچ میں کوئی گاڑی نہیں ہوتی۔ حریم، عائم کو رکنے کا کہہ کر احتشام سے کہتی ہے کہ وہ عائم کو چھوڑ دے۔ عائم، احتشام کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتی ہے تو اس کا ایک دوست بھی گاڑی میں موجود ہوتا ہے۔ وہ دونوں کچھ مرغی اور انڈے کی بابت بات کرتے ہیں جو سن کر عائم کو اپنی ہنسی روکنی محال تھی اور وہ سوچتی ہے کہ جلد جامعہ آجائے۔ عالی، عائم کو جامعہ کے گیٹ پر ملتی ہے اور اسے احتشام کی جیپ سے اترتا دیکھ کر حیران ہوتی ہے۔ عائم، نورس سے ملنے جاتی ہے تو نورس اس کی بہت تعریف کرتی ہے اور اسے آفر کرتی ہے کہ اگر وہ نورس کے ساتھ کام کرے گی تو وہ اسے جامعہ کی ایڈمنسٹریٹر بنا دے گی اور اس کو وہ کلپ دکھاتی ہے کہ کس طرح وہ جامعہ سے نکلی تھی۔ عائم کہتی ہے میں اتنی بھاری ذمے داری نہیں اٹھا سکتی تو وہ کہتی ہے میں تمہارے ساتھ ہوں..... عائم، نورس کو بتاتی ہے کہ وہ پیکٹ مل گیا ہے لیکن پیکٹ سے برآمد چیزیں دیکھ کر وہ کہتی ہے کہ یہ سامان بدل گیا ہے۔ عائم کہتی ہے کہ میں نے نہیں کیا تو وہ اسے خبردار رہنے کو کہتی ہے اور کہتی ہے کہ راشن ڈپو میں جا کر راشن اتروائے۔ اسٹور کا ہیڈ، عائم کو کہتا ہے کہ ڈیلر نے نیا ڈرائیور بھیجا تھا جس نے ایکسیڈنٹ کر کے سارے انڈے توڑ دیے ہیں۔ عائم، ڈرائیور کو دیکھ کر الجھن کا شکار ہوتی ہے اور اسے چھپ کر نورس کی تصویریں لیتے دیکھ کر ساکت رہ جاتی ہے۔ عالی، عائم کو بتاتی ہے کہ حریم کی کزن کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔ عامہ، سونیا کو بتاتی ہے کہ فیقہ پھپھو بہت پیاری تھیں ان کی دوست نے ان کے منہ پر کوئی کریم لگا دی جس سے ری ایکشن ہوا اور گھر والوں نے اس کا صحیح علاج نہیں کرایا جس کی وجہ سے ان کی یہ حالت تھی کہ چہرہ عجیب سیاہی مائل ہو گیا تھا..... طابہ، عامہ سے کہتی ہے کہ تم تقی کو سب کچھ بتا دو..... سونیا، عامہ سے کہتی ہے کہ وہ فیقہ کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے کہ وہ نارمل ہو جائے۔ منصور سیال کا فون آتا ہے تو عامہ، شام کو بلانے جاتی ہے تو وہ اسے ڈانٹتا ہے کہ تم نے یہ کال کیوں سنی۔ تقی، شام کو بتاتے ہیں کہ فیکٹری کے سامنے پلاٹ کا جو کیس تھا وہ ہار گئے ہیں اور وہ پلاٹ منصور سیال نے لیا ہے اور اب وہ ان کے مقابل آ کر بدلہ لینا چاہتا ہے کیونکہ صوفی صالح نے رابعہ کے ساتھ (شام کی ماں) منصور سیال کے سلوک کی وجہ سے اسے جیل کی شکل دکھائی تھی۔ اور شام کو خود لے آئے تھے۔ تاج بیگم، شام سے کہتی ہیں کہ وہ تین مہینے کے بعد فیقہ سے اس کی شادی کر دیں گی وہ تیار رہے۔ طاہر وکیل کے پاس جا کر پوچھتا ہے کہ اس نے یہ کیس کیوں ہارا تو وہ بتاتی ہے کہ آج تک وہ کوئی کیس جیتی ہی نہیں۔ فیقہ سوچتی ہے کہ اماں اور بھیا نے اس کے لیے شام کا انتخاب کیا ہے تو عامہ اس کے رستے سے ہٹ کیوں نہیں جاتی۔ عامہ، دادی کے کیے فیصلے سے پریشان تھی جو انہوں نے تین ماہ بعد فیقہ اور شام کی شادی کے حوالے سے کیا تھا۔ طابہ، عامہ سے کہتی ہے کہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے کچھ نہیں ہوتا لیکن وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی کیونکہ شام اس حوالے سے اس کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کرتا تھا۔ سونیا، عامہ کو فون کر کے کہتی ہے وہ فیقہ کی برین واشنگ کر کے اس کو صحیح اور غلط فیصلے کی پہچان کروا کر اس کی دوسری جگہ شادی کروا دے گی۔ وہ ابھی بات کر رہی ہوتی ہے کہ فون کٹ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد فون پھر بجتا ہے تو عامہ سمجھتی ہے کہ سونیا ہی ہے وہ کہتی ہے کہ میں شام کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی لیکن دوسری طرف سونیا نہیں تھی۔

اب آگے پڑھیے

قسط نمبر 11

عائم کی آنکھوں میں ریت سی بھرنے لگی تھی۔ اس نے آنکھیں مسل، مسل کر اخبار کے اس حصے کو دیکھا تھا جس کے چوکھٹے میں کرن کی مسخ شدہ تصویر لگی تھی۔ ایسی کٹی پھٹی لاش جس کی پہچان نہایت مشکل تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے تیزاب ڈال کر اس کا چہرہ جلایا گیا ہے۔

"کون اتنا ظالم، کٹھور، وحشی اور سنگدل درندہ تھا جس نے اس معصوم سی لڑکی کو بے گناہ بھنبھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

ایسا بہیمانہ قتل؟ ایسی سفاکی..... عائم کی آنکھوں میں ریت چبھتی رہی تھی۔ وہ بے دم سی وہیں گھاس پر بیٹھ گئی۔ عالی اس کی کیفیات سمجھتی تھی، اس کے دکھ کو اور حساسیت کو بھی جانتی تھی۔ اسی لیے عالی نے گھر جانے کا ارادہ ترک کر کے عائم کو تسلی دینے کا سوچا تھا۔ وہ اس کے قریب ہی دوزانو بیٹھ گئی۔ عائم نے گھٹنوں میں سر دے رکھا تھا۔ عالی بغیر دیکھے بھی جانتی تھی کہ عائم بے آواز رو رہی ہے، عالی نے اس کا شانہ ہلایا۔ نرمی سے سمجھایا۔

''حوصلہ کرو، یہ تو ایک روٹین کا حصہ ہے عائم! آئے دن اغوا، قتل، سفاکی، بے رحمی..... ہم ایسے بے بس ہیں کہ کچھ کر نہیں سکتے۔'' وہ نرمی سے اس کا سر تھپک رہی تھی۔ عائم نے آنکھوں میں بھرتی ریت کو بے دردی سے رگڑا تھا۔

''کیوں نہیں کر سکتے؟ کم از کم رو تو سکتے ہیں، افسوس تو کر سکتے ہیں۔'' اس نے بے بسی سے کہا تھا۔ عالی تاسف سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''ہمارا رونا اسے واپس نہیں لائے گا، ہم اس کے لیے دعا کر سکتے ہیں جو اسے سکون پہنچائے۔'' عالی ملائمت سے اسے سمجھا رہی تھی۔

''اور یہ ایک سفاک حقیقت ہے، دو دن اخبار کی خبر پر افسوس کیا جائے گا پھر کسے یاد کہ کوئی کرن بھی تھی۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح سے ہوتا ہے۔'' اس نے فاش حقیقت کا چہرہ کرایا تھا۔ عالی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ عموماً یہی ہوتا ہے، دو دن چینلز چلاتے ہیں، ایک آدھ اخبار میں خبر آجاتی، چار پانچ دن اظہارِ افسوس کیا جاتا ہے اور پھر سب بھول جاتے ہیں لیکن عائم، کرن کو نہیں بھول سکتی تھی۔ وہ نو عمر سی گلابی کپڑوں میں ملبوس لڑکی، جسے پنڈال سے بھاگنے کی جلدی تھی۔ جو عائم کو بوکے اور پیکٹ پکڑا کر بھاگ گئی تھی۔ آخر اس کا کیا قصور تھا؟ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا تھا؟ کون تھا جو قاتلوں کو ڈھونڈ لاتا؟ کون تھا جو مجرموں تک پہنچ جاتا؟ کون تھا جو گناہ گاروں کو سزا دیتا؟

''کیا ہمیں کرن کے گھر جانا چاہیے؟'' عائم نے لہو رنگ آنکھوں سے سوال کیا تھا۔ عالی کچھ دیر کے لیے سوچ میں گم ہو گئی تھی پھر اس نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''کیوں نہیں.....'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''میں ثریم سے کانٹیکٹ کرتی ہوں، کرن کے گھر کا ایڈریس پوچھ کے کل کسی بھی وقت چلیں گے۔'' عائم نے خود ہی پروگرام بنا لیا تھا جو عالی کو بھی بہتر لگا۔ ثریم سے اچھے تعلقات تھے۔ اس کے گھر بھی آنا جانا تھا۔ اظہارِ افسوس تو بنتا تھا۔ پھر کرن چاہے دور کی ہی سہی ثریم کی کزن تھی۔ دونوں نے وقت بھی طے کر لیا تھا۔ پھر عالی تو گھر چلی گئی جبکہ عائم کو نور کے پاس رکنا پڑا تھا۔ وہ دور سے ہی عائم کو دیکھتی بھاگ آئی تھی۔ اس نے عائم کو شاید روتے دیکھا تھا سو متفکر سی پوچھنے چلی آئی۔

''آپ رو رہی تھیں عائم! خیریت تو ہے؟'' نور نے فکر مندی سے پوچھا۔ عائم کی نظر پھر سے اخبار کے ٹکڑے پر پڑی تھی، کرن کی کٹی پھٹی لاش نے عائم کو رُلا دیا تھا۔ اس یقین نہیں آتا تھا کہ یہ کرن کی ٹوٹی پھوٹی لاش ہے۔

''ثریم کی کزن کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔'' عائم نے بمشکل ضبط کے ساتھ بتا دیا تھا، نور کا رنگ فق ہو گیا۔ اس نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کی رنگت اڑ گئی تھی۔ جیسے اسے شاک لگا تھا۔

''کرن کو؟'' نور نے اڑی رنگت کے ساتھ پوچھا۔ حیرانی در حیرانی تھی، کرب در کرب تھا۔

''ہاں.....'' اس نے بھیگی آواز میں بتایا۔ ''کیا تم کرن کو جانتی ہو؟'' عائم نے حیرت سے پوچھا۔

''جانتی ہوں..... کرن لوگ یو کے سے دو ماہ پہلے ہی یہاں شفٹ ہوئے تھے۔ ثریم کے ساتھ وہ بہت دفعہ جامعہ آچکی ہے۔'' نور کے انکشاف نے اسے اور بھی حیران کیا تھا۔ کیونکہ کرن کو عائم نے جامعہ میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ عائم کی غیر موجودگی میں آتی رہی ہو۔

''نورس کی کرن سے اچھی سلام دعا تھی۔ کرن جب بھی یہاں آتی تھی نورس سے ضرور ملتی تھی۔'' نور نے اسے مزید بتایا تھا۔ عمائم حیران نہیں ہوئی تھی۔ نورس کی قریب، قریب سب سے اچھی جان پہچان تھی۔ وہ ہر ایک سے تپاک اور خندہ پیشانی سے ملتی تھی۔ غرور و تکبر تو ذرا بھی نہیں تھا۔ اس میں حلیمی اور عاجزی تھی۔ اسٹوڈنٹس کو برابری کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ سب کے ساتھ ایک سا رویہ رکھتی تھی۔

''کیا تم کرن کے گھر چلو گی؟'' عمائم نے اٹھتے ہوئے نور سے پوچھا۔

''کیوں نہیں...... اگر نورس نے پرمیشن دی تو۔'' نور نے سادگی سے کہا۔

''نورس سے اجازت لے لوں گی۔'' عمائم بازو پر لٹکا گاؤن پہنتے ہوئے بولی۔ ''تم کل تیار رہنا۔ ہم کرن کے گھر تعزیت کے لیے چلیں گے۔''

''ٹھیک ہے عمائم......'' نور نے سر ہلا کر کہا۔ پھر وہ ہاسٹل کی طرف چلی گئی۔ عمائم جامعہ سے باہر نکل آئی۔ کل کا دن کتنا عجیب تھا۔ وہ کیسے اتنی ہوشیاری سے جامعہ کی عمارت سے باہر نکلی تھی۔ اس سلپ پر لکھا وہ تاریخی واقعہ...... محمد غوری نے دلی پر جب حملہ کیا۔ عمائم سوچتی رہی تھی۔ آخر کون تھا جو مصیبت میں اس کی رہنمائی کرتا تھا؟ مشکل وقت میں ڈھال بن جاتا تھا؟ پھر وہ رانگ کالر جس کے میسجز میں پہیلیاں ہوتی تھیں۔ عمائم کی زندگی سے ملتی جلتی۔ وہ پیدل ہی چلتی رہی تھی۔ فٹ پاتھ پر سر جھکا کر چلتے ہوئے اسے ایک بے نام تپش کا احساس ہوا تھا۔ اس نے چونک کر آس پاس پر نگاہ دوڑائی تھی۔ بظاہر تو کوئی بھی نہیں تھا۔ جامعہ کی عمارت کے بالکل سامنے ایک رہائشی بلڈنگ تھی۔ وہ اسی بلڈنگ کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ نیچے سے سیکنڈ فلیٹ کی بالکونی سڑک کی طرف کھلتی تھی۔ وہاں پر دو لوگ کھڑے تھے۔ عمائم سر جھکائے چل رہی تھی۔

بالکونی سے لٹکی بیلیں نیچے کی طرف جھک رہی تھیں۔ اوپر رنگ، رنگ کے پھول تھے جو راہ گیروں پر گرتے چلے جاتے تھے۔

بالکونی کی گرل پر ہتھیلیاں رکھے وہ نیچے کی طرف تھوڑا جھک کر دیکھ رہا تھا۔ جب بلیک کافی کا ایک مگ پکڑے اس کا دوست دوبارہ ٹیرس پر نظر آیا۔ اس نے ٹرے اسٹول پر رکھی تھی پھر آگے کو تھوڑا جھک کر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ اب وہ بڑی لجاجت سے اسے بتا رہا تھا۔

''تم سے کچھ کہنا تھا یار......'' اس نے یتیموں جیسی صورت...... بنالی تھی۔ چہرے پر شدید شرمندگی رقصاں تھی۔ آنکھیں جھکی تھیں، گویا خائف ہونے کی اداکاری کی جارہی تھی۔

''کہو......'' وہ لٹھ مار انداز میں بولا تھا۔ گویا اس کی مکاری کے احوال سے واقف تھا۔

''اگر مشن میں کوئی گڑبڑ سی ہو جائے۔ معمولی سی گڑبڑ...... تو کیا ''سزا......'' ملتی ہے۔'' اس نے رونی شکل بنا کر آزردگی سے پوچھا۔

''کچھ زیادہ نہیں...... بس کشمور کے جنگلوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ جہاں نہ صاف پانی ملتا ہے نہ خوراک...... یا پھر برفیلے پہاڑوں پر پھینک دیا جاتا ہے۔ اس سے بڑی سزا نہیں ملتی۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے روشان کے چودہ طبق روشن کیے تھے۔

''احتشام......'' وہ ہل کر رہ گیا۔ ''یہ کم ''سزا'' ہے کیا؟'' وہ رو دینے کو تھا۔

''تو گڑبڑ کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ آنکھیں، دماغ کھول کر کام کرنا تھا۔'' احتشام نے تیور دکھائے تھے۔ وہ منہ بنا کر رہ گیا۔

''سارا کچھ کھولا ہوا تھا...... پھر بھی طرح دار ''مرغی'' کی تصویریں لیتے اس نے دیکھ لیا۔'' روشان دکھی سا

ہوگیا۔زبان دانتوں تلے دبالی تھی۔کیونکہ احتشام نے اسے بری طرح سے گھورا تھا۔

''تو اب بھگتو.....'' اس نے صاف بے نیازی دکھائی۔گویا اس کا روشان کی مدد کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس کے تیور ملاحظہ کر کے روشان کی جان پر بن آئی تھی۔

''میں پہاڑوں پر رہ سکتا ہوں نہ جنگلوں میں..... پہاڑوں پر مجھے نمونیا ہوجائے گا۔جنگلوں میں.... ڈی ہائیڈریشن، مجھے بچالو، احتشام.....'' اس کی دہائیوں پر احتشام نے کوئی توجہ نہیں دی۔وہ اطمینان سے کافی پیتا رہا اور فٹ پاتھ کی طرف دیکھتا رہا۔

''مشن میں ذرا سی غلطی کی گنجائش نہیں ہوتی.....ایک دفعہ سزا ملی تو آئندہ محتاط رہو گے۔'' وہ بڑے سکون سے بولا تھا۔نگاہیں اب بھی فٹ پاتھ پر تھیں۔نیچے چلنے والی خاموش تھی اور سر جھکائے چل رہی تھی گویا خود میں مگن اور اردگرد سے قطعاً لاتعلق.....

''میں غلطی سے سیکھ چکا ہوں۔سزا سے مجھے بڑا خوف آتا ہے پھر علاقہ غیر میں ٹرانسفر کا مطلب سمجھتے ہو۔'' روشان روہانسا ہوگیا تھا۔پھر اس کے ہاتھ سے کافی کا مگ چھین کر بولا۔کافی چھلک کر اس کی شرٹ پر پرنٹ چھوڑ گئی تھی۔وہ گھور کر دیکھتا رہ گیا۔

''یہ کافی میری ٹینشن سے زیادہ ضروری نہیں۔'' وہ بھنایا۔

''گڑبڑ کے بعد چلانے کا کوئی فائدہ ہے؟ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔'' احتشام نے خفگی سے جتلایا تھا۔

''مجھے خوف ہے ''مرغی'' چوکنا نہ ہوجائے۔'' روشان نے اپنی بے چینی کی وجہ بتائی تھی۔وہ پُرسوچ انداز میں سر ہلاتا رہا.....جیسے کسی نتیجے پر پہنچ رہا تھا۔

''نہیں ہوگی.....'' اس کا اطمینان قابلِ دید تھا۔

''مرغی کی دستِ راست نے دیکھ لیا تھا۔'' وہ ہکلا کر بولا۔

''یعنی ''چوزی'' نے.....؟'' اس کی آنکھوں میں تحیر ابھرا.....وہ ایک بھوں اچکا کر پوچھ رہا تھا۔روشان کو اتنے کثیف ماحول میں بھی ہنسی آگئی تھی۔

''ہاں.....وہی.....'' اس نے بمشکل ہنسی دبا کر کہا۔

''تو پھر کیا مسئلہ ہے؟'' وہ بے حد بے پروائی سے بولا۔

''تم ذرا بھی سنجیدہ نہیں.....'' روشان کو اس پر بڑا ہی غصہ آیا۔یعنی اس کی ٹینشن احتشام کے نزدیک کچھ بھی نہیں تھی یہ کیسا برادوست تھا۔

''سنجیدہ کیسے ہوتے ہیں؟'' اس نے حیرت سے پوچھا تھا۔گویا سنجیدگی کا مطلب ہی نہیں جانتا ہو.....روشان اسے گھور، گھور کر تھک گیا۔گویا ساری گھوریاں بے اثر تھیں۔

''احتشام.....'' وہ دانت کچکچا کر رہ گیا.....احتشام کو اس پر ترس آگیا تھا۔اس نے پیار سے روشان کے کالر سے نامعلوم گرد جھاڑی تھی۔پھر اس کی شرٹ کا اوپر والا کھلا بٹن بند کر کے نرمی سے بولا۔

''چوزی اسے بتائے گی تو مرغی چوکنا ہوگئی ناں.....؟'' اس نے نرمی سے روشان کو سمجھایا۔

''اگر اس نے بتادیا؟'' روشان متفکر تھا۔

''نہیں بتائے گی۔'' اس نے یقین سے کہا۔

''اگر بتادیا.....؟ فرض کرو ایسا ہوجائے۔'' وہ جھنجلایا۔

''اس کے پاس دماغ ہے مگر زیادہ دیر سوچتی نہیں.....سوچے گی تو گہرائی میں اتر جائے گی۔اور گہرائی میں

اترنے کا اس کے پاس وقت نہیں..... اور الجھنیں بے شمار ہیں۔'' احتشام نے اسے ٹھیک ٹھاک تسلی دی تھی۔ وہ مطمئن ہوگیا تھا۔ پھر اس نے بالکونی سے نیچے جھانک کر دیکھا..... اس کی آنکھوں میں تحیر ابھرا تھا۔ وہ ریلنگ پر جھک گیا۔

''شام! دیکھو.....'' اس نے دور جاتی ایک جانی پہچانی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''کب سے دیکھ رہا ہوں۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''وہ اکیلی ہے.....'' روشان نے مزید بتایا۔ وہ اسی طرح ریلنگ پر جھکا ہوا تھا۔

''نہیں..... اکیلی نہیں، کوئی اور بھی برابر ہے.....'' احتشام نے وثوق سے کہا تھا۔ اس کا دوست ریلنگ سے اور بھی لٹک گیا۔ آنکھیں پھاڑ، پھاڑ کر دور تک دیکھا تھا۔ اسے لڑکی کے سوا کوئی اور وجود دکھائی نہیں دیا تھا۔ اسے احتشام کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

''ہرگز نہیں.....'' روشان نے بھنا کر کہا۔ ''وہاں کوئی نہیں.....''

''ہے تو..... تمہیں دکھائی نہیں دے رہا.....'' احتشام کا یقین برقرار تھا۔ روشان نے خفگی سے اس کے کندھے پر دھپ لگائی تھی۔ پھر اس نے اپنے موبائل کو باہر نکالا تھا۔ وہاں ایک اسمارٹ سا لینس فٹ کیا۔ یہ ایسا لینس تھا جو دور کی چیزوں کو واضح کر دیتا تھا۔ حتیٰ کہ اردگرد سے چوکنا بھی رکھتا تھا۔ لینس فٹ ہو چکا تھا روشان نے دائیں ہاتھ میں موبائل پکڑ کر لینس کو آنکھ کے قریب کیا۔ اسے فٹ پاتھ پر سر جھکائے ایک لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔ جو بہت چھوٹے قدم اٹھا کر چل رہی تھی۔ جیسے اسے منزل پر پہنچنے کی خاص جلدی نہیں تھی۔ اس کا انداز بڑا مگن سا تھا۔ وہ اپنے دھیان گیان میں گم تھی۔ جیسے اسے اردگرد سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس کا ریشمی گاؤن ہلکی ہوا میں مرتعش ہوتا تھا۔ اور پھیل کر لہریے کی شکل میں ابھرتا اور نرمی سے پھڑ پھڑاتا تھا۔ روشان نے گردن دائیں بائیں نفی میں ہلائی تھی۔ جیسے احتشام کو جھٹلا رہا تھا۔

''وہاں تو کوئی بھی نہیں..... تم اپنی آئی سائٹ چیک کرواؤ..... خواہ مخواہ اونچے دعوے کرتے ہو۔'' روشان کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔

''میں لینس کے بغیر بھی دوربین جیسی نگاہ رکھتا ہوں۔'' اس نے صاف احتشام کی نقل اتاری تھی۔ اور اس کے دعوے کو جھٹلا دیا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اس نے اپنے حساس موبائل کے لینس سے دور تک غور کیا۔

''بندے کو اتنا اوور کانفیڈنس نہیں ہونا چاہیے۔'' روشان نے طنز کا تیر چلایا۔

احتشام کو باتیں سنانے کا آج ہی موقع ہاتھ آیا تھا۔ ورنہ وہ احتشام ہی کیا جس کی کمزوری ہاتھ لگ جائے وہ بڑا محتاط قسم کا بندہ تھا۔

''چل میرے بھائی! تیرا دعویٰ تو جھوٹا ثابت ہوگیا۔'' روشان نے بڑی سی جمائی لے کر پیچھے کھڑے احتشام کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ لڑکھڑا گیا تھا۔ وہاں تو احتشام تھا نہ احتشام کا کندھا تھا۔ روشان آنکھیں پھاڑے حیران رہ گیا تھا۔ اس نے بالکونی سے پیچھے کا ریڈور کا دروازہ کھول کر جھانکا۔ پھر اندر چلا آیا۔ پورا فلیٹ بھاں، بھاں کر رہا تھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ احتشام نہ اس کا لیپ ٹاپ، نہ جیپ کی چابیاں احتشام کہاں گیا تھا؟ کب گیا تھا؟ کدھر گیا تھا؟ وہ تیزی سے دوسری طرف کی ونڈو پاس آیا تھا۔ نیچے جیپ نہیں تھی جانے کب احتشام دبے قدم سے کھسک گیا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا بالکونی میں آگیا۔ اسی ریلنگ کے پاس جھک کر اس نے موبائل کے لینس سے دیکھا تھا۔ دور بہت دور دو ہیولے برابر چلتے دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر غور کیا۔ وہ دو لوگ بڑے جانے پہچانے تھے۔ اسے دھچکا لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اسے موبائل پر میسج ٹون سنائی دی تھی

اس نے بے تابی سے میسج کھولا۔

''احتشام کے دعوے جھوٹے نہیں ہوتے۔ خوردبین سے دیکھ لو..... وہ اکیلی نہیں..... میں برابر چل رہا ہوں.....'' مسکراتے سمبل کے ساتھ کرارا سا میسج ٹائپ تھا۔ روشان اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔

''دھت تیرے کی.....'' وہ چغد بنا مسکرا رہا تھا۔ ''تجھ سے کوئی جیت نہیں سکتا۔'' اس نے گویا تسلیم کرلیا تھا۔ پھر ان دونوں کو فٹ پاتھ پر چلتا دیکھتا رہا۔ جیپ ایک سائڈ پر بند کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آتی چلی گئی۔ جانے ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا یا پھر اپنے بیوقوف بننے پر ہنس رہا تھا۔ دور ہوتے یہ دو ہیولے بالآخر واضح ہو گئے تھے۔

دور رویہ درختوں کی طویل قطار فٹ پاتھ پر سایہ فگن تھی۔ وہیں قریب ایک بوڑھی محنت کش عورت چٹائی بچھا کر پھیلی ہوئی بیٹھک دار ٹوکریاں بنا رہی تھی۔ کچھ گندم کی تیلیوں سے چنگیریاں تیار ہو رہی تھیں..... کچھ پھول رکھنے کے خوان بھی بنے پڑے ہوئے تھے۔ عمائم کے قدم ذرا سست پڑ گئے تھے۔ وہ بوڑھی عورت کو دیکھ کر ٹھٹکی نہیں تھی۔ وہ عام روٹین میں بھی اسے دیکھتی رہتی تھی اسے روکنے پر مجبور احتشام کی آواز نے کیا تھا۔ وہ کب سے اس کے برابر چل رہا تھا۔ عمائم کو بے انتہا الجھن ہونے لگی تھی۔ وہ کیوں اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

اس نے غیر ارادتاً کن انکھیوں سے احتشام کی طرف دیکھا۔ وہ عمائم کو رکتے دیکھ کر خود بھی رک گیا تھا۔ عمائم کو شدید ناگواری نے گھیرا۔ اسے ایک دم غصہ آ گیا تھا۔ وہ کب سے اسے برداشت کر رہی تھی۔ خواہ مخواہ حواسوں پر سوار تھا۔

''تم میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟'' غصے کی انتہا پر وہ تکلف اور گریز کی دیوار گرا کر آپ سے تم پر آ گئی تھی۔ اور اسے یہ تبدیلی محسوس بھی نہیں ہوئی تھی۔ احتشام اسے غصے میں دیکھ کر چونک گیا۔

''مجھے اس جملے پر اعتراض ہے۔'' وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بے ساختہ بولا۔

''میری بلا سے ہوتا رہے۔'' اس نے ناگواری سے کہا تھا۔ وہ جو کرن کے لیے بہت زود رنج تھی، مسلسل اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے چپ کر گئی تھی۔ کیونکہ احتشام نہ جانے کس کونے سے برآمد ہو کر سامنے آ گیا تھا۔ اس کی جیپ بہت دور بند کھڑی تھی۔

''کیوں ہوتا رہے؟ تم وضاحت کرو۔'' احتشام نے جرح کی تھی۔ پھر دور بہت دور ایک بالکونی میں کھڑے ہیولے کو کوڑی کا نشان بنا کر دکھایا تھا۔ عمائم اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ سامنے سیدھی سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ جس کے ایک سرے پر جامعہ کی وسیع و عریض عمارت تھی۔ اس کے سامنے رہائشی بلڈنگ، سڑک کے دونوں اطراف فٹ پاتھ موجود تھے۔

''تم نے صبح ''لفٹ'' دی بہت شکریہ..... اب میرے پیچھے آنے کا کیا مقصد ہے؟'' اس نے غصے سے بھناتے ہوئے کہا تھا۔ احتشام معنی خیزی سے مسکرا دیا۔

''اب بھی ''لفٹ'' دینے کے لیے موجود ہوں.....'' اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ وہ جو عید کے عید نہیں مسکراتا تھا۔ اب مسکرا رہا تھا۔ بلاوجہ ہی، عمائم کو حیرت ہوئی۔ یہ احتشام پہلے والا تو نہیں..... اکھڑ، مغرور، بددماغ، خود پسند، یہ تو کوئی اور ہی احتشام تھا۔

''مجھے ضرورت نہیں.....'' عمائم جز بز ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے اپنے الفاظ کی سنگینی کا اب احساس ہوا تھا۔ کیونکہ احتشام اس کی بات کو ابھی تک انجوائے کر رہا تھا۔

''تم میرے پیچھے کیوں آ رہے تھے؟'' اس نے بات بدلنے کو آہستگی سے کہا۔

''کب.....؟ میں تو برابر چل رہا ہوں..... پیچھا کرنا یا پیچھے چلنا میرے مزاج کا خاصہ نہیں.....'' وہ مغرور سے انداز میں بولا۔

''اوکے..... برابر کیوں چل رہے ہو؟'' عمائم کو بے پناہ غصہ آ گیا تھا۔ اور غصے میں انسان کبھی درست الفاظ کا انتخاب نہیں کر سکتا۔

''کیوں.....؟ یہ فٹ پاتھ تمہاری جاگیر ہے؟'' احتشام دلکشی سے مسکراتے ہوئے راز داری سے پوچھنے لگا تھا۔ عمائم کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔

''تو کیا تمہاری جاگیر ہے؟'' وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی تھی۔

''اُف، کتنا غصہ بھرا ہے تم میں..... اللہ، اللہ.....'' احتشام نے مصنوعی خوف سے کہا۔

''ویسے صبح میں تمہیں ایک فیور دے چکا ہوں۔ بجائے تم احسان سمجھو، الٹا لڑائی کر رہی ہو'' وہ صبح کی لفٹ جتلا کر بولا تھا۔ عمائم کو حریم پر بے پناہ غصہ آ گیا تھا۔ اسی حریم کی وجہ سے آج ہر ایرے غیرے کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کا دل چاہا گھر میں موجود ''مدر ٹریسا'' کی گردن مروڑ آئے۔

''بہت شکریہ، صبح کے احسان کا.....'' عمائم نے لٹھ مار انداز میں کہا۔

''ویلکم..... مجھے اسی کا انتظار تھا۔'' اس نے سرِ تسلیم خم کیا۔

''اب کیا میرے پیچھے آنے کی وجہ بتائی جا سکتی ہے۔'' وہ بگڑے تیوروں سے بولی۔

''ضرور.....'' احتشام مسکرایا۔

''تو بتاؤ.....'' وہ مرچیں چبا کر رہ گئی تھی۔

''تمہیں بتانا تھا.....'' احتشام لمحے بھر کے لیے چپ ہوا۔ ''کہ تم غصے میں بہت بری لگتی ہو.....''

''بس.....؟'' عمائم چڑ کر رہ گئی۔ کیا اس وجہ سے پیچھا کر رہا تھا؟

''کچھ اور بھی بتانا تھا.....'' احتشام نے قسطوں کی مار، ماری تھی۔ دو منٹ میں ایک جملہ ترتیب دیتا تھا، وہ بھی آدھا ادھورا۔

''کیا.....؟'' اس کا ضبط جواب دے رہا تھا۔

''یہی کہ نقاب یا حجاب کے بہت فائدے ہوتے ہیں۔'' وہ پھر سے مسکرایا۔

''پھر.....؟'' عمائم بھنا کر چیخی تھی۔ دماغ پلپلانے لگا تھا۔ وہ تو پہلے ہی کرن کی وجہ سے بہت ڈپریسڈ تھی اوپر سے احتشام ٹکرا گیا تھا۔

''بندہ جتنا چاہے دوسروں کی گفتگو کو انجوائے کر کے ہنستا رہے۔ کون سا دکھائی دیتی ہے مسکراہٹ حجاب میں۔'' احتشام کی بات پر وہ دھک سے رہ گئی تھی۔ گویا وہ صبح کا حوالہ دے رہا تھا جب عمائم ان دونوں دوستوں کی بے سروپا گفتگو اور مرغی کی تکرار کو انجوائے کرتی ہنسی ضبط کرنے میں ہلکان ہو رہی تھی۔ اسے ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔ وہ احتشام کو گھورتی تیزی سے آگے بڑھنے لگی تھی۔ اس روڈ سے ٹیکسی ملنا محال تھا۔ اسے اسٹاپ تک پیدل چلنا تھا۔ اوپر سے احتشام اعصاب پر سوار تھا۔ وہ دانت کچکچا کر آگے بڑھتی رہی تھی۔ احتشام پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ ایک تو بلا کا حاضر جواب تھا۔ اوپر سے اس کی یادداشت بھی کمال کی تھی۔ جملے اور فقرے پکڑنا اسے خوب آتا تھا اور بندے کو شرمندہ کرنے میں تو اس نے پی ایچ ڈی کر رکھی تھی۔ عمائم تلملاتے ہوئے آگے بڑھتی رہی تھی۔ حالانکہ وہ جانتی بھی تھی۔ احتشام اب بھی اس کے برابر چل رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد احتشام کی بڑی سنجیدہ آواز عمائم کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ لمحے بھر کے لیے منجمد ہو گئی تھی۔ اس کی سانس تک رک گئی۔

انتباہ

ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کی جانب سے تنبیہہ کی جاتی ہے کہ جو ویب سائٹس ہمارے ادارے کا نام لے کر ''آفیشل پیج'' کی اصطلاح استعمال کر رہی ہیں ان سائٹس سے ادارے کا کوئی تعلق نہیں، اسے فوری ترک کیا جائے تاکہ ہمارے معزز قارئین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ایسی تمام ویب سائٹس اور سوشل میڈیا گروپس کو مرتب کرنے والے منتظمین جو اپنے سطحی مفادات کی خاطر ادارے سے شائع ہونے والے ماہناموں کے مضامین، افسانے اور کہانیاں بلا اختیار اور غیر قانونی طور پر اپ لوڈ کر کے ادارے کو سنگین مالی نقصان پہنچانے کے ساتھ ادارے کی ساکھ متاثر کر رہے ہیں، انہیں خبردار کیا جاتا ہے کہ اس قبیح فعل کو فوری ترک کر دیں، بصورت دیگر ادارہ، سائبر کرائمز کے قانون

PREVENTION OF ELECTRONIC CRIMES ACT 2016

اور

COPYRIGHT ORDINANCE 1962/2000

کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔ ایف آئی اے اور دیگر متعلقہ اداروں میں بھی ان افراد/ اداروں کے خلاف شکایات درج کرائی جائیں گی۔

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63 فیز III ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

فون 35804200-35804300

''پاکستانی نژاد برطانوی شہری کرن ابرار کا مرڈر ہوا ہے۔ لاش تمہارے جامعہ کی بیک سائڈ پر موجود گٹر سے برآمد ہوئی ہے..... کیس ''خفیہ ڈپارٹمنٹ'' کے پاس ریفر ہو چکا ہے۔ اسی سلسلے میں تفتیش جاری ہے۔'' احتشام نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ عمائم کی سانسوں تک کو منجمد کر دیا تھا۔ وہ ہکا بکا سی احتشام کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔ حالانکہ اسے سننے میں مغالطہ نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

بہت ساری الجھنوں نے اسے ایک ساتھ مضطرب کر دیا تھا۔ گھر آ کر بھی وہ اتنی ہی اپ سیٹ رہی تھی۔ سو کھانا کھائے بغیر منہ سر لپیٹ کر سو گئی تھی۔ حالانکہ نیند تو آنکھوں میں تھی نہیں..... وہ کمبل لپیٹ کر بھی سوچتی رہی۔ کبھی اپنے ساتھ ہونے والے واقعات کو، کبھی اس رانگ کالر کو، کبھی آنے والے میسجز کو، کبھی نورس کو، کبھی کرن کی بہیمانہ موت کو اور کبھی احتشام کو..... وہ جانتی تھی ان سوچوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلنے والا تھا۔ وہ خود کو جان بوجھ کر تھکا رہی تھی۔ ذہنی طور پر اس کی کوئی سوچ بھی یکجا نہیں تھی۔ کسی سوچ کی کڑی کہیں جا کر مل جاتی۔ کوئی سرا کہیں اور جا مڑتا تھا۔

پھر جو جامعہ میں اس ''بہروپیے'' نے تصویریں بنالی تھیں۔ وہ ان تصویروں کا کیا کرنے والا تھا؟ وہ کس ''نیت'' سے آیا تھا؟ اس کے ارادے کیا تھے؟ وہ کون تھا؟ عمائم تھک کر رہ گئی تھی۔

وہ نورس کو بتانے یا نہ بتانے کے درمیان الجھ گئی تھی۔ کیا خبر، وہ نورس کو کچھ بتاتی اور کسی بڑی مشکل میں پھنس جاتی۔ اسے خود کو محتاط رکھنا تھا۔ پھر بھی وہ دیکھا بھالا ''بہروپیا'' اسے بھولتا نہیں تھا۔ اگر اس نے تصویریں مس یوز کر لیں تو.....؟ فیس بک پر چڑھا دیں یا کسی بھی طریقے سے بلیک میل کیا؟ تو عمائم بھلا کیا کر پائے گی؟ اس کا سہما، سہما دل بڑا پریشان تھا۔ خوف اس کے اندر پھونکنی کے دھویں کی طرح گھس رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے بانس کی سوراخ دار ''پوری'' سے دھواں نکلتا ہوا اس کے اندر جمع ہو رہا تھا۔ آتش افروز کہیں دور بہت دور بھڑک رہی تھی۔ وہ کمبل میں دبکی پریشان ہوتی رہی تھی۔

جانے کب حریم دبے قدموں اندر آئی۔ عمائم چونکی تو تب جب کسی نے اس کے کمبل کا کونا کھینچا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ حریم کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔

''تم ہو.....'' اس نے بے ساختہ سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ حریم قل قل ہنسنے لگی۔

''ڈر گئی تھیں عمائم.....؟'' وہ مزے لیتے ہوئے بولی۔

''تو اور کیا.....'' اس نے کھلے بکھرے بال سمیٹ کر ایک طرف کندھے پر آگے کی طرف ڈال لیے تھے۔ حریم کی آنکھوں میں ستائش ابھر آئی۔

''کتنے پیارے بال ہیں تمہارے؟'' حریم اس کے بالوں کو چھو کر مسکرائی۔ اس نے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا تھا پھر ڈپٹ کر بولی۔

''خوشامد نہیں چلے گی حریم.....'' اس نے آنکھیں دکھائیں۔

''سچی عمائم! دل سے کہہ رہی ہوں..... لالچ تو کوئی نہیں.....'' حریم نے اپنی شہ رگ کو چھو کر قسم کھائی۔ عمائم بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر کچھ خیال آنے پر بولی۔

''ایک بات تو بتاؤ حریم.....'' اس نے پُرسوچ انداز میں کہا تھا۔ گویا سوچ رہی تھی کہ حریم سے پوچھے یا نہ پوچھے۔ کیونکہ حریم بدقسمتی سے پیٹ کی بہت ہلکی واقع ہوئی تھی۔ دل میں کوئی بات نہیں رکھتی تھی۔ جب تک دو چار لوگوں کو بتا نہ دیتی اسے سکون نہیں آتا تھا۔ اس لیے عمائم کچھ وہمی ہو رہی تھی۔

''پوچھو تو.....'' حریم نے کھلے دل سے کہا تھا۔ عمائم پھر سے سوچ میں پڑ گئی تھی۔

''دیکھ لو، یہ بات کسی سے کرنی نہیں، پرامس کرنا پڑے گا۔'' اس نے حریم سے عہد لینا چاہا تھا۔ حریم نے شدو مد سے سر ہلا دیا تھا۔ گویا پرامس کر لیا تھا۔

''اوکے..... تم جو سمجھ لو.....'' حریم نے مسکرا، مسکرا کر اسے یقین دلایا تھا۔ عمائم کو اس سے کوئی اچھی توقع تو نہیں تھی پھر بھی بے ساختہ کہہ اٹھی۔

''یہ احتشام جاب کیا کرتا ہے؟'' اس کا انداز بھرپور راز داری لیے ہوئے تھے۔ حریم کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ یکا یک دلچسپی کا عنصر بڑھ گیا۔ آنکھیں بھی مسکرانے لگی تھیں۔

''کون احتشام.....؟'' حریم نے نچلا ہونٹ دبا کر مزے سے پوچھا۔

''یہ اپنا احتشام.....'' وہ بولتے، بولتے رک سی گئی۔

''او..... یہ اپنا شام بھائی؟'' اس نے آنکھیں گھما کر لطف لیتے ہوئے کہا تھا۔ عمائم اسے گھور بھی نہیں سکی تھی۔ مبادا وہ کچھ بتانے سے مکر جائے۔ حریم نے کچھ دیر تک ''اپنا احتشام بھائی'' دہرا کر مزہ لیا تھا۔ پھر آنکھیں میچ کر دلچسپی سے بولی تھی۔

''تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' اس کی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔ لہجے میں بہت تجسس تھا۔ گویا وہ عمائم کے اندر موجود بات معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اسے خوب کھد بد محسوس ہو رہی تھی۔

''ایسے ہی یار.....!'' عمائم اس کی چالاکی سمجھ رہی تھی۔ تبھی جز بز ہو کر رہ گئی تھی۔

''ہر وقت فارغ دکھائی دیتا ہے، کبھی گھر میں، کبھی سڑکوں پر..... تبھی پوچھ لیا۔'' اسے بات بنانی مشکل لگ رہی تھی۔ حریم کو بڑا ہی مزہ آیا۔

''اتنا بھی فارغ نہیں ہوتا، اپنا بزنس کرتا ہے کولڈ فارمز پر ہوتا ہے، کوئی عجیب وغریب سی جاب بھی کرتا ہے۔'' حریم نے اسے تفصیل بتائی تھی۔

''لگتا تو نہیں، کوئی کام دھام ہے اسے۔'' اس نے نکما کہتے، کہتے خود کو بمشکل روکا تھا۔ اتنا فارغ آدمی عمائم نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ پھر اس کی آخری بات عمائم کو اچانک یاد آئی تھی۔ کرن، ابرار کے کیس کی تفتیش؟ جامعہ کی بیک سائڈ سے ملنے والی مسخ شدہ کرن کی لاش؟ تو کیا احتشام بھی اذان کی طرح پولیس میں تھا؟

''کام تو اسے بہت ہیں۔'' حریم کا انداز ذومعنی ہو گیا تھا۔

''کون سے.....؟'' وہ چونکی تھی، حریم کو پھر سے بڑی گدگدی ہوئی تھی۔

''آج کل تم سے بڑا ٹکراتا..... پھر رہا ہے شام بھائی۔'' اس نے اپنی بے چینی کی وجہ اگل دی تھی۔ عمائم خائف سی ہو کر نگاہ چراتی رہ گئی۔ یہ حریم بھی ناں..... جتنی نیچے تھی اتنی اوپر بھی تھی..... اس سے تو بچ کر رہنا مناسب تھا۔

''نہیں تو.....'' عمائم نے نگاہ چرا کر کہا۔

''ویسے تمہاری شام بھائی سے دوستی ہو چکی ہے۔'' اچانک حریم کو کچھ اور بھی یاد آ گیا تھا۔ کچھ دن پہلے کا دلفریب منظر جسے دیکھ کر اس کے زرخیز دماغ نے بہت آگے تک کی بھی باتیں سوچ لی تھیں۔

''یہ ہوائی کس نے اڑائی.....؟'' عمائم کو جیسے شاک لگا۔

''میری آنکھوں نے.....'' اس نے برجستہ کہا۔ پھر جلدی سے وضاحت کی۔ ''میں نے خود دیکھا تھا۔ ٹیرس پر کھڑے ہو کر، تم ٹیولپ کے پھول دے رہی تھیں شام بھائی کو، اور وہ مسکرا کر وصول کر رہا تھا۔''

''نن..... نہیں تو.....'' اسے اپنا ہی لہجہ پرایا لگا تھا۔ وہ بے یقین سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ اسے خبر نہیں تھی کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہوگا۔ وہ بھی حریم، جس سے ہر ذی شعور بندہ پناہ مانگتا تھا۔ حریم کے پیٹ میں کوئی بات رکتی نہیں تھی۔

اوراب وہ کس، کس کو پھولوں کا قصہ بتادے گی؟ اس سے کچھ بعید نہیں تھا..... وہ جب تک طبل نہ بجاڈالتی اسے چین نہیں آتا تھا۔ عمائم اندر ہی اندر خائف ہونے لگی تھی۔ آخر اس نے اتنی بے احتیاطی کیوں کی تھی؟ اگر حریم کے علاوہ کوئی اور دیکھ لیتا؟ تب اس کی عزت دوکوڑی کی رہ جاتی۔ خاص طور پر ماما یا امو، ان لوگوں نے بغیر جرم کے اسے سزا سنانے میں لمحہ بھی نہیں لگانا تھا۔ اور بدنام الگ سے کردینا تھا کہ عمائم گھر کے لڑکوں کو پھانستی پھر رہی ہے۔ آخر عمائم کی عقل پر پردے کیوں پڑ گئے تھے؟ اس کا دماغ چکراتا رہ گیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔ حریم اس کے تاثر بڑے دھیان سے نوٹ کررہی تھی۔

''تم فکر نہ کرو، میں کسی کو پھولوں والی بات نہیں بتاؤں گی۔'' اس کے تاثر اتنے واضح تھے جو حریم تک پڑھ رہی تھی۔ وہ پھر سے خائف ہوگی۔ آخر اس کا چہرہ اتنی کھلی کتاب کیوں تھا؟

''اچھا چلو جاؤ یہاں سے، سونا ہے مجھے۔'' وہ تپ اٹھی۔

''چلتی ہوں.....'' اس کے تیور دیکھ کر حریم کو اٹھتے ہی بنی تھی۔ ''تم آرام سے سوتی رہو..... خوابوں پر کوئی پابندی نہیں..... بے دھڑک شام بھائی کو اپنے خوابوں میں بلا سکتی ہو۔'' وہ جاتے، جاتے بھی اسے چڑانے سے باز نہیں آئی تھی۔ عمائم کا دماغ گھوم گیا تھا۔

''یہ آج کل کے چالاک بچے بھی ناں!'' اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا۔ ''کیسے پہنچ گئی میرے دل کے ایوانوں تک۔'' عمائم سرخ سی ہوکر سوچتی رہ گئی تھی۔ پھر خود کو کمبل میں گم کرلیا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ حریم کی بازگشت سے بچنا چاہتی تھی تاہم اس کوشش میں اسے صبح تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆

''ناشتا کرلو احتشام.....!'' احتشام کے لیے اس گھر کی ہر خاتون کا دل بڑا ملائم تھا۔ خاص طور پر ماما کا..... وہ اسے ضرورت سے زیادہ ہی پروٹوکول دیتی تھیں۔ ابھی وہ کچن ایریا میں موجود نہیں تھیں ورنہ احتشام کو یہاں کھڑا نہ ہونے دیتیں۔

''شکریہ خواتین..... ناشتا میں کرچکا..... ویسے کہاں کے ارادے ہیں؟'' اس کی نگاہیں عمائم پر تھیں جو تیار تھی۔ اس نے بے ساختہ سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا تھا۔ جیسے یقین کرنا چاہتی تھی کہ وہ اسی سے مخاطب ہے۔ اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ عمائم کی طرف ہی متوجہ تھا۔

''اس کی سہیلی کا قتل ہوگیا ہے۔ بہت پریشان ہے عمائم..... تعزیت کے لیے جارہی ہے۔'' تائی امی نے تفصیل فراہم کی تھی۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ عمائم کو لگ رہا تھا کہ احتشام جانتا ہے، وہ کہاں جارہی ہے؟ کم از کم اس کے انداز سے یہی لگ رہا تھا۔

''اکیلی.....؟'' وہ بھوں اچکا کر بولا۔ عمائم کو جیسے غش آنے لگا تھا۔ احتشام اور اس کے بارے میں گفتگو کرے..... حالانکہ کچھ عرصہ پہلے وہ اسے خون آشام بلا کے نام سے مخاطب کرتا تھا۔ اور ان کے کبھی بھی مثالی تعلقات نہیں رہے تھے۔

''سہیلیوں کے ساتھ۔'' جواب پھر بھی تائی امی نے ہی دیا تھا۔ عمائم کی زبان تو گنگ ہوچکی تھی۔ بولتی کیسے؟ احتشام اسے حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔

''آپ بھی ساتھ چلی جائیں۔'' وہ تائی امی کو مشورہ دیتا واپس چلا گیا تھا۔ وہیں ایمان کے پورشن سے گزر کر اپنے گھر کی طرف جبکہ عمائم کی دھڑکنوں میں تلاطم برپا تھا۔ وہ ششدر سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ جبکہ تائی امی کو احتشام کا مشورہ بھا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچ میں گم رہی تھیں پھر عمائم کو دیکھ کر بے ساختہ بولیں۔

''میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ۔''

''تو پھر تیار ہو جائیں۔ تب تک میں ثریم کو کال کر کے ایڈریس پوچھ لوں۔'' عمائم نے نرمی سے کہا۔ تائی امی کے ساتھ چلنے سے ڈھارس سی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اسے گرم چائے کا کپ پکڑا کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ عمائم کپ اٹھا کر فون اسٹینڈ تک آئی۔ لینڈ لائن سے ثریم کو کال کر کے کرن کا ایڈریس پوچھا۔ پھر عالی اور نور کو ایک، ایک میسج سینڈ کیا تاکہ وہ دونوں بھی تیار ہو سکیں۔

ابھی وہ لوگ روم میں کھڑی تھی جب ماہم کا وہاں سے گزر ہوا تھا۔ وہ صبح، صبح بن ٹھن کر یونیورسٹی جا رہی تھی۔ گاؤن بازو سے لٹک رہا تھا۔ وہ باقاعدہ حجاب نہیں لیتی تھی تاہم گاؤن ضرور پہنتی تھی۔ گاؤن کے اوپر اسکارف ہوتا تھا، اس کے ہاتھ میں کتابیں تھیں، انداز میں عجلت کے باوجود وہ عمائم کو دیکھ کر رک گئی تھی پھر اس نے ہونٹ سکیڑ کر کہا۔

''سنا ہے تمہاری فرینڈ ثریم کی کزن کا مرڈر ہو گیا ہے۔'' ماہم کا انداز متاسف تھا۔ گو کہ وہ خود کو رنجیدہ بنانے کی پوری کوشش کر رہی تھی تاہم یہ کوشش کسی حد تک مصنوعی تھی۔ ماہم کو تعزیت کرنا نہیں آتی تھی۔ اس بات کا ادراک عمائم کو ابھی، ابھی ہوا تھا۔

''ہاں.....'' اس نے گھٹی، گھٹی سانس خارج کر کے بمشکل بتایا تھا۔ ابھی، ابھی اسے حریم کی بتائی وہ ساری باتیں یاد آ رہی تھیں جو ماہم اور ماما نے عمائم کے لیے اس کی غیر موجودگی میں کہی تھیں۔ وہ سارے بے ہودہ لفظ جنہیں سوچنا بھی محال تھا۔ اور یہ عمائم کا حوصلہ تھا جو وہ ان کی سابقہ ساری بے ہودگیوں کو نظر انداز کر کے دوبارہ مخاطب کر لیتی تھی۔

''کنسرٹ سے واپسی پر؟'' ماہم نے تیکھے چتون سے گھورا۔

''سنا تو یہی ہے۔'' اس نے گول مول سا جواب دیا تھا۔ ماہم کی تشفی نہیں ہو سکی تھی۔ تبھی دوبارہ بولی۔

''کیا ضرورت تھی، آدھی رات کو سڑکوں پر گھومنے کی۔ شہر کے حالات کون سا ٹھیک ہیں۔'' اسے ناک بھوں چڑھا کر بات کرنے کی عادت تھی۔ جیسے کرن کا ہی سارا قصور تھا۔ وہ نہ گھر سے نکلتی، نہ درندوں کے ہتھے چڑھتی، نہ مرتی، نہ ٹی وی اور اخباروں میں اتنی مشہور ہوتی۔ ''ایسی عیاش لڑکیوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔'' ماہم نے گویا فیصلہ صادر کیا تھا۔ اسے بے انتہا برا لگا۔ وہ جو ماہم کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی۔ بے ساختہ ناگواری سے بولی۔

''تمہیں الہام ہوا ہے کرن عیاش تھی؟'' اس نے سرخ چہرے کے ساتھ پوچھا۔

''تو اور کیا تھی؟'' ماہم نے تیکھے انداز میں کہا۔ ''آدھی رات کو کنسرٹ سے واپس آنے والی لڑکیاں کیا ہوتی ہیں؟'' اس کے تیور بگڑ گئے تھے۔ ماہم کو پھرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا کرتا تھا۔

''گھر میں ٹکتی، بستر میں پڑی ہوتی، نہ آوارہ گھومتی، کنسرٹ انجوائے کرتی اور نہ اسے کوئی قتل کرتا۔'' ماہم نے ہاتھ جھاڑ کر کہا۔

''ہم کسی کو بغیر جانے آوارہ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟'' عمائم نے بمشکل غصہ ضبط کرتے ہوئے ماہم کی طرف دیکھا تھا۔ جو اپنے شولڈر بیگ میں سے کچھ تلاش کر رہی تھی۔ اس کی بات پر وہ بے ساختہ چونکی۔

''معاف کرنا شریف لڑکیاں آدھی رات کو آوارہ نہیں گھومتیں۔'' ماہم چبا چبا کر بولی۔

''کیا خبر، وہ آوارہ نہ گھوم رہی ہو؟ کیا خبر، حالات کچھ اور ہوں.....؟ کیا خبر، یہ محض ایک کہانی ہو۔'' اس نے اسے کہا۔

''اب ہم کوئی تفتیشی افسر تھوڑی ہیں؟ جو سنیں گے وہی سمجھیں گے..... اندر کی کہانی کیا ہے ہماری بلا سے۔''

وہ نخوت سے تڑخی۔
''بغیر تصدیق کے الزام نہیں لگاتے ماہم......'' عمائم کا انداز ناصحانہ تھا۔
''چلو جی، تصدیق کہاں سے کریں؟'' اسے بڑا غصہ آیا۔ ''اب جو چینلو اور اخبار چیخ، چیخ کر ہانپ رہے ہیں۔ تم ان کے جا کر منہ بند کروا دو......'' وہ دہاڑی تھی۔
''ماہم...... تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کسی مری ہوئی لڑکی کے بارے میں بکواس کرو۔'' اس کا بھی ضبط جواب دے گیا تھا۔
''یہ بکواس نہیں حقیقت ہے۔'' ماہم دو بدو بولی۔ ''اور تم نے کیسے، کیسے لوگوں سے تعلقات بنا رکھے ہیں؟ کیسی، کیسی سہیلیاں پال رکھی ہیں؟ ذرا اپنے محدود دائرے سے باہر نکل کر دیکھو...... گھر کی ساری خواتین تم پر تھو، تھو کر رہی ہیں۔'' اس کا انداز صاف غصہ دلانے والا تھا۔ عمائم توہین کے احساس سے سرخ پڑ گئی۔ اس کے گال تپنے لگے۔ آنکھوں میں لالی اتر آئی تھی۔
''تمہاری اس بکواس کا کیا مقصد ہے؟'' اس نے بمشکل ضبط سے کہا تھا۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا ماہم کے منہ پر کھینچ کر دو تھپڑ مارے۔ اس کی لمبی زبان کسی طرح تو کنٹرول ہو۔ ''میرے تعلقات جیسے بھی لوگوں سے ہوں تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' وہ سلگ کر بولی۔
''تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہی ہوں۔'' ماہم کو سنبھلنا پڑا تھا۔
''تمہیں میرے بھلے کا کب سے احساس ہوا؟'' اس کا انداز گہرا کاٹ دار طنزیہ تھا۔ ماہم پھر سے ''جون'' میں پلٹ آئی۔
''بھاڑ میں جاؤ تم......'' وہ چیخی۔ ''نیکی کا تو زمانہ نہیں۔''
''تم اپنی نیکیاں اپنے پاس رکھو......'' عمائم نے تلخی سے کہا۔ ''جو سازشیں ماما اور تم مل کر میرے خلاف کرتی ہو...... وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گی۔'' اس نے غصے میں بڑے غلط وقت پر ماہم کو چھیڑ دیا تھا۔ وہ لال انگارہ ہو کر عمائم کے گلے پڑ گئی۔ ادھار کی تو وہ قائل ہی نہیں تھی۔ پھر ماں کی بے جا سپورٹ بھی حاصل تھی۔ عمائم کو جتنا زچ کر سکتی تھی وہ ہر ممکن حد تک کر لیا کرتی تھی۔ آج تو بہت دن بعد وہ ماہم کے ہاتھ لگی تھی۔ اتنی جلدی خلاصی کیوں کرتی؟ پھر آج تو عمائم کو بھی زبان لگ گئی تھی۔ کیسے دو بدو جواب دے رہی تھی۔ اس کے اعتماد کی وجہ آخر کیا تھی؟ کل تک ایک خاموش کردار، جسے بولنا نہیں آتا تھا۔ اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا نہیں آتا تھا۔ آج وہ ماہم کو جواب دے رہی تھی؟ آخر اس کا سپورٹر کون تھا؟ ایمان یا احتشام؟ ماہم کا دل ہی بیٹھ گیا۔ وہ اس نکتے پر ضرور غور کرتی اگر عمائم اسے اپنی طرف متوجہ نہ کر لیتی۔ وہ اس کی بکواس پر سیخ پا ہو گئی تھی۔
''میں اور میری ماں سازشیں کرتے ہیں؟ وہ بھی تمہارے خلاف، تم اس قابل ہو کیا؟ اپنی صورت آئینے میں دیکھو ذرا...... جواب خود مل جائے گا۔'' ماہم غیظ سے دہاڑی۔
''مجھے آئینہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کیا ہوں......؟ خود کو بخوبی جانتی ہوں، تم کیا ہو؟ اس سے سب باخبر ہیں سو یہ موضوع تم نہ ہی چھیڑو پھر ڈوبنے کے لیے چلو بھر پانی بھی نہیں ملے گا۔'' عمائم نے آرام سے کہا تھا۔ اب وہ جانا چاہتی تھی تاہم ماہم کیسے اسے جانے دیتی۔ وہ بھی کوئی سلگتا جواب سماعتوں میں اتارے بغیر...... شدید اہانت سے اس کے رخسار تپ رہے تھے۔ عمائم کو زچ کرنے کا سارا پروگرام غارت ہو گیا تھا۔ الٹا وہ خود غصے میں کلستی رہ گئی تھی۔ اس نے عمائم کو آگے بڑھتے دیکھ کر بے ساختہ چیخ کر کہا۔
''بڑا غرور ہے تمہیں خود پر، دیکھ لینا کرن سے برا تمہارا انجام ہوگا......'' ماہم شاید احساسِ توہین میں اپنا وقار

بھی بھول گئی تھی۔ بہت نیچ انداز میں وہ عمائم کو پہلے سے بھی بری لگی تھی بکواس کرتے ہوئے۔ اب وہ غصے کی انتہا پر بددعاؤں اور کوسنوں کی سطح پر اتر آئی تھی۔ عمائم کو اس کی ذہنی پسماندگی پر ترس آیا تھا۔ اس نے سنی ان سنی کر کے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔ وہ زیرِ لب بڑبڑاتی ہوئی باہر چلی آئی۔ بیرونی برآمدے میں کھڑے ہو کر وہ اپنا موڈ متوازن کر رہی تھی۔ ابھی تائی امی کا سامنا بھی کرنا تھا اور کرن کے گھر بھی جانا تھا۔ وہ ماہم کی بکواس کو دانستہ بھلا دینا چاہتی تھی..... کیونکہ ماہم کا بھی قصور نہیں تھا۔ غصہ اس کے حواس سلب کر دیتا تھا۔ اور عمائم کی کامیابیاں اسے سلگاتی تھیں۔ اوپر سے گھر کے بڑے کو الیفائڈ لڑکے عمائم کی ایسی سائڈ لیتے تھے کہ ماہم اور ماما جل بھن کر کباب ہو جاتی تھیں۔ آخر اس معمولی سی دو ٹکے کی عمائم میں کیا خاص بات تھی..... ہر بندہ اسی کے نام کی مالا جپ رہا تھا۔

وہ بید کی کرسی پر بیٹھ کر تائی امی کا انتظار کرنے لگی تھی۔ معاً اسے آہٹ کا احساس ہوا تھا۔ اس نے چونک کر گردن موڑی اور دیکھا..... قریب ہی اذان کھڑا تھا۔ اور وہ نہ جانے کب سے کھڑا تھا۔ عمائم جز بز سی ہو گئی۔ اللہ جانے وہ کیا، کیا سن چکا تھا؟ یہ دونوں بھائی بھی چھلاوے تھے۔ جہاں نہیں بھی ضرورت ہوتی تھی وہاں بھی ٹپک پڑتے۔

''کیسی ہو عمائم.....؟'' اذان نے خود ہی اسے مخاطب کر لیا تھا..... اس نے بے خیالی میں سر ہلا کر اپنی خیریت کا بتایا تھا۔ اذان پلر سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اب وہ عمائم کو بغور دیکھ رہا تھا۔ عمائم اس کی نگاہوں کا تاثر سمجھنے سے قاصر تھی۔

''یہ اندر کیا سین کری ایٹ ہو رہا تھا۔'' کچھ دیر بعد اذان نے نرمی سے پوچھا۔ اس کا اشارہ ماہم اور اس کی بحث کی طرف تھا۔ عمائم کچھ اور بھی جز بز ہوئی۔

''کچھ بھی تو نہیں۔'' اس نے گڑبڑا کر کہا۔

''چلو تم نہ بتانا چاہو.....'' اذان نے خود ہی اس کا تذبذب محسوس کر لیا تھا۔ اس نے تشکر کی سانس کھینچی۔ گویا اذان کی معاملہ فہمی پر قائل ہو گئی تھی۔ وہ اس بات پر مزید گفتگو کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''اس دن تم نے ایک بات کہی تھی۔'' اذان نے کچھ دیر بعد خود ہی کہا تھا۔ عمائم ناسمجھی سے اذان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ کس دن کون سی بات کہی تھی؟ عمائم کو قطعاً یاد نہیں آیا..... وہ حیرت سے اذان کو دیکھتی رہی۔

''وہی تھینکس والی.....'' اذان نے اسے یاد دلایا۔

''تھینکس والی.....؟'' عمائم سوچنے لگی تھی۔ معاً اسے یاد آیا تھا۔ جب اس نے اذان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ اس رات اذان کے نام پر فیور لینے کے حوالے سے تب اذان نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ پھر اب اس بات کا حوالہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ جیسے کہہ رہی ہو..... آگے بولو؟

''تم نے میرے نام سے فیور لی تھی..... جبکہ میں لاعلم تھا۔ ڈیوٹی پر موجود آفیسر نے مجھے نہیں، احتشام کو کال کر کے تمہارا بتایا تھا۔ یعنی شام نے تمہیں.....'' وہ آگے بھی کچھ بتا رہا تھا جبکہ عمائم ہکا بکا رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ستارے ناچنے لگے تھے۔ یعنی احتشام سے انجانے میں مدد لے چکی تھی۔ اور وہ بھی کیا عجیب چیز تھا۔ بھگو، بھگو کر جتاتا تھا لیکن الگ، الگ انداز میں..... اف عمائم کا دماغ جھنجنا گیا تھا۔ گویا وہ انجانے میں احتشام کی فیور لے چکی تھی۔ اس کی جھنجلاہٹ بڑھ گئی تھی۔ اس نے بمشکل مسکرا کر کہا۔

''پھر میری طرف سے احتشام کا شکریہ ادا کر دینا۔'' عمائم کا انداز جان چھڑانے والا تھا۔ جیسے ''شکریہ'' یہ ایک بوجھ کی طرح اس کے سر پر لدا ہوا تھا۔ سو اتار دینا ہی مناسب تھا۔ اذان اس کی عجلت پر مسکرا دیا۔

''میں کیوں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے بات جاری رکھی تھی۔ ''تم خود کیوں نہیں احتشام کو تھینکس بول لیتی۔ کیا تمہارا پردہ ہے؟'' وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ عمائم جھنجلا گئی۔

''ایسی بات نہیں..... میں خود یہ فرض ادا کرلوں گی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ پھر اذان کو ذومعنی انداز میں مسکراتا ہوا چھوڑ کر تائی امی کی طرف بڑھ گئی تھی۔

سارے رستے کبھی ماہم تو کبھی اذان کی باتیں اعصاب پر سوار رہی تھیں حتیٰ کہ وہ نور اور عالی کی باتوں کا جواب بھی مختصر دے رہی تھی۔ تائی امی کرن کے گھر پہنچنے تک مسلسل تاسف کا اظہار کرتی رہیں..... انہیں کرن کے والدین کا غم کھائے جارہا تھا۔ جانے کس طرح ان لوگوں نے جوان بیٹی کے بہیمانہ قتل کا صدمہ سہا ہوگا۔ پھر انہیں عالی کی زبانی پتا چلا کہ کرن کی لاش جامعہ کے پچھواڑے سے ملی تھی۔ تائی امی تو دہل سی گئیں۔ کیونکہ ایک آدھ ایسا کیس پہلے بھی ہو چکا تھا۔ تب بھی نہ مجرم دریافت ہو سکے تھے اور نہ ہی قتل کی وجوہات معلوم ہو سکی تھیں۔

ان دنوں بھی عمائم اتنی ہی ڈپریسڈ رہا کرتی تھی۔ تین دن تک اسے بخار رہا تھا تب بھی تائی امی نے عمائم کو جامعہ سے جلدی فارغ ہونے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ اب بھی ان تینوں کو یہی صلاح دے رہی تھیں۔ ان کے خیال میں جتنی تعلیم ہو چکی تھی بہت تھی۔ عالی اور نور کا مسئلہ الگ تھا۔ عمائم عالمہ تک کے آخری درجے سے پہلے جامعہ کو کسی قیمت پر چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ تائی امی اس کے شوق اور مجبوری دونوں کو جانتی تھی۔ اسی لیے عمائم کو مجبور نہیں کرتی تھیں۔

کرن کا گھر پوش علاقے میں تھا..... وہ گھنٹے تک وہاں پہنچ گئیں۔ گھر پر ایسا ہی سکوت چھایا تھا جو ایک جوان مرگ والے گھر میں سوگواریت بڑھا دیتا ہے۔ لان میں چاندنیاں بچھی تھیں۔ اگربتی کی مہک دل کو مزید رنجیدہ کررہی تھی۔ وہ بجھے دل سے ثریم کی ہمراہی میں ڈرائنگ روم تک گئیں۔

''پھپھو ابھی آتی ہیں.....'' ثریم نے کہا۔ کچھ دیر بعد ایک خوب صورت اسمارٹ عورت دکھائی دی تھی جس کا چہرہ کرب وغم کے غبار سے اٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سوج کر پھولی ہوئی تھیں۔ ناک بے انتہا سرخ تھی۔ وہ تائی امی سے مل کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔ ماحول پر سوگواریت چھاتی رہی، انتہائی کربناک حالات میں بھی تائی امی کو کرن کی مما کا چہرہ بڑا دیکھا بھالا لگا تھا۔ انہیں تسلی دیتے ہوئے، صبر کی تلقین کرتے ہوئے، چپ کرواتے ہوئے وہ بار، بار کرن کی مما کو دیکھ رہی تھیں۔ بڑے ہی جانے پہچانے نقوش تھے۔ گفتگو کا انداز بدل چکا تھا۔ شاید جوان بیٹی کے دکھ نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا۔ شخصیت میں ایک ٹھہراؤ نظر آتا تھا۔ پہلے سی وہ تیزی طراری کہیں نہیں تھی۔ بہت سوچنے پر بھی انہیں یاد نہیں آیا تھا کہ کرن کی مما کو انہوں نے کہاں دیکھا ہے؟

☆☆☆

غم اڑتی ہوئی گرد کی طرح ہے..... جو ہاتھ کی ڈھال سے قابو تو نہیں آتی تاہم آنکھوں میں گھس جائے تو چبھن ضرور دیتی ہے۔

وہ بھی غم کے ایک ایسے ہی فیز سے گزر رہی تھی۔ وہ عورت جو کرن کی ماں تھی۔ جس کا دکھ کسی بھی طرح کم ہونے والا نہیں تھا۔ نہ اسے اتنی جلدی صبر کا سلیقہ آسکتا تھا۔ تھوڑا وقت گزر جاتا تو یہ ممکن تھا۔ بہرحال مرنے والوں کے ساتھ مرا تو نہیں جاتا۔ پھر صبر تو سرما کی دھوپ جیسا ہے، کبھی دھند کی اوٹ سے نکل آئے تو جسم کو حرارت ضرور دیتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سرما کی دھوپ بڑی منتوں، مرادوں سے چہرہ کراتی ہے۔

ان سب نے فرداً فرداً حتی المقدور مسز ابرار کو (کرن کی ماں کو) تسلی، دلاسہ اور صبر کی تلقین کرنے کی کوشش میں اپنا، اپنا حصہ ڈالا تھا۔ اس کے باوجود وہ بہت دیر تک روتی رہی تھیں۔ ان کے آنسو رکنے والے نہیں تھے۔ ان کا غم بہت بڑا تھا۔

''کرن میری اکلوتی بیٹی تھی۔ کاش میں اسے لے کر پاکستان نہ آتی۔ میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' مسز ابرار پھوٹ، پھوٹ کر روتی رہی تھیں۔ وہ سب عجیب سے کرب انگیز لمحات کے اثر میں تھے۔ کوئی بھی سمجھ نہیں

پار رہا تھا کہ انہیں تسلی کیسے دی جائے..... سب اپنی، اپنی جگہ بے بس تھے۔ عمائم نے تائی امی کو دیکھا۔ وہ اٹھ کر م
ابرار کے قریب بیٹھ گئی تھیں۔ اب وہ انہیں تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔ نور کو اپنا خاندان یاد آرہا تھا۔ وہ گھٹ
گھٹ کر رو رہی تھی۔ تاہم عالی کا انداز بڑا مختلف تھا۔ وہ کسی بھی طرح تعزیتی رونے دھونے کی طرف متوجہ نہیں
تھی۔ اس کی آنکھیں کسی ایکسرے مشین کی طرح چاروں جانب مصروفِ عمل تھیں۔ اس کے چہرے پر سوچوں
جال تھا۔ وہ کسی گہری پیچیدہ سوچ کے اثر میں تھی۔ عمائم اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ کیونکہ عالی کے انداز بڑ
حیران کن تھے۔

کچھ دیر بعد عالی نے ان سب کو مزید متحیر کیا تھا۔ جب مسز ابرار خاموش ہو گئیں تب عالی بڑے سلیقے سے مس
ابرار کو مخاطب کر کے بولی تھی۔

''وقوعہ کی رات مغنیہ کنسرٹ سے آرہی تھی۔ کیا راستے میں اس نے آپ سے رابطہ نہیں کیا؟'' اس کا انداز
بڑا سنجیدہ قسم کا تھا۔ مسز ابرار آنکھیں پونچھتی بمشکل بولیں۔ ان کی آواز بلا کی بوجھل تھی۔ جیسے بولنا بھی بڑا محال تھا۔
عالی ان کے تاثرات نوٹ کرتی رہی۔ اور عمائم، عالی کے انداز دیکھتی رہی۔ وہ کسی انویسٹی گیشن آفیسر سے کم نہیں
لگ رہی تھی۔

''کانٹیکٹ کیا تھا..... مجھ سے پندرہ منٹ کی بات کی تھی۔'' مسز ابرار بے قراری سے بولی تھیں۔ اپنی
آنکھیں دباتے ہوئے وہ کرن کی اس آخری آواز کو محسوس کرنے لگی تھیں۔ ان کا چہرہ پھر سے غبار آلود ہو گیا۔

''ان پندرہ منٹس میں کیا، کیا گفتگو ہوئی؟'' عالی نے خاصے محتاط انداز میں پوچھا۔ عمائم کا تحیر بڑھ گیا تھا۔ وہ
لوگ تعزیت کے لیے آئے تھے نہ کہ تفتیش یا چھکے لینے۔

''کچھ خاص نہیں..... میں نے اسے ڈانٹا کہ دیر کیوں کی ہے؟ اس نے کہا..... کنسرٹ میں اس کی فرینڈز بھی
آئی تھیں جو اٹھنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ اسی لیے دیر ہو گئی۔'' وہ بھیگی آواز میں سوچتے ہوئے بتانے لگیں۔

''کرن انہی فرینڈز کے ساتھ واپس آئی تھی؟'' عالی نے ایک اور سنجیدہ قسم کا سوال کیا۔

''نہیں، کرن الگ تھی۔ اپنی کار میں.....'' انہوں نے بے ساختہ کہا۔ ''اس کی فرینڈز کا روٹ بھی اور تھا۔''

''ہوں.....'' عالی نے لمبا، لمبا سا ہنکارا بھرا۔ ''کال میں یعنی دورانِ گفتگو کرن نے کوئی ایسی قابل گرفت
بات نہیں بتائی جو معمول سے ہٹ کر تھی؟''

''نہیں.....'' انہوں نے سرعت سے بتایا۔ مسز ابرار کا ذہن بہت تھکا ہوا تھا۔ وہ کرب انگیز لمحات سے
گزر رہی تھیں پھر بھی انہوں نے عالی کی باتوں کا برا نہیں منایا تھا۔ وہ اس کے ایک، ایک سوال کا جواب
دے رہی تھیں تاہم عمائم کو سخت کوفت محسوس ہو رہی تھی جبکہ تائی امی اور نور کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ
دلچسپی لے رہی ہیں۔

''مسز ابرار! پلیز سوچیے..... ذہن پر زور ڈالیے۔'' عالی نے انہیں اکسایا۔

''ایسا کچھ نہیں تھا۔ عام سی باتیں تھیں۔'' وہ نرمی سے بولیں۔

''پھر بھی..... کچھ تو ایسا ہوگا.....'' اس نے اصرار کیا تھا۔ عمائم کو اس کے لسوڑے پن پر تاؤ چڑھ گیا تھا۔ حد تھی،
محترمہ تو پیچھے پڑ گئی تھی۔ جیسے اگلوا کے ہی دم لے گی۔ انویسٹی گیشن آفیسر نہ ہو تو..... عمائم خفگی سے سوچتی رہ گئی۔

''عائلہ بیٹا! مجھے تو کم از کم کچھ یاد نہیں.....'' انہوں نے بے بسی سے کہا..... عالی بغیر عمائم کی گھوریوں کو دیکھے
سابقہ جوش سے بولی۔ وہ عمائم کے آنکھیں دکھانے کو خاطر میں نہیں لا رہی تھی۔

''اچھا..... آخری بات کرن نے کیا کی تھی؟ جس کے بعد کال کٹ گئی یا فون بند ہوا؟'' عالی نے گھما پھرا کر پھر

وہیں سے قصہ جوڑا تھا۔ وہ تو آج مسز ابرار کی جان چھوڑنے والی نہیں تھی۔ عمائم کو جی بھر کے تپ چڑھی تھی۔ ایک عورت جو پہلے ہی غمزدہ تھی، نڈھال تھی۔ اسے بار، بار زبردستی وہی باتیں یاد کروانا جو وہ بھولنا بھی چاہتی تو بھول نہ پاتی۔ کتنی چیپ اور سطحی حرکت تھی۔ یعنی اذیت ناک گزشتہ واقعات کو بار، بار یاد کرانا...... زبردستی کرید، کرید کر سوالات پوچھنا۔ حالانکہ کرن کی والدہ نے بتایا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی موت تسلیم کر چکی ہیں اور انصاف اللہ پر چھوڑا ہے۔ وہ تھانے کچہریوں میں جانے سے معذوری ظاہر کر چکی تھیں کیونکہ کرن کے والد مزید بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اکلوتی بیٹی کی موت پر صبر کر لیا تھا۔ تاہم ماں کے لیے صبر آسان نہیں تھا۔

''آخری مرتبہ......؟'' مسز ابرار لمحے بھر کے لیے سوچ میں ڈوب گئیں۔ جیسے کرن کی گفتگو کو ذہن میں دُہرا رہی تھیں ان کا چہرہ کربناک تاثرات سے دوبارہ سج گیا تھا۔ عمائم کو عالی پر شدید غصہ آ تا رہا...... ڈھیٹ نہ ہو تو چکنا گھڑا، السوڑی......

''اس نے کہا...... مما! آپ فکر نہ کریں...... میں دس منٹ کے اندر پہنچ رہی ہوں۔ گھر سے اکیس فرلانگ کے فاصلے پر ہوں...... تین موڑ آئیں گے اور ہمارا بلاک شروع ہو جائے گا۔ میں پہلے بھی تو کنسرٹ میں جاتی رہی ہوں...... یہ کوئی پہلی دفعہ تو نہیں ہوا...... اور مما......! پاپا کو سمجھا دیں...... اب تو نو منٹ میں پہنچی...... ارے، ارے یہ کون......؟ او...... اچھا، آپ؟ کہاں جارہی ہیں؟ آیئے بیٹھیے...... وہ بولتے ہوئے اچانک پُرجوش ہوئی تھی...... پھر اس نے کار کا دروازہ کھولا پھر بند کیا...... بعد میں کال ڈراپ کر دی...... حالانکہ میں نے بعد میں بہت دفعہ ٹرائی کیا تھا۔ اس نے کال نہیں پک کی۔ میں پوچھنا چاہتی تھی آدھی رات کو کسے ساتھ بٹھالیا؟ کون ہے؟ لیکن بات نہیں ہو سکی۔ پھر میری بیٹی ساری رات گھر نہ آئی...... وہ کہاں گئی؟ کچھ پتا نہیں چلا...... بس دو دن بعد اس کی مسخ شدہ کٹی پھٹی لاش ملی تھی......'' مسز ابرار گھٹ، گھٹ کر رونے لگی تھیں۔ عالی کو پہلی مرتبہ مین پوائنٹ ملا تھا...... وہ لمحوں میں پُرجوش ہو گئی۔ اس کا چہرہ دبے، دبے تجسس اور جذبات سے سج گیا تھا۔ وہ عمائم کی گھوریوں کے جواب میں کہہ رہی تھی۔

''دیکھا، میں نے کہا تھا ناں؟'' اس نے عمائم کی طرف چیلنج بھری نگاہ سے دیکھا تھا۔ گویا کہنا چاہ رہی ہو...... بات کی تہوں میں بھی ایک بات ہوتی ہے۔ اور وہی اصل بات ہوتی ہے...... عمائم گویا دھک سے رہ گئی تھی۔ اس کا دماغ چکرا گیا تھا۔ پھر جب وہ کرن کے گھر سے نکل رہی تھیں۔ تب ایک چمکتی گاڑی نے گیٹ کے سامنے بریک لگائے تھے۔ گاڑی سے نکلنے والی شخصیت نے نور، عالی اور عمائم کو ورطۂ حیرت سے بتلا کر دیا تھا۔ ان سب کی آنکھوں میں مختلف تاثر رنگ بدل، بدل کر ابھرے تھے۔ کہیں حیرانی تھی۔ کہیں تعجب تھا۔ اور کہیں عجیب سا چبھن دیتا تاثر تھا۔ متجسس، کھوجتا ہوا، رگوں میں اترتا ہوا، حواس کو منجمد کرتا ہوا، برفیلا، کٹیلا، زہریلا......

☆☆☆

''ہیلو! بولتے کیوں نہیں۔'' اس نے خوف سے کپکپاتے لہجے میں کہا تھا۔ اس کا دل ایک سو اسی میل فی گھنٹا کی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ بہت تیز، جیسے آندھی کے زور پر درخت، شاخیں، ٹہنیاں، پتے کپکپاتے ہیں۔ جیسے بپھرے طوفان تلاطم مچاتے ہیں، جیسے زلزلے عمارتیں گرا دیتے ہیں۔ جیسے سیلاب تباہیاں لاتے ہیں۔ اس وقت عمامہ ہر قسم کی خوفناک کیفیت سے گزر رہی تھی۔

دوسری طرف اب بھی گمبھیر خاموشی تھی۔ اِک تکلیف دہ اذیت ناک سناٹا...... صرف سانسوں کا ارتعاش بتا رہا تھا لائن کی دوسری طرف کوئی ذی نفس اب بھی موجود ہے۔ اور عمامہ کے خوف، اذیت، گھبراہٹ کو اچھی طرح محسوس کر رہا ہے۔ عمامہ کی ٹانگیں لرزنے لگی تھیں۔ اس نے فون بند نہیں کیا تھا۔ وہ دوسری طرف کی آواز سن کر اپنی تسلی کرنا

چاہتی تھی آیا لائن پر سونیا ہے یا کوئی اور؟ گمان تھا کہ عمامہ کو ستانے کے لیے سونیا ہی دوبارہ کال کر کے اب اس کی گھبراہٹ کا مزہ لے رہی تھی۔ تاہم عمامہ نے اس خیال کو خود ہی جھٹک دیا تھا۔ سونیا اسے اتنا کبھی نہ آزماتی..... جبکہ وہ جانتی بھی تھی عمامہ کا اس لحاظ سے دل بہت تھوڑا ہے۔ وہ خوف سے کپکپاتی رہی..... کہیں دوسری طرف حاذق یا حاشر نہ ہوں..... شام تک وہ گھر میں موجود تھے۔ کیا پتا کہیں نکل گئے ہوں اور اب گھر اطلاع کے لیے کال کی ہو۔ عمامہ کو اپنے الفاظ سے خوف آیا تھا۔ وہ ذہن میں دُہرانے لگی تھی۔

''کیا فیقہ خود شام کے رشتے سے انکار کر دے گی؟ دیکھو سونیا! کچھ غلط نہ ہو..... میں شام کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی.....'' اس کی اپنی بازگشت اسے ہلا رہی تھی۔ دل تھا کہ خوف سے برف کی طرح جمتا جا رہا تھا۔ اگر دوسری طرف عمامہ کا کوئی بھائی ہوتا تو؟ زندگی میں ایسا خوف عمامہ نے آج تک محسوس نہیں کیا تھا۔ ریسیور پر اس کی گرفت ہلکی پڑتی جا رہی تھی۔ قیاس تھا کہ ریسیو ہاتھ سے ابھی گرا کہ ابھی..... شاید وہ چکرا کر گر ہی پڑتی، زمیں بوس ہو جاتی..... کیونکہ اس کی ٹانگیں مزید بوجھ سہارنے کی سکت نہیں رکھتی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں بھی تارے بھرنے لگے تھے۔ ہر طرف دھند ہی دھند تھی۔

''سونیا! یہ تم ہو تو بول پڑو..... میرا ہارٹ فیل کرنا ہے کیا؟'' عمامہ رو دینے کو تھی۔ اس کی زبان بھی لڑکھڑا رہی تھی۔

''سونیا پلیز! مذاق اتنا طویل نہیں کرتے..... اگلا بندہ مر ہی جائے۔'' اس کا لہجہ بھی رواں نہیں تھا..... زبان میں لکنت آ رہی تھی۔ عمامہ نے بمشکل آنسو پیتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں اتنا سنگدل نہیں سمجھتی تھی۔'' وہ بھرائی آواز میں بولی۔

''سونیا.....! میں فون بند کرنے لگی ہوں.....'' اس نے آخری حربہ آزمایا تھا۔ عمامہ کی توقع کے عین مطابق دوسری طرف سے گہری سانس کھینچ کر جواب آ گیا۔ عمامہ تو ریسیور سے آتی آواز سن کر کانپ گئی تھی..... اس کے حواس جھنجنا اٹھے۔

''مریں تمہارے دشمن عمامہ!'' اتنی ملائمت سے بولنے والا کون تھا؟ عمامہ لمحے کے آخری حصے میں بھی اس کی آواز پہچان گئی تھی۔

''منصور انکل.....؟'' عمامہ کے سر پر جیسے ضرب لگی تھی۔ اس کی آنکھیں باہر نکلنے لگیں۔ ایک دفعہ پھر بڑے زور کا چکر آیا تھا۔ اس نے بمشکل دیوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے بچایا۔

''شکریہ عمامہ! کم از کم تم نے میرے ساتھ کوئی رشتہ تو بنایا۔ چاہے انکل کا ہی سہی.....'' منصور کھل اٹھا تھا۔ ایک تو اس کی خوش نصیبی تھی عمامہ نے کال اٹینڈ کی تھی۔ دوسرے منصور نے ایک ہی لمحے میں صالح خاندان کے بڑے اہم ترین راز جان لیے تھے۔ ایسے راز جو اسے اگلے دس سال تک بھی معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ اسے عمامہ کے بھولپن پر ٹوٹ کر پیار آ گیا تھا۔ ایسی برجستگی کے کیا ہی کہنے..... منصور کو مزہ ہی آ گیا۔ اگر عمامہ چونگا اٹھا کر روانی میں نہ بولتی چلی جاتی تو منصور کتنی بڑی سعادت سے محروم رہ جاتا۔ فیقہ اور شام کا رشتہ طے ہونا۔ یعنی صالح صبحانی کی بہن کا رشتہ اس کے اکلوتے بیٹے شام کے ساتھ طے ہو جانے کی خبر، عمامہ کا شام کی محبت پر اقرار..... یعنی صوفی صالح کی اکلوتی دختر اس کے اکلوتے بیٹے سے محبت کا واضح اظہار..... اس محبت کے اقرار میں چھپی دیوانگی..... انتہاؤں کو چھوتا ایک اقرار.....

منصور کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ وہ چھوٹی سی لڑکی اپنی ہی دُھن میں مگن کسی سونیا نامی سہیلی سے مخاطب تھی۔ یہ جانے بغیر کہ دوسری طرف کون ہے؟ اس نے اپنا اتنا بڑا ''راز'' بے دھیانی میں ایک ایسے سینے میں منتقل کر دیا تھا جس کے سینے کے پار دل نہیں، منافقت کا گندا جوہڑ تھا۔ ایک ایسا بدبودار، کائی زدہ پانی کا تالاب جس میں لالچ،

کمینگی، بغض، ہوس ڈبکیاں مار، مار کے ہڑک بیدار کرتے تھے۔ منصور، عمامہ کی حالت سے لطف اندوز ہو کر ملامت سے بولا۔

''عمامہ گڑیا، غم نہ کھاؤ، تم نے جو کہا میرے سینے میں محفوظ ہو گیا۔'' اس کا انداز پچکارنے والا تھا۔ بہت مکارانہ سا..... عمامہ سمجھی تھی یا نہیں..... تاہم اس نے مکرنے میں دیر نہیں کی تھی۔

''منصور انکل..... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے کچھ... بھی نہیں کہا۔'' وہ لرزتی آواز میں بمشکل بول پائی تھی۔ منصور نے ایک جتاتی قسم کا قہقہہ لگایا تھا۔ جیسے عمامہ کی بات کو بہت انجوائے کیا ہو۔

''عمامہ.....! منصور انکل نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے..... اگر اقرار کر چکی ہو تو مکرتی کیوں ہو؟'' اس نے عمامہ کی بات پکڑ کر بہت لطف لیا تھا۔ آج کی رات تو منصور کے لیے خاصی مبارک ثابت ہوئی تھی۔ عمامہ گڑبڑا گئی۔ اب بھلا کیا وضاحت دیتی؟ اسے اپنی کم عقلی پر تاؤ آ گیا تھا۔ کیا ضرورت تھی بغیر تصدیق کیے بکواس کرنے کی۔ وہ خود کو جتنی بھی ملامت کرتی کم تھا۔ پھر اسے خیال آیا۔ وہ منصور کو کیوں کمزوری دکھا رہی تھی؟ اسے منصور کو جھڑک دینا چاہیے تھا۔ اس خیال کے آتے ہی عمامہ نے ریسیور مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔

''انکل.....! آپ سٹھیا گئے ہیں..... آئندہ یہاں فون مت کیجیے گا۔ شام آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔'' اس نے لہجے میں بلا کی تلخی بھر کر کہا۔ عمامہ کو خیال آیا..... شام نے اسے منصور کی فون کال سننے سے منع کیا تھا۔ اب وہ کھٹاک سے فون بند کرنا چاہتی تھی۔ جب منصور کی آواز نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔

''عمامہ گڑیا.....! انکل سٹھیایا نہیں..... اگر فون بند کیا تو اچھا نہیں ہوگا.....'' منصور نے اس کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔

''آپ دھمکی دے رہے ہیں؟'' عمامہ جیسے بھنچی آواز میں غرائی۔

''آں ہاں، دھمکی کیوں؟ عمل کر کے دکھاؤں گا۔'' وہ پھر مکاری بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''کیا کریں گے آپ؟ مجھے ڈراتے ہیں؟'' عمامہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہ اسے دو چار سنا کر فون بند کر دینا چاہتی تھی۔

''ہرگز نہیں.....'' منصور نے آواز میں شرینی بھر لی۔

''میں کیوں ڈراؤں، دھمکاؤں گا۔ بس صاف لفظوں میں تقی کو جا کر تمہارے دل کا احوال سنا دوں گا.....'' وہ اتنی نرمی، ملائمت اور دھیمی آواز میں بولا تھا کہ عمامہ بمشکل سن پائی تھی۔ اس کا سر چکرا کر رہ گیا۔ ساری بہادری... کافور ہو گئی تھی۔ اس کا پورا وجود تھرا اٹھا۔ اتنی شدید ٹھنڈ میں بھی اس کی پیشانی پسینے سے بھیگ گئی تھی۔

''انکل.....! آپ ایسا نہیں کریں گے۔'' عمامہ نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

''کیوں عمامہ.....! مجھے کرنا تو ہوگا..... ورنہ تمہاری کشتی تو فیقہ ڈبو دے گی۔'' وہ بڑی ہمدردی سے کہہ رہا تھا۔

''اچھا سنو، فون بند نہ کرنا..... تمہارے بھلے کی بات کرتا ہوں۔'' اس نے پینترا بدل لیا تھا۔ عمامہ کو غش آنے لگے۔

''پلیز انکل! آپ نے جو سنا ہے اسے بھول جائیں۔ تقی بھائی کو کچھ مت بتانا۔'' اس نے گھبرا کر کہا۔ وہ..... بے دھیانی میں اپنی کمزوریاں منصور پر واضح کر رہی تھی۔ وہ بھی بلا کا کایاں تھا۔ بڑی توجہ سے عمامہ کے لہجے میں اترے خوف اور اتار چڑھاؤ کو محسوس کرتا رہا تھا۔ وہ تقی کے نام سے ڈر گئی تھی۔ منصور کو مین پوائنٹ مل گیا۔

''میں بھول جاؤں گا عمامہ! پر تم اپنی محبت کو بھول جاؤ گی؟'' منصور نے ہمدردی سے کہا۔ عمامہ ہونٹ کاٹتی افسردہ ہو گئی۔ جیسے اس سے بڑا بے بس کوئی نہیں تھا۔

''تو میں کیا کر سکتی ہوں؟'' وہ بلا کی مایوس تھی۔

''تم نہ کرسکو..... میں تو کرسکتا ہوں ناں.....'' منصور مسکرایا۔ عمامہ اس کی توقع کے عین مطابق چونک گئی تھی۔ وہ عمامہ کو چونکانا ہی چاہتا تھا۔

''کیا مطلب.....؟'' وہ سمجھی نہیں پریشان سی ہوگئی تھی کہ جانے منصور انکل کیا کہے۔

''میں تمہارا ساتھ دوں گا عمامہ.....'' کچھ دیر بعد منصور نے عمامہ کو حیران کردیا۔

''مگر کیسے؟'' وہ متحیر رہ گئی۔

''اگر تم میری بات سمجھو تو..... مجھ پر بھروسا کرو تو.....'' وہ تول، تول کر بول رہا تھا۔ جیسے اپنی بات کا خود وزن کرنا چاہتا ہو کہ اس کا لفظ، لفظ کس قدر بھاری ہے اور عمامہ پر کس طرح اثر کرے گا۔

''آپ کیا کریں گے؟'' عمامہ بے تابی سے بولی۔

''میں شام کو مجبور کروں گا..... وہ میرا بیٹا ہے۔ میری بات نہیں ٹالے گا۔ فیقہ سے رشتہ ختم کروا کر شام سے تمہاری شادی کروادوں گا۔'' منصور کے الفاظ عمامہ کو کپکپا گئے تھے۔ اسے کھڑے، کھڑے پسینہ آ گیا تھا۔ چہرے کی رنگت سفید پڑ گئی تھی۔ بے یقینی اور خوف کے احساس نے عمامہ کو تھرا دیا تھا..... اس نے بمشکل کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

''کیا یہ ممکن ہے منصور انکل.....؟''

☆☆☆

وہ ساری رات سو نہیں پایا تھا۔ پلکیں ایک پل کے لیے پپوٹوں سے نہیں جڑی تھیں۔ رات بھر مختلف سوچوں نے ذہن کو کثافت سے بھر دیا تھا۔ آنکھوں میں نیند کی کمی کے باعث الگ سے چبھن پھر رہی تھی۔ جیسے ریت رڑکتی ہو۔ وہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گیا تھا۔ گرل کے پار گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ آج تو دھند بھی خوب بکھر رہی تھی۔ باہر کے تمام منظر غبار آلود تھے۔ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ حتیٰ کہ منال کے کاٹیج بھی دھند میں کھو چکے تھے۔ برآمدے میں ملگجی سی روشنی تھی۔ رات کو عشا کے بعد اس کا معمول تھا کہ شیشے کی قندیل کو روشن کردیتا..... لالٹین نما یہ فانوس زیرو پاور کے بلب جتنی طاقت رکھتا تھا۔ شیشے کی یہ قندیل عمامہ خرید کر لائی تھی۔ برآمدے میں بھی اسی نے لگائی تھی۔ شام نے اس قندیل کو کبھی بجھایا نہیں۔ رات کو وہ عموماً روشن کردیتا تھا۔ گرم چادر کو اچھی طرح لپیٹ کر وہ گرل کھول کر باہر نکل آیا۔ سرد برفیلی ہوا کے شدید جھونکے نے اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ سردی سے بے نیاز شیڈ کے نیچے رکھے گملے کو دیکھتا وہیں بیٹھ گیا۔ حالانکہ فرش اوس میں بھیگ رہا تھا۔ برآمدے کے تینوں اسٹیپ پانی میں نہائے لگ رہے تھے۔ وہ سردی سے بے نیاز وہیں گملے کے قریب جھک گیا۔ مٹی کے گملے میں لالہ کا پودا لگا تھا۔ جس کی شاخوں پہ اکا دکا پھول بھی ٹنگے تھے۔ سردی کی شدت میں قدرے کملائے ہوئے۔ اس نے لالہ کا ایک پھول توڑ لیا۔ سرخ پھول جس کے اندر سیاہ داغ بھی تھے۔ تاہم یہ داغ بدنما نہیں لگتے تھے۔ ایسے ہی اس کے خیال کی لہر بھٹکتی ہوئی فیقہ تک چلی گئی۔

زندگی میں شاید پہلی مرتبہ اس نے غیر شعوری انداز میں فیقہ کو سوچا تھا۔ فیقہ اسے ہاتھ میں پکڑے لالہ کے سرخ پھول جیسی لگی تھی۔ خوب صورت، پُرنم بظاہر بہت شگفتہ اور اندر سے سیاہ بدنما داغوں سے بھی..... وہ لالہ کے پھول کی طرح تھی۔ نیچے سے سرخ مہکیلی، شگفتہ اور چہرے پر سیاہی کے رنگ بکھرے ہوئے اور اگر سیاہی کا وہ برش نہ پھرا ہوتا تب فیقہ کا چہرہ چاند کی طرح دمکتا..... اس کے ہاتھوں اور پیروں کی رنگت جیسا، سفید گلاب سا..... اور اگر ایسا ہوتا تو کیا شام، فیقہ کو نظر انداز کردیتا۔ اس کے حسن سے نگاہ چرا لیتا؟

یقیناً جواب ہاں میں تھا۔ اس کی آنکھ نے فیقہ کی خوب صورتی سے لے کر بدصورتی تک کبھی کوئی خاص کیفیت

محسوس نہیں کی تھی۔ فیقہ کی خوب صورتی بھی اس کی نظر میں بے معنی تھی اور بدصورتی پر بھی اس نے غور نہیں کیا تھا۔ فیقہ کی جگہ کوئی بھی ہوتی، شام کے دل میں اس کے لیے کوئی جذبات نہیں امڈ سکتے تھے۔ دنیا کی ہر خوب صورتی عمامہ کی محبت کے سامنے ہیچ تھی۔ وہ عمامہ کے خالص جذبوں کے سامنے عمر بھر سے سرنگوں تھا پھر کسی اور جہت کیوں کھینچتا؟ کسی اور سمت کس طرح دیکھتا؟ کسی اور سے محبت کیسے کرتا؟

لیکن اس پل لالہ کے پھول کو ہاتھ میں لیے وہ فیقہ کو سوچ رہا تھا۔ اس کی آخری بات ابھی تک اس کا دماغ ٹھکوررہی تھی۔

''تم چاہو تو انکار کردو.....'' فیقہ کے الفاظ اسے بے چین کررہے تھے۔ کتنے آرام سے فیقہ نے بندوق اس کے کندھے پر ٹکادی تھی۔

اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ زندگی میں کہیں ایسے دوراہے آئیں گے۔ نہ وہ آرجا پائے گا نہ پار..... آگے کا رستہ سجھائی دے گا نہ پیچھے کا۔ نہ کوئی منزل نظر آئے گی اور نہ کوئی ٹھکانا.....

خالہ کے الفاظ میں اثر بہت تھا یا اس میں آواز بلند کرنے کی طاقت نہیں تھی جو بھی تھا، شام زندگی بھر خالہ کے احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا تھا۔ وہ احسان جو انہوں نے شام کو منصور دلال سے بچا کر اس کی ذات پر کیا تھا۔ عمر بھر کے لیے یہی احساس اس کا سر جھکانے کے لیے کافی تھا۔

وہ ساری رات ٹھنڈ میں باہر رہا۔ شاید یہ خود اذیتی کی انتہا تھی۔ فجر کی اذان نے اسے نماز کے لیے اٹھادیا تھا۔ ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے نماز ادا کی۔ جب دعا کی باری آئی تو ذہن سے سارے الفاظ مٹ گئے۔ اس نے کئی دفعہ ہاتھ اٹھائے اور پہلو میں گرادیے۔ کئی مرتبہ کی اس ناکام کوشش کے بعد بالآخر اس نے دعا مانگنے کا دوبارہ قصد کرلیا تھا۔ اس نے ہاتھ دوبارہ بلند کیے۔

''اے میرے مالک! میں بندۂ ذلیل ہوں، تو ربِ جلیل ہے۔ تیری عطاؤں کو سوچوں تو نگاہ اٹھا نہیں سکتا، مجھے ایک کچے جھونپڑے سے اٹھا کر اونچے محرابوں والے ٹھکانے پر لے آنے والے..... مجھے ذلت، گندگی اور غلاظت کی زندگی سے بچانے والے، مجھے ایک نیک، باوقار، اور عظیم گھرانے کا فرد بنانے والے، میرے اندر سے منافقت، لالچ، ضد اور خودسری کا صفایا کرنے والے مجھے اپنا عاجز بندہ بنانے والے..... تیرے اختیار کی حدیں لامحدود ہیں۔ پھر بھی میں شاہ میر منصور تیرے کسی بھی فیصلے سے ٹکرانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ جو تو نے میرے لیے بہتر بنایا میں اس کا انتظار کروں گا۔ مجھے تقدیر سے لڑنا نہیں آتا۔ مجھے سماج سے جھگڑنا نہیں آتا مجھ پر ثبات کی برسات کر مجھ پر اپنے کرم کی انتہا کر۔''

اس کی دعا کا اختتام نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی آواز رندھ گئی تو وہ لب بھینچ کر خاموش ہوگیا۔ ایسے ہی غیر ارادتاً چہرے پر ہاتھ پھیرا تو ہر طرف نمی سی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس نے بھیگا چہرہ صاف کیا تو خیال آیا۔ آج بھی اس نے دعا میں عمامہ کو نہیں مانگا تھا۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا تھا۔ وہ جتنی مرضی طویل دعا مانگتا تاہم عمامہ کی طلب تک آتے الفاظ گم ہوجاتے تھے۔ جانے یہ اس کے ساتھ کیوں ہوتا تھا؟

کیا اسے بڑا یقین تھا عمامہ بن مانگی دعا کی طرح اسے مل جائے گی۔ وہ عمامہ کو دعا میں بھی نہ مانگتا تو کیا تھا؟ اس کے جذبے خالص اور بے کھوٹ تھے۔ اس کی محبت میں مقناطیس سے بڑھ کر طاقت تھی۔ اگر اس نے عمامہ کے دل کو بغیر کوشش سے کھینچ لیا تھا تو عمامہ کا حصول کیا ناممکن تھا؟

☆☆☆

''تم کیوں تشنج زدہ'' صورت بنا کر'' مریضہ'' دکھائی دے رہی ہو؟ کسی بے بس'' نومولود'' کی طرح'' سونیا

نے ہاتھ میں پکڑی فائل اس کے کندھے پر دے ماری تھی۔ عمامہ بے خیالی میں اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا وہ شام کی ہمراہی میں کسی خلائی سفر پر نکل چکی ہے۔ جس خیالی سیارے میں وہ تشریف فرما تھی صاف دکھائی دے رہا تھا اس کا کنکشن زمینی کنٹرول سے ٹوٹ چکا تھا۔ سونیا کو کنکشن بحال کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کرنا ہی پڑی تھیں۔

''مس حواس باختہ.....! زمین پر تشریف لے آیئے، باقی ریسرچ اور تحقیقات پھر سہی..... کچھ ہم پر بھی نظر عنایت فرمادیں۔ میری اگلی پچھلی نسلوں پر احسان ہوگا۔'' سونیا کی تیز آواز عمامہ کو حواسوں میں لے آئی تھی۔ اس نے چونک کر سونیا کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی ایکسرے مشین (آنکھوں) کو خود پر اٹھا دیکھ کر وہ خجل سی ہوگئی۔

''مانا کہ شام کا تصور بڑا اسہانا ہے، تاہم میری شکل ایسی بھی ڈریکولا جیسی نہیں۔'' سونیا نے برا مان کر جتایا۔

''میں ایک گھنٹے سے ''بھاشن'' دے رہی ہوں اور تم بغیر ٹکٹ کے شام کی راجدھانی میں ''چہل قدمی'' فرما رہی ہو، خاتون! لوٹ آیئے کہ اور بھی غم ہیں زمانے میں شاہ میر منصور کو سوچنے کے سوا۔'' اس کی تلملاہٹ کا کوئی انت نہیں تھا۔ اپنا نظر انداز کیا جانا تو وہ برداشت نہیں کرسکتی تھی اور عمامہ کو مشورے دیتی تھی کہ شام کو نظر انداز کیا کرو..... یوں وہ جلدی بے اعتنائی، کج روئی کے ''برقی کرنٹ'' کا شکار ہو کر عمامہ کو حسب توفیق توجہ سے نوازے گا۔

''تمہاری زبان مانا کہ بہت لمبی، قینچی کی دھار جیسی تیز ہے تاہم ''اسپائن ٹیلڈ سوئفٹ'' کا مقابلہ نہ ہی کرو..... اس کی رفتار سے زیادہ تم ''اڑ'' نہیں سکتیں۔ بولنا تو بہت دور ماؤنٹ ایورسٹ پر چڑھنے کے برابر ہے۔'' عمامہ نے اسپائن ٹیلڈ سوئفٹ نامی تیز رفتار پرندے کا حوالہ دے کر حساب برابر کیا تھا۔ سونیا کو اچھا بھلا ''شاک'' لگا۔ اس نے اپنی ''دوربین'' جیسی آنکھوں کو عمامہ پر فٹ کر کے کہا۔

''میری بلی اور مجھے ہی میاؤں؟ گڈ، گاڈ! سونیا سلیم، تم نے آج کا دن بھی ضرور دیکھنا تھا۔'' وہ مصنوعی دہائیاں دیتی کمال کی اداکارہ لگی تھی۔ ایسی ویسی گرم آہیں بھریں کہ عمامہ کو ہاتھ جوڑ کر اس کے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھنا ہی پڑا۔

''بھاپ کے اس ''انجن'' کو تو بند کرو۔'' اس نے اپنی ہتھیلی سونیا کے منہ پر رکھی۔

''عمامہ! مجھے زور سے ناخن چبھو کر یقین دلاؤ، کہیں تم وہی گونگی، بہری، حواس باختہ عمامہ ہو؟'' سونیا نے دل کو بہلانے والے انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر پکڑنے کی کوشش کی تھی جیسے بلکتا، کرلاتا، دہائیاں دیتا دل سینے سے پھسل جانے کا خدشہ لاحق ہو۔

''ناخن کیوں؟ یہ سوئی چبھوتی ہوں تاکہ تمہیں ضرورت سے زیادہ یقین آجائے۔'' عمامہ نے سر کے بالوں سے ایک باریک نوکیلی پن اتار کر سونیا کے بازو میں ''بے دریغ'' کھبوئی تھی۔ وہ بے ساختہ ''بندریا'' کی طرح اچھل کر اس سے دور ہٹی۔

''بس کرو مسخریاں..... اب کام کی بات پر آجاؤ..... جس کے بھاشن دے رہی تھیں۔'' اس نے ''مسئلہ زیر غور'' کی طرف سونیا کی توجہ دلائی تھی۔ سونیا بھی الرٹ ہوگئی۔ پھر ٹھونک بجا کر بولی۔

''تم نے ''بھان متی'' کبھی دیکھے ہیں؟'' اس کا انداز خاصا پُرتجسس تھا۔ عمامہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے ''بھان متی'' لفظ بھی زندگی میں پہلی بار سنا تھا۔ اس کی معلومات کا دائرہ بہت محدود تھا یہ تو سونیا کی وجہ سے عمامہ کچھ، کچھ باخبر ہوتی جارہی تھی ورنہ اس سا ''بے خبر'' زمانے میں نہیں تھا۔

''اری او..... بھان متی، شعبدہ باز، مداری؟'' اس نے چمکتی آنکھوں سے پوچھا۔ عمامہ نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کس کی ''سواری'' آرہی ہے۔''

''عمامہ کی سہیلی.....'' طاہرہ نے دبی آواز میں جواب دیا تھا۔ عمامہ جز بز سی ہوگی۔

''سننے والی بات پر انجان بن جاتی ہیں جو ان سے چھپائی جائے وہ فٹافٹ سماعتوں میں اترتی ہے بات۔'' عمامہ دادی کی چالاکی پر بھنا رہی تھی۔ قریب بیٹھی طابہ کو بڑا ہی لطف آیا تھا۔

''اسی چالاکی پر تو سارا کریڈٹ لے چکی ہیں۔ منٹوں میں اچھا بھلا سد بدھ رکھنے والا لڑکا ''پھانس'' لیا۔'' طابہ بھی کوئی موقع گنوانا گناہ سمجھتی تھی۔ عمامہ کی ذہنی رو کو بھٹکا کر خود کھانا کھاتی رہی۔ عمامہ کا جی اچانک اوب گیا تھا۔

''پھر کوئی فیصلہ کیا عمامہ!'' طابہ نے دبی آواز میں اسے پھر سے مخاطب کیا..... وہ چونک سی گئی تھی۔ پھر بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

''میرے پاس فیصلے کا کیا اختیار ہے؟'' اس کی آواز بھرا سی گئی۔

''یہ بزدلی ہے عمامہ! اپنا حق تو چھین کر لیتے ہیں۔'' طابہ نے ملائمت سے اسے اکسایا۔ وہ چنگاریوں کو ہوا دینے سے گریز نہیں کرتی تھی۔

''چھینوں کہاں سے؟'' اس نے بے دلی سے کہا۔ طابہ معنی خیزی سے اس کی آزردگی کو محسوس کرتی رہی تھی پھر ذو معنی لب و لہجے میں بولی۔

''فیقہ سے۔''

''ممکن کہاں ہے؟'' وہ مایوسی سے گویا ہوئی تھی۔ تاہم طابہ کی اگلی بات نے اس کی مایوسی کو ہوا کر دیا تھا۔ عمامہ کی آنکھیں پھیلتی چلی گئی تھیں۔ اس کا پورا وجود سنسنا گیا۔

''ناممکن کہاں ہے؟ شام کا باپ منصور ہے ناں..... وہی جس نے تمہیں امید دلائی تھی۔ وہ تمہاری ہیلپ ضرور کرے گا۔'' طابہ کس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ عمامہ کا پورا وجود سن ہو گیا تھا۔ آخر طابہ کو کیسے خبر ہوئی؟ اسے کس نے بتایا کہ منصور نے عمامہ کو امید دلائی تھی؟ وہ فیقہ کا رشتہ توڑ کر شام کی شادی عمامہ سے کروا دے گا۔

''وہ شام کا باپ ہے..... برا بھلا جیسا بھی سہی..... شام کے لیے ''ڈٹ'' گیا تو دادی کی کیا مجال؟'' طابہ اس کے کان میں گھس رہی تھی۔ عمامہ کا دل جیسے سینہ توڑ کر باہر آنے لگا۔ یہ کیفیات نارمل نہیں تھیں۔ وہ اس وقت شدید خوف کا شکار تھی۔ آخر طابہ کو کیسے پتا چلا؟ عمامہ کی جان پر بن آئی۔

''آپ کو کس نے بتایا بھابی.....؟ منصور انکل کی فیور کے بارے میں؟'' جھجکتے ہوئے اس نے بے ساختہ پوچھ لیا۔ حالانکہ دل کی خوف کے مارے حالت عجیب تھی۔ اسے وسوسے گھیر رہے تھے۔ کم از کم طابہ کو منصور کی کال کا پتا نہیں لگنا چاہیے تھا۔ اس کی چھٹی حس کچھ غلط ہونے کا اشارہ دے رہی تھی۔

''میں نے غیر ارادتاً فون سن لیا تھا۔ جب تم منصور سے بات کر رہی تھی۔ تاہم بے فکر رہو۔ کسی کو ''خبر'' نہیں ہوگی، تقی کو بھی نہیں۔'' وہ اندر ہی اندر لطف لیتے ہوئے ہمدردی آمیز لہجے میں تسلی دینے لگی تھی۔ عمامہ کے اندر دور تک سناٹا پھیل گیا تھا۔

''تم غم نہ کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں عمامہ.....!'' طابہ اپنی باتوں کا اثر زائل کرتے ہوئے اٹھ گئی تھی جبکہ عمامہ گم صم سی وہیں بیٹھی رہ گئی۔ حتیٰ کہ دادی نے بھی اس کی بے دھیانی نوٹ کر لی تھی۔ سو طنزیہ انداز میں بولیں۔

''کس مراقبے میں ہو.....؟'' انہوں نے بمشکل مراقبے کا لفظ استعمال کیا تھا ورنہ تو وہ کہنا چاہتی تھیں کس کے خیالوں میں ہو؟ شاید اپنی عمر کا لحاظ آ گیا تھا یا عمامہ کی کیفیت پر خاموش رہ گئی تھیں۔

اُس نے چونک کر دادی کو خالی، خالی نگاہوں سے دیکھا اور سر جھکا کر اٹھ گئی۔

''اسی کے خیالوں میں ہوں، جس پر آپ نے پہرے بٹھا رکھے ہیں۔'' وہ اندر ہی اندر سارے لفظ اتار کر دسترخوان سمیٹنے لگی تھی۔ بچے کھیل میں مصروف تھے۔ معاً عجیب سا ایک شور سنائی دیا تھا۔ بچوں کی اونچی آوازیں..... خوشگوار، پُرجوش، وہ بلند آواز میں چلّاتے پھر رہے تھے۔ بچوں کے ہنگامے پر مائیں بے قراری سے اپنے، اپنے ''حجروں'' سے باہر نکل آئی تھیں..... دادی بھی اپنے ''مورچے'' سے گردن اچک، اچک کر باہر دیکھنے لگیں۔ فیقہ بھی کھڑکی سے ناک چپکا کر باہر کے حالات کا جائزہ لے رہی تھی۔ طاہرہ بھی کچن سے ''اللہ خیر'' کرتی باہر نکل آئیں۔

معالا وُنج کا دروازہ کھلا اور بند ہوا تھا۔ بچوں کی ظفر موج کے درمیان گردن تانے وہ کوئی جوکر نما عورت تھی۔ انتہائی عجیب وغریب حلیے میں ساری خواتین کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ دادی تخت سے بے ساختہ اٹھ کر چپلیں ٹٹول کر اٹھ گئیں۔ یقیناً جوتے سے ''دُھنائی'' کا ارادہ تھا..... ایک پل کو تو عمامہ بھی کچھ سمجھ نہیں پائی تھی آخر یہ کون خاتون تھی؟ سفید دودھ سے بالوں کی وگ لگائے بڑے، بڑے کرلی بال جن کا پھٹے ہوئے بم جیسا ''چھتا'' اس نے سر پر دھرا ہوا تھا۔ سارا چہرہ سفید چونے نما پینٹ سے لتھڑا ہوا تھا۔ آنکھوں کا لمبا، لمبا کارٹونز جیسا بلیک اور ریڈ میک اپ کیے ناک کی پھننگ کو سرخ لپ اسٹک سے گول دائرے میں رنگے ہوئے۔ گلے میں رنگ برنگی رسیاں، ہاتھوں میں ڈبے، ٹوکریاں، جوکروں جیسا لباس، ہائے، اس پر مستزاد چمکتی ہوئی عمامہ کو گھورتی آنکھیں..... اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

''بڑی دادی! یہ جوکر ہے۔ یہ میجیشن ہے..... ہمیں میجک سیکھنا ہے.....'' دادی کے خطرناک ارادے ملاحظہ کر کے بچوں نے ایسا بھیانک شور مچایا تھا کہ اٹھتی ہوئی دادی جہاں کی تہاں رہ گئی تھیں۔ بھابیوں کے چہروں پر بھی دبا، دبا جوش اور دلچسپی کا عنصر نمایاں تھا۔ پورا گھر لاؤنج میں جمع ہوگیا۔ جوکر کو اتنی پزیرائی ملی کہ وہ دو چار پُرلطف جوک سنا کر سب کو ہنسانے کے بعد کرتب دکھانے میں مصروف ہوگئی..... دادی کے چہرے پہ شدید کوفت اور بیزاری تھی۔

''اے نکالو اسے.....! کالونی والوں نے دیکھ لیا تو قیامت آجائے گی۔'' دادی کے بھونپو پر کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ پہلی مرتبہ ایسی ''تفریح'' گھر میں دکھائی دی تھی۔ بچے تو بچے بڑے بھی خوب متجسس تھے۔ دادی کا چہرہ بگڑتا رہا۔ وہ بہو کی بہوؤں کو کوسنے دے، دے کر تھک گئی تھیں تاہم ان کی طرف کوئی متوجہ نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد، جوکر نے باقاعدہ اپنے کرتب کا اعلان کیا..... دادی غیظ وغضب کو بھول کر خود بھی خاموش ہوگئیں..... لاؤنج میں ایسا سناٹا ابھرا گویا یہاں کوئی ذی روح نہیں تھا۔

وہ جوکر تھی یا شعبدہ باز.....؟ کسی کو سوچنے کی فرصت نہیں تھی۔ وہ تو سب وقتی تفریح سے لطف اٹھا رہے تھے۔ بچوں کی آنکھوں میں بے چینی، تجسس اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ شعبدہ باز نے پہلا کرتب دکھایا۔ وہ ایک ڈبا نکالے کھڑی تھی جو اندر سے خالی تھا۔ اس نے ایک، ایک فرد کو خالی ڈبا چیک کروایا۔ بچوں نے پکڑ، پکڑ کر تسلی کی تھی۔ ڈبا واقعی خالی تھا۔ اب اس خاتون نے ڈبا لہرا کر ایک گول پتھر ڈبے میں رکھا..... اوپر سے ڈھکن بند کیا۔

''اور اب دیکھیے ذرا، ڈبے سے نکلتا کیا ہے.....؟'' اس نے ڈرامائی وقفے کے بعد ڈھکن کھولا تو اڑتا ہوا سفید کبوتر پھدک کر بچوں کی طرف بھاگا۔ سارے بچے خوشی سے بے حال تالیاں پیٹنے لگے تھے۔

''اب سیکنڈ پارٹ ملاحظہ کریں.....'' خاتون نے چمکتی آنکھوں کو عمامہ پر جما کر پھر سے کرتب دکھایا۔

''میں ایک سیکنڈ میں یہ پورا پیکٹ کھا کر دکھاؤں گی۔'' وہ بڑے سائز کا ایک پیکٹ کھولنے لگی۔ یہ کھانڈ سے بنے لچھے کا پیکٹ تھا۔ منہ میں ڈالتے ہی گھلنے لگتا۔ وہ ایک سیکنڈ میں پورا پیکٹ خالی کر چکی تو بچوں نے زور وشور سے

تالیاں بجا کر پزیرائی دی تھی۔ خاتون کا چہرہ جذبات سے تمتمانے لگا۔

''اب یہ لاسٹ ٹرک.....'' اس نے ایک ڈبے میں ایک سکہ رکھا۔ کچھ دیر بعد میکنک کے زور پر ڈبا کھلا تو اندر سے بڑی خوب صورت ڈول برآمد ہوئی۔ سکے کی جگہ ڈول دیکھ کر بچے بے پناہ خوش ہوئے تھے۔ ڈول کچھ عجیب تھی۔ اس کا پورا جسم بڑا خوب صورت تھا۔ چہرہ البتہ سیاہ تھا۔ گویا بلیک پینٹ کرا رکھا تھا۔

خاتون نے ڈول ہوا میں لہرا کر کہا۔

''یہ جس کی گود میں گرے گی، اس کو میرا فرینڈ بننا ہوگا۔ بولو منظور ہے؟'' اس نے بچوں اور بڑوں دونوں اطراف نگاہ گھما کر رائے لینی چاہی تھی۔ خواتین اور بچوں نے تالیاں بجائیں۔ گویا اقرار کا اشارہ دیا تھا۔

اب جو کر صاحبہ گول، گول گھوم کر گڑیا لہرا رہی تھیں۔ بچے بے تاب تھے، گڑیا ان کے ہاتھ میں آئے، اچانک گڑیا لہراتی ہوئی فیقہ کی گود میں جا گری۔ ایک طلسم تھا جو ٹوٹ گیا۔ فیقہ بے ساختہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولی۔

''ارے..... یہ تو میری ہوئی.....'' اس کا انداز بڑا بھرپور اور بچکانہ تھا۔ بھابیوں کی معنی خیز ہنسی نے اسے کچھ خجل سا کر دیا تھا۔ اس نے مارے شرمساری کے گڑیا گود سے ہٹا کر نیچے رکھ دی۔ جو کر صاحبہ فیقہ کی کیفیت سمجھ کر نپے تلے قدم اٹھاتی اس کے قریب چلی آئی تھیں۔

''دوستی منظور.....؟'' اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا..... دادی گویا چیل کی طرح لپکی تھیں۔ لیکن ان سے پہلے فیقہ بچوں کے پُرزور اصرار پر ہاتھ ملانے کی غلطی کر چکی تھی۔ دادی اپنا ماتھا پیٹتی رہ گئی تھیں۔

''یہ گڑیا اب تمہاری ہے..... اس کو تم نے سنوارنا ہے۔ غور سے دیکھنا، اس میں کمی کیا ہے؟ اگر عیب دکھائی دے تو اس کو ٹھیک کرنا..... میرے شو کا اختتام اچھی بات پر ہوا کرتا ہے۔'' وہ مسکرا کر دوستانہ انداز میں بولی تھی۔ اس کی آواز سن کر عمامہ کو سارے ''لائیو شو'' کی حقیقت معلوم ہوگئی تھی۔ بے ساختہ امڈ آنے والی ہنسی چھپانے کے لیے عمامہ نے سر جھکا لیا تھا۔ کچھ دیر بعد دادی کی پھنکارتی آواز سنائی دی۔

''اس کم بخت کھسری سے ہاتھ ملا لیا فیقہ! جا، ہاتھ پاک کر کے آ..... اور تو ڈرامے باز، چورا چکی، نہ جانے کون ہے؟ گھر میں منہ اٹھا کر گھس آئی.....'' دادی چیل کی طرح جو کر کے سر پر جھپٹ پڑی تھیں لیکن جو کر کے سر سے اتری وگ ان کے ہاتھ میں آ گئی۔ ایک جناتی قہقہہ بلند ہوا تھا۔ دادی ہکا بکا رہ گئیں..... وگ کیا اتری..... جو کر نے بازو پر لٹکے بیگ کو کھول کر لوشن، ٹشو اور پانی کی بوتل نکالی۔ چہرہ رگڑ، رگڑ کر صاف کیا۔ نقلی پلکیں جو کارٹونز کے لیے مخصوص ہوتی ہیں اتار کر پھینکیں..... تو جو کر کا اصل چہرہ دکھائی دے گیا۔ بھابیوں نے چیخ بلند کی تھی۔

''سونیا تم.....!'' ان کی چیخ میں دادی اور فیقہ کی حیرانی بھی شامل ہوگئی تھی جبکہ سونیا دوزانو گھٹنوں کے بل فرش پر فیقہ کے سامنے بیٹھ گئی پھر اس نے بیگ سے سرخ گلاب نکال کر فیقہ کی گود میں رکھے۔

''مجھ سے دوستی کرو گی فقیہہ.....! میں دریچے کھولنے کے لیے آئی ہوں..... مرگِ گل سے پیشتر.....'' اس نے خلوصِ دل سے فیقہ کا نرم گلابی ہاتھ تھام کر کہا۔

☆☆☆

عمامہ کو زندگی بھر میں اتنی ہنسی کبھی نہیں آئی تھی جس قدر ابھی کے ابھی اس نے ہنس، ہنس کر خود کو دُہرا کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پیٹ میں بل پڑ گئے۔ اس کا چہرہ لال انگارہ ہوگیا تھا۔ وہ کالج کے لان میں گھاس پر بیٹھی تھیں۔

''ایک لمحے کو تو میں بھی تمہیں پہچان نہیں پائی تھی۔ سونیا! تم کیا چیز لگ رہی تھیں مزہ آ گیا۔'' اس نے آنکھوں

کی نمی پونچھ کر بے ساختہ کہا۔

''اور میرا شو کیسا رہا؟'' سونیا جوش سے بولی۔

''بہت امیزنگ، بچے بھابیاں رات تک ہنستی رہیں۔ بھائیوں کو بھی بتایا تھا'' عمامہ نے ہنس کر کہا۔

''تقی بھائی، طاہر بھائی اور ہاں، شام کو بھی۔'' عمامہ مسکرائی۔

''اور فیقہ کا رویہ کیسا رہا.....؟'' سونیا نے متجسس انداز میں پوچھا۔

''کھویا، کھویا..... وہ حیران تھی۔ بے حد متحیر رہی تھی..... لیکن میں نے اسے مسکراتے دیکھا تھا۔ وہ ڈول اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئی تھی۔'' اس نے سونیا کی بے چینی دور کی۔

''یعنی تیر نشانے پر لگا۔'' سونیا کا جوش قابلِ دید تھا۔

''کچھ کہا نہیں جاسکتا.....'' اس نے کندھے اُچکائے۔ ''کیونکہ دادی رات تک سب کو بے نقط سناتی رہی تھیں۔''

''دادی تو سٹھیا چکی ہیں.....'' سونیا نے کانوں پر سے مکھی اڑائی۔ ''مجھے انسانیت کے ناتے فیقہ کے لیے کچھ بھی کرنے میں کوئی جھجک نہیں..... میں تمہاری دادی سے ڈرتی ورتی نہیں.....'' سونیا نے ناک چڑھا کر کہا۔

''وہ تو میں جانتی ہوں.....'' عمامہ مسکرائی۔

''اچھا یہ بتاؤ..... بھائیوں نے کیا کہا؟'' سونیا کو خیال آیا تو مسکرا کر پوچھنے لگی۔

''طاہر بھائی بڑا افسردہ ہوا۔ بولا، رات کو بلانی ناں..... ہم بھی لائیو شو سے محظوظ ہوتے۔'' عمامہ نے سونیا کو ہنستے ہوئے بتایا۔

''کہنا تھا..... یہ شو صرف فقیہہ کے لیے تھا.....'' اس نے نخوت سے کہا۔

''ہاں، ناں..... بتا دیا تھا۔'' عمامہ جلدی سے بولی۔

''تو پھر.....؟'' سونیا چونکی۔

''طاہر بھائی نے کہا..... بڑی کمال کی دوست ہے تمہاری..... کسی کے چہرے پر مسکراہٹ لانے کے لیے... جوکر تک بننے سے گریز نہیں کیا۔'' عمامہ، طاہر کی کہی باتیں دُہرا رہی تھی۔

''پھر طاہر بھائی نے یہ بھی کہا..... اپنی دوست سے کہنا۔ فیقہ کی طرح ایک اداس، غمگین، دنیا سے بیزار عمامہ کا بھائی بھی ہے۔ اس پر بھی نظرِ کرم ڈالو.....'' عمامہ دبی، دبی ہنسی کو چھپا کر بولی۔

''میں ایرے غیروں کو لفٹ نہیں دیتی۔ بتا دینا اپنے غمگین بھائی کو.....'' سونیا بمشکل مسکراہٹ کا گلا گھونٹ کر کہہ رہی تھی۔

''تمہارا پیغام پہنچا دوں گی۔'' عمامہ مسکرائی۔ ''ویسے طاہر بھائی نے بھی ایک پیغام دیا تھا تمہارے لیے.....'' ب وہ اٹھ کر گاؤن پہن رہی تھی۔ چھٹی کا وقت قریب تھا۔ سونیا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیسا پیغام.....؟'' وہ ٹھٹکی۔

''طاہر بھائی نے کہا..... تمہاری ''باجی.....'' وکالت کے نام پر لوگوں کی ''املاک'' کا بھرکس نکال رہی ہے۔ ہمارا کیا ارادہ ہے؟'' عمامہ شوخ سی ہوئی۔

''تو بتا دینا، اپنے بھائی کو جا کر..... ''باجی'' تو لوگوں کی املاک کا بھرکس نکال رہی ہے۔ میں بذاتِ خود لوگوں کا بھرکس نکال دیتی ہوں۔'' اس کا انداز دھمکانے والا تھا۔ عمامہ ہنسنے لگی۔

''اپنے بھائی سے ملوانا مجھے..... کہنا، کبوتروں کے ہاتھ سونیا پیغام نہیں لیتی۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

(جاری ہے)

کانچ کی چوڑیاں

عذرا فردوس

کال بیل کی تیز آواز سن کر مائرہ نے برتن کچن میں چھوڑ دیے اور گیٹ کی طرف لپکی۔ سامنے اس کی نئی پڑوسن کھڑی تھی۔

"السلام علیکم کیا حال چال ہیں۔ آپ تو ہمارے گھر آئی نہیں، میں نے سوچا کہ میں خود ہی مل آؤں اب پہلے والا دور تو رہا نہیں۔ جب لوگ نئے پڑوسیوں سے ملنے خود آیا کرتے تھے۔"

"وعلیکم السلام بہن! اندر تو آیئے یہیں گیٹ

کھڑے... گھر... تمام شکوے کرلیں گی۔'' مائرہ نے اپنی نئی پڑوسن عائلہ کو اندر آنے کا راستہ دیا اور اسے اپنے ساتھ لیے ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

''آپ نے تو اپنے گھر کو اچھا خاصا ڈیکوریٹ کیا ہے۔ کیا آپ نے انٹیریئر ڈیزائننگ کا کورس کیا ہوا ہے۔'' عائلہ نے اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں بس گھر کو سجانا میرا شوق ہے، میرے شوہر کی اتنی انکم تو ہے نہیں کہ مہنگے مہنگے ڈیکوریشن پیسز لوں بس خود ہی بنانے کی کوشش کرتی ہوں اور محدود آمدنی میں اپنے شوق کی تسکین کر لیتی ہوں۔'' عائلہ کے منہ سے مائرہ اپنی تعریف سن کر دل ہی دل میں خوش ہوئی۔ کوئی تو ہے جس نے اس... کی دل سے تعریف کی۔

''آپ نے تو یہ گھر کرایے پر لیا ہے اس سے پہلے آپ کہاں رہتی تھیں؟'' مائرہ نے نئی پڑوسن عائلہ سے دریافت کیا۔

''اسی علاقے میں آگے جا کر ہماری رہائش تھی۔ تین سال سے ہم لوگ وہاں رہ رہے تھے، کرایے دار زیادہ پرانے ہو جائیں تو مالک مکان کو یہ خوف ہو جاتا ہے کہ کہیں وہ گھر پر قبضہ ہی نہ کرلیں بس ہمارے مالک مکان کو بھی شاید یہی خوف طاری ہو گیا تھا، اتنا کہا ان سے ہم کرایہ بڑھا دیتے ہیں۔ گھر خالی مت کروائیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور گھر خالی کروا کر دم لیا تو بس یہاں گھر مل رہا تھا تو یہیں آ گئے۔''

''ہاں یہ تو ہے کرایے داروں کو تو ہر وقت گھر خالی کروانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے اوپر سے ہر وقت گھر تبدیل کرنے سے فرنیچر کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔'' مائرہ نے ہمدردی کی۔

''یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، میرے جہیز کا سارا فرنیچر اسی چکر میں خراب ہو گیا۔ ابھی تو میں نے نیا فرنیچر ڈلوایا ہے۔ میں نے تو اپنے ہسبینڈ سے بہت کہا اپنا گھر لے لیتے ہیں مگر وہ اس علاقے میں گھر لینے پر راضی نہیں ہوئے کہتے ہیں کہ کسی اسٹینڈرڈ کے علاقے میں گھر لیں گے۔'' عائلہ اپنے ہاتھوں میں پہنی گولڈ کی چوڑیوں سے کھیلتے ہوئی بولی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی مائرہ اس کی چوڑیوں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی کب سے وہ زین کے پیچھے پڑی ہوئی تھی کہ وہ اسے گولڈ کی چوڑیاں بنوا دے مگر ہر دفعہ وہ نہایت خوب صورتی سے یہ کہہ کر ٹال جاتا۔

''بھئی گولڈ کی قیمت تو روز بروز آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ میری تنخواہ میں تو گھر کا خرچہ بمشکل پورا ہوتا ہے اب تم اتنا ہی پیچھے پڑ رہی ہو تو میں تمہیں نوز پن دلا دوں گا۔'' وہ اسے منانے کے لیے کہتا۔

''رہنے دیں، مجھے نوز پن کی ضرورت نہیں، شادی پر بھی مجھے گولڈ کی چوڑیاں نہیں ملی تھیں امی نے... بمشکل ایک کڑا دیا تھا۔ سوچا تھا شوہر صاحب بنا کر دے دیں گے.....'' وہ حسرت سے کہتی۔

''تو کیا ہوا تم کانچ کی چوڑیاں تو پہن ہی سکتی ہو۔'' اور اگلے ہی دن زین نے اسے بے شمار کانچ کی چوڑیوں کے سیٹ لا کر دے دیے تھے۔

''آپ کیا سوچنے لگیں؟'' اسے سوچ میں گم دیکھ کر عائلہ نے ٹوکا۔

''میں سوچ رہی تھی کہ آج دوپہر کھانے میں کیا بناؤں، ایک تو روز سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا پکایا جائے اوپر سے بچے، وہ کھانے میں سونخرے کرتے ہیں مجال ہے کوئی سبزی ان کے حلق سے اتر جائے صرف آلو شوق سے کھاتے ہیں، بس فرنچ فرائز بنا کر دے دو......''

''آپ کے کتنے بچے ہیں؟'' عائلہ نے بیزاری سے پوچھا۔

''میرے دو بیٹے ہیں اور آپ کے کتنے بچے ہیں؟'' مائرہ نے بھی جواباً دریافت کیا۔

''فی الحال تو ہمارا کوئی بچہ نہیں ویسے ہماری شادی کو چار سال کا ہی تو عرصہ ہوا ہے، دراصل میں اور میرے شوہر بچوں کے جھنجٹ میں ابھی پڑنا نہیں چاہتے۔''

''آپ بیٹھیں، میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔'' عائلہ کو چھوڑ کر وہ چائے بنانے چلی گئی۔ جلدی، جلدی چائے کے دو کپ بنائے پلیٹوں میں نمکو اور بسکٹ رکھے اور ٹرے اٹھائے وہ ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ جہاں عائلہ شیلف میں رکھی ہوئی کتابوں

کا جائزہ لے رہی تھی۔

''آپ کو بھی کیا کتابیں پڑھنے کا شوق ہے اگر کوئی کتاب اچھی لگی ہو تو لے جائیں پڑھ کر واپس کر دیجیے گا۔'' مائرہ نے خوش اخلاقی سے کہا۔

''مجھے کوئی خاص شوق نہیں ویسے آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں؟'' وہ کتابوں کو چھوڑ کر اس کے شوہر کے متعلق پوچھتے ہیں۔

''پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتے ہیں، مہنگائی کا تو آپ کو اندازہ ہے روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، بس عزت سے مہینہ گزر جاتا ہے شکر اللہ کا۔''

''مجھے تو حیرت ہوتی ہے معمولی تنخواہ پانے والے لوگ اس مہنگائی میں کیسے مہینہ پورا کرتے ہیں، میرے شوہر کا تو اپنا بزنس ہے۔ وہ تو صبح کے نکلے رات گئے لوٹتے ہیں، میں گھر پر بور ہوتی رہتی ہوں پرسوں آپ سے راستے میں ملاقات ہوئی تھی تو آپ مجھے سب سے الگ تھلگ نظر آئیں تو میں نے سوچا کہ آپ سے دوستی کر لوں۔''

''ہاں کیوں نہیں آپ آیا کریں ہمارے گھر پر..... مجھے بھی موقع ملا تو ضرور آؤں گی آپ یہ لیں ناں ....'' مائرہ نے باتیں کرتے ہوئے نمکو کی پلیٹ اس... کی طرف بڑھائی۔

''میرا تو ان چیزوں کو کھا، کھا کر دل بھرا ہوا ہے، میں صرف چائے پیوں گی۔'' عائلہ نے کپ اٹھا لیا۔

''اتفاق کی بات ہے آج صبح ہی کباب ختم ہوئے ہیں، ورنہ میں مہمانوں کے لیے کٹلس اور شامی کباب بنا کر رکھتی ہوں۔''

''کوئی بات نہیں اب تو آنا جانا لگا رہے گا پھر کبھی آپ کے ہاتھ کے بنے ہوئے کباب کھا لوں گی۔'' عائلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا اب میں چلتی ہوں، آپ کو لنچ بھی تیار کرنا ہوگا۔'' چائے پیتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ مائرہ نے اسے مزید بیٹھنے کے لیے نہیں کہا کہ ابھی اسے کچن صاف کر کے دوپہر کے لیے کھانا بنانا تھا۔

''آپ ضرور آیئے گا.....'' وہ ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئی۔ مائرہ کچن میں آ کر برتن دھونے لگی۔ شام میں وہ زین کے آنے سے پہلے ہی اپنے کاموں سے فارغ ہو چکی تھی۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ زین کے آنے سے پہلے کھانا تیار ہوتا کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ گزار سکے۔

''آج کا دن کیسا گزرا، تھک تو نہیں گئیں گھر کے کام کر کے۔'' زین نے آتے ہی اس کے چہرے پر تھکاوٹ محسوس کر لی تھی۔

''آج صبح ہی واشنگ مشین لگائی تھی، تو یہ اتنے کپڑے جمع ہو گئے تھے ان کو دھونے میں اچھا خاصا ٹائم لگ گیا اوپر سے برابر والی نئی پڑوسن تشریف لے آئیں صبح کا وقت ہو اور کوئی گھر پر آ جائے تو کام سمیٹتے، سمیٹتے پورا دن لگ جاتا ہے وہ شکوہ کر رہی تھیں کہ میں ان کے گھر نہیں گئی۔''

''تو کیا ہوا اب چلی جانا مگر احتیاط رکھنا ہر کسی پر اعتبار کرنا صحیح نہیں ہوتا، اپنے گھر کی باتیں شیئر مت کرنا۔''

''اوہو آپ تو یوں کہہ رہے ہیں جیسے ہمارے گھر میں بہت کچھ جمع ہے۔ جس کا ذکر میں نے ان سے کر دیا تو ڈاکا پڑ جائے گا۔''

''ایک تو مائرہ تم ہر بات کو دوسرے رخ پر لے جاتی ہو بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہر کسی پر اعتبار کر کے اتنی جلدی شیئر نہیں کی جاتیں خصوصاً اپنے گھریلو معاملات سمجھیں۔''

''آپ مجھے بیوقوف مت سمجھیں۔'' مائرہ کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

''لگتا ہے آج کچھ زیادہ ہی گرمی ہے چلو باہر چل کر آئس کریم... کھا کر آتے ہیں۔'' زین نے اس کے موڈ کو درست کرنے کی کوشش کی۔

☆☆☆

تین چار روز گزرے تو مائرہ کا دل عائلہ سے ملنے کے لیے بے چین ہونے لگا، یہ عائلہ کی شخصیت کا اثر تھا کہ وہ پہلی ملاقات میں اس سے متاثر ہو گئی تھی۔ اسی دن شام کو اس نے اپنا نیا سلا ہوا سوٹ نکالا ساتھ ہی میچنگ کی چوڑیاں پہنیں..... آج ہی تازہ کباب

بتائے تھے ایک پلیٹ میں چھ کباب ڈالے اور اس سے ملنے پہنچ گئی۔

''اوہو آج آپ کو کیسے موقع مل گیا جو ہمارے غریب خانے پر تشریف لے آئیں۔'' عائلہ اسے دیکھتے ہی خوش ہوکر بولی۔

''جب سے آپ سے ملاقات ہوئی تھی دل چاہ رہا تھا کہ آپ کے گھر ہو کر آؤں..... بچوں کی مصروفیت کی وجہ سے کہیں پڑوس میں جانے کا موقع ہی نہیں ملتا، اوپر سے میرے میاں جی کو بھی پسند نہیں کہ میں زیادہ اِدھر اُدھر جاؤں۔'' مائرہ نے کبابوں کی پلیٹ پکڑاتے ہوئے کہا۔

''ارے بہت شکریہ، اس تکلف کی کیا ضرورت تھی اور بھئی میرے ہسبینڈ تو مجھ پر ذرا سی پابندی نہیں لگاتے میرا جس کسی سے ملنے کا جی چاہے ملوں نہ ملوں، اوپر سے وہ چاہتے ہیں کہ میں ہر وقت بنی سنوری رہوں، یہ دیکھیں کل ہی وہ میرے لیے سونے کا بریسلیٹ بنوا کر لائے ہیں۔'' عائلہ نے مائرہ کی سبز رنگ کی سادہ چوڑیوں کو تمسخر سے دیکھتے ہوئے اپنی کلائی آگے کی۔

''بریسلیٹ تو بہت خوب صورت اور بھاری ہے، کتنے کا ہوگا؟''

''پورے ایک تولے کا ہے، ساٹھ ہزار کا بنوایا ہے۔ میرے ہسبینڈ تو جان چھڑکتے ہیں مجھ پر جو فرمائش میں کروں، ضرور پوری کرتے ہیں یہی تو اصل میں پیار ہے، یہ کیا کہ گھٹ، گھٹ کر انسان اپنی خواہشوں کو دبا کر مر جائے..... مجھے تو یہ لائف اسٹائل بالکل پسند نہیں ہے ارے رابی چائے بن گئی ہو تو لے آؤ۔'' عائلہ نے بیٹھے، بیٹھے ملازمہ کو آواز لگائی۔

''آپ کا تو پورا دن کچن میں گزرتا ہوگا۔''

''ہاں میرے میاں جی اور بچوں کی کھانے کی لگ، الگ فرمائشیں ہوتی ہیں اور اوپر سے میرے میاں باہر کا کھانا بالکل پسند نہیں کرتے اس لیے میں گھر ں نئی، نئی ریسپی ٹرائی کرتی رہتی ہوں۔''

''بھئی میرا تو کچن میں جاتے ہی دم گھٹنے لگتا ہے۔''

موسم

تیرے پیار کا پہلا موسم
وصل کا موسم
اک مدت تک یاد رہا
باقی موسم بھول گئے

کلام: فریدہ جاوید فری، لاہور

نظم

سب میں شامل ہو مگر سب سے جدا لگتی ہو
صرف ہم سے نہیں خود سے بھی خفا لگتی ہو
آنکھ اٹھتی ہے نہ جھکتی ہے کسی کی خاطر
جو کسی در پہ نہ ٹھہرے وہ ہوا لگتی ہو
زلف لہرائے تو آنچل میں چھپا لیتی ہو
ہونٹ تھرائیں تو دانتوں میں دبا لیتی ہو
جو کبھی کھل کے نہ برسے وہ گھٹا لگتی ہو
جاگی، جاگی نہ آتی ہو نہ سوئی، سوئی
تم جو ہو اپنے خیالات میں کھوئی، کھوئی
کسی مایوس مصور کی دعا لگتی ہو

انتخاب: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

عائلہ بیزاری سے بولی۔ ''ہم لوگ تو تقریباً روز ہی کسی نہ کسی نئے ریسٹورنٹ میں ڈنر کے لیے جاتے ہیں۔'' عائلہ نے ایک ادا سے اپنے بالوں کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

مائرہ چپ چاپ چائے پینے لگی۔ عائلہ کے آگے اسے اپنا وجود بہت کمتر محسوس ہونے لگا۔ چائے پی کر وہ اٹھنے لگی۔

''مائرہ میں نے آپ کو دراصل بریسلیٹ اس لیے دکھایا ہے کہ میرے ہسبینڈ بزنس کرتے ہیں انہیں کچھ لوگوں کی پیمنٹ کرنی ہے۔ جس کے لیے رقم کی ضرورت ہے مجھے یہ بریسلیٹ فروخت کرنا ہے، میں تھوڑے کم میں اسے بیچ دوں گی اگر آپ کو ضرورت ہو تو.....''

''مگر ابھی تو آپ کے ہسبینڈ نے آپ کو بنوا

کردیا ہے اگر وہ کراکسس میں تھے تو انہیں بنوانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''یہ تو میری پسند تھی سو انہوں نے بنوادیا اگر بزنس میں زیادہ پرافٹ ہوگیا تو اس سے بھی قیمتی بنوادیں گے۔''

''ابھی تو میں اتنی جلدی خرید نہیں سکتی ہاں اگلے مہینے میری کمیٹی نکلے گی تو میں شاید لے لوں، یقین سے اس لیے نہیں کہہ سکتی کہ مجھے کچن میں کچھ کام کروانا ہے۔''

''اگر تم بریسلیٹ خریدنا نہیں چاہتیں تو مجھے اپنی کمیٹی کی رقم ادھار دے دینا میں جلد از جلد لوٹا دوں گی۔''

''میں زین سے پوچھے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتی، اچھا میں چلتی ہوں۔'' عائلہ کے گھر کے گیٹ سے نکلتے ہوئے مائرہ سوچ رہی تھی کہ اس نے فضول میں اپنا وقت ضائع کیا اسے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔

شام کو جب زین آیا تو وہ اسے عائلہ کی ملاقات کا احوال سنانے بیٹھ گئی لیکن جان کر وہ قرض کا قصہ گول کرگئی۔

''اچھا تو وہ محترمہ اپنا بریسلیٹ فروخت کرنا چاہ رہی ہیں پھر تو انہیں کسی اچھے جیولرز کے پاس جانا چاہیے تم سے کیوں کہا۔''

''ہاں، یہی تو میں بھی سوچ رہی تھی۔''

''کیا کچھ اور بھی وہ محترمہ فرمارہی تھیں مجھے تو وہ عورت اور اس کا شوہر دونوں دو نمبری لگتے ہیں۔'' زین نے منہ بنا کر کہا۔

''آپ نے کہاں سے دیکھ لیا؟'' انہیں مائرہ نے آنکھیں دکھائیں۔

''برابر میں ہی تو رہتے ہیں اکثر دونوں میاں، بیوی شام میں گاڑی میں جاتے نظر آتے ہیں۔''

''ہاں عائلہ کہہ رہی تھی کہ وہ دونوں ڈنر زیادہ تر باہر کرتے ہیں وہ تو اپنے میاں کی خوبیاں ہی گنوائے جارہی تھی جیسے وہ دونوں ہی دنیا میں آئیڈیل کپل ہوں۔''

ہونہہ!'' زین نے ناگواری سے ہونٹ سکیڑے جیسے وہ اس موضوع سے بیزار ہوگیا ہو۔

''بیٹھ کر اپنی پڑوسن کی باتیں کرتی رہوگی یا چائے بھی ملے گی؟''

مائرہ اس کے ناگوار موڈ کو دیکھتے ہوئے چائے بنانے چل دی۔

☆☆☆

صبح فجر کی اذان کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تو گلی میں لوگوں کے باتیں کرنے کی اونچی، اونچی آوازیں اس کے کان میں پڑیں۔

''یہ باہر کس قسم کا شور ہورہا ہے؟'' زین نے لیٹے، لیٹے پوچھا۔

''پتا نہیں لگتا ہے کسی گھر میں چور گھس آئے ہیں آج کل جگہ، جگہ ڈاکے جو پڑرہے ہیں مجھے تو کچھ... گڑبڑ لگ رہی ہے، کہیں کسی گھر میں ڈاکا تو نہیں پڑ گیا۔''

''ٹھہرو میں باہر دیکھ کر آتا ہوں۔''

''نہیں بھئی آپ کو باہر جانے کی کیا ضرورت ہے پہلے کھڑکی سے باہر دیکھ تو لیں..... کیا ہورہا ہے مجھے تو خوف محسوس ہورہا ہے۔'' زین کے ساتھ وہ بھی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

''باہر تو پولیس وین کھڑی ہے میں صحیح صورتِ حال معلوم کرکے آتا ہوں۔'' زین کچھ سنے بغیر نکل گیا۔

مائرہ وضو بنا کر نماز میں مصروف ہوگئی نماز سے فارغ ہوکر وہ چائے بنارہی تھی کہ زین آگیا۔

''ہمارے برابر میں چور رہ رہے تھے اور ہمیں پتا ہی نہیں چلا۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' مائرہ کے ہاتھ سے کپ گرتے، گرتے بچا۔

''عائلہ کا شوہر کاریں چوری کرکے فروخت کرتا تھا اور محترمہ خود بھی فراڈ ہیں ساتھ والے بلاک میں بھی ہاتھ صاف کرکے آئی ہیں، ان ہی لوگوں کی نشاندہی پر یہ کارروائی ہوئی ہے۔'' مائرہ کے کان سائیں، سائیں کرنے لگے۔ اتنی منافقت اور دوغلا پن اگر وہ بریسلیٹ اس سے لے لیتی..... یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنی رنگ برنگی کانچ کی چوڑیوں کو دیکھا ایک آسودہ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ جسے دیکھ کر زین حیرت زدہ ہونے کے باوجود معنی خیزی سے مسکرا اٹھا۔

پسِ آئینہ

قرۃ العین سکندر

سارے گھر میں عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی کہ "حنا نے رشتے سے انکار کردیا ہے۔" سب ہی اس افتادِ ناگہانی پر حیرت زدہ تھے۔ حنا ایک بے حد سلجھی ہوئی اور والدین کی فرمانبردار بیٹی تھی۔ اس سے اس قدر ضدی پن کی توقع رکھنا ممکن ہی نہیں تھا۔ پچھلے دنوں آنے والے بے شمار رشتوں میں رضیہ بیگم نے بالآخر ایک معقول رشتے پر ہامی بھر ہی لی تھی۔

دھان پان سی حنا بے حد سفید رنگت اور دلکش نقوش کے ساتھ بے حد ملنسار بھی تھی۔ جو بھی اس سے ملتا اس کے حسن و اخلاق کا گرویدہ ہوجایا کرتا۔ اس بار عجیب سا معاملہ درپیش تھا۔ نہ صرف رشتے والے اسے پسند کر گئے تھے بلکہ انہوں نے تو جیسے ہتھیلی پر سرسوں ہی جمالی تھی۔ اور جلد از جلد ان کی جانب سے رخصتی کا تقاضا بھی تھا۔ حنا ابھی گریجویشن کر کے فارغ ہوئی تھی۔ رضیہ بیگم کے

نزدیک یہ ایک بالکل مناسب عمر تھی۔ اگرچہ حنا کا ازحد ارمان بھی تھا کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے مگر اس رشتے کو دیکھنے کے بعد رضیہ بیگم نے یہ تو طے کر ہی لیا تھا کہ وہ ہر صورت بیٹی کو راضی کرلیں گی۔ اب جب سارے معاملات ہی احسن طریقے سے حل ہو رہے تھے۔ اچانک حنا کا انکار سب کو پریشان کر گیا تھا۔

رضیہ بیگم اور خالد صاحب کے چار بچے تھے احمد، اسد، حرا اور سب سے چھوٹی حنا..... حرا کی شادی ایف اے کے بعد ہی کردی گئی تھی۔ دونوں بہنوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ حرا کو پڑھنے لکھنے کا اس قدر شوق ہی نہ تھا جبکہ حنا خاصی پڑھاکو تھی۔ والدین کا فرض ہوتا ہے کہ اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت کریں اور اس کے بعد ان کی مناسب اور اچھی جگہ پر شادی کردیں۔ حرا نے جتنا پڑھا اس کے بعد اس کی شادی کردی گئی۔ اِدھر حرا کی شادی کی گئی تھی۔ دوسری طرف عابدہ کو بہو کی صورت گھر میں لے آیا گیا تھا۔ عابدہ نے حرا کی کمی احسن طریقے سے پوری کی تھی کہ اگر انسان مثبت اندازِ فکر اپنائے تو بیٹی کو وداع کرنے کے بعد آنے والی، بہو ہی بیٹی بن جایا کرتی ہے..... اب جب سارے معاملات مرحلے وار طے ہو رہے تھے تو حنا ہی رشتے سے انکاری تھی۔

''عابی بیٹا تم ذرا حنا سے پوچھو کہ آخر اسے اس رشتے سے انکار کیوں ہے؟'' اس وقت رضیہ بیگم نے عابی کو اپنے کمرے میں بطورِ خاص اس مقصد کے لیے بلوایا تھا۔ عابی مسکرادی تھی۔

''امی جان..... آپ کو چاہیے کہ آپ خود حنا سے بات کرلیں..... مجھے بات کرنے میں کوئی مسئلہ تو نہیں ہے مگر میں سوچتی ہوں کہ ماں اور بیٹی سے زیادہ قریبی رشتہ اور کون سا ہوسکتا ہے؟'' عابدہ نے قطعیت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''بیٹا..... تمہاری بات بالکل درست ہے کہ ماں اور بیٹی کا کوئی پردہ نہیں ہوتا ہے۔ مگر میری بیٹی یہ بھی تو سوچو کہ وہ تمہارے ساتھ کس قدر گھل مل کر رہتی ہے، مجھے لگتا ہے کہ جو چیز اسے پریشان کر رہی ہے وہ تم سے آسانی سے کہہ سکے گی..... ہوسکتا ہے کہ مجھ سے اسے کوئی خوف ہو جو بات کرنے میں رکاوٹ بن رہا ہو۔'' رضیہ بیگم نے پُرسوچ انداز میں کہا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ حنا اکثر انہیں عابدہ کے ساتھ ناروا سلوک پر ٹوکتی تھی۔ وہ مکمل روایتی ساس پن دکھاتی تھیں۔ جبکہ حنا ماں سے احتجاج کرتی، وہ اسے ڈانٹ کر چپ کرادیتیں کہ ''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے، بہوؤں کو اسی طرح کھینچ کر ہی رکھا جاتا ہے۔''

''مگر امی جان وہ مجھے ہی کیوں بتائے گی۔'' عابدہ کا انداز متزلزل سا تھا۔ شش و پنج کی کیفیت سے دو چار عابی اس وقت ساس کو صاف انکار کرنے کی حالت میں بھی نہیں تھی۔

''دیکھو..... اب اگر تم پوچھ رہی ہو تو میں بتادیتی ہوں۔ میں پہلے بھی اس سے پوچھ چکی ہوں مگر اس نے مجھے کوئی سیدھا جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے حرا کو بلوایا تھا۔ حرا نے بھی آکر اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی اس کا کہنا ہے کہ وہ شادی ہی نہیں کرے گی۔ اب میرے اور حرا کے ذہن میں تمہارا خیال بھی آیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ خاصی مانوس بھی ہے..... تم پوچھ کر کرید کر دیکھو..... عین ممکن ہے کہ وہ دل کی بات تم سے کہہ ڈالے۔'' رضیہ بیگم دل ہی دل میں آگاہ تھیں کہ شادی سے حنا کا گریز کیونکر ہے مگر وہ اپنی غلطی مان کر نہیں دے رہی تھیں۔ حرا چونکہ میکے کم، کم آتی تھی اس لیے وہ بھی ماں کے بھاوج کے ساتھ سلوک سے آگاہ نہ تھی۔

رضیہ بیگم کا اصرار دیکھ کر اس نے حامی بھرلی تھی۔ پھر وہ سیدھی نند کے کمرے کی طرف ہی گئی تھی۔ حنا کو آج کل فراغت تھی۔ اور وہ اس وقت مطالعہ کیا کرتی تھی۔

''کیا میں اندر آسکتی ہوں حنا؟'' اس نے دروازے پر دستک دی تھی۔

وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

''ارے بھابی، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے..... آئیں ناں پلیز.....'' حنا نے بے حد محبت سے

جواب دیا۔

''کیا بات ہے حنا؟ تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو؟'' عابی نے اس کے چہرے پر تفکر کے سائے لہراتے دیکھ کر پوچھا۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ سب گھر والے مجھ سے ناراض ہو رہے ہیں۔'' حنا نے تحمل سے کہا۔

''حنا گھر والے کیوں تم سے خفا ہوں گے، تم تو اتنی اچھی ہو..... اور پھر سب کا کتنا خیال رکھتی ہو.....'' عابی نے مسکرا کر کہا تھا۔

''مگر میں نے اس رشتے سے انکار کر کے آپ سب کو ہی پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔'' حنا نے از خود ہی موضوع چھیڑ دیا تھا۔ اس لیے عابی نے بھی قدرے اطمینان سا محسوس کیا تھا..... اسے کسی کی بھی ذاتیات میں مداخلت کرنا پسند نہیں تھا۔

''تو کیا تمہیں حیدر پسند نہیں ہے، دیکھو تو کتنا پڑھا لکھا قابل رشتہ آیا ہے۔ دیکھنے میں بھی بہت خوش شکل ہے۔ پھر اکیلی ساس ہی تو ہیں، کوئی بڑا کنبہ بھی نہیں ہے۔ ایک بیاہی بہن ہے جو باہر رہتی ہے، سال کے سال چکر لگاتی ہے.....'' عابدہ اسے قائل کرنے میں جت گئی تھی۔

''اب آپ بھی شروع ہو گئی ہیں۔'' حنا نے قدرے شکوہ کناں انداز میں بھاوج کو دیکھا تھا۔

''دیکھو حنا..... میں بھی امی اور حرا کی طرح تمہارا بھلا ہی چاہتی ہوں..... کیا بات ہے کیا تم مزید پڑھنا چاہتی ہو..... وہ تو تم شادی کے بعد بھی پڑھ سکتی ہو۔ ہم ان کو اس بات کے لیے قائل کر لیں گے۔ اور جب تک تم بتاؤ گی نہیں کہ اصل مسئلہ کیا ہے، ہمیں کیسے معلوم ہو گا کہ تم کیا چاہ رہی ہو..... تمہارے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔'' عابدہ اسے دھیرے، دھیرے اپنی بات کی طرف قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''نہیں بھابی ایسی کوئی بات نہیں ہے، تعلیم میرے لیے اتنی ہی کافی ہے۔ اگر میں پڑھنا بھی چاہوں گی تو پرائیویٹ پڑھائی کر سکتی ہوں..... دوسرے اس رشتے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔'' حنا نے دھیمے لہجے میں سر جھکا کر کہا تھا۔

''تو پھر حنا..... کیا تم کسی اور پسند کرتی ہو.....؟'' عابدہ نے ڈرتے، ڈرتے اپنے آخری خدشے کا بھی اظہار کر ہی ڈالا تھا۔

حنا ایک دم چپ کر گئی تھی۔ عابدہ کو لگا جیسے حنا کو اس کا بلا جھجک اس طرح کا سوال کرنا بے حد گراں گزرا ہے۔ اب عابدہ کی اس گھر میں پوزیشن ایسی تھی کہ نہ وہ ساس کی بات ٹال سکتی تھی اور نہ ہی نند سے پوچھے بنا اس کا مسئلہ حل کر سکتی تھی۔

دوسری جانب اپنے اندر اٹھتے بے شمار سوالات اور وسوسوں سے گھبرا کر رضیہ بیگم اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ اپنی بیٹی کے دل میں پلنے والے خدشات اور اس کے دل میں جو دبی ہوئی بات ہے اس کو خود جا کر سن لیں۔ یہی سوچ کر وہ بیٹی کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کے حسب منشا عابدہ اس وقت حنا کو رشتے کے لیے ہموار کرنے کی اپنے تئیں کوشش کر رہی تھی۔ وہ وہیں ادھ کھلے دروازے پر کھڑی ان دونوں کی گفتگو سننے لگ گئی تھیں۔

''بھابی آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ مجھے کوئی پسند ہو گا۔ آپ جانتی تو ہیں کہ میری زندگی ایک کھلی کتاب کے مانند ہے۔''

حنا نے اس کا آخری خوف بھی زائل کر دیا تھا۔ اگرچہ خوف تو زائل ہو گیا تھا مگر اس کے بعد دل میں مزید الجھن پیدا ہو چکی تھی۔

''دیکھو حنا..... تم پلیز مجھ سے کھل کر بات کرو..... ہو سکتا ہے کہ تمہاری الجھن کا کوئی حل نکل آئے۔ میری چندا..... بات کرنے سے ہی مسئلے حل ہوتے ہیں۔'' عابی نے بے حد لگاوٹ سے کہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا وہ ایک مہربان ہستی تھی۔

حنا کی آنکھیں اچانک بھیگ گئی تھیں۔ اور اس نے بڑھ کر اپنی بھابی کو گلے سے لگا لیا تھا۔ عابی اس نئی افتاد پر حیران پریشان سی تھی۔ وہ بھاوج کے گلے لگ کر

دھواں دھار رونے لگی تھی۔

''حنا تمہارے اس طرح رونے سے مجھے بے حد تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔'' عابی نے بے حد تاسف سے کہا تھا۔

''بھابی سب مجھ پر کیوں شادی کے لیے اس قدر دباؤ ڈال رہے ہیں..... میں جانتی ہوں ناں کہ شادی کے بعد کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے، زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ اب آپ اپنی ہی مثال لے لیں۔ آپ جب سے آئی ہیں غیر محسوس طریقے سے گھر کی ساری ذمے داری آپ کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی گئی ہیں۔''

حنا سانس لینے کے لیے رکی تھی۔ اور عابی حیرت سے اس کا منہ تک رہی تھی۔ خواب وخیال میں بھی یہ وجہ نہیں تھی جو حنا بیان کر رہی تھی۔

''آپ جس دن سے آئی ہیں کولہو کے بیل کے مانند ساری ذمے داریاں بھگتا رہی ہیں۔ ہم ہر بات سے بے خبر ہیں یا یوں سمجھ لیں ہر ذمے داری سے بری الذمہ پھر رہے ہیں۔'' وہ دکھ سے بولی تھی۔ وہ کبھی ماں سے احتجاج کرتی تو وہ چپ کروا دیتیں بلکہ اسے بھی کہتیں کہ تم اپنے کمرے میں رہا کرو..... عابدہ کو کام کرنے دیا کرو..... عابی تو چاہ کر بھی کچھ بول ہی نہیں پا رہی تھی وہ حنا کی بات سمجھنے سے قاصر تھی۔

''برتن صاف ستھرے دھلے قرینے سے اپنی جگہ جگمگ کر رہے ہوتے ہیں، کپڑے دھلائی کے بعد استری شدہ حالت میں سب کی الماریوں میں ٹانگے جاتے ہیں۔ گھر کی مکمل صفائی ستھرائی اس کے بعد کچن میں سب کے پسند کے کھانے اور مزاج بھی الگ، الگ بھگتانے پڑتے ہیں، یعنی سب کا بھگتان آپ کو کرنا پڑتا ہے۔ پھر اس کے بعد سر شام بھائی کی آمد بھائی کا سرد و گرم مزاج جھیلنا اور اس کے بعد رات گئے تک چائے، ناشتے کا دور چل رہا ہے اور آپ کچن میں حاضری لیے کھڑی ہیں۔ اس کے بعد ہر مہینے حرا باجی کا چکر اور ان کی ساس سمیت سب کی دعوت اور پھر اس کے تمام معاملات سلجھانا۔ اور اس سب سے بڑھ کر اگر چہ بات نہ ہے تو تکلیف دہ مگر امی کا ناروا سلوک پل، پل بھائی کے سامنے آپ کی تذلیل اور آپ کی قوت برداشت..... شاباش ہے آپ پر بھابی.....'' حنا کے لہجے میں بے حد کرب اور اذیت چھلک رہی تھی۔

''یہ سب تم کیا کہہ رہی ہو حنا..... میں نے کب شکوہ کیا ہے..... کیا تم نے میرے کسی رویے سے ایسا محسوس کیا ہے کہ میں یہ سب دل سے نہیں کر رہی۔'' عابی رنجور سی بیٹھی تھی قدرے دل گرفتہ سی۔

''نہیں، نہیں بھابی یہ تو آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ آپ نے ہم سب کو دل سے تسلیم کر لیا ہے۔ ہمارے ہر ناروا سلوک کو ہنس کر سہہ لیتی ہیں۔ اور ابھی پچھلے ہفتے ہی تو امی کسی محلے والی سے کہہ رہی تھیں جو مرضی کر لو جو بیاہ کر گھر آتی ہے وہ ہوتی تو باہر والی ہی ہے ناں گھر والی بن کر بھی وہ تا عمر باہر والی رہتی ہے۔''

باہر دروازے سے لگی کھڑی رضیہ بیگم کو لگ رہا تھا کہ ان کے چہرے پر زوردار طمانچہ رسید ہوا ہے۔ ایسا طمانچہ، ایسا تھپڑ جو ہاتھوں سے نہیں لفظوں کی مار سے پڑتا ہے۔ اس میں چہرہ سرخ نہیں ہوتا ہے بلکہ روح ادھڑ کر زخمی ہو جاتی ہے۔ لفظوں کے بھی دانت ہوتے ہیں جو آپ کے زہریلے رویے سہہ، سہہ کر وقت پر کاٹ دیتے ہیں۔ طنز کے نشتر کے تیر سینے میں گھونپ دیتے ہیں۔

''بھابی مجھ میں اتنی ہمت، اتنی سکت نہیں ہے، میں دن کی شروعات سے لے کر رات تک ملازموں کی طرح کام کاج نہیں کر سکتی ہوں، مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے..... میں یہ سب شاید نہیں کر سکوں.....'' حنا نے صاف گوئی سے کہا تھا۔ عابی اس کو محبت سے دیکھ رہی تھی۔ حنا کا شفاف دل کس قدر حساس تھا یہ تو واضح ہو ہی رہا تھا۔ کس قدر سنجیدہ تھی وہ اس معاملے میں۔

''دیکھو حنا، تم تصویر کا بالکل غلط رخ دیکھ رہی ہو، یہ تصویر کا ایک ہی رخ ہے، دوسرا رخ تم نے دیکھا ہی نہیں ہے۔'' عابی نے متانت سے کہا تھا۔ اس کی بات پر حنا کی آنکھوں میں الجھن سی تیرنے لگ گئی تھی۔

''بھابی وہاں تو میرے جیسی کوئی نند نہ ہوگی کہ

ان باتوں پر کڑھے میں تو اکیلی ساس کے ہی رحم و کرم پر ہوں گی۔''

''حنا یہ سچ ہے کہ میں گھر کی صفائی ستھرائی، دھلائی، سجاوٹ کے کاموں میں جتی رہتی ہوں، یہ بھی سچ ہے کہ ہر وقت سب کے مزاج خوشگوار یت لیے ہوتے بھی نہیں۔ مگر میری بہن انسان اپنی معاملہ فہمی، خوش مزاجی سے سارے معاملات حل کر سکتا ہے۔ اب یہی دیکھ لو..... اس وقت تم کسی طرح میری طرف داری کر رہی ہو..... چند باتوں میں تو لگا میری وکالت کر رہی ہو.....'' عابی نے ہولے سے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ حنا نے حیرت سے بھابی کو دیکھا تھا جو اس وقت بھی کسی بھی قسم کے شکوے کو دل میں رکھے بنا ہنس رہی تھیں۔ شفافیت بھرے جذبات و احساسات لیے..... بے حد خلوص سے مسکرا رہی تھیں۔

''جانتی ہو حنا، میں نے بھی اپنے اردگرد کے لوگوں سے ہی یہ سبق لیا ہے۔ میری ممانی کی بہو بہت خراب مزاج کی تھیں جس کی وجہ سے ان کے گھر کا ماحول خراب ہو گیا تھا۔ اس طرح میری پھوپی زاد بھاوج بھی نک چڑھی تھی مگر میں نے اپنی جگہ سوچ لیا تھا میں اپنی سسرال میں ایسا رویہ ہرگز نہیں رکھوں گی چاہے کیسا ہی سلوک ہو۔ اب دیکھو تم نے ہی محسوس کیا اور اب میری طرف داری کر رہی ہو..... دل سے کیے گئے سچے کاموں اور اعمال کا ضرور اچھا صلہ ملتا ہے۔'' عابی نے گہری سانس لی تھی۔

''اگر مجھے احمد دو باتیں سنا دیتے ہیں تو چار محبت بھرے لمحات بھی میری اس بند مٹھی میں قید کر دیتے ہیں۔ انہی لمحات کی میراث ہے کہ میں پھر سے نئے دن کی نئی صعوبتوں کے لیے تازہ دم ہو کر اٹھ کھڑی ہوتی ہوں۔'' عابی نے مزید وضاحت کی تھی۔

''تم جانتی ہو حنا ایک مثالی گھروندے کی سوچ ہر لڑکی کے دل میں اس کی عمر کے ساتھ، ساتھ بروان چڑھتی چلی جاتی ہے۔ وہ جیسے، جیسے شعور کے زینے طے کرتی ہے۔ ایک مکمل خوشحال گھر کی چاہت اس کے خون میں رچ بس جاتی ہے۔'' عابدہ کی بات سو فیصد سچ پر مبنی تھی۔ حنا اس سے انکاری نہیں ہو سکتی تھی۔

''میری بہن بات کو سمجھنے کی کوشش کرو..... یہ میرا گھر ہے، اس گھر کی آرائش کے لیے سجاوٹ کے لیے کرنے والی ہر کاوش مجھے دلی تسکین دیتی ہے۔ کچن پر میری راجدھانی ہے، گھر پر میری حکومت کا سکہ چلتا ہے۔ امی تو اچھی ہیں کہ کبھی کسی بات کے لیے منع نہیں کرتی ہیں۔ پھر کون سا گھر ہوتا ہے جہاں ماں، بیٹی میں چپقلشیں نہیں ہوتیں۔ وہاں بھی ہم صبر کر لیتے ہیں تو اس رشتے میں بھی بس تھوڑا سا صبر چاہیے۔ بس ایک سال بعد ہی میں نے اس نکتے کو سمجھ لیا تھا۔ اب کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے۔'' عابی کا انداز اس قدر خوب صورت تھا اور مصالحانہ تھا کہ ساری بات حنا نے من و عن سمجھ لی تھی۔

''بہت شکریہ بھابی مجھے آگاہی دینے کے لیے..... آپ امی سے کہہ دیں کہ میں اس رشتے کے لیے راضی ہوں..... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے..... میں نے آپ کے طریقۂ کار کو سمجھ لیا ہے۔ آپ کی ساری باتیں گرہ سے باندھ لی ہیں..... اب میں بھی ویسے ہی زندگی کو گزارنے کی کوشش کروں گی.....'' حنا کے لہجے میں یقین تھا دروازے پر کھڑی رضیہ بیگم اندر آ گئی تھیں۔ اور آ کر انہوں نے حنا کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا تھا۔ اور پھر بے حد مان سے عابی کو گلے سے لگا لیا تھا۔

''تم جیسی بچیاں ہوں تو ہر گھر جنت کا گہوارا بن سکتا ہے۔ میں خوش ہوں کہ آج میری اپنی ہی بیٹی نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ عابی سچ ہے عقل و شعور آنے کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں.....'' عابی اور حنا دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ حنا نئے گھر میں اسی طرح خلوص اور محبت کی چاشنی کی مقدار بڑھا کر اپنی زندگی کی شروعات کرنے کی خواہش مند تھی۔ جبکہ عابی خوش تھی کہ اس کے صبر کو پھل ملنے کا وقت آ گیا تھا۔

دیر آید درست آید..... اب سب درست ہونے جا رہا تھا۔

❁❁❁

کاہے کو بیاہی

دردانہ نوشین خان

دوسرا اور آخری حصہ

صبح آنکھ کھلتے ہی یاد آیا طلاق ہوگئی ہے...... باورچی خانے میں جا کے پانی گرم کیا...... وضو کر کے فجر کی نماز ادا کی۔ سلام پھیر کر چار سالہ شامہ اور دو سالہ امامہ پر پھونکا۔ امامہ کے لیے دودھ گرم کرنے باورچی خانے میں گئی تو سجو ماسی وہیں تھی ثمینہ نے دودھ فیڈر میں ڈالا چینی ملا کر ہلایا، فیڈر کا ڈھکن بند کیا پھر کہا۔

''آپ کو پتا ہوگا مجیدے نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ میرے لیے اب یہاں رہنا حرام ہے۔ میں آج بچوں کو لے کرامی کے گھر چلی جاؤں گی۔''

''بیٹھ جا...... بیٹھ جا۔ میرے پاس...... شانتی کر...... مرد غصے میں طلاق بک دیتے ہیں...... یوں گھر نہیں توڑ دیا جاتا...... اڑی پاگل نہ بن۔'' وہ پیڑھی پر بیٹھ گئی اور کہا۔

''سجو خالہ...... طلاق غصے میں ہی ہوتی ہے...... ہوگئی تو ہوگئی۔''

''ایک بار کہہ دینے سے نہیں ہوتی...... چپ کر کے بات پی جا۔ کسی سے بات نہ کرنا...... کسی کو نہ کہنا...... بات یہیں پر تیرے میرے درمیان.... ختم...... دو چار دن بعد وہ تیرے پاس آجائے گا...... سب ٹھیک ہوجائے گا چار بچوں کو لے کر کہاں در بدر ہوگی۔ سمجھانے کی بات کر رہی ہوں......'' پھر مزید سرگوشی میں کہا۔

''ذرا ہنس سنور کر ہنس مسکرا کر خاوند سے بولا کر..... خاوند ہے تیرا..... رات کو یہی بات کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کے منہ سُجالیتی ہے۔'' وہ جھٹکے سے اٹھی اور چلی گئی۔

''لبھایا مسکرایا بھی میں کروں..... اپنی ساری تنخواہ اس کی جھولی میں ڈال کر سنگار کر کے سیوا بھی میں کروں..... اس کو نہ کہوں کہ کچھ کام کرو کچھ کما کر لاؤ..... بلکہ اس کی خدمت میں کھانا پیش کر کے دعا مانگتی رہوں کہ نوالہ حلق سے اترے تو کچھ ناپسند نہ لگے۔ کوئی گالی بھری پکار نہ آئے۔ تھالی دیوار پر نہ جا پڑے۔'' وہ دفتر جا رہی تھی مگر دماغ گھوم رہا تھا۔ قدم کہیں رکھتی، کہیں پڑتے..... آج ذہنی حالت زیادہ ابتر تھی۔ رکی تو خود کو پرانے کھوں (کنویں) کے کنارے پایا۔ کنویں کی منڈیر تک جا کر نیچے جھانکا۔ تہ میں کالا پانی چمکتا تھا..... ''مگر شامہ، امامہ..... بھاگ کے جاؤں ان کو لے آؤں..... ان کے ساتھ کود جاؤں گی..... پھر کوئی مسئلہ نہیں.....'' وہ پلٹ کر تیزی سے واپسی کی جانب چلی ہی تھی کہ... موٹر بائیک کی آواز آئی۔ کسی نے اس کو کنویں سے آتا دیکھ لیا تھا۔ وہ بچ نکلنا چاہتی تھی کہ آواز کانوں سے ٹکرائی۔

''آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

وہی تھا۔

''کنویں میں جھانک رہی تھیں آپ..... کچھ گر گیا ہے کیا؟''

''آپ کیوں میرا پیچھا کرتے ہیں..... آپ سے مطلب.....؟'' اعتماد بحال ہوا گھبراہٹ کم ہوئی۔

''میں پیچھا نہیں کر رہا۔ میں تو ادھر سے جا رہا تھا کہ ادھر نگاہ پڑی..... پلیز برا نہ منائیے..... آپ کو کوئی بڑی پریشانی ضرور ہے..... بلکہ اب تو مجھے لگنے لگا ہے..... اللہ مجھ سے کوئی بڑا کام لینا چاہتا ہے آپ کے لیے..... آپ مجھ پر بھروسا کر سکتی ہیں۔''

کاہے کو بیاہی

درداسـ نوشین حسان

دوسرا اور آخری حصہ

صبح آنکھ کھلتے ہی یاد آیا طلاق ہوگئی ہے...... باورچی خانے میں جا کے پانی گرم کیا......وضو کر کے فجر کی نماز ادا کی۔ سلام پھیر کر چار سالہ شامہ اور دو سالہ امامہ پر پھونکا۔ امامہ کے لیے دودھ گرم کرنے باورچی خانے میں گئی تو بجو ماسی وہیں تھی ثمینہ نے دودھ فیڈر میں ڈالا چینی ملا کر ہلایا، فیڈر کا ڈھکن بند کیا پھر کہا۔

''آپ کو پتا ہوگا مجیدے نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ میرے لیے اب یہاں رہنا حرام ہے۔ میں آج بچوں کو لے کر امی کے گھر چلی جاؤں گی۔''

''بیٹھ جا......بیٹھ جا میرے پاس......شانتی کر......مرد غصے میں طلاق بک دیتے ہیں......یوں گھر نہیں توڑ دیا جاتا......اڑی پاگل نہ بن۔'' وہ پیڑھی پر بیٹھ گئی اور کہا۔

''بجو خالہ...... طلاق غصے میں ہی ہوتی ہے......ہوگئی تو ہوگئی۔''

''ایک بار کہہ دینے سے نہیں ہوتی......چپ کر کے بات پی جا۔ کسی سے بات نہ کرنا......کسی کو نہ کہنا......بات یہیں پر تیرے میرے درمیان......ختم......دو چار دن بعد وہ تیرے پاس آجائے گا......سب ٹھیک ہوجائے گا چار بچوں کو لے کر کہاں دربدر ہوگی۔ سمجھانے کی بات کر رہی ہوں......'' پھر مزید سرگوشی میں کہا۔

''ذرا بن سنور کر ہنس مسکرا کر خاوند سے بولا کر..... خاوند ہے تیرا..... رات کو یہی بات کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کے منہ سُجا لیتی ہے۔'' وہ جھٹکے سے اٹھی اور چلی گئی۔

''لبھایا مسکرایا بھی میں کروں..... اپنی ساری تنخواہ اس کی جھولی میں ڈال کر سنگار کر کے سیوا بھی میں کروں..... اس کو نہ کہوں کہ کچھ کام کرو کچھ کما کر لاؤ..... بلکہ اس کی خدمت میں کھانا پیش کر کے دعا مانگتی رہوں کہ نوالہ حلق سے اترے تو کچھ ناپسند نہ لگے۔ کوئی گالی بھری پکار نہ آئے۔ تھالی دیوار پر نہ جا پڑے۔'' وہ دفتر جا رہی تھی مگر دماغ گھوم رہا تھا۔ قدم کہیں رکھتی، کہیں پڑتے..... آج ذہنی حالت زیادہ ابتر تھی۔ رکی تو خود کو پرانے کھوں (کنویں) کے کنارے پایا۔ کنویں کی منڈیر تک جا کر نیچے جھانکا۔ تہ میں کالا پانی چمکتا تھا..... ''مگر شامہ، امامہ..... بھاگ کے جاؤں ان کو لے آؤں..... ان کے ساتھ کود جاؤں گی..... پھر کوئی مسئلہ نہیں.....'' وہ پلٹ کر تیزی سے واپسی کی جانب چلی ہی تھی کہ... موٹر بائیک کی آواز آئی۔ کسی نے اس کو کنویں سے آتا دیکھ لیا تھا۔ وہ بچ نکلنا چاہتی تھی کہ آواز کانوں سے ٹکرائی۔

''آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

وہی تھا۔

''کنویں میں جھانک رہی تھیں آپ..... کچھ گر گیا ہے کیا؟''

''آپ کیوں میرا پیچھا کرتے ہیں..... آپ سے مطلب.....؟'' اعتماد بحال ہوا گھبراہٹ کم ہوئی۔

''میں پیچھا نہیں کر رہا۔ میں تو ادھر سے جا رہا تھا کہ ادھر نگاہ پڑی..... پلیز برا نہ منایئے..... آپ کو کوئی بڑی پریشانی ضرور ہے..... بلکہ اب تو مجھے لگنے لگا ہے..... اللہ مجھ سے کوئی بڑا کام لینا چاہتا ہے آپ کے لیے..... آپ مجھ پر بھروسا کر سکتی ہیں۔''

''میری مدد کوئی نہیں کرسکتا.....اس بھروسے سے مجھے کیا مل جائے گا ہٹو بھائی.....'' وہ موٹر سائیکل کو ہاتھ سے دھکیل کے سائڈ سے نکل گئی۔

وہ الھڑ دوشیزہ نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر گمبھیر اداسی چھائی رہتی تھی۔

اس کی آنکھوں سے غم جھلکتا بلکہ بولتا دکھائی، سنائی دیتا تھا۔ وہ بہت کم ہنستی اور جب ہنستی تو طنزیہ یا خود پر ہنستی تھی۔ کبھی کبھار اپنے بچوں کی معصوم حرکت پر اس کی کھوئی ہوئی خالص ہنسی نظر آجاتی۔ دبلی پتلی نکلتے قد کی سیاہ چادر میں لپٹی، کالے پمپ شوز پہنے روزانہ صبح اپنے گھر کے میدان کو پار کر کے (وہی میدان جہاں اس کی بارات کی بس رکی تھی) آدھے کلومیٹر دور دیہی مرکز صحت پیدل جاتی۔ اس کے ہمراہ کوئی نہیں ہوتا تھا۔ خاوند گھر پر سویا ہوتا یا یار دوستوں میں بیٹھا رہتا۔ دیہات میں عام طور پر ماں، بہن کی عزت ہوتی ہے مگر ان ہی دیہاتوں میں کھیتوں اور چور راستوں میں زیادتی کے واقعات بھی عام ہوتے ہیں۔ سرما کی تجسیں سنسان ہوتیں تو گرما کی دوپہریں ویران ہوتیں۔

کبھی نسیمو ماسی مفت دوا لینے آتی تو واپسی پر اس کے ساتھ آتی' وہ ادھیڑ عمر کی عورت ہو کر اکیلے جاتی ڈرتی تھی۔ اس لیے ثمینہ کی چھٹی تک انتظار کرتی۔

ثمینہ نے یہ بھی سوچا تھا کہ وہ کسی طرح سے یہاں دل لگا لے، اسی کو مقدر کا گھر سمجھ کر قبول کرلے۔ وہ ایسا کر جاتی اگر ہر بار مجید کا تکلیف دہ بدنما رویہ سامنے نہ آتا۔ وہ اسی معاشی حالت پر مل جل کر محنت کر کے تبدیلی لانے کا سوچتے اگر مجید اچھا انسان ہوتا۔ اس میں ذہنی ہم آہنگی ہوتی، اس کی تعلیم، لباس بھی ثانوی تھے اگر اس کا سلوک اور فطرت اچھی ہوتی.....

ہر طرف سے ہاری ہوئی ثمینہ نے طلاق کے بعد بھی زہر کا گھونٹ بھر لیا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجید مزید شیر ہوگیا۔ تنخواہ لے لینے کو تو ماں، بیٹا نے کبھی اپنی جانب سے زیادتی خیال کیا ہی نہیں تھا۔

سیل والا جوڑا ثمینہ نے سی کر پہنا تو سجو نے بلا کر ہاتھ لگا کر دیکھا۔

''اچھا پکا کپڑا ہے کتنے جوڑے لائی ہو؟''

''یہ جوڑا کتنے والا ہوگا باجی ریحانہ.....'' جواباً ثمینہ نے پڑوسن ریحانہ سے سوال کیا جو ملنے آئی ہوئی تھی۔ جسے کپڑوں، جوتوں کی قیمتیں ازبر ہوتی تھیں۔

''یہ سات سو والا ہے، اس کا نیلا شیڈ میں لائی ہوں..... میں دوسرا سوٹ ایک ہزار پچاس والا لائی ہوں۔''

''اور خالہ سجو کی یہ قمیص کتنے والی ہے بتاؤ تو جانیں۔''

''ہاں کیوں نہیں پتا.....تین سو پچھتر کی ملی ہوگی، ڈیڑھ سو روپے میٹر والا کپڑا ہے۔ شامہ، امامہ کے پیس بھی اسی ریٹ کے لیے ہوں گے۔''

''تم ذہین ہو باجی ریحانہ.....تو سجو خالہ..... سات سو کا میرا جوڑا، تین سو پچھتر کا آپ کا.....تین سو کے بچیوں کے، یہ ہوئے تیرہ سو پچھتر.....شامہ کا جوتا..... امامہ کا فیڈر، نیپل، کیلے بسکٹ کے بعد میرے پاس بچے تھے پچپن روپے۔ ان میں کتنے اور جوڑے میرے آسکتے ہیں۔ ذرا حساب لگاؤ ذہین باجی۔'' ثمینہ نے تو سجو ماسی کی دھلائی کردی۔ ریحانہ تالی بجا کر ہنستی لوٹ پوٹ ہوگئی۔ سجو ندامت چھپاتی بولی۔

''میں نے حساب نہیں مانگا تو نے تو چولا (قمیص) اٹھا کے باندریا کی طرح پیٹ ننگا کردیا ہے جگ کے سامنے۔''

''جگ کو سب پتا ہے گلاسوں میں کتنا پانی ہے۔''

وہ مسکراتی ہوئی دھلے کپڑے نچوڑنے لگی۔

''زبان نہیں قینچی ہے، بولنے لگتی ہے تو کچر، کچر کرتی جاتی ہے۔'' سجو ماسی بڑبڑاتی رہی۔

رات کو چھوٹی بچی امامہ کو سردی سے بخار ہوگیا۔ ثمینہ نے سیرپ پلایا، شہد چٹائی۔ اپنی سی کوشش کرتی رہی مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ رات بھر روتی رہی، ثمینہ گود میں لیے جاگتی رہی، بچے کے کراہنے، رونے، ثمینہ کے اٹھنے بیٹھنے سے بے نیاز مجید سوتا رہا۔

''اسے کیا مصیبت ہے چپ کیوں نہیں کرتی۔'' کانوں پر لحاف لپیٹے بڑبڑاتا۔

''بخار سے تپ رہی ہے، ٹمپریچر کم ہی نہیں ہوتا۔ اب کیا کروں..... پانی کی پٹیاں کروں؟''

''میں تو اماں کے کمرے میں سونے جارہا ہوں..... صبح ہوتو دوا لے آنا۔'' وہ لحاف اٹھا کر نکل گیا۔

سر کو تھکانا، رات کو جاگنا، صبح دوا لانا اس کے ذمے مگر اسے اس وقت ان دکھڑوں کی پروا نہ تھی وہ تو بچی کو دیکھ کر پریشان تھی۔ ٹھنڈی پٹیاں کرتی رہی تو کہیں دو گھنٹے بچی سوئی۔ ثمینہ کو نیند آ گئی۔ صبح جیسے ہی دن روشن ہوا، وہ امامہ کو کمبل میں لپیٹ کے سجو ماسی کے پاس آئی۔

''سجو خالہ میرے ساتھ چلو..... رات سے امامہ کو تیز بخار ہے۔ ساری رات روتی رہی ہے، ڈاکٹر صاحب کے گھر پر چلتے ہیں۔ میرا خیال ہے، وہ مجھ پر ترس کھا کے اس وقت بھی دیکھ لیں گے۔''

سجو ماسی نے بچی کو ہاتھ لگایا تو وہ بھی پریشانی سے ثمینہ کا منہ تکنے لگی۔ اس کو لگا تھا کہ مجیدا یوں ہی اِدھر آ کر سو رہا۔ مجیدے کو آوازیں دینے لگی۔ وہ ہوں، ہاں کر کے کروٹ بدل کر سو گیا۔

''ماسی سجو..... اس کو چھوڑو، امامہ کی حالت خراب ہے، چلو میرے ساتھ شامہ کو چاچو نوید کے ذمے کر دیا ہے، وہ میرے کمرے میں بیٹھا ہے۔ موبائل لے کر..... تم بس جلدی چلو۔''

سجو نے گرم شال ناک تک لپیٹی۔ دونوں تیز، تیز قدموں سے چل دیں۔

''ڈاکٹر صاحب نے بچی کی غیر معمولی حالت اور ثمینہ کے اسٹاف ممبر ہونے کے پیشِ نظر بے وقت بھی ... بھرپور توجہ دی۔ بچی کا درجۂ حرارت کم کرنے میں کافی دیر لگی۔

پھر اسے ڈرپس لگائی گئیں۔ دو گھنٹے مزید صرف ہونے تھے، ثمینہ نے سجو ماسی سے کہا کہ وہ گھر چلی جائے کیونکہ اب بچی خطرے سے باہر تھی۔ گھر پر ناشتا بنانا تھا خصوصاً مجیدے کی طرف سے فساد کا خدشہ تھا۔ سجو تو جیسے انتظار میں بیٹھی تھی۔ وہ چلی گئی۔

ڈرپ مکمل ہوئی کچھ ادویہ مفت حاصل ہوئیں۔ مزید دوائیں اور دودھ کا ڈبا (جو لکھ دیا گیا تھا) منگوانا تھا۔ جب وہ امامہ کو اٹھائے گھر واپس آ رہی تھی یہی سو رہی تھی۔ دودھ کا ڈبا علی پور سے کون لائے گا اور پ کون لگائے گا۔ اپنی بے بسی پر آنکھیں بھر آئیں۔ پ بار جی چاچا شہریار جو ئیہ نظر آ جائے تو وہ اسے کہے دودھ ڈبا لا دو..... مگر کیوں.....؟ کتنی بے تکی بات تھی۔

وہی ہوا..... سجو ماسی نے دلیل دی ..... کہ ڈ والا دودھ بہت مہنگا پڑتا ہے، ڈاکٹر تو یوں ہی لکھ ک دے دیتے ہیں۔ دودھ بدلنے کی ضرورت نہیں ہے اسی دودھ میں سونف، الائچی ڈال کر ابال لیں گے۔ مجیدے کو یہ اعتراض تھا کہ ڈاکٹر ڈبا خود منگوا دیتا اس کے ملازم روز علی پور جاتے ہیں۔ نوید کو بھابی کی مجبو صورت دیکھ کر ترس آ گیا۔

''مجھے پیسے دو بھابی..... میں لا دیتا ہوں۔''

''میرے پاس کب پیسے ہوتے ہیں نوید بھائی..... سجو خالہ! ایک ڈبے کے پیسے دے دو۔ جب تک بخار ہے تب تک دوں گی۔'' ثمینہ نے منت کی۔ وہ مجیدے کی طرف دیکھنے لگی۔ ثمینہ نے اپنی منت کا رخ مجید کی طرف موڑا۔

''مجید..... تم ابھی ہفتہ پہلے دس ہزار لے گئے تھے..... اس میں سے ایک ڈبا اپنی بیٹی کے لیے خرید دو..... میں منت کرتی ہوں.....''

''لو..... اس کی بات سن لو..... میں اب گن، گن کر بتاؤں پیسے کہاں خرچ ہوئے..... اماں تم نے بجلی کا بل بھروایا تھا۔ اسے بتاؤ..... ادھار چکائے وہ الگ.....'' وہ آنکھیں نکال کر درشتی سے بولا تو سجو نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔

''ہاں وہ تو خرچ ہو گئے۔''

نوید کو بھابی پر ترس آ رہا تھا۔ جو کبھی شوہر کبھی ساس کا منہ دیکھتی تھی۔

''اگر بستی کے اسٹور پر ہوتا تو ادھار اٹھا لاتا۔''

''میری دھی، سونی، بسم اللہ پڑھ کر یہی دودھ دے دے۔ دوائیں تو ہیں ناں ساتھ۔ ٹیکے بھی لگے ہوئے ہیں۔ وہم نہ کر..... اللہ پر یقین رکھ کچھ نہیں ہوگا۔''

وہ کیا کرسکتی تھی۔ دوائیں پلا کر گھر والا دودھ دیا۔

دوسرے دن امامہ کو بخار نہ ہوا۔ ثمینہ کو تسلی ہوئی۔ رات کو ماں، بیٹی سوئی رہیں۔ سب خوش ہوئے لو جی بخار اتر گیا۔ ثمینہ کو دوسرے دن ڈیوٹی پر جانا تھا۔ مرکز صحت میں محکمۂ صحت کے افسر آرہے تھے۔ وہ نوید کو دوائیں سمجھا کر اور سجو خالہ کو ہدایات دے کر گئی..... دونوں بہنیں بستر پر بیٹھی کھیل رہی تھیں۔

مرکز دیہی صحت کے باہر غیر معمولی صفائی اور بھاگ دوڑ کا منظر تھا۔ دور تک چونے کی لکیر کھنچی ہوئی تھی۔ چوکیدار وردی میں نظر آرہا تھا۔ علی الصباح چھڑکاؤ ہو چکا تھا۔ ماسی نسیمو کو مریضوں کی قطار بندی اور پرچی کے لیے بلوالیا گیا تھا۔ ثمینہ نے دفتر سے ملحق اسٹاف روم میں جا کر چادر اتاری اور کھونٹی پر لٹکا سفید اوور آل پہن لیا۔ دوپٹے کو سمیٹ کر سر پر ڈھانپا۔ افسران کی آمد..... جانچ پڑتال، فارمیسی کی ادویہ کی جانچ پھر چائے تو اضع میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا..... اس دوران میں مریض خواتین کا معائنہ بھی ہوتا رہا۔ افسران کی گاڑیاں رخصت ہوئیں۔ عملے نے ابھی سکھ کی سانس لی ہی تھی کہ ثمینہ کی پڑوسن ریحانہ باجی کا لڑکا بھاگتا ہوا اپنی طرف آتا دیکھائی دیا۔ اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے بولا۔

''باجی ثمینہ جلدی چلیں..... باجی ثمینہ جلدی چلیں۔''

''کیا ہوگیا ہے خیر تو ہے.....؟'' مڈوائف اختر بی بی بولی۔

''امامہ کو کچھ ہوگیا ہے۔''

''کیا ہوگیا ہے؟'' ثمینہ نے فٹافٹ گاؤن اتار کر سامنے پھینکا اور چادر اوڑھتے ہوئے پوچھ گئی۔

''کیا بخار ہوگیا ہے؟ رو رہی ہے؟ تم لے آتے۔ خالہ سجو سے کہتے یہاں لاتی۔''

''آپ موٹر سائیکل پر بیٹھیں.....'' ثمینہ نے اب دیکھا وہ کسی کی موٹر سائیکل لے کر آیا ہوا تھا۔ ''باجی، امامہ مرگئی ہے باجی.....'' وہ موٹر سائیکل چلاتے ہوئے بولا۔

''پاگل ہوگئے ہو..... کیا کہہ رہے ہو..... اچھی بھلی صبح کھیل رہی تھی..... میں دو سوئیٹر کے اوپر جیکٹ پہنا کر آئی تھی۔ دو جرابیں پہنائی تھیں۔ اسے سردی نہیں لگ سکتی۔ بخار چڑھا تو یہاں کیوں نہیں لائے۔''

یہی سوال تھے جو وہ گھر کی دہلیز تک کرتی گئی۔

گھر کے باہر مرد جمع تھے۔ شامہ کو نوید اٹھائے کھڑا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ رو رہی تھی۔ ورنہ چار سالہ شامہ کو کون اٹھاتا تھا۔ سجو ماسی کے ارد گرد عورتوں کا جمگھٹا تھا۔ ننھی پری ضرور وہی تھی۔ ثمینہ کو ابھی تک یقین تھا کہ گنوار دیہاتی عورتوں نے اس کی بیمار بچی کو مردہ قرار دے رکھا ہوگا۔ اس نے سجو ماسی کی گود سے بچی کو لے لیا۔ لیتے ہی احساس ہوا جیسے لاتعلق بے نیاز جسم کو اٹھایا ہو۔ اس کے سینے سے کان لگائے۔ اس کے منہ میں سانس پھونکے..... ''اس کا بدن تو گرم ہے، میری امامہ زندہ ہے۔ ماسی اسے ڈاکٹر.....''

''اڑی ثمینہ..... میری پوتی کو تنگ نہ کر..... میری نکی اب نہیں رہی۔'' سجو ماسی ماتم کے کوئی بول اٹھا رہی تھی تو اٹھاتی رہے۔

''نوید..... نوید.....'' ثمینہ نے دیور کو اتنی زور سے بلایا کہ آواز پھٹ گئی۔ ''جلدی سے ڈاکٹر صاحب کے چل..... ابھی چل..... تجھے تیرے رب کا واسطہ.....'' نوید نے جلدی سے شامہ کو اتارا۔

''آؤ بھابی..... لے چلتا ہوں.....'' اس نے بسم اللہ کہہ کر بے حس و حرکت امامہ کو کمبل میں لپیٹ کر اٹھا لیا۔

''رنج سے پاگل ہوگئی ہے ڑی..... ثمینہ..... کملی نہ بن..... اِدھر لے آ.....'' آوازیں اسے روکتی رہیں۔ مجیدا بھی گھر کے باہر کچھ کہتا آیا تھا مگر وہ موٹر سائیکل پر نکل گئے۔

جاتے سے جتنا اضطراب، جوش، جلدی تھی۔ آتے سے مردے کی گود میں مردہ تھا۔ جب وہ گھر کی لمبی بیرونی دیوار کے ساتھ چلتی آرہی تھی۔ دوڑتی ہوئی کوئی لڑکی اسے موبائل دے کر بولی۔

''بھابی تری اماں کا فون ہے.....'' اور موبائل اس کے کانوں سے لگا کر ساتھ چلنے لگی کیونکہ اس کے دونوں بازوؤں میں مری ہوئی بیٹی تھی۔

''امی...... میری امامہ مر گئی ہے......امی...... میری بیٹی مر گئی ہے، تیری بیٹی کیوں نہیں مرتی......اللہ کرے تیری بیٹی ثمینہ مر جائے۔ تجھے پتا چلے بیٹی مر جائے تو کیسا درد ہوتا ہے۔'' وہ روئے اور بولے جاتی......ہجوم میں وہ موٹر سائیکل سوار بھی تھا جسے ابھی پتا چلا تھا کہ یہ ثمینہ میڈم کا گھر ہے اور یہ گھر والا ہے جو مٹھی میں سگریٹ دبائے دھواں چھوڑ رہا ہے۔

امامہ کی موت پر اظہر بھائی، علیشہ اور ابا آئے تھے۔ امی کو ان دنوں گردے میں درد کی بہت تکلیف تھی۔ ثانیہ کے امتحان چل رہے تھے، یہ تینوں ایک رات گزار کر چلے گئے۔ جاتے ہوئے ابا اسے نوٹ پکڑا گئے۔ اس کے مسائل کا حل، آسرا، مداوا، تشفی، تعزیت نوٹ ہی تو گردانے جاتے تھے۔

امامہ اچانک کیسے مر گئی؟ وہ کیسے اس حد تک خطرے میں پہنچی......؟ اس سوال کا ثمینہ کو کوئی جواب نہیں ملتا تھا۔ وہ ایک ایسے ادارے میں کام کرتی تھی۔ جہاں طبی سوجھ بوجھ اور سوال کا ذہن میں اٹھنا ماحول کا حصہ تھا۔ مگر جواب یہ ملتا تھا۔

''اچھی بھلی کو جانے کیا ہوا۔''

''بس اس کی آئی ہوئی لکھی تھی۔''

''دو گھنٹے پہلے تک تو ٹھیک ٹھاک تھی۔''

مگر ثمینہ کی تسلی نہ ہوتی۔

ہفتے بھر بعد کی بات ہے ثمینہ اپنے کمرے کی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ امامہ کی بچی ہوئی دوائیں کسی شاپر میں ڈالنے لگی تو پاس کھڑی شامہ بول اٹھی۔

''امی......یہ شیشی پلائی تھی دو چمچ پی کر امامہ کی طبیعت خراب ہوتی گئی۔''

''کس نے پلائی تھی؟''

''ابو نے؟''

''کیا......دو چمچ۔'' وہ چیخ پڑی۔

''ہاں تو......''

''کیا تم نے دیکھا تھا......کون سا چمچ تھا۔''

''یہ رہا...... یہ پڑا تو ہے یہاں......'' وہ چمچ دکھا کر بولی۔

''یہ تو صرف تین قطرے دینے تھے......یہ اس کے پاس ڈراپر......کدھر گیا ڈراپر......وہ کہیں گرا دیا ہوگا...... یہ دو چمچ پلا دیے......ہا......'' ثمینہ دل تھام کر کھڑی تھی۔ وہ دوائی کی شیشی، چمچ اور شامہ کو بازو سے پکڑے صحن پار کر کے سجو ماسی کے کمرے میں آگئی۔ سجو سر پر دوپٹا باندھے لحاف لیے میوے والا گڑ کھا رہی تھی۔ کمرا کافی بڑا تھا۔ سردی کی بارش بادل کے دنوں میں کمرے کے درمیان میں کوئلے جلا کر لوہے کی پرات رکھ دی جاتی تھی۔ ماں، بیٹے وہیں بیٹھے کھاتے پیتے رہتے۔ کمرے کے پرلے کونے میں معذور باپ کا کھٹولا تھا، وہ مفلوج ہونے کے سبب چل پھر نہیں سکتا تھا اس کی کم ہی پروا کی جاتی تھی۔ ثمینہ اندر آئی، مجیدے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''مجھے میری بچی کی موت کی وجہ معلوم ہوگئی ہے......وہ آج تمہاری وجہ سے منوں مٹی کے نیچے پڑی ہے۔ یہ دوا...... یہ شیشی...... یہ تھی ناں جو تم نے اسے آخری بار دی...... بولو کتنی دی تھی۔''

''پھر......پھر کیا ہوا......؟'' مجیدا بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں پوچھ رہی ہوں کتنی دی تھی دوا......؟''

''اب یہ کیا یاد ہوگی......دی ہوگی جتنی لکھی ہو گی......'' سجو بیزار سی ہوئی۔

''سجو ماسی......آپ چپ رہیں، شامہ بیٹا...... بتاؤ ابو نے یہ دوا کتنے چمچ دی تھی امامہ کو۔''

''دو......'' وہ سہمی سی بولی۔

''یہی چمچ تھا ناں......'' شامہ نے سر ہلایا وہ باپ کی متوقع مار سے خائف ہوگئی تھی۔

''یہ بالڑی ہے۔ اس کو کیا پتا......دوا تھی زہر تو نہ تھی......زہر تھی تو، تو کیوں لائی تھی۔'' مجیدا گڑ والا ہاتھ جھاڑتا ہوا اٹھا۔

''مجیدے...... یہ دوا صرف تین قطرے دینی تھی۔ ڈراپر بھر کر تین قطرے، ڈراپر میز کے نیچے مٹی پر

پڑا ملا مجھے.....'' چیچ اور ڈراپر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ اس کے لہجے کی سنجیدگی نے مجیدے کو کسی خطرناک نتیجے کے تصور سے ڈرایا اور بات کو سختی سے دبانے کے لیے اشتعال کا شوکرنے لگا۔

''حرام زادی عورت..... تو یہ کہنا چاہتی ہے میں نے اپنی بیٹی کو جان بوجھ کر دو چیچ پلائے تاکہ وہ مرجائے..... دو چیچ میں نے بخار والے سیرپ کے پلائے تھے۔ تو مجھے گنوار گدھا سمجھتی ہے اور اس نٹڈی کی بات پر بھروسا کرتی ہے.....'' شامہ کا سر زور سے ہلایا۔

''اسے کچھ نہ کہو..... آرام سے میری بات سنو..... بخار والا سیرپ میں نے اسٹول پر رکھا تھا۔ یہ شیشی اس کے ساتھ ڈراپر الگ کر کے شوکیس پر رکھا تھا۔ یہ اسٹول پر کیسے آگیا۔ دوسری دواؤں میں کیسے مل گیا؟ اس کے پاس چیچ کیسے آگیا۔ اور نوید..... دوائیاں میں تمہارے ذمے لگا گئی تھی۔''

''بھابی..... میں باقی تمام دوائیں اپنے حساب اور وقت سے دے کر ایک بجے کام سے گیا تھا۔ شاکر بلانے آگیا تھا..... نسخہ سامنے رکھ گیا تھا اور نسخہ کیا رکھنا..... بس یہ تین ڈراپس ہی تو دینے تھے دو بجے..... مجید میں تجھے بتا کے نہیں گیا تھا؟''

''ہاں تو..... دے دی.....'' مجیدے کے چہرے پر لکھا تھا کہ وہ اپنی غلطی جان چکا ہے مگر الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

''تو تو ایسے جرح کرنے آئی ہے جیسے میں نے منصوبہ بنا کے بچی کو مارا، وہ میرا ڈھائی من اناج مہینہ کھا جاتی تھی۔ مارنا ہوتا تو تجھے مارتا..... اماں دیکھ..... یہ اس بات کو جگہ، جگہ پھیلائے گی۔ ہر کسی کے آگے رونا روئے گی۔''

''اچھا بس کر مجیدا..... وہ کیوں بتائے گی..... نہیں بتائے گی۔ رُولا نہ ڈال دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

''سجو ماسی..... دیواروں کو کیا پڑی ہے کہ میرے درد کو کان لگائیں۔ اور اس کو دیکھو تو سہی..... اتنی بڑی غلطی، ایسا اندھا ظلم اوپر سے اللہ سے معافی مانگنے کے بجائے مجھے گالیاں نکال رہا ہے..... یہ گالیاں تو خود کو دے۔''

''تو وڈی سمجھدار، عقل والی، میری غلطیاں سمجھانے والی۔ تجھے تو میں گنوار کے سوا کچھ لگتا نہیں..... تیرے خواب ڈاکٹر یار کے ہوں گے۔ تو یہ تو بتا تو نوید کے ساتھ کیوں جاتی تھی؟ دوائیاں نوید کو سمجھا گئی۔ تیری نیت سب جانتا ہوں۔''

اس بے ہودہ شک پر وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکاری۔

''گنوار کے سوا تو کچھ ہے؟ سوچ سمجھ کر بولا کر..... نہ بولنے کی تمیز، نہ حیا لحاظ، نہ رشتوں کا پاس، نوید میرا مظہر بھائی جیسا بھائی ہے۔ تم کیا جانو پاکیزگی، دل کی طہارت، نماز نہ قرآن، کام نہ کاج۔''

مجید بپھرے ہوئے شیر کی طرح اس پر پل پڑا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ طمانچے مارے، بالوں سے گھسیٹا، وہ چلاتی رہی۔

''تو جانور ہے..... کتا اور گدھا ہے بلکہ وہ گالیاں نہیں بکتے تو جانور سے اسفل ہے۔''

شامہ..... ''میری امی، میری امی.....'' کر کے رونے چلانے لگی۔ نوید چھڑانے کو لپکا۔

''اوئے مجیدے، تیرا دماغ چل گیا ہے، بے قصور مار رہا ہے۔'' سجو ماسی دہائیاں دیتی اِدھر اُدھر لپک رہی تھی۔ کھٹولے پر پڑا معذور باپ (فحش گالیاں) چلا رہا تھا مجید کسی نہ کسی طرح ثمینہ کو گھسیٹ کے آگ میں ڈالنا چاہتا تھا۔

''مجھے طلاق دے، میری جان چھوڑ..... مرجا کہیں ٹرک کے نیچے آکر.....'' مجیدے نے ایک جھٹکے سے اسے دیوار پر دے مارا۔ آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے۔ ماتھے پر خون کی لکیر بہہ نکلی۔

''میں نے تجھے طلاق دی..... ایک بات نہیں سو بار دی.....'' تھوک اڑاتا مجید مرادنیت کی بدصورت ترین تفسیر نظر آرہا تھا۔

''میری شامہ دے..... میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔'' بکھرے نچے ہوئے بال، سرخ طمانچے زدہ چہرہ، شال کہیں دور جا پڑی۔ قمیص کا ایک کندھا نکلا

ہوا..... پھولی ہوئی سانسیں..... چہرے پر ماتھے سے بہتے لہو کی لکیریں..... روندی ہوئی عورت کا پیکر سامنے تھا۔

''شامہ کو تو ہاتھ لگا کر دکھا..... چار ٹوٹے کر دوں گا۔''

اِدھر شامہ ماں کی ٹانگوں سے لپٹ گئی اُدھر اتنی ہی تیزی سے مجید نے اسے کھینچ کے پکڑ لیا۔

ایک لمحے کے لیے ابلتے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ اپنی، اپنی جگہ سب کے اندر سچ کا زہر اترا کہ آج کھیل ختم ہے۔

''سجو ماسی..... علیشہ کی ماں..... ترا پتر تیرے پاس، تیری دھی شاد آباد..... میرا زیور کپڑا لتا میری شامہ کا صدقہ..... اپنی تربیت کے سپوت سے کہہ میری بیٹی مجھے دے، دے۔''

''ہاں تیری بیٹی..... تو اسے پیچھے سے لائی تھی۔'' مسخ صورت مجید دانت کچکچا کر بولا۔

''تو نے اسے پیٹ میں رکھا تھا؟''

''مجید تم نے جو کرنا تھا کر لیا..... بچی بہت چھوٹی ہے ماں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ایک غلطی سے ماردی دوسری دانستہ مارو گے..... یار..... قانون بھی اس عمر کی بچی کو ماں کو دیتا ہے۔'' نوید، مجید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھاتے ہوئے بولا۔

''قانون شانون چھوڑو..... آرام سے بیٹھو، گھر کی بات گھر میں رکھو..... مجیدا اِدھر آ کے بیٹھ..... عقل سے کام لے۔'' سجو ماسی کی وہی گھسی پٹی منطق تھی۔

مجید نے ماں کی بات پر کان دھرے بغیر نوید کے جواب میں کہا۔

''مرے یا جیے اس کا مقدر..... یہ میری اولاد ہے۔ اس کا بازو دے کر میں دلہن لاؤں گا۔'' (اس کا رشتہ دے کر بدلے میں دلہن لاؤں گا)

''لخ لعنت ہے مجیدے..... لخ ہزار لعنت.....'' مفلوج باپ نے کوسا۔

''شرم کر حیا کر..... پانچ سال کی بالڑی ہے..... عقل کو ہاتھ مار۔'' ماسی سجو دفاعی انداز میں مجیدے کی مرمت کر رہی تھی..... ثمینہ جو شامہ کو لینے کی تگ و دو کر رہی تھی۔ مجیدے نے پاؤں سے جوتا اتار کر اس پر لہرایا۔

''آ ذرا میرے قریب..... ابھی تک یہیں کھڑی ہے۔ ابھی اور جوتے کھانے ہیں..... نکل تو گھر سے (فحش گالی).....''

''مجید..... مجھے میری بیٹی دو میں ابھی نکل جاؤں گی.....'' وہ پھر بچی کی طرف بڑھی۔ مجید ایک بار پھر باؤلے کتے کی طرح جھپٹا اور شامہ کو یوں کھینچا کہ اس کے بازو پر خراشیں پڑ گئیں۔ نوید نے مجید کو دھکا دے کر بچی لے لی۔ ثمینہ، نوید کے پیروں میں گر گئی۔

''نوید..... تجھے اللہ رسول کا واسطہ ہے، بچی مجھے دے، دے میں ابھی اسی گھر سے چلی جاؤں گی۔ میں اس کے بغیر نہیں جاؤں گی۔''

نوید کے اختیار میں کیا تھا جبکہ بپھرا ہوا باپ اس پر آمادہ نہ تھا۔ سجو ماسی بیچ بچاؤ کروانے کود پڑی تھی۔ مجیدا، ثمینہ پر ایک بار پھر حملہ آور ہو گیا تھا۔ ثمینہ فٹ بال کی طرح پٹ رہی تھی۔ اس کی سانسیں ڈوبنے اور آواز پھٹنے لگی تھی۔ نوید نے کوئی سی چادر کھینچ کے ثمینہ پر پھینکی اور چلّا کر ماں سے کہا۔

''اماں اسے باہر لے جاؤ..... دور لے جاؤ..... یہ درندہ اسے مار ڈالے گا.....'' سجو، ثمینہ کو جیسے تیسے سنبھالتی لیے جاتی تھی نوید نے آنسوؤں بھری آواز میں کہا۔

''بھابی..... شامہ کی فکر نہ کرنا جب تک میں زندہ ہوں اس کا چاچا ہوں عراس کا خیال رکھوں گا۔ تم جاؤ.....'' دونوں بھائی شاید ہتھم گتھا ہو گئے تھے یا شاید محشر برپا ہو گیا تھا۔ اب کسی کو کسی کی پروا کا سمے نہ تھا۔

زخم خوردہ، سسکتی، نیم جان ثمینہ کے ٹوٹے پھوٹے بدن کو سجو ماسی نے اس کے کمرے میں جا کر بستر پر ڈالا..... وہ آڑی ترچھی پڑی ہانپتی رہی..... دیکھتی رہی..... دیکھتی رہی..... آنکھ تک نہ جھپکی۔ سجو ماسی بیٹوں کی فکر میں واپس کمرے میں گئی۔

ثمینہ گھنٹے بھر کے سکتے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی..... کوئی بیگ کھینچا..... کوئی کپڑے ٹھونسے..... روپیہ، روپیہ کر کے جمع کردہ پیسے پرانے بٹوے میں چھپا رکھے تھے وہ

تھیں۔ ایک خاتون سواری کے ساتھ جگہ پا کر وہ بیٹھ گئی۔۔۔۔۔تھوڑی دیر بعد اس خاتون کے ساتھ والا مرد آ گیا۔ اس نے ثمینہ سے کھڑکی والی جگہ پر ہو جانے کی درخواست کی تا کہ اپنی عورت کے ساتھ بیٹھنے کے بعد چوتھے مرد کی جگہ رہے۔ چار سواریوں کی سیٹ تھی۔ وہ اٹھی اور پرلی طرف جا بیٹھی۔ وہ پہچان کر اپنی سواری خاتون سے آہستہ سے بولا۔

''بھابی یہ میڈم ثمینہ ہیں۔۔۔۔۔'' پھر اسے مخاطب کیا۔ ''السلام علیکم میڈم جی۔۔۔۔۔''

تو یہاں بھی شہر یار جویہ کو ملنا تھا۔

''وعلیکم السلام۔۔۔۔۔'' بھابی نے سلام کر کے رسمی خیریت دریافت کی اور مطمئن ہو گئی۔ لیکن جویہ کو اس کا یوں صبح سویرے تن تنہا جانا خطرے سے خالی نہیں لگ رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ بچی بھی نہیں مگر وہ کس طرح یہ ذاتی سوال کرنے۔ اس ادھیڑ بن میں آدھا راستہ گزر گیا۔ کہیں کوئی ہل جل خواتین میں ہوئی۔ بھابی نے کسی تکلیف بیماری کا ذکر کیا۔ وہ موقع پا کر گفتگو میں شامل ہوا۔

''آپ کے کیڈر کی پروموشن کی نیوز سنی تھی۔ آپ کی واپسی کب تک ہو گی۔''

''جی۔۔۔۔۔'' ''یہ بندہ کیوں بار، بار بولتا ہے۔ ''واپسی۔۔۔۔۔کا فی الحال پتا نہیں۔'' بظاہر تو اس کا مطلب یہی بنتا تھا کہ اپنے کام سے کام رکھو۔

لیکن جویہ کو ظاہری مطلب سے واسطہ نہیں تھا۔

''کہیں اس کے جاہل خاوند نے جھگڑا تو نہیں کیا۔ اس کے پاؤں میں بیگ رکھا ہے، اس کی آنکھیں تو بہت روئی ہوئی ہیں۔۔۔۔۔ بلکہ ادھر کچھ نشان سے کیسے ہیں۔۔۔۔۔ لہجے میں بھی اداسی، تھکن، بیزاری مایوسی جھلکتی ہے۔ پرس میں سے موبائل نکال رہی ہے۔ موبائل کب آیا۔۔۔۔۔کیا معلوم پہلے کا ہو لگتا نیا ہے، کسی کو میسج لکھ رہی ہے لکھنے کے انداز میں اناڑی پن ہے۔'' ادھر اپنے سے ایک فٹ دور بیٹھے اس بندے کی سوچ سے نابلد وہ ثانیہ کو لکھ رہی تھی۔

''موبائل بھی تب آیا جب موبائل کی بھی ضرورت نہیں رہی مجھے۔۔۔۔۔مجیدے نے مجھے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا ہے۔ طلاق کا مطلب گھر سے ہی نہیں زندگی سے بھی نکل جانا ہوتا ہے۔۔۔۔۔اس وقت میں ویگن میں ہوں مگر ملک نذر محمد صاحب (ابا) کے گھر نہیں جا رہی۔۔۔۔۔اللہ کوئی اور محفوظ مقام دے دے گا۔ نہیں دے گا تو یہ بھی اللہ کا فیصلہ ہو گا۔۔۔۔۔اس نے میرا جو انجام کرنا ہو گا میں اسے نہیں بدل سکتی۔ کال نہ کرنا۔۔۔۔۔ میرے ساتھ واقف لوگ بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔میسج کرتی رہنا۔ فکر مند ہوتی رہنا، سوال پوچھتی رہنا جواب بس یہی ہے جو دے چکی ہوں۔''

پھر اس نے موبائل پرس میں ڈالا۔ کن انکھیوں سے جویہ کی طرف دیکھا کاش وہ اسے کہہ سکتی میری بستی کے مکین ہو میری بیٹی کا خیال رکھ سکتے ہو۔۔۔۔۔وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پل بھر کو نظریں چار ہوئیں جویہ نے ابرو سے سوال کیا۔۔۔۔۔ثمینہ نے رخ موڑ لیا اور دوبارہ اسے نہ دیکھا۔

وہ اترنے لگے تو کسی طرح موقع پا کر اس نے اپنا کارڈ ثمینہ کو دیتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

''رکھ لیں پلیز، ضرورت پڑ سکتی ہے۔'' ثمینہ نے لے کر رکھ پرس میں رکھ لیا۔

بس سے اتر کر وہ ایک درخت کے نیچے رک کر میسج پڑھ رہی تھی۔

''کیا کہا طلاق دے دی۔''

''ایک طرح سے اچھا ہوا۔ شامہ کہاں ہے؟ تم اکیلی ہو؟''

''کال کیوں نہ کروں۔۔۔۔۔؟''

''ثمینہ باجی۔۔۔۔۔امی کے گھر جاؤ خدا کے لیے کوئی حماقت نہ کرنا۔'' میسج پڑھ کے اس نے لکھا۔

''اوکے۔۔۔۔۔'' اب اس نے رکشا روکا اپنے شہر کے دارالامان کا بورڈ ایک آدھ بار دیکھنے کے باوجود یاد تھا۔

وہ جب ''دارالامان'' نامی بورڈ کے گیٹ میں داخل ہوئی پہلا خیال یہی آیا کہ کیا یہ واقعی امان کا گھر ہے؟ بائیں طرف ایک چھوٹے سے کمرے سے خشخشی

داڑھی والا آدمی نکلا۔

''کدھر مائی......؟''

کالی چادر میں لپٹی بیگ لیے ایک جوان عورت، کہانی تو پرانی لگتی ہے۔

''وارڈن صاحبہ سے ملنا ہے؟'' اسے معلوم نہ تھا کہ بے گھر عورتوں کو داخلہ دینے والی لیڈی کو کیا بولتے ہوں گے۔

''کہاں سے آئی ہو؟'' اس کے سوال کرنے کا انداز ہتک انگیز اور شک رکھنے والا تھا۔

''کیا تمام سوالوں کا جواب تمہیں دینا ہے۔'' وہ تو کھردرا بولنا برسوں سے سیکھ چکی تھی۔

''جواب ہی نہیں دینا فارم لکھوانا ہے۔'' وہ ابھی کچھ اور کہتا کہ گیٹ کے باہر گاڑی رکی اور گیٹ کھولنے کے لیے ہارن بجا...... وہ پستہ قد ملازم مستعد ہو کر لپکا اور گیٹ کھولنے لگا۔ یعنی وہ سکیورٹی گارڈ یا چوکیدار تھا۔ ثمینہ کو دیہی مرکز صحت والا چوکیدار بھائی یاد آیا جو ہمیشہ نظریں نیچی کر کے بزرگوں کی طرح بات کرتا تھا۔ تمام عہدہ بردار ایک جیسے نہیں ہوتے...... ایک بڑی قیمتی چمکتی کار اندر داخل ہوئی۔ گاڑی سے بیگم صاحبہ نما خاتون برآمد ہوئی اور پوچھا۔

''اعظم...... میڈم چوہان آفس میں ہیں؟''

''جی...... وہ ریسٹ روم میں ہیں۔''

''اچھا......'' کہہ کر چند قدم چل کے وہ رکی۔

''اعظم...... یہ کون ہیں؟''

''ابھی ابھی آئی ہے...... کوئی نئی ہے۔''

''میڈم چوہان سے ملنا ہے؟'' بیگم صاحبہ نے براہِ راست ثمینہ سے پوچھا۔

''ابھی اس کا اندراج نہیں ہوا...... کوئی مشکوک عورت بھی ہو سکتی ہے۔'' اعظم اسے اپنے پاس ابھی روک کر رعب جمانا چاہتا تھا۔

''بم ہو گا اس کے پاس...... خودکش بمبار ہے۔'' اعظم کو تیوری چڑھا کر ڈپٹا۔

''آؤ میرے ساتھ۔''

ثمینہ اشارہ پاتے ہی بیگ اٹھا کر چل پڑی۔ چلتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''کیا نام ہے تمہارا۔''

''ثمینہ......''

''پورا نام......؟''

''صرف ثمینہ ہوں......''

''اس بیگ میں کوئی قیمتی چیز تو نہیں ہے؟ سونا روپے؟''

''نہیں جی، بس کپڑے ہیں۔'' جو چند قیمتی چیزیں تھیں وہ ثمینہ کے پرس میں تھیں۔

''پھر اسے یہیں رکھ دو، کہیں نہیں جاتا۔'' وہ ریسٹ روم کے باہر بیگ رکھوا کے اندر داخل ہوئی۔

میڈم چوہان نامی شے پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔ ایک ادھیڑ عمر غریب لباس عورت اس کی ٹانگیں دبا رہی تھی۔ ساتھ میز پر چائے کے خالی برتن تھے۔ میڈم چوہان، بیگم صاحبہ کو دیکھ کر گرم جوشی سے اٹھی۔ غریب لباس عورت نے جھٹ سے گاؤ تکیہ سرکا کے اس کی پشت سے لگا دیا۔

''آؤ حنا...... آؤ بیٹھو......'' وہ محبت سے لبریز دعا سلام کے بعد کہنے لگی۔

''مجھے آپ کا مسئلہ بالکل یاد ہے...... فلائٹ تو پانچ دن بعد ہے ناں آپ کی؟'' پھر بات کرتے، کرتے ثمینہ پر نظر گئی۔ ''یہ کون ہے۔''

''یہ تو مجھے معلوم نہیں ہے کون ہے...... آپ سے ملنے آئی ہوئی تھی۔ اعظم روک رہا تھا۔''

''اعظم تو پورا (فحش گالی) ہے، اس کا کیا مطلب کہ روکے...... وہ قریشی کے پاس بھیجے قریشی ابتدائی اندراج کرلے۔ بی بی، تم ہو کون؟ گھر سے بھاگی ہو یا نکالی گئی ہو...... پولیس کیس تو نہیں ہو؟''

''نہیں میں پولیس کیس نہیں ہوں...... شادی شدہ ہوں...... چار بچے تھے ایک بیٹی مرگئی، دو بیٹے ہاسٹل میں پڑھتے ہیں، میرے خاوند نے مجھے طلاق دے کر بیٹی چھین کر گھر سے نکال دیا ہے، یہ عورتوں کے امان کی جگہ ہے، یہاں سر چھپانے آئی ہوں۔''

''والدین کہاں ہیں تمہارے؟''

جائیں.....اور تمہیں تنخواہ اور مراعات کا بتادیں۔''

''ٹھیک ہے.....مجھے حنا جی کے ساتھ جانا منظور ہے، اللہ مجھے کافی ہے۔'' حنا جی نے اپنے پرس سے لفافہ نکال کر میڈم چوہان کی طرف بڑھایا اور مسکرا کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''ہم دونوں کا اللہ حامی وناصر ہو، میری face reading کبھی ناکام نہیں ہوتی تھی۔ چوہان آپ کو یاد ہوگا۔''

''ہاں خوب یاد ہے، لگتا ہے فیس ریڈنگ نے تمہیں حوصلہ دلایا ہے او کے حنا ڈیئر.....میں ایک راؤنڈ لے آؤں، انتظار کرو تو.....گھنٹا لگے گا۔''

''نہیں، مجھے تو سیکڑوں کام ہیں..... بہت شکریہ.....فلائٹ سے پہلے کال کردوں گی۔''

''اور جب چکر لگے ضرور آنا.....بلکہ اپنی ثمینہ کو بھی لے آنا۔''

''آپ کہاں رہتی ہیں؟'' ثمینہ نے نئی مالکن کو دیکھا.....جس علاقے کا نام بتایا گیا وہ پوش ایریا تھا۔ باقی تعارف گاڑی تک اور گاڑی میں ہوتا رہا۔ حنا جی، دو بیٹیاں عمر چودہ، پندرہ سال کی تھیں ایک بیٹا، عمر سترہ سال کا تھا۔ بھرا پُرا سسرال تھا جہاں وہ آئی ہوئی تھیں۔ ذرا سی بھی کرید سے وہاں سے کوئی نہ کوئی ثمینہ یا ثانیہ کے ناموں تک پہنچ سکتا تھا۔

گاڑی ایک عالیشان کوٹھی کے سامنے رکی۔ ثمینہ نے اپنا بیگ ایک کاندھے پر لٹکا کے حنا جی کا سامان (جو شاپرز پر مشتمل تھا) اٹھایا۔

''پل بھر میں کیسے بدلتے ہیں رشتے۔'' وہ ایک نوکرانی کے روپ میں ڈھل چکی تھی۔ کوٹھی میں کسی کونے میں بندھا پالتو کتا بھونکنے لگا۔ پھر حنا کو دیکھ کر دم ہلاتا ہوا خاموش ہو کے بیٹھ گیا۔

اسے آرام کے لیے مہمان خانے کا کمرا دے دیا گیا۔ ثمینہ نے بیگ اور پرس رکھے چادر اتار کر دوپٹا لیا اور تار پر ٹانگیں لٹکائے بیڈ پر بیٹھی رہی۔ پھر منسلک غسل خانے میں جا کر خود کو فریش کیا۔

نئے ماحول کی پہلی رات اس نے تدبر سے غور کیا شہریار جوئیہ اس کی کس نوعیت کی مدد کرسکتا ہے۔ ایک بار اور آخری بار اس سے بات کر کے دیکھ لینا چاہیے۔

''آپ کی مہربانی.....آپ نے مجھ سے رابطہ کیا.....میں آپ کا نمبر سیو کرلوں گا.....ثمینہ جی۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کے خاوند نے آپ کو طلاق دے دی۔ میں نے آپ کی بچی کو اس کے چچا نوید کے ساتھ بازار میں دیکھا اور حال معلوم ہوا.....آپ والدین کے گھر ہیں؟''

''میری شامہ کیسی تھی؟ اس نے گرم کپڑے، جرابیں پہنی ہوئی تھیں ناں.....؟''

''ایک دن میں جرسی، جرابیں کی فکر کرنے والی ماں اس کے بغیر زندگی بتالے گی.....کیا سوچا ہے؟''

''نہیں سوچا.....کچھ نہیں سوچا.....''

''آپ عدت والدین کے گھر پوری کریں۔''

''آپ مجھے میری بیٹی دلوا سکتے ہیں؟''

''بالکل.....میں آپ کو وہ سب خوشیاں دوں گا جو آپ کا حق ہیں۔''

''خوشیاں میرا حق تھیں نہ ہیں اور نہ اب خوشیوں کے حق کی طلب رہی ہے۔''

''آپ صدمے کی کیفیت میں ہیں۔''

''جوئیہ صاحب.....میں نے مرد کو ہر روپ میں پرکھ لیا۔ باپ کو حاکم فیصلہ مسلط کرنے والا پایا، بھائیوں کو خود غرض اور اوپری تعلق دار پایا، شوہر کو لالچی، ظالم، سخت گیر، بدکردار پایا.....اور یہاں تک کہ بیٹے بھی مجھے قصور وار سمجھنے والے یا مکمل لاتعلق رہنے والے بن رہے ہیں اور بن چکے۔''

''آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں پھر بھی میں یہی کہوں گا سارے مرد ایک جیسے نہیں ہوتے۔''

''مجھے اللہ کے بنائے سارے مرد باری، باری تجربہ گاہ میں لانے کا اختیار ہے نہ ضرورت.....مجھے اللہ نے جو تجربہ کروایا ہے وہی میرا تجربہ ہے اور وہی میرا مشاہدہ.....''

''ٹھنڈے دل سے میری بات بھی سن لیجیے..... پہلی بار آپ کو دیکھ کر صرف یہی احساس ہوا آپ پریشان ہیں، آپ کے ساتھ مستقل غم ہے..... اس میں محبت، حسن، جوانی والے کوئی جذبات نہیں تھے۔ میری عمر پینتالیس سال ہے میری بیوی کا پانچ سال پہلے انتقال ہوگیا۔ ایک بیٹی ہے، آپ کی بیٹی جیسی..... یا شاید کچھ بڑی..... وہ سات برس کی ہے۔''

''آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں مجھے اس میں شک نہیں..... لیکن مجھے پتا ہے مجید امجھے اس صورت میں میری بیٹی کبھی نہیں دے گا کہ وہ سوتیلے باپ کے ساتھ رہے۔ وہ تنگ نظر، گنوار، منفی مزاج شخص ہے۔'' قدرے توقف کے بعد وہ بولی۔ ''میں نے سب کچھ واضح کردیا..... اور اس میں یہ اضافہ بھی کرتی ہوں کہ مجھے کسی بھی مرد کے ساتھ شادی شدہ زندگی گزارنے سے اس قدر نفرت ہوچکی ہے کہ میرے الفاظ اس کی وضاحت نہیں کرپائیں گے..... یہ میرا پہلا اور آخری فون ہے..... اللہ شمامہ کا حامی وناصر ہو۔''

''سنیے..... سنیے تو.....''

مگر وہ فون بند کرگئی۔

عشا کی نماز کے بعد مدتوں بعد تنہا کمرے میں نرم وملائم بستر پر تنہا لیٹتے ہوئے جسمانی طور پر بہت سکون ملا، اس نے دانستہ بھلا دیا وہ کون ہے؟ یہاں کیوں ہے اور کل کیا ہوگا..... وہ کوئی بھی مخلوق ہو کسی بھی سیارے پر ہو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

خاموش موبائل کی متحرک گنگناہٹ پر اس کی آنکھ کھلی۔ سامنے دیوار گیر کلاک پر پانچ بج رہے تھے۔ صبح کے پانچ ابھی فجر کی اذانوں میں آدھے گھنٹے کی دیر تھی۔ ثانیہ کی کال آرہی تھی۔

''ہاں ثانیہ.....''

''کہاں مرگئی تھیں یار ثمینہ باجی..... ساری رات سے جاگ رہی ہوں، گھر میں کسی کو کچھ پتا نہیں ہے..... امی وغیرہ کو تو طلاق کا ہی پتا نہیں ہے، ان سے بات کی تو روٹین میں بات کررہی تھیں۔ اکیلی میں سوچ، سوچ کے پاگل ہورہی ہوں..... تم ہو کہاں؟ کدھر ہو؟ خدا کے لیے مجھے بتاؤ.....''

''مجھے تم پر ترس بھی آرہا ہے پیار بھی آرہا ہے تمہیں سارے کا سارا سچ بتارہی ہوں..... مجید نے مجھے دو مرتبہ تین طلاق دے دی۔ گھر سے نکال دیا۔ رات میں نے وہیں ایک پڑوسن کے گزاری اور صبح وہاں سے نکلی..... دفتر جا کر ایک ہفتے کی چھٹی دی۔ تمہارا فون والا پارسل موصول کیا۔ بس میں جا کر بیٹھ گئی ہاں..... یہ بتانا بھول گئی کہ شمامہ، مجیدے نے چھین لی اور مجھے نہیں دی۔ اس وقت میں اپنے ہی شہر میں ایک رئیس خاتون کے گھر ہوں..... میں اس خاتون کا اتا پتا نہیں دوں گی..... میں اس کی مستقل ملازمہ کے طور پر جلد اس کے ساتھ مڈل ایسٹ چلی جاؤں گی..... اس کی دو بیٹیاں ایک بیٹا ہے پڑھی لکھی اچھی عورت لگ رہی ہے..... ثانیہ..... میں نے سوچ بچار کر کے یہ فیصلہ کیا' میرے بیٹے میرے بغیر ویسے ہی شروع سے رہ رہے ہیں..... اللہ ان کے نصیب اچھے کرے، شمامہ مجھے اس کے گنوار باپ نے کبھی نہیں دینی۔ عدالتوں کے چکر میں میرا باپ اور بھائی جلد تھک کر بیزار ہوجائیں گے۔ شادی میں نے اب کوئی کرنی نہیں..... بس جب کبھی رونا آئے تو شمامہ کے نصیب پر رو لینا، وہ ثمینہ پارٹ ٹو ہے..... اس سماج میں ہر نسل اور ہر دسویں گھر کوئی نہ کوئی ثمینہ ہے۔''

''پیاری ثمینہ باجی، فار گاڈ سیک، باندی بن کے ملک سے باہر جانا منظور نہ کرو..... میرے پاس آجاؤ۔ میرا یہ میڈیکل کا آخری سال ہے۔ کسی طرح بھی گزارہ کروادوں گی۔ بعد میں جب خود جاب میں آؤں گی تو تمہیں جاب دلوادوں گی۔''

ثمینہ غور کرنے لگی۔ ابھی فون ہاتھ میں تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا۔ ملازمہ اسے بلانے آئی تھی۔

''ثانیہ میں ابھی بات نہیں کرسکتی۔ میں کروں گی کال..... ضرور کروں گی فکر نہ کرنا.....'' فون آف کر کے وہ ملازمہ کے ساتھ لیونگ روم پہنچی جہاں حنا جی

سکونِ قلب ..... مہوش بنگش، کراچی

دولتِ تسکین، دولت حُسنِ کی طرح عطائے رحمانی ہے۔ اس کا کوئی فارمولا نہیں۔ سکونِ قلب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، قلب کی ایک حالت ہے، ایسی حالت جس میں اضطراب نہ ہو۔ سکون کی ضد اضطراب ہے۔

اضطراب خواہش سے پیدا ہوتا ہے۔ کسی چیز کو حاصل کرنے کی خواہش یا کسی شے سے نجات کی خواہش ہی باعثِ بے قراری ہے۔ خواہش دنیا ہو یا خواہشِ عقبیٰ، انسان کو ضرور بے چین کرے گی۔

آج کے دور میں سکونِ قلب اس لیے مشکل ہوتا جارہا ہے کہ زندگی کے تقاضوں اور مذہب کے تقاضوں میں فرق آگیا ہے۔ زمین کا مسافر سمجھ نہیں سکتا کہ آسمان سے احکام کیوں نازل ہوتے ہیں۔ زندگی کی مسرتوں میں عاقبت کا خوف سکون سے محروم کردیتا ہے۔ آج کے انسان کی شخصیت میں فشار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سکون نہیں ملتا..... سکون کی خاطر سفر کرنے والا سکون حاصل نہیں کرسکتا۔ سفر میں سکون کہاں؟ سکون کی تلاش اپنے حالات، اپنے ماحول اور اپنی زندگی سے بیزاری کا اعلان ہے۔

سکون حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان سکون کے حصول کی تمنا چھوڑ کر دوسروں کو سکون پہنچانے کی کوشش کرے۔ سکون دینے والے کو ہی سکون ملتا ہے۔ کسی کا سکون برباد کرنے والا سکون سے محروم رہتا ہے۔ اگر فرض اور شوق یکجا ہوجائیں تو زندگی پُرسکون ہوجاتی ہے۔

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ دولت سے سکون ملتا ہے لیکن دولت اور مال نے کبھی کسی کو سکون نہیں دیا۔ بادشاہوں نے بادشاہی چھوڑ کر درویشی تو قبول کی ہے لیکن کسی درویش نے درویشی چھوڑ کر بادشاہی قبول نہیں کی۔ مال جمع کرنے والے اور مال گننے والے پر عذاب ہے۔ وہ مال جو خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے، باعثِ اطمینان ہوسکتا ہے۔

بیٹھی تھیں وہ کمرا بھی باقی کمروں جیسا سجا سجایا، پُرشکوہ اور مرعوب کُن تھا۔ پندرہ سالہ گوری چٹی لڑکی بغیر آستین کی ٹی شرٹ اور لانگ نیکر میں ٹھنیل جیسے ملائم دیوان پر نیم دراز موبائل پر مصروف تھی۔ جس کی طرف سے سر سے اشارہ کرکے حناجی نے کہا۔

''ثمینہ..... بچوں کا تعارف لے لو..... یہ ماریہ بے بی ہیں، یہ میری بڑی بچی ہے۔'' بچی نے سر اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔

''شیبا بے بی اور رامس بابا ابھی سور ہے ہیں..... بچوں سے ایٹی کیٹس سے بات کرنا ہے۔ پڑھی لکھی ہو اس لیے زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ تم نے وہاں ہمارے گھر بریک فاسٹ، لنچ بنانا ہے، ڈنر اکثر ہم باہر کرتے ہیں۔ بچوں کے تمام کام تمہیں کرنا ہیں، صفائی کے لیے فلپی میڈ آتی ہے، ہم تمہیں کہاں ساتھ لے جائیں گے کہاں نہیں، یہ میری مرضی پر ہوگا۔''

پھر ایک اچھی تنخواہ کا بتا کر کہا۔

''چھٹی اگر چاہو گی تو سال میں پندرہ دن مل سکتی ہے..... اگر یہ چھوٹی avail نہیں کروگی تو اس کی الگ ادائیگی ہوگی..... ثمینہ، کوئی سوال ہے یا اعتراض ہے ابھی بول دو بعد میں باقاعدہ کنٹریکٹ سائن کرلوگی تو طے شدہ کی پابند ہوگی۔ تمہارا ویزا پاسپورٹ ارجنٹ پر بنوانا ہے۔''

''جی ہاں..... میری صرف ایک شرط ہے۔''

''بولو.....''

ماریہ بے بی نے نظریں اٹھا کر قدرے حیرت سے دیکھا مگر اس کا دیکھنا ملائم اور دوستانہ تھا۔ ثمینہ نے مسکراہٹ سے اس کو عزت دی۔

''میری عزت و عصمت محفوظ رہے گی..... کام کاج میں طے شدہ سے زیادہ بھی کرلوں گی مگر بے عزتی مجھے قبول نہیں..... الفاظ، عمل یا کسی بھی صورت میں..... میں اپنی اولاد، وطن سب چھوڑ کر آپ پر اعتماد کررہی ہوں۔ آپ بڑے لوگ ہیں مگر اللہ ہم دونوں کا ایک ہے اور وہی گواہ بھی ہے۔''

حنا کو اس سے اتنی سمجھداری اور دلیل سے بات

اپنی صحت کا خیال کیسے رکھیں..... از: ڈاکٹر نفیسہ نہال، لاہور

بعض صحت مندانہ عادات ایسی ہیں جو انسان کو چاق و چوبند رکھتی ہیں۔ مثلاً بھرپور نیند، مناسب و متوازن غذا، بھوک سے زیادہ نہ کھانا، باقاعدگی سے طبی معائنہ اور دانتوں کا معائنہ اور مضرِ صحت اشیاء سے پرہیز وغیرہ۔ انسان کی جسمانی فٹنس کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ کتنی اور کس قسم کی ورزش کرتا ہے۔ بیشتر ماہرین روزانہ تیس منٹ ورزش کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ یہ ورزش آسان ہونی چاہیے جیسے چہل قدمی، پیرا کی یا کوئی پسندیدہ کھیل..... آپ باقاعدگی سے ورزش اسی وقت کرسکتی ہیں جب اس سے لطف اندوز ہوں۔ ورزش کا پہلا اصول یہ ہے کہ آپ ایسی ورزش کا انتخاب کریں جو آپ کو پُرلطف محسوس ہو۔ خواتین عموماً جسم میں لچک پیدا کرنے والی ورزش کرتی ہیں۔ یہ ہلکی ورزش ان باتوں پر مشتمل ہے۔ جھکنا، گردش کرنا، مڑنا اور جسم کو موڑنا..... ان سے اعضا کو جوڑنے والی نسیں کھنچتی ہیں اور جوڑوں پر مختلف قسم کی حرکتیں عمل میں آتی ہیں۔ انہیں وارمنگ اپ ورزش بھی کہتے ہیں۔ یہ سادہ ورزش مندرجہ ذیل باتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پاؤں کے انگوٹھے کو چھونا، کمر کو گردش دینا، بازوؤں کو گردش دینا، گردن میں لوچ پیدا کرنا، اطراف میں جھکنا وغیرہ۔ جاگنگ ہر عمر کے لوگوں میں مقبول ہے۔ اس میں ایک خاص مقررہ رفتار سے مقررہ وقت تک بھاگنا ہوتا ہے۔ رفتار کی شرح کا انحصار فرد کی صحت اور عمر پر ہوتا ہے۔ لیکن اگر آپ کو معلوم نہیں کہ کس رفتار سے دوڑنا ہے تو ایک آسان سا ٹیسٹ کرلیں اگر جاگنگ کرتے وقت آپ کی سانس نہیں پھولتی تو پھر آپ صحیح رفتار سے جاگنگ کررہی ہیں۔ اگر جاگنگ کے دوران آپ کی سانس پھولتی ہے تو پھر آپ تیز رفتاری سے جارہی ہیں۔ جاگنگ کے کئی فوائد ہیں، مثلاً اس سے پیروں کے پٹھے مضبوط ہوجاتے ہیں اور وزن کو کنٹرول کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس سے ذہنی دباؤ کم ہوتا ہے اور تازہ ہوا میں سانس لینے کا موقع بھی ملتا ہے۔ جاگنگ سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی خاطر اس کا پروگرام ترتیب دیں جس میں ہفتے میں تین مرتبہ جاگنگ کریں۔ ابتدا سرعت قدمی سے بھی کرسکتی ہیں۔ 35 برس سے زیادہ عمر کے لوگوں کو چاہیے کہ اس پروگرام پر عمل کرنے سے پہلے اپنے ڈاکٹر سے ضرور مشورہ کرلیں۔ ورزش کسی بھی صورت میں کی جائے یہ پٹھوں کی طاقت میں اضافہ کرتی اور قوتِ برداشت کو بڑھاتی ہے۔ ورزش سے ذہن بھی تروتازہ ہوتا ہے۔ تمام جسمانی نظام درست کام کرتا ہے اور قوتِ مدافعت بھی بڑھ جاتی ہے۔ خواتین کے لیے سادہ ورزش بہتر رہتی ہے، جیسے چہل قدمی اور جاگنگ جو جسم کو متحرک کرنے اور مضبوط بنانے کے لیے بہترین ورزش ہے۔

کرنے کی توقع نہیں تھی۔ جہاں حیرت کا عکس اس کے چہرے پر لہرایا وہاں دیگر موجود ملازمائیں بھی نظروں ہی نظروں میں ثمینہ کو سراہنے لگیں۔

''تمہاری یہ شرط مجھے اور آفریدی صاحب کو منظور ہے، دراصل گھریلو معاملات میں اپر وول میری ہی ہوتی ہے۔ آفریدی صاحب نے اندرونِ خانہ ملکہ کو دے کر بیرونی ڈنڈے داریوں کی شاہی کو کافی کرلیا ہوا ہے۔'' اپنی ہی بات پر مسکرائی تو تمام ملازمائیں ہنسنے لگیں۔

ثمینہ کمرے میں واپس آئی موبائل کو دیکھتے ہی سوچا مقدر کا فیصلہ تو ہوگیا۔ ثانیہ کو کیا کہوں گی۔ اس دوران ثانیہ یا جوئیہ کی کوئی کال نہیں آئی تھی۔ جلد ہی اسے دوبارہ بلالیا گیا۔ شام تک وہ نادرا کے دفتر، پاسپورٹ آفس اور حنا میم (ملازماؤں نے باجی کہنے سے منع کردیا تھا) کے ساتھ مصروف رہی۔ اس کے کپڑوں کا بیگ بوگس قرار دے کر ڈلوادیا گیا اور نئے بیگ سمیت نئے کپڑے دلوائے گئے۔

رات تک وہ واپس کمرے میں پہنچی اور موبائل کھولا۔ ثانیہ کی طرف سے رابطے کے آثار نہ پاکر پریشان ہوگئی۔ ثانیہ یوں لاتعلق نہیں ہوسکتی تھی۔

''ثانیہ..... تم خیر سے ہو؟''

''تم نے خیر چھوڑی ہے باقی.....'' لہجہ اور الفاظ ثانیہ کے نہیں لگے۔

''کیا مطلب ہے؟''

''بہت کچھ ہوچکا ہے..... ہوا یہ ہے کہ سجو ماسی نے فون کرکے امی، ابو کو یوں بتایا کہ ثمینہ، مجید سے لڑ جھگڑ کر گھر سے نکل گئی ہے اور روتی پیٹتی بچی کو بھی چھوڑ گئی ہے..... اسے مجید نے اس بدنامی پر طلاق دے دی ہے۔''

''تم امی کو سچ بتادیتیں۔''

''کیسے بتاتی..... سارے مجھے ڈانٹتے، اتنی بڑی بات ہم سے کیوں چھپائی..... آگے کی تو سن لو.....''

''آگے کی کیا سنوں..... آوارہ، بدچلن تو میں ہوگئی۔''

''آگے کی یہ ہے کہ مجید، نوید اور ان کے ساتھ پانچ مردوں کا جتھا ہمارے گھر پہنچ گیا۔ میں بھی اس

وقت ہاسپٹل سے گھر آئی ہوئی ہوں ان سب نے کہا..... ''تمہاری بیٹی یار کے ساتھ بھاگ گئی، ہمارا گھر برباد ہوا تمہارا بھی آباد نہیں رہنے دیں گے.....'' اور..... امی تو سن، سن کے بے ہوش ہوگئیں وہ علیشہ کو بچوں سمیت لے گئے۔ عفان اور وجدان کو ساتھ لے چلنے کے لیے بہت کہا گیا گھسیٹا گیا۔ مگر انہوں نے چیخ چلّا کر انکار کردیا کہ ہم کسی باپ کو نہیں جانتے۔ ہمیں ہماری نانی جان اور نانا جان نے پڑھایا لکھایا، ہم تعلیم مکمل کرکے کوئی سی بھی نوکری کرلیں گے۔ آپ پر بوجھ بننے یا آپ کا سہارا بننے کبھی نہیں آئیں گے۔ مجید سے کو یہ سزا کم نہیں ملی..... تم پریشان نہ ہو ثمینہ باجی..... میں بولی ہوں تمہارے حق میں.....''

ثمینہ کے رونے اور سسکیوں کی آواز سن کر ثانیہ نے تسلی دی۔

''میں نے مجید کو کہا تمہاری بدمزاجی، بداخلاقی اور اذیت نے میری بہن کو اس حال میں پہنچایا۔ تم نے اس کو طلاق دے کر مار پیٹ کر گھر سے نکالا..... مجھے ہر، ہر بات کی خبر ہے، میری اس بات پر ان سب نے مل کر بولنا اور شور مچانا شروع کردیا۔ حتیٰ کہ اظہر، مظہر مجھے چپ کرانے لگے۔ اظہر بھائی کا تو بس نہ چلتا تھا کہ ہاتھ جوڑ کے اپنی بیوی کو نہ لے جانے دے۔ جانا وہ بھی نہیں چاہتی تھی مگر بھائیوں اور ماں کے سامنے مجبور تھی۔ اس پر..... پتا ہے مجید کیا بھونکا۔''

''کیا؟''

''کہا اب میں تمہیں ایک اور تجویز دے رہا ہوں..... جو بھاگ گئی وہ تو بھاگ گئی۔ جدھر منہ کرگئی اس کی مرضی..... تم یہ دوسری والی مجھے دے دو..... خالہ سے بڑھ کر بھانجی کا خیال کون رکھے گا۔''

''ہا.....''

''ہاں..... یہ ایسی گھٹیا بات تھی کہ مظہر بھائی کا ہاتھ اٹھ گیا۔ مجید کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا۔ ہاتھ پائی چھڑانے کو ابا آئے تو اس نے ابا کو بھی گالیاں بکیں۔ اتنا گندا اور غلیظ ماحول ہو رہا تھا کہ لگتا تھا کہ ایک آدھ قتل..... ہوگا..... امی نے کہا کہ تیری بہن اپنے بچے لے کر جارہی ہے۔ ہم بچے نہیں چھین رہے، تم شامہ کو یہاں چھوڑو..... اس پر وہ قہقہہ لگا کر تالی بجا کر بولا..... علیشہ اپنے لے کر جارہی ہے ناں پہلے ثمینہ کو تو لاؤ..... آئے سامنے بچی لے جائے۔''

ثانیہ سانس بحال کرنے کو رکی سننے والی کی تو دھڑکنیں زلزلے کی زد پر تھیں۔ کس بات کو پکڑے کس پر روئے کس کو جواب دے کس سے سوال کرے۔ اس کی جانب سے خاموشی پا کر ثانیہ پھر بولی۔

''اگر تم گھر نہ آنے والی حماقت نہ کرتیں وہاں موجود ہوتیں..... گھر والوں کو سارا حال حقیقت پتا ہوتی..... تو یہ سب کچھ اس طرح نہ ہوتا.....''

''کس طرح ہوتا.....؟ پھر کس طرح ہوتا.....''

''وہ تمہیں آوارہ، بدمعاش، کسی کے ساتھ بھاگ گئی نہ کہہ سکتا۔''

''ہاہاہا..... اس کے منہ سے آوارہ، بدمعاش، کوٹھے والی میں اتنی بار سن چکی ہوں کہ میں حج بھی کر آؤں تو وہ یہی القاب دے گا۔ اس نے مجھے دفتر کے چوکیدار، خاکروب، جمعدار، ڈاکٹر صاحب ہر اس مرد سے نتھی کرکے گالی دی جس سے مجھے واسطہ پڑتا تھا حتیٰ کہ نوید کو کام کہتی تو نوید کے حوالے سے الزام لگاتا..... تب کسی کے کانوں میں الاؤ نہ بھڑکے..... تب امی بے ہوش نہ ہوئیں، تب مظہر نے تھپڑ نہ مارا..... وہ شامہ کو میرے سامنے رُلاتا ہوا کھینچ کر لے جاتا۔ اس نے یہی تو کیا.....''

پھر لمبی سرد آہ بھرنے کے بعد کہا۔

''ثانیہ..... چل تو ٹینشن نہ لے، تو میری وجہ سے بہت ڈسٹرب ہوئی اس کو اللہ کبھی معاف نہ کرے، اس نے ترا نام لے کر ہماری توہین کی..... میں معافی مانگتی ہوں۔ ابھی فون اس لیے بند کرتی ہوں کہ مجھے بلانے والی گھنٹی میرے کمرے میں بج رہی ہے..... میں اس الزام کو اپنے اوپر سے صاف کر کے تو ضرور رہوں گی۔''

فون بند ہوگیا۔

اب صرف ایک دن تھا۔ ایک آخری دن، جوابات اس کی طرف تھے، جوابات کا وزن اتنا تھا کہ دامن پھٹتا تھا، دامن سے اٹھاتی تو آنچل پھٹتا تھا، کلیجے میں اتارتی تو دل پھٹتا تھا۔ جوابات کے لیے فون کافی نہیں تھا۔ جوابات کے جواب بھی مطلوب نہ تھے۔ چنانچہ اس نے وہ کیا جو کرسکتی تھی۔

☆☆☆

نذر محمد اپنے گھر آنگن کی ویرانی پر ملول بیٹھا تھا۔ پوتے، پوتی کی چہکار سے محروم گھر میں سناٹا تھا۔ برابر والے صوفے پر اظہر اوندھا لیٹا دائیں ہاتھ سے فرش پر لکیریں کھینچے جارہا تھا۔ باپ، بیٹا کے دماغ میں ایک ہی بات چل رہی تھی۔ ثمینہ کی روزِ اول کی آوارہ نظری نے انہیں برباد کردیا۔ کہیں کا نہ رہنے دیا..... پاس ہی امی سر نیہواڑے گم صم بیٹھی تھیں..... خاموش بتوں میں ایک بت ثانیہ کا بھی تھا۔ چھوٹا بھائی مظہر باہر سے ایک پارسل وصول کرکے آیا۔

''پارسل آیا ہے..... ثمینہ کی لکھائی ہے۔''

اس جملے نے ہل چل مچادی۔ پارسل میں سے ایک موبائل گرا پھر ایک لفافہ گرا..... مظہر کے ہاتھوں سے سب کچھ گرا جارہا تھا۔

''یہ موبائل کا کیا مطلب.....؟ خط پڑھو کیا ہے.....''

مظہر نے لفافہ کھولا اور بہ آواز بلند پڑھنے لگا۔

''امی..... میں ثمینہ ہوں، جسے جنم دے کر آپ پچھتاتی ہوں گی..... ابا میں ثمینہ ہوں آپ کے سینے کا بھاری پتھر جسے آپ ہٹاتے، ہٹاتے تھک گئے اور اب ہمیشہ کے لیے ہٹ گئی۔

''پرانے گیتوں اور کہانیوں میں ہوتا تھا کہ بابل اپنی چڑیاں اور گڑیاں رخصت کرتے نیر بہاتا تھا۔ بابل کا بیڑا چھوڑتی بیٹیاں بابل کی شفقت کو روتی ہیں۔ میا کو بٹیا رانی کی یاد ساون بھادوں چین نہ لینے دیتی تھی۔ بہنیں اپنی جیب خرچی سے بہنا کو چیزیں لاکر کھلاتے تھے۔ جھولے جھلاتے تھے، یہ سب ثمینہ کے لیے بہت پرانے متروک زمانوں کی باتیں رہیں مگر علیشہ اور ثانیہ کے لیے نہیں..... میں اسے اپنا نصیب کہہ کر آپ کو قصور سے مبرّا نہیں کروں گی۔

''آج مجھے کہنا ہے کہ ان تمام کٹھور یکطرفہ سوچ رکھنے اور اندھا دھند بیٹی کی زندگی کے فیصلے پر مہر ثبت کرنے والوں باپوں سے..... آپ جیسے باپ، بیٹی کی پوری حیاتی کو اپنے جوتے کی نوک سے اچھال پھینکنے والی ٹھیکری گردانتے ہیں..... یہ ٹھیکری آپ کی ٹھوکر سے نالی میں جا گرے یا بدرو میں، آپ کی بلا سے..... اس کو اسی جگہ کو اپنا ٹھکانا کرلینا چاہیے۔

''ابا! آپ نے میری شادی ایک جاہل، بدمزاج اور ہر لحاظ سے گندے شخص سے دانستہ کی..... اس کے گھر کا ماحول، رہن سہن، رکھ رکھاؤ، بول چال، کھانا پینا زندگی کا ہر برتاؤ ہمارے گھر سے مختلف اور نچلے درجے کا تھا اور آپ یہ جانتے تھے۔ آپ نے کچی دیواروں والے چھپر نما کمروں کا وہ گھر دیکھ رکھا تھا۔ دور دراز کا وہ دیہات دیکھا ہوا تھا۔ مجیدے کو دیکھ رکھا تھا جو آٹھ جماعتیں پاس تھا جس کی بہن کو آپ نے ایم اے کرایا۔ جسے طہارت، غسل کی تربیت تک نہ تھی۔ اس گندے، گالی بکنے والے دیہاتی کے پلے مجھے باندھ کر آپ کا دل نہ رویا..... میں نے ڈھور ڈنگروں والی زندگی کے چودہ سال گزارے، چودہ سال عمر قید ہوتی ہے۔ کئی بار بیمار ہوئی، ایک پیناڈول وہ لے کر نہیں دیتا تھا، مجھے کئی بار اس نے مارا..... سانپ نے مجھے وہاں ڈس لیا۔ انہوں نے دس روپے کا علاج نہ کرایا۔ آپ دونوں چشم دید گواہ ہیں، آپ مجھے نیم مردہ حالت میں اٹھا کر لائے۔

''میرا قصور کیا تھا؟ مجھے جواب دو..... میرا قصور یہی تھا کہ گلی میں ایک لڑکا رسالہ دے رہا تھا رسالے میں شعر لکھا ہوا تھا۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے آپ کے گھر کے اندر آپ کے بیٹے اور علیشہ کا عشق پروان چڑھتا رہا۔ انہوں نے تو بھی رسالہ ایک دوسرے کو نہ دیا ہوگا، ان کے عیب آپ کو نہ دکھائی دیے۔ بلکہ آپ نے اس عشق کو دھوم دھام سے دوطرفہ خرچ کرکے منطقی

انجام پر پہنچایا۔

"میری بدحالی دیکھتے رہے اور مجیدے کی بہن کو آنکھوں کا تارہ بنائے رکھا۔ اچھا پہنایا، اعلیٰ تعلیم دلوائی، آج بھی میرا بھائی اس کی فرقت میں نوحے گا رہا ہوگا۔

"آپ نے جذباتی نا سمجھی میں جو کمرا مجھے بنوا کر دیا تھا۔ جلد ہی آپ کو میرا رہنا بے مقصد لگنے لگا۔ مجھے بہلا پھسلا کر پھر اسی رذیل شخص کے ساتھ روانہ کر دیا گیا۔ میں اس نکاح کو جبری فروخت اور ناجائز قرار دیتی ہوں اگر میرا بس چلے۔ آپ کو پتا ہی نہیں آپ کی بیٹی خود کشی کے ارادے سے کتنی بار اندھی کھوئی تک گئی مگر مجھے میری بیٹیوں کی معصوم شکلیں کھینچ لاتیں..... میری چھوٹی بچی مرگئی۔ اور وہ مجیدے کی غفلت اور جہالت کے سبب مری۔ میرا دل کٹ گیا۔ موت اللہ کی طرف سے آتی ہے مگر جب یہ معلوم ہوا کہ باپ نے تین قطرے دینے والی دوا کے دو بڑے چمچ بھر کر معصوم کو پلا دیے اور وہ تڑپ کر چند گھنٹوں میں مرگئی..... صبر نہیں آیا تھا مجھے طیش آیا تھا۔ اسی طیش میں، میں اس کے سامنے آئی تھی۔ تو اس نے مجھے مار، مار کر لہولہان کر کے طلاق دے دی اور گھر سے نکال دیا اور شامہ کو چھین لیا اور وہ رات میں نے پڑوسن ریحانہ کے گھر بسر کی۔

ابا کی ازحد مہربانی سے مجھے میری بستی میں گیارہ ہزار نو سو تیس روپے ماہانہ کی نوکری ملی اس میں سے دس ہزار ابا کا داماد چھین لیا کرتا تھا۔ باقی اشرفیوں کی بوری سے مجھے اپنا اور بچیوں کا تن ڈھانپنا ہوتا اور ہر قسم کا سب کچھ..... ویسے میرا سب کچھ آپ کے سب کچھ جیسا نہ تھا۔ مگر پھر بھی بچیاں ٹکی ٹافی، سستے کھلونے کے لیے مچل جاتیں۔ ان کا دودھ بندھوانا پڑتا ایک طرح سے بہت اچھا ہوا ایک مرگئی۔ دوسری زندگی بھر مر، مر کر جیتی رہے گی۔ اور اپنی ماں کو کوستی روتی رہے گی۔

"میری امی، تابعدار، ہنرمند، سلیقہ شعار، نیک بیوی تھیں مگر وہ باہمت، بااعتماد، بیٹی کے دفاع میں سینہ سپر ہونے والی ماں نہ تھیں۔

"امی..... کوئی بات نہیں..... آپ رنج نہ کریں..... میں تو آپ سے بڑھ کر جوتیاں، گالیاں، طلاقیں لے، لے کر بس جانے والی مردانہ سماج کی فٹ بیوی رہی ہوں..... اور آپ سے بڑھ کر ناکام ماں ہوں..... مجھے آوارہ سمجھنے سے پہلے یہ بھی سن لیں۔ اب آپ ضرور سن لیں۔ خوشحال زمیندار گھرانے کا ایک وکیل شہریار جوئیہ مجھ پر ترس کر کے اس حال حلیے میں سنجیدگی کے ساتھ عزت کی زندگی دینے کی دعوت دیتا رہا۔ مگر میں نے رد کر دی۔ میں اپنے ذاتی تجربے کے تحت مرد سے عزت والی محبت کی توقع رکھنا گھناؤنی غلط فہمی سمجھتی ہوں۔

"ابا..... شاید آپ کا دل دکھے، آنکھ نم ہو..... مگر روئیے گا نہیں..... آپ کے آنسو میرے لیے کوئی مداوا نہیں.....

"میں پدرانہ تشکیک کے بھینٹ چڑھ چکی..... ہوسکتا ہے اظہر بھائی کی بیوی بچے واپس مل جائیں، آپ کے ویہڑے میں دوسرے بچوں کی شادیوں کے نغمے گونجیں، بابل کی حویلی سجے، سہرے مہکیں مگر میں اب وہاں کبھی نہیں ہوں گی..... جب آپ یہ تحریر پڑھ رہے ہوں گے ثمینہ غیروں کی باعزت کنیز بن کر آپ کے دیس کو الوداع کہہ چکی ہوگی۔

"امی..... دنیا داری میں کوئی سا بہانہ بنا دینا۔ کہنا اسے بہت سے ریال پر ڈسپنسری کی نوکری مل گئی طلاق کے بعد چلی گئی اور کچھ عرصے بعد میری اچانک موت کا اعلان کر دینا..... لیجیے آپ کا یہ بھی مسئلہ حل کر دیا۔ مرگئی مردود فاتحہ نہ درود.....

ثانیہ موبائل کا عقدہ ضرور کھول دینا ورنہ میری سنگساری کا عمل میرے والدین کے ہاتھوں جاری رہے گا۔

ثانیہ..... مجھے وہ شعر یاد ہے جو اس کبوتر باز نادان لڑکے نے کچی پکی لکھائی سے رسالے میں لکھا تھا۔ کچھ ایسا تھا۔

گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں
تمام پھولوں گل و گزار کو الوداعی سلام..... میرا دامن غیروں کے خار نے تھام لیا۔"

❁❁❁

پتھر کے رشتے

حرا احمد

جیسے ہی وہ اسکول سے واپس آئی۔ اس کی ماں اس کے فیصلے کی منتظر تھی۔ اس نے بیچارگی سے ماں کو دیکھا۔ ماں کی آنکھوں میں اس کے لیے ہمدردی کا دور، دور تک کوئی نام ونشان نہ تھا۔ ماں کا تلخ اور روکھا لہجہ دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں لیکن ماں کو ان سب باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ گزشتہ کئی دنوں سے مسلسل اسے یہ باور کروانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں کہ اسے اپنے والدین اور اپنی ضد میں سے اب ایک کو چننا ہوگا۔

''امی جان جب آپ کو میرا جواب اچھی طرح پتا ہے تو پھر کیوں بار، بار ایک ہی سوال کر کے میرے ضبط کا امتحان لیتی ہیں۔'' اس نے ماں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے انہیں اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔

''آپ کیوں نہیں سمجھتیں کہ میں آپ لوگوں کے

بغیر نہیں رہ سکتی.....اور نہ ہی عدیل کے بغیر.....'' یہ سنتے ہی اس کی ماں نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کیا۔

''خبردار ہیں تمہارے منہ سے دوبارہ کبھی اس شخص کا نام نہ سنوں! سمجھیں.....'' بیٹی کو روتا چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

مریم دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ اسلامیات میں ایم کرنے کے بعد ایک پرائیویٹ سکول میں بطور ٹیچر بچوں کو پڑھا رہی تھی۔ نہایت مہذب، شریف اور اچھے اخلاق کی مالک ہونے کے ساتھ، ساتھ خوب صورت اور خوب سیرت بھی تھی۔ یوں تو باقی سبھی معاملات میں والدین اور گھر والوں کی بے حد فرمانبردار تھی لیکن شادی کے سوال پر اس کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ اگر شادی کرے گی تو صرف اسی شخص سے جس کے ساتھ اسے کئی سال پہلے باقاعدہ منگنی کر کے منسوب کیا گیا تھا۔

عدیل اس کے ابو کے دور کے رشتے دار کا بیٹا تھا۔ منگنی کے وقت دونوں گھرانے ایک ہی گاؤں میں رہتے تھے۔ عدیل اور مریم کی منگنی پانچ سال پہلے دونوں کے بڑوں کی مرضی سے طے پائی تھی۔ اس بندھن میں بندھنے سے پہلے دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے لیکن منگنی کے بعد دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے محبت کے راستے پر چلتے، چلتے اس قدر دور جا چکے تھے کہ جہاں سے واپسی کا تصور کرنا بھی محال تھا۔ دونوں کے لیے ایک دوسرے کے بغیر زندگی گزارنا اب مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

پھر ایک دن بیٹھے بٹھائے نہ جانے مریم کے باپ صدیقی صاحب کو کیا سوجھی کہ انہوں نے سبھی خاندان والوں سے ہمیشہ کے لیے گاؤں چھوڑنے اور شہر میں جا کر بسنے کا اعلان کر دیا۔ شہر میں صدیقی صاحب کی قسمت کا ستارہ ایسا چمکا کہ ان کے طور طریقے ہی بدل گئے۔ ان کی ہر چیز میں دولت کی ریل پیل اور نمود و نمائش نظر آنے لگی۔ مادی ترقی کا غرور اس قدر سر کو چڑھا کہ آہستہ، آہستہ انہوں نے اپنے تمام غریب رشتے داروں اور بہن بھائیوں سے بہانے، بہانے سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ پھر ایک دن انہوں نے اپنی بیوی سے صاف، صاف کہہ دیا کہ چونکہ اب ان لوگوں کے حالات اچھے خاصے بدل چکے ہیں لہٰذا وہ مریم کی شادی کسی اونچے اور امیر گھرانے میں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لیے اب مریم اور عدیل کی منگنی کو ختم سمجھیں۔ شروع، شروع میں تو مریم کی ماں زرینہ بیگم نے شوہر کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کہ ایک بار مریم کی مرضی بھی پوچھ لیں لیکن باپ نے بیٹی سے اس بارے میں رائے لینا گوارا نہ کیا۔ حتیٰ کہ مریم کے دونوں بھائیوں اور بھابیوں نے بھی باپ کے فیصلے کی بھرپور تائید کی اور مجبوراً زرینہ کو بھی شوہر کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

یوں اب تک سبھی گھر والے اس فیصلے کو قبول کر چکے تھے سوائے مریم کے۔ اپنی زندگی کے بارے میں بڑوں کا یہ غیر متوقع اور غیر ذمے دارانہ فیصلہ اس کے لیے کسی بھی طرح سزائے موت سے کم نہ تھا۔ عدیل سے منگنی کا یہ رشتہ اس کے لیے کیا تھا، یہ سمجھانے اور بتانے کے لیے اس نے بے شمار جتن کیے۔ بے حساب دعائیں مانگیں، سیکڑوں بار ماں کے سامنے گڑگڑائی لیکن والدین کو رحم آیا اور نہ ہی قسمت کو۔

اُدھر عدیل نے بھی اپنے والدین کے ذریعے صدیقی صاحب اور ان کے گھر والوں کو منانے کی ہر ممکن کوشش کر چھوڑی لیکن بات بننے کے بجائے مزید بگڑتی گئی حتیٰ کہ دونوں اطراف کے رشتے داروں کی مداخلت بھی کچھ کام نہ آئی۔

☆☆☆

وہ کئی دنوں سے بخار میں جل رہی تھی۔ کھانا پینا نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ عدیل کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے منگنی کے بعد سے اسی کے خواب دیکھنے شروع کر دیے تھے۔ اب

وہ اس کے ساتھ شرعی رشتے میں بندھنا چاہتی تھی۔ اس کی حالت روز بروز غیر ہوتی جارہی تھی۔ اس کے کئی دنوں کے فاقوں اور بیماری کو دیکھ کر بھی اس کے والدین کو اس پر کوئی رحم نہ آیا۔ اس کے سارے احتجاج، ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ اس وقت اس کا دل چاہا کہ وہ مرجائے۔ اسے اپنوں سے اس قدر بے رحمی اور سنگدلی کی امید نہ تھی جبکہ عدیل کے گھر والے بھی اس رشتے کے ٹوٹنے سے ناخوش تھے۔

اس رات وہ اپنی ماں کے کمرے میں گئی اس کا دل چاہا کہ وہ چیخ، چیخ کر اپنی ماں سے سوال کرے..... وہ کوئی گائے بھینس تو نہیں کہ آج اس کھونٹے سے باندھ دیا جائے تو کل دوسرے سے۔ لیکن وہ اپنی ماں کی بے حسی اور اس کی مجبوریوں کو مزید کریدنا نہیں چاہتی تھی لہٰذا خاموش رہی اور یونہی کمرے سے باہر نکل آئی۔

مگر آج اسکول سے واپسی پر وہ ایک پختہ ارادے کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی۔ گھر کا ماحول بالکل ایسا ہی تھا جیسا اس نے سوچا تھا۔ کیونکہ آج اس مہلت کا آخری دن تھا جس کی مدت اس کے ماں باپ نے طے کی تھی۔ صدیقی صاحب حسب معمول سگریٹ کے کش اڑا رہے تھے اور زرینہ بیگم سبزی کاٹنے میں مصروف تھیں۔

''امی مجھے آپ سے بات کرنی ہے.....''

''بات اب تم نے نہیں ہم نے کرنی ہے۔'' زرینہ بیگم سے پہلے صدیقی صاحب بول پڑے۔

''کل شام تمہارا نکاح پڑوس کی مسجد کے مولوی عبدالحق کے ساتھ ہے۔''

''کیا..... ابو یہ آپ میرے ساتھ کیسے کر سکتے ہیں۔ میں عدیل کے سوا کبھی کسی کے ساتھ شادی نہیں کروں گی اور آپ لوگ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔'' مریم نے آج زندگی میں پہلی دفعہ باپ کے سامنے نہ بولنے کی قسم توڑ دی تھی۔

''بے حیا کچھ تو شرم کر، باپ کے ساتھ کس طرح زبان چلا رہی ہے۔'' زرینہ بیگم نے آگے بڑھ کر اس کے کاندھوں پر دو ہتڑ مارے۔

''امی میں مرجاؤں گی لیکن مولوی صاحب سے شادی نہیں کروں گی۔'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے والدین کے سامنے جوڑ دیے۔ سراپا محبت والدین جیسے رشتے بھی پتھر کے رشتے ہو سکتے ہیں بھلا یہ کیسے ممکن تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے شدت غم سے سسک پڑی لیکن کسی کو اس کی حالت پر رحم نہ آیا۔

اگلے دن عصر کے بعد مولوی صاحب اور کچھ لوگ آئے اس کی ماں نے اسے پہننے کے لیے شادی کا جوڑا دیا اور بتایا کہ آج اس کا نکاح ہے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی دونوں بھابیوں نے اسے تیار کیا۔ مریم دیکھنے میں ایک ایسی زندہ لاش لگ رہی تھی جیسے زبردستی تیار کیا جارہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں صدیقی صاحب، مولوی صاحب، دولھا اور گواہوں کے ساتھ

شادی شدہ جوڑا

ایک شادی شدہ جوڑا بہت صفائی پسند تھا۔ دونوں میاں، بیوی دن میں پچاس مرتبہ صابن سے ہاتھ دھوتے۔ ذرا، ذرا سی دیر میں جراثیم کش دواؤں کا اسپرے شروع کردیتے۔ ایک دن بیوی بولی۔

''لگتا ہے مُنّے کے دانت آرہے ہیں لیکن وہ منہ کھول کر دکھاتا ہی نہیں۔''

''بھئی منہ میں انگلی ڈال کر ٹٹول کر دیکھ لو۔'' شوہر نے مشورہ دیا اور تاکید کی۔

''منہ میں انگلی ڈالنے سے پہلے انگلی کو گرم پانی میں اچھی طرح ابال لینا۔''

ساتویں شادی

ایک آدمی نے چھ شادیاں کیں مگر ہر شادی کے کچھ عرصے بعد ہی اس کی بیوی کا انتقال ہوجاتا۔ وہ ساتویں شادی کرنا چاہتا تھا مگر کوئی اسے اپنی لڑکی نہیں دیتا تھا۔ لوگوں نے سوچا کیوں نہ اس کی شادی اس کے مقابلے کی عورت سے کی جائے۔ چنانچہ اس بار اس آدمی کی شادی اس عورت سے کی گئی جس کی چھ مرتبہ شادی ہوچکی تھی اور اس کے چھ کے چھ شوہر انتقال کرچکے تھے۔ لوگوں کو اس بار تجسس تھا کہ دیکھیں اس شادی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ شادی کے دوسرے دن لوگوں کو پتا چلا کہ نکاح پڑھانے والے قاضی صاحب انتقال فرماگئے ہیں۔

مرسلہ: مہرین بنگش، کراچی

اندر کی جانب بڑھ آئے۔

''کیا تمہیں مولوی عبدالحق ولد مولوی علیم الحق سے سکہ رائج الوقت حق مہر پانچ لاکھ نکاح قبول ہے؟'' سبھی گھر والے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''بیٹی میں نے پوچھا ہے کہ.....'' انہوں نے جملہ پھر دُہرایا لیکن ادھر مریم شاید بہری ہو چکی تھی۔ اس کے باپ نے غصے سے زرینہ بیگم کی طرف دیکھا۔ ماں ..... نے آگے بڑھ کر زور سے اسے جھنجوڑا تو وہ ایک دم سکتے سے باہر نکل آئی اور فوراً بول اٹھی۔

''نہیں مجھے یہ نکاح نہیں قبول..... نہیں قبول.....نہیں قبول.....'' مولوی صاحب بھی ایک دم سے بوکھلا گئے۔

''صدیقی صاحب جب آپ کی بیٹی رضا مند نہیں ہے تو آپ کیوں اس کی زبردستی شادی کروانا چاہ رہے ہیں؟ اگر لڑکی راضی نہ ہو تو نکاح نہیں ہو سکتا۔ معافی چاہتا ہوں مجھے اجازت دیں۔'' اس قدر بے عزتی کا انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ دونوں بھائیوں نے آگے بڑھ کر باپ کو سہارا دیا۔ سبھی لوگ واپس جا چکے تھے۔

''آج کے بعد اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہماری عزت کا جنازہ تو یہ پہلے ہی نکال چکی ہے۔ اسے کہو یہ اب ہمارے لیے مر چکی ہے۔ دفع دور کر دو اسے میری نظروں سے..... میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا.....'' ابو نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ ماں، باپ، بھائی اور بھابیاں سبھی اس کے لیے اب بیگانے تھے۔ گھر میں اس سے بات کرنا تو درکنار اسے دیکھنا بھی باعثِ گناہ تھا۔ اپنوں کی بے رخی اور سرد مہری کا یہ روپ اس کے لیے نیا نہ تھا۔ احتجاج کرنا فضول تھا۔ اس لیے چپ چاپ گھر کے ایک کونے میں پڑی رہی۔

''ابو جی میں تو آپ کو یہی مشورہ دوں گی کہ اس بوجھ کو گھر پر رکھنے سے بہتر ہے اس کا نکاح عدیل سے کر کے ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے اسے رخصت کر کے یہاں سے چلتا کریں۔ اسے دیکھ کر ہماری بچیاں بھی بڑی ہو کر بغاوت پر اتر آئیں گی۔ دیکھیں محلے والے بھی طرح، طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔ جب یہ یہاں سے چلی جائے گی تو ان کی زبانیں بھی بند ہو جائیں گی۔'' اس کی بڑی بھابی نے مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ مریم کے دونوں بھائیوں نے بھی اس کے مشورے کی بھرپور تائید کی۔

''ٹھیک ہے تم لوگوں کو جو بھی ٹھیک لگے کر لو۔ میں اس منحوس کو اب مزید اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کے غریب عاشق کو فون کرو اور اسے کہو کہ وہ اس نافرمان کو یہاں سے لے جائے لیکن ایک ہی شرط ہے کہ یہ اس جوڑے میں ہی یہاں سے جائے گی اور اس کے بعد ہمارا اس سے کوئی واسطہ ہوگا نہ کوئی.....

تعلق۔'' صدیقی صاحب نے دوٹوک لفظوں میں کہا۔ وہ حیران تھی کہ اس کا قصور کیا تھا۔

شادی کیا تھی صرف خانہ پُری تھی۔ مہندی لگی، نہ ڈھولکی بجی، نہ دلہن نے سرخ جوڑا زیب تن کیا اور نہ ہی مٹھائیاں کھلائی گئیں۔ عدیل اپنے ماں، باپ نکاح خواں اور دو گواہوں کو ساتھ لایا اور ہمیشہ کے لیے اپنی محبت کو بیاہ کر لے گیا۔

اسی جوڑے میں جہیز اور اپنے ماں باپ کی دعائیں لیے بغیر مریم ان کے گھر سے رخصت ہوئی۔ جاتے سمے اس کی آنکھیں پانیوں سے بھری ہوئی تھیں وہ اپنے ماں باپ کو حسرت سے دیکھ رہی تھی کہ شاید کوئی اسے ساتھ لگا کر الوداع کہے لیکن ان پتھر کے رشتوں میں بوند، بوند ٹپکنے کے باوجود بھی کوئی سوراخ نہ ہوا اور وہ پتھرا سے بہا لے گئے۔

آج مریم اور عدیل ایک خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں مگر مریم ابھی تک یہ نہ سمجھ پائی کہ آخر اس کا قصور کیا تھا جو ماں، باپ نے اس کو اس طرح گھر بدر کر دیا۔ وہ تو ایک نیک سیرت، خدمت گزار اولاد تھی۔ وہ گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی تو نہ تھی مگر پھر اس کے والدین نے ایسا رویہ کیوں رکھا.....آخر کیوں.....؟

اعتبار

نظیر فاطمہ

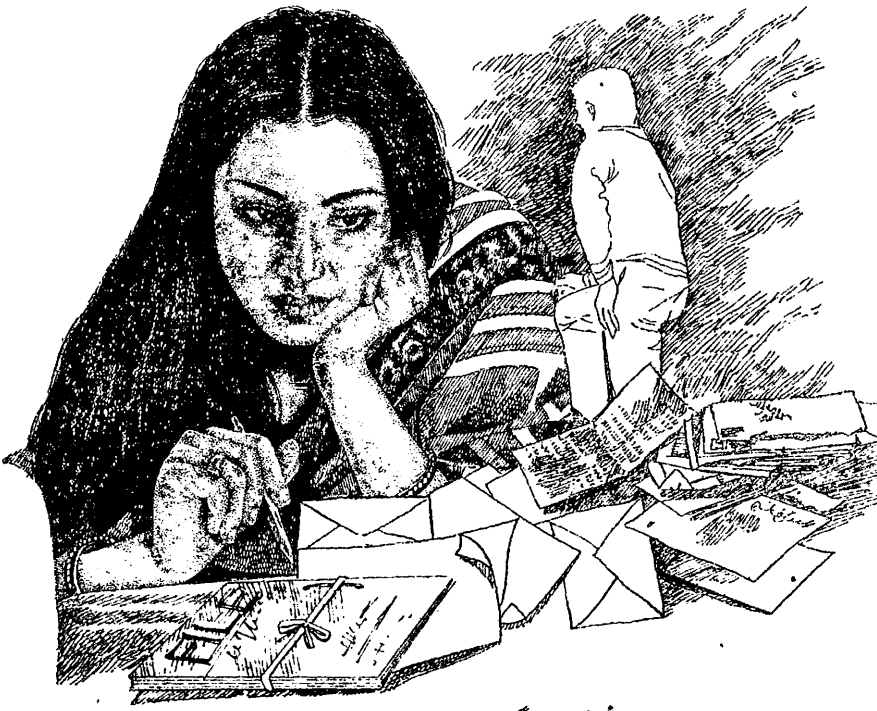

شرمین اپنے گھر کے لان میں بیٹھ کر خلاؤں میں گھور رہی تھی۔ چھ مہینے پہلے اور آج کی شرمین میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ گھنٹوں خلاؤں میں گھورتی رہتی، اپنے آپ سے یکسر لاتعلق، ہر چیز سے بے پروا۔ صرف اپنے ڈیڑھ سال کے بیٹے کو دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ آتی تھی جسے اب زیادہ تر اس کی دادی سنبھالتی تھیں کہ شرمین اپنے بچے کو پالنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔ ہر کوئی اس کی اس حالت پر تشویش کا شکار

تھا۔سب شرمین کے لیے حد سے زیادہ پریشان تھے مگر اس کی اس حالت کی وجہ کوئی نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ اس پر جان نثار کرنے والا اس کا شوہر جاذب بھی انجان تھا کہ ایسا کیا ہوگیا کہ ان چند مہینوں میں وہ بالکل ہی گھل گئی تھی۔

جاذب آفس سے واپس آیا تو شرمین کو یوں غائب دماغی سے لان میں بیٹھے دیکھ کر اس کے پاس چلا آیا۔

''ایسے کیوں بیٹھی ہو؟'' جاذب نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا۔شرمین نے ایک نظر اسے دیکھا اور نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

''چلو اٹھو، اندر چلیں۔'' جاذب نے محبت سے چور لہجے میں کہا۔وہ یونہی بیٹھی رہی تو اس نے نرمی سے شرمین کا بازو پکڑ کر اسے کھڑا کیا اور اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے آگے بڑھ گیا۔وہ اس کے ساتھ ایک معمول کی طرح چلتی رہی۔

جاذب بیوی کی اس حالت کی وجہ سے پریشان تو تھا ہی مگر وہ اس کو اس طرح دیکھ کر خود بھی بڑی تکلیف میں تھا۔اس نے اس کے علاج معالجے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ڈاکٹرز کہتے تھے شدید قسم کا ڈپریشن ہے مگر ڈپریشن کی کوئی وجہ تلاش کرنے کے باوجود نہ ملتی تھی۔ سب کچھ تھا اس کے پاس محبت کرنے والا شوہر، بڑا گھر، روپیہ پیسہ اور سب سے بڑھ کر اولاد جیسی نعمت۔

ڈپریشن ہونا ہوتا تو تب ہوتا جب وہ شادی کے بعد سات سال تک اولاد کی نعمت سے محروم رہی تھی۔ تب تو وہ بڑی خوش، مطمئن اور راضی برضا تھی۔اب جب اللہ نے اس کی اس کمی کو بھی بیٹے جیسی نعمت سے نواز کر پورا کر دیا تھا تو اس کا اتنا شدید ڈپریشن ہر کسی کی سمجھ سے باہر تھا۔

☆☆☆

شرمین جاذب کی پھوپی زاد تھی۔دونوں بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ان کی محبت کی شادی تھی جسے ان کے بڑوں نے مل کر ارینج کیا تھا۔شرمین اور جاذب ایک دوسرے کو پا کر بہت خوش اور مطمئن تھے اتنے کہ سات سال تک اولاد نہ ہونے کی محرومی بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔دونوں کے خاندان والے انہیں خوش دیکھ کر خود بھی خوش تھے مگر انہیں اولاد سے محروم دیکھ کر وہ دکھ میں مبتلا ہو جاتے۔

''شرمین تم کسی ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔'' جب بھی وہ اپنی امی کی طرف جاتی تو وہ اسے فورس کرتیں۔

''امی! ڈاکٹر شیریں نے ہم دونوں کا مکمل چیک اپ کیا ہے۔بظاہر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔بس جب اللہ چاہے گا اولاد بھی دے دے گا۔'' شرمین بے فکری سے کہتی اور اس کی ماں اس خدشے میں مبتلا ہو جاتی کہ اگر اس سے مایوس ہو کر جاذب نے دوسری شادی کر لی تو.....وہ اس خدشے کا شکار اس لیے ہو جاتی تھیں کہ وہ جاذب کی محبت کی گہرائی سے ناواقف تھیں جس کا سامانِ زندگی صرف شرمین تھی۔جاذب، شرمین سے واقعی بہت محبت کرتا تھا اور اس کے ساتھ مکمل وفادار اور پُرخلوص تھا۔وہ بھی جاذب کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی تھی۔

☆☆☆

ان کی شادی کی ساتویں سالگرہ کے بعد کی بات ہے کہ جاذب کو کمپنی کی طرف سے ایک سال کے لیے امریکا بھیجا گیا۔شرمین بھی ساتھ گئی۔نئی دنیا، نئے لوگ۔جس جگہ جاذب کو رہائش ملی وہاں اس کی کمپنی میں کام کرنے والے ورکرز فیملی سمیت آباد تھے۔ان کے علاوہ بہت ساری پاکستانی اور انڈین فیملیز بھی آباد تھیں۔جاذب اور شرمین کے ساتھ والے گھر میں ڈاکٹر ہادیہ کی فیملی آباد تھی جو برسوں پہلے پاکستان سے یہاں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔جلد ہی شرمین کی ان سے اچھی دوستی ہوگئی۔ڈاکٹر ہادیہ ایک ماہر گائنا کالوجسٹ تھیں۔جب ان کو جب پتا چلا کہ ان کی شادی کو سات سال ہو گئے ہیں اور وہ ابھی تک اولاد سے محروم ہے تو انہوں نے اسے کو کچھ ٹیسٹ کروانے کا مشورہ دیا۔شرمین نے رات کو جاذب سے بات کی اور اگلی صبح ٹیسٹ کروانے ڈاکٹر ہادیہ کے ساتھ

ہی اسپتال چلی گئی۔ شرمین کا مسئلہ عام سی نوعیت کا تھا جو ایک مہینے کے علاج معالجے کے بعد ٹھیک ہوگیا۔ اسے امریکا آئے تین مہینے ہوئے تھے جب اسے یہ خوش خبری ملی کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ جاذب جو اولاد نہ ہونے کا دکھ خاطر میں نہیں لاتا تھا یہ خبر سن کر خوشگوار احساسات میں گھر گیا۔ اس پر عجیب سی خوشی اور سرشاری کی کیفیت طاری ہوگئی۔

دونوں نے پاکستان اطلاع دی تو وہاں بھی ان کے والدین اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوگئے۔

''شرمین! لگتا ہے تمہیں امریکہ راس آگیا۔'' شرمین کی بہن نے ہنس کر کہا۔

''اپنا بہت خیال رکھنا۔ اب اتنے عرصے بعد اللہ نے کرم کیا ہے تو کوئی بے احتیاطی نہیں ہونی چاہیے۔'' ساس بھی نصیحت کرتیں۔

''میں جانتی ہوں تم کھانے پینے کی کتنی چور ہو۔ اب اپنی خوراک کا دھیان رکھنا، ایک جان کی ذمے داری ہے تم پر۔'' ادھر... امی بھی اسے ڈانٹتیں۔

جاذب نے تو اسے جیسے ہتھیلی کا چھالا بنا لیا تھا۔ خیر وقت گزرا اور وہ وقت بھی آیا کہ اللہ نے اس کی گود میں انگریز نین نقش والا گول مٹول صحت مند بیٹا ڈال دیا۔ بچہ جاذب اور شرمین کا بیٹا تو لگتا ہی نہ تھا کہ دونوں کا رنگ کھلتا ہوا سانولا لیکن نقش پُرکشش تھے جبکہ ان کے بیٹے طٰہٰ کا رنگ بالکل انگریزوں کی طرح گورا، آنکھیں کاہی مائل سبز اور بال بھورے۔ پہلی نظر میں دیکھنے پر کسی انگریز کا بچہ معلوم ہوتا۔ ان کے اردگرد جو بھی طٰہٰ کو دیکھتا، حیرت کا اظہار ضرور کرتا۔

''یہ آپ دونوں کا بچہ ہے۔'' جب ایسا بہت زیادہ ہونے لگا تو جاذب بچے کے نقوش کو غور سے دیکھنے لگا یوں جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو۔

ان کی پاکستان واپسی کا وقت آیا تو آفس کی طرف سے اسے الوداعی پارٹی دی گئی۔

''یار! پاکستان میں کوئی بھی تمہارا یقین نہیں کرے گا کہ یہ تمہارا بچہ ہے۔ یہ تو پورا انگریز ہے۔ سب اسے کسی انگریز کی اولاد ہی سمجھیں گے۔'' پارٹی میں جاذب کے ایک بے تکلف دوست نے اس کے کندھے پر دھپ لگائی اور اپنی بات مکمل کر کے زوردار قہقہہ لگایا۔ جاذب نے دور بیٹھی شرمین اور اس کی گود میں موجود طٰہٰ کو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

☆☆☆

دونوں پاکستان پہنچے تو سب نے طٰہٰ کو دیکھ کر خوشی کے ساتھ، ساتھ حیرانی کا اظہار بھی کیا۔

''ارے یہ تو پورا انگریز ہے۔'' ''جاذب تم لوگ جھوٹ تو نہیں بول رہے ہم سے۔ کسی انگریز کا بچہ اڈاپٹ کر کے کہہ رہے ہو کہ یہ تمہارا بچہ ہے۔'' جاذب کی بڑی بہن نے مذاق کیا جو سیدھا جاذب کے دل پر لگا۔ شوہر کا رویہ شرمین اور طٰہٰ کے ساتھ سرد سا ہوگیا۔ شرمین نے جاذب کی اس تبدیلی کو محسوس تو کیا مگر سنجیدگی سے نہ لیا۔ کچھ عرصہ جاذب کا موڈ ایسا ہی رہا پھر خود بخود ٹھیک ہو گیا۔

''شاید طٰہٰ کی وجہ سے اگنور کرنے لگا تھا جاذب، اس لیے ایسا رویہ اختیار کیا تھا اس نے۔ اب خود ہی خیال آیا ہوگا کہ میں کتنی مصروف ہوگئی ہوں تو ٹھیک ہوگیا ہے۔'' شرمین یہ سوچ کر مطمئن ہوگئی۔

جاذب پہلے سے بڑھ کر لونگ اور کیئرنگ ہوگیا۔ شرمین اور بیوی اور بیٹے کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنے لگا۔ طٰہٰ کو اٹھائے، اٹھائے پھرتا، اس کے لاڈ اٹھاتا۔ اسی طرح خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولتے، جھولتے ایک سال گزر گیا اور طٰہٰ کی پہلی سالگرہ آگئی۔ سالگرہ... کافی بڑے پیمانے پر کی گئی۔

☆☆☆

سالگرہ کے کوئی تین چار روز بعد کی بات ہے کہ طٰہٰ کو ملنے والے بے تحاشا تحائف کو اسٹور میں رکھنے کی غرض سے شرمین نے ایک بڑے باکس میں رکھا اور ملازم سے باکس اٹھوا کر اسٹور روم کے دروازے پر رکھوایا۔ اسٹور روم کو تالا لگا ہوا تھا۔ شرمین کو یاد آیا کہ چابی تو وہ اپنے کمرے میں بھول آئی ہے۔ وہ دوبارہ کمرے

میں آئی۔ایک سالہ طٰہٰ جسے وہ کھلونوں کے ساتھ کھیلتا چھوڑ کر گئی تھی، بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی سب سے نچلی دراز کھولے اس میں سے چیزیں نکال نکال کر باہر پھینک رہا تھا۔ یہ دراز عموماً بند ہی رہتی تھی۔

''ارے بیٹا! یہ کیا کر رہے ہیں آپ ...شرارتی بچے۔'' شرمین نے طٰہٰ کو اٹھا کر گدگدایا۔ وہ ہنسنے لگا۔ اس نے اس کا سر اور منہ چوما اور اس کو اپنی ساس کے حوالے کر کے آئی تاکہ وہ اپنے کام نمٹا سکے۔ کھلونوں کا باکس اسٹور روم میں رکھوا کر وہ واپس اپنے کمرے میں آئی اور نیچے بیٹھ کر دراز سے نکلی ہوئی چیزیں اور کاغذ سمیٹنے شروع کیے۔ سب کچھ دراز میں ڈال کر اس نے اسے بند کیا اور کھڑی ہوگئی۔ چند کاغذ اس کے پیروں کے نیچے آگئے۔ اس نے جھک کر کاغذ اٹھائے۔ یہ تین چار کاغذ تھے جو آپس میں اسٹیپل کیے گئے تھے۔ اس کی سرسری سی نگاہیں ان کاغذات پر پھسلنے لگیں اور پھر پھٹ سی گئیں۔ وہ بے دم ہو کر گرنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔ یہ کاغذات طٰہٰ اور جاذب کا ڈی۔این۔اے ٹیسٹ اور اس کی رپورٹ تھے۔ جس میں اس بات کی تصدیق کی گئی تھی کہ طٰہٰ، جاذب کی اولاد ہے۔ شرمین کا سر گھومنے لگا۔

''انگریز بچہ ہے..... پورا انگریز.....''

''تمہارا بچہ ہے؟ لگتا تو نہیں۔'' مختلف آوازیں گڈمڈ ہونے لگیں پھر شرمین کے سامنے جاذب کا سرد اور عجیب سا رویہ گھومنے لگا۔

''تم خود سنبھالو اپنا بیٹا۔''

''مجھے تو لگتا ہے یہ صرف تمہاری اولاد ہے۔ ہم دونوں کی آنکھیں تو ایسی نہیں۔'' جاذب کی آواز کہیں دور سے ابھری۔

''تو کیا جاذب نے مجھ پر شک کیا..... یعنی جاذب اس بارے میں شبہے کا شکار تھا کہ طٰہٰ اس کی اولاد ہے یا کسی اور کی..... اوہ میرے اللہ! جاذب نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں اولاد کی خاطر کسی انگریز کے ساتھ..... نہیں، نہیں۔'' شرمین پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے کاغذوں کو پُرزہ، پرزہ کر کے ڈسٹ بن میں ڈالا اور پھر سے رونے لگی۔ اسے خالہ ساس کا وہ جملہ بھی یاد آگیا کہ طٰہٰ کی سالگرہ پر آکر انہوں نے کہا تھا۔ اللہ بخشے ہمارے ماموں کی آنکھیں بھی ایسی ہی تھیں، کبھی، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نین نقش رنگ روپ تیسری چوتھی نسل میں جا کر منتقل ہو جاتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ ڈی این اے کی رپورٹ کا اثر تھا یا خالہ ساس کی بات کا کہ جاذب نارمل ہونے لگا تھا..... مگر اب یہ رپورٹ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر شرمین شاک میں چلی گئی تھی۔

''جاذب مجھے بچپن سے جانتا تھا۔ تو کیا اس کی محبت صرف دکھاوا تھی۔'' اسے شاید خبر نہیں تھی کہ مرد عورت سے محبت تو دل کی گہرائیوں سے کرتا ہے مگر عورت کا اعتبار اس کے دل میں محبت جتنا گہرا نہیں ہوتا۔ عورت اس کے ساتھ کتنی بھی باوفا اور پُرخلوص ہو، ایک چھوٹی سی بات جس پر عورت کو کوئی اختیار بھی نہ ہو وہ مرد کو اس کے حوالے سے مشکوک کر دیتی ہے۔

''میں اپنی وفا اور خلوص کا پانی دے کر یہ سمجھتی رہی کہ جاذب کے دل میں میری محبت تناور درخت بن چکی ہے۔ جسے کوئی نہیں اکھاڑ سکتا۔ مگر میری محبت تو اس کے دل میں صرف گھاس جتنی اونچی ہی ہوئی جسے جب چاہا پیروں تلے مسل دیا جائے۔'' وہ جتنا سوچتی اتنا ہی اس کا دل ڈوبتا۔ شرمین کی حالت کی اس وجہ سے جاذب سمیت سب لاعلم تھے کیونکہ وہ تو اپنے تئیں ان کاغذات کو کب کا ضائع کر چکا تھا اور یہ بات بھول چکا تھا کہ اس نے ڈی۔این۔اے ٹیسٹ کے بعد طٰہٰ کو اپنی اولاد تسلیم کیا تھا۔ مرد کے لیے بھولنا بہت آسان ہے مگر عورت کے لیے نہیں۔ شرمین بھول ہی تو نہیں پا رہی تھی بے اعتباری کے اس کوڑے کی اذیت کو..... بھول جاتی تو نارمل ہو جاتی۔ وہ جاذب کے اعتبار سے محروم ہو کر اندر سے مر گئی تھی اور اب اسے اپنی اس لاش کو اپنے کندھوں پر اٹھائے بظاہر زندہ رہنا تھا۔

❁❁❁

بڑی بہو

مریم شہزاد

سب بہت خوش تھے خاندان کے سب سے امیر
رانے کے سب سے ہونہار سپوت کے لیے ایشا کا
نہ آیا تھا مگر جب ایشا کو یہ معلوم ہوا کہ وہ گھر میں
ئی بہنوں میں سب سے بڑا ہے اس نے صاف انکار
کر دیا۔

''نہیں کرنی مجھے وہاں شادی۔'' ایشا نے کہا تو سب اس کو دیکھتے رہ گئے۔

''کیوں بھئی، اتنا اچھا رشتہ ہے، اتنے اچھے

لوگ ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کتنے مان سے کتنے چاؤ سے تمہارا ہاتھ مانگا ہے پھر کیا وجہ ہے انکار کی۔'' آپی نے حیران ہو کر کہا۔

''اور ابھی تو لڑکے کی فوٹو دیکھ کر آپ بہت خوش تھیں۔'' فرح نے بھانڈا پھوڑا۔

''اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ گھر میں سب سے بڑا ہے۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''بس آپی، آپ منع کر دیں امی ابو... کوئی بھی بہانہ کر دیں مگر یہاں نہیں۔''

''لیکن امی وجہ پوچھیں گی۔''

''آپی.....!'' اس کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔

''سب کچھ بے شک بہت اچھا ہے مگر.....''

''مگر؟'' آپی نے سوال کیا۔

''مگر مجھے بڑی بہو نہیں بننا۔'' وہ جلدی سے بولی

''کیا مطلب؟'' ردا آپی حیرانی سے بولیں۔

''بڑی بہو نہیں بننا، یہ کیا بات ہوئی؟''

''کیوں؟ کیا آپ بڑی بہو نہیں ہیں، جو مجھ سے مطلب پوچھ رہی ہیں، امی بڑی بہو نہیں تھیں؟ اور وہ شاہینہ بجو اور وہ امبر اور پھر اپنی پھپھو اور خالہ سب کی بڑی بہوؤں کو دیکھ لیجیے پھر بھی آپ مجھ سے وجہ پوچھ رہی ہیں؟'' ایشا نے تلخی سے کہا۔

''ایشا میں واقعی نہیں سمجھی، تم آخر کیا کہنا چاہ رہی ہو۔'' ردا نے الجھتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ واقعی نہیں سمجھیں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں؟'' ایشا نے آپی کی طرف دیکھا اور بے یقینی سے کہا تو ردا نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''کیا ہو گیا ہے آپی سامنے ہی کی تو بات ہے، ہمیشہ بچپن سے ہی امی کو دادی کی زیادتیاں سہتے دیکھا مگر ہماری امی جان بھی دل و جان سے اُن کی خدمت میں لگی رہیں، ہم بچوں کو سمجھا بجھا کر نظر انداز کر دیتی مگر دادی کو ہر وقت ایڈجسٹمنٹ ملتیں لیکن پھر بھی آج تک پرائی کی پرائی ہی ہیں آج تک اُن سے باتیں چھپائی جاتی ہیں مگر امی آج بھی ہر، ہر بات سب کو بتائیں گی اور ان سے مشورہ لیا جائے گا، اور اب ہماری چاچیاں کتنے عیش میں ہیں اب تو ایسا لگتا ہے دادی ڈرتی ہیں ان سے، چاچو جان مجال ہے کہ ایک لفظ بھی کہنے دیں ان کو اور وہ چھوٹی چاچی ان کے تو آرام ہی ختم نہیں ہوتے اور ہمیشہ بیچاری روبی، بیچاری روبی ہی ہوتا ہے جبکہ امی تو چھلے میں بھی سارے کام کر رہی ہوتی تھیں۔'' اس نے اپنے بچپن کی یادوں کو ٹٹولا۔

''پھر آپ، آپ اپنا وقت بھول گئیں کیسے روتی ہوئی آتی تھیں کہ اب نہیں جاؤں گی وہ تو ارسل بھائی نے آپ کا کتنا ساتھ دیا تب آپ سیٹ ہوئیں اور اب آپ کی دیورانی ذرا ان کو بھی دیکھ لیں۔'' ایشا کہتی چلی گئی۔

ردا اس کی باتوں کو سن کر ششدر رہ گئی کیا چل رہا تھا اس کے دماغ میں، اس کا ذہن اپنی شادی کے شروع دنوں کی طرف چلا گیا۔

''امی میں نہیں جاؤں گی اب اس گھر میں، پتا نہیں میری ساس کیوں نہیں سمجھتیں۔'' وہ روتے ہوئے امی سے کہہ رہی تھی۔ ''وہ سمجھتی ہیں کہ میں ایکٹنگ کر رہی ہوں، امی ان کو کچھ نہیں ہوتا تھا پریگننسی میں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ مجھے بھی متلی اور قے نہیں ہو سکتی۔'' ردا نے پچھلے دنوں کو یاد کر کے ایک جھرجھری سی لی پھر بڑی مشکل سے اس نے الفاظ جمع کیے اور بولی۔

''ایشا تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن اصل میں ہوتا یہ ہے کہ ساس بھی پہلی دفعہ ساس بنی ہوتی ہیں ناں اور بہو کے لیے بھی کوئی رول ماڈل نہیں ہوتا اس لیے ہی دونوں کی سمجھ نہیں آتا کہ کیا کرنا ہے تو اس لیے گڑبڑ ہو جاتی ہے آہستہ، آہستہ سمجھ آتی رہتی ہے تو سب سیٹ ہو جاتا ہے۔''

''واہ کیا کہنے ہیں آپ کے..... تو کیا انہوں نے اپنی ساس کو نہیں دیکھا ہوتا؟'' ایشا تلملا گئی۔

''سب کا ماحول الگ، الگ ہوتا ہے دیکھو بہن بھائی سب ایک ہی گھر میں پلے بڑھے ہوتے ہیں مگر سب کے مزاج الگ، ماحول الگ ہوتا ہے۔'' ردا نے

سمجھایا مگر ایشا کچھ سمجھنے پر تیار نہیں تھی۔

''سوری آپی، آپ امی کو بتا دیں اور وجہ بھی چاہے تو بتا دیں میں قربانی کا بکرا نہیں بن سکتی۔ سارا درد ہم سہیں اور آگے آنے والوں کو پکا پکایا حلوا مل جائے، یہ خوب کہی آپ نے آپ بھول گئی ہوں گی سب کچھ مگر مجھے آپ کا رونا اور امی کا سمجھانا سب یاد ہے اور جو آپ یہ کہہ رہی ہے ناں کہ اب تو سب ٹھیک ہوگیا تو اس میں امی اور آپ جیسی لڑکیوں کا ہاتھ ہے ورنہ میری سہیلی وردہ کی طرح ہوتیں ناں تو ایک کی دس سناتیں، روتی نہیں بلکہ رُلاتیں۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہا تو ردا بولی۔

''ہماری ایسی تربیت نہیں ہے ورنہ بولنا سب کو آتا ہے۔'' انہوں نے کہا اور اس کے پاس سے اٹھ کر آ گئی اور امی کو تفصیل بتائی مگر اس کو وہ ساری باتیں یاد آ رہی تھیں جن کی وجہ سے کتنی ہی دفعہ اس کا گھر ٹوٹتے ٹوٹتے رہ گیا تھا۔ وہ تو امی نے ہمیشہ اپنی مثال دے، دے کر سمجھا بجھا کر اس کو واپس بھیج دیا تھا ورنہ تو نہ جانے کیا ہوتا۔

امی نے بھی جب ایشا کے خیالات سنے تو کچھ لمحوں کے لیے وہ بھی پریشان ہوگئیں مگر پھر انہوں نے ایشا سے خود بات کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اچھے رشتے مشکل سے ہی ملتے ہیں۔ وہ اس کے پاس آئیں اور اس کو سمجھانا چاہا۔

''ایشا بیٹی سب کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا کبھی، کبھی بہو۔یں بھی تو بیٹوں کو ماؤں سے جدا کر دیتی ہیں تو کیا مائیں بیٹوں کی شادی کرنا چھوڑ دیں گی۔ اور بیٹا پھر اتنے اچھے دیکھے بھالے لوگ ہیں کوئی ڈیمانڈ بھی نہیں۔ پھر بلاوجہ انکار کیا معنی رکھتا ہے۔''

''کیا مطلب امی، میں وجہ بتا تو رہی ہوں۔'' ایشا زچ ہوگئی۔

''بیکار کی باتیں مت کرو، یہ کوئی وجہ نہیں ہوتی، اور کسی نہ کسی نے تو بڑی بہو بننا ہی ہے تو وہ تم کیوں نہیں، سب سے زیادہ چاؤ بھی پہلی بہو کے ہی اٹھائے جاتے ہیں اور بعد میں اس کی قدر بھی بہت ہوتی ہے۔ بے شک کچھ پریشانیاں آتی ہیں مگر بقول تمہارے تم نے کتنی ہی بڑی بہوؤں کو دیکھا ہوا ہے تو تم کو تو کافی سمجھدار ہونا چاہیے ناں ویسے بھی تم میری بیٹی ہو۔ میری تربیت یافتہ ہو۔'' امی نے اپنی بات پر زور دے کر کہا تو اس نے ایک بار پھر احتجاج کرنا چاہا۔

''بھلا امی ساسوں کے آگے ہماری سمجھداری چلتی ہے؟ وہ تو کبھی ماں باپ کی عزت کے لیے تو کبھی شوہر کی محبت میں سمجھوتا کرنا ہوتا ہے۔''

''یہ سمجھوتے ہی ہوتے ہیں میری شہزادی جو گھر بنائے رکھتے ہیں، کہیں بہو تو کہیں ساس، اگر دونوں سمجھداری سے کام لیتی رہیں تو زندگی آسان ہو جاتی ہے اور جب مائیں اتنے چاؤ سے اپنے بیٹے کی دلہن بیاہ کر لاتی ہیں تو ان کے بھی تو بہت ارمان ہوتے ہیں۔ وہ محبت میں ہی اپنا حق جتاتی ہیں۔''

''ویسے امی آپ برا نہیں مانیے گا میں کوئی بدتمیزی نہیں کر رہی مگر آپ خواہ مخواہ مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہی ہیں چلنی تو آپ کی بھی نہیں، دادی جو فیصلہ کریں گی آپ کو بھی اسی کو ماننا ہوگا، آپ کوئی چھوٹی چاچی تو ہیں نہیں کہ اپنی چلائیں گی۔'' وہ شرارت سے بولی تو امی نے اس کو آنکھیں دکھائیں اور اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں کہ کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہی تھی اور ایک ہفتے بعد ہی اس کی قسمت کا فیصلہ اس کی منگنی کی صورت میں ہوگیا جو ہمیشہ کی طرح دادی حضور نے کیا تھا اور اس نے بڑی بہو بننے کے لیے کمر کس لی کیونکہ بقول امی صبر اور شکر دو ایسے ہتھیار ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں اور پھر شادی تو ایک لازمی امر ہے زندگی کا کس کو کیسا پھل ملے برتے بغیر تو کوئی نہیں جانتا۔

''تو ٹھیک ہے ایشا بیگم تم بڑی بہو ہی سہی۔'' اس نے ایک گہری سانس لی اور اپنی منگنی کی مٹھائی منہ میں رکھ لی کیونکہ چم، چم کو تو وہ چھوڑ ہی نہیں سکتی تھی وہ پُرامید تھی کہ چم، چم کے اس شیریں ذائقے.... اور نرمی کا خوشگوار اثر اس کی شادی شدہ زندگی پر بھی ضرور آئے گا۔

❁❁❁

ناولٹ

بوجھ

روحیلہ خان

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا بیٹا۔''

''میں نے وہی کیا امی جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔''

''تم جانتی ہو کہ تمہارے اس فیصلے سے کیا ہوگا.....''شہناز بیگم کا دل بیٹھ رہا تھا۔

''نہ تو آسمان زمین پر گر پڑے گا اور نہ ہی زمین میں زلزلہ آئے گا۔ آپ کیوں اتنی خوفزدہ رہتی ہیں.....''

اُن کا چہرہ دیکھ کر اس کا سارا موڈ خراب ہوگیا تھا۔

''میں خوفزدہ ہوں..... ہرگز نہیں..... تم اپنی

حدیں پار کررہی ہو..... خدا کا خوف کرو عینی.....! ہمارے خاندان میں ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔''

''تو نہ ہو اب ہو رہا ہے ناں.....'' اس نے ان کا جملہ بیچ سے ہی اچک لیا۔

''عینی بیٹا.....! ذرا سوچو تمہارا بھائی، بھابی..... عمرانہ کی سسرال اور.....'' اب وہ خاندان بھر کی تفصیلات فراہم کر کے اس کے بپھرے جذبات کو تھپکنے کی کوششیں کررہی تھیں۔

''کون سا بھائی..... ہاں بولیے..... وہ بھائی جس نے ابا کی آنکھ بند ہوتے ہی اپنا گھر کا حصہ ہی الگ کرلیا اور بھابی..... وہی بھابی ناں جنہوں نے ارسلان کے گھر والوں کے کان بھرے..... بولیے ناں وہی بھابی.....'' وہ سلگ اٹھی..... آنسو خود بخود پلکوں سے چھلک رہے تھے۔ بے عزتی کے احساس سے وجود میں چنگاریاں سی ابھر رہی تھیں۔

''جانتی ہوں میری جان..... ارسلان کی وجہ سے تمہارا دل ٹوٹا ہے۔ لیکن دنیا بھر میں ایک ارسلان ہی تو نہیں ہے ناں.....'' ممتا بھرا دل تڑپ اٹھا..... انہوں نے اس کا آنسوؤں سے بھیگتا چہرہ تھاما۔

''امی.....'' وہ ان کے سینے سے لگ گئی اور پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔ وہ انہیں کیسے بتاتی کہ اسے ارسلان جیسے بے ڈھب، خود غرض اور انا پرست شخصیت کے حامل رشتوں سرکاری کلرک سے تو پہلے ہی کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن یہ شہناز بیگم کے ہی دل کا ارمان تھا کہ دونوں بیٹیوں کی رخصتی کا فرض ایک ساتھ ادا کر کے اپنے شانے ہلکے کرلیں۔ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ کسی نے نہ جانے کب چپکے سے ارسلان کے گھر والوں کے اس کے خلاف ایسے کان بھرے کہ انہوں نے رشتہ ختم کرنے میں عافیت سمجھی..... ویسے یہ کسی کا خیال صرف شہناز بیگم کا ہی تھا جبکہ اسے یقین تھا کہ ایسی گری ہوئی حرکت ماسوائے عشنہ بھابی کے اور کوئی نہیں کرسکتا جنہیں بات بے بات ساس، نندوں کو زک پہنچا کر قلبی سکون ملتا..... شہناز بیگم کی آنکھوں پر تو سوتیلے بیٹے اور بہو کی جھوٹی محبت کی پٹی بندھی تھی۔ شاید یہ خاندان کی جانب سے ایک ان دیکھا نفسیاتی دباؤ بھی تھا۔ کہنے کو تو ساجد..... شہناز بیگم کی سگی بڑی بہن قدسیہ کی اولاد تھے لیکن ان کے پیدا ہوتے ہی شہناز بیگم ہی تھیں جنہوں نے جواں سال بہن کی آنکھیں بند ہوتے ہی ننھے ساجد میاں کو اپنی گود میں لے لیا تھا اور پھر کبھی انہیں دوسری ماں ہونے کا احساس تک نہ ہونے دیا پر جہاں بیٹا جوان ہوا اور پڑھ لکھ کر کمانے کے قابل ہوا عشنہ بیگم نے انہیں اپنی زلفوں کا اسیر کچھ اس طرح کیا کہ شہناز بیگم کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہاں کرنا ہی پڑی پھر خاندان کا معاملہ بھی تھا۔ عشنہ ان کے شوہر نامدار طفیل احمد کے رشتے کی بھانجی تھی جو پڑوس میں کرایے کے گھر میں آکر تو محض سال ڈیڑھ سال ہی رہے پر ساری زندگی کے لیے بیٹا اپنے قابو میں ہی کرلیا اور وہ بھی کچھ ایسے کہ ساجد میاں اپنی سگی خالہ کی ساری قربانیوں، محنتوں اور مشقتوں کو بھول کر صرف عشنہ کے ہی ہو رہے۔

''میم! سب ٹھیک ہے ناں.....'' نقطے جیسی چمکتی آنکھوں والی ائر ہوس کے دانت موتی کے مانند دمک رہے تھے۔

''ہوں.....'' وہ مسحور سی کیفیت میں اس کی جانب دیکھ رہی تھی پر اندر اس کے دماغ میں ایک الگ ہی شور بپا تھا۔

''آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں..... آپ غالباً پہلی بار ہوائی جہاز میں سفر کررہی ہیں۔'' اس نے ذرا چونک کر اپنے اردگرد دیکھا سب مسافر اپنے، اپنے حال میں گم تھے۔ دھیمی، دھیمی سرگوشیاں ابھرتے شگفتہ قہقہے، مسکراتے اور خاموشی کی داستان سناتے چہرے ایک عجیب انجانا سا ماحول سردسی... لہر بن کر اس کے وجود میں سرسرایا۔

''اوہ..... یس یس..... آئی ایم فائن..... اچھی ہوں، اچھی ہوں میں۔'' وہ بری طرح سے گڑبڑا رہی تھی۔ چمکتی خوب صورت ملائم جلد والی فضائی میزبان

نے بڑی اپنائیت سے اس کی جانب ٹشو پیپر بڑھایا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے رخسار تو آنسوؤں سے تر ہورہے ہیں۔ اس نے کچھ خجالت سے ٹشو پیپر اس سے لیا اور اپنے چہرے کو نرمی سے تھپتھپانے لگی۔

''اگر آپ کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو میں حاضرِ خدمت ہوں میم.....'' یقیناً یہ اس کی پیشہ ورانہ ذمے داریوں میں شامل تھا لیکن اس وقت اسے یہ الفاظ ٹھنڈے مرہم کے مانند اپنے دل پر محسوس ہوئے اور وہ ماضی کی تلخ و تنگ گلیوں سے نکل کر آسمان کی بلندیوں میں کھل کر سانس لینے لگی۔

''اوکے..... آپ کا بہت شکریہ.....!''

خوب صورت دبلی پتلی فضائی میزبان نے اپنا سر ذرا خم کیا اور مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

یہ سفر سننے میں جتنا سہانا لگتا تھا حقیقتاً ایسا نہ تھا طویل اور تھکا دینے والا۔ عمان کے ائرپورٹ پر فلائٹ کو کچھ دیر رکنا تھا اس کے بعد کوالالمپور کی روانگی تھی لیکن عمان پر قیام ڈیڑھ گھنٹے سے کچھ زیادہ طویل ہوگیا تھا۔ اس کے اردگرد مسافر اپنی، اپنی مصروفیات میں گم تھے اور وہ ایک بار پھر یادوں کے سفر پر چل نکلی۔

''آپ نے مجھے بتانا بھی مناسب نہیں سمجھا..... کیا یہی حیثیت یہی رتبہ ہے میرا اس گھر میں.....'' وہ غصے سے لال پیلا ہورہا تھا۔

''ساجد بیٹا.....! یقین جانو..... میں خود انجان تھی..... مجھے تو خود ابھی پتا چلا ہے۔'' شہناز منمنا رہی تھیں۔

''اچھا تو نہیں لگتا امی جان.....! لیکن یہ ہی سچ ہے کہ آپ نے کبھی مجھے اپنا سگا بیٹا سمجھا ہی نہیں..... ہمیشہ سوتیلے پن کا شکار رہا ہوں میں... عشنہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

''اور کیا، کیا عشنہ نے ہمارے بارے میں کہا ہے..... ذرا کھل کر ایک بار سب کہہ ڈالیے..... تردد کیسا ہے.....'' وہ ابھی گھر میں داخل ہی ہوئی تھی کہ ساجد بھائی کی جذباتی اداکاری نے اس کے پیر جکڑ لیے تھے، وہ سننا چاہتی تھی کہ آخر اس لاوے کا رخ کس جانب ہے۔

''امی جان! میں اس آوارہ سے بات بھی کرنا پسند نہیں کرتا۔'' اس کی نظروں میں نفرت کی آمیزش گہری ہوچلی تھی..... شہناز بیگم تو اپنا کلیجا پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ کتنے پیار اور مان سے اپنا سمجھ کر پالا تھا اور آج اسی اولاد نے جسے انہوں نے کبھی سوتیلا سمجھا ہی نہیں تھا ان کی اپنی کوکھ سے جنم لینے والی اولاد کو کتنی روانی سے آوارہ کا خطاب دے کر ان کی تربیت پر کتنا بڑا سوال اٹھایا تھا لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا کہ اس سے ایسی ہی امید کی جاسکتی تھی۔

''تو پھر کیوں آئے ہیں یہاں..... جایئے..... جاکر اپنی بیگم کے قدموں میں بیٹھ جایئے..... ہمیں آپ کی رائے سننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''عینی..... تم بہت برا کررہی ہو..... تم اچھا نہیں کررہیں.....''

''ساجد بھائی..... میں اپنی علمی قابلیت کے بل بوتے پر اپنی مرضی سے ایک اچھی جاب پر جارہی ہوں..... اب اگر آپ اپنی کم تعلیم کے باعث کچھ نہ کرسکے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔'' اس نے اندر بھڑکتی آگ کو سرد کرنے کی پوری کوشش کرتے بڑے سکون سے جواب دیا۔

''دیکھ لیا امی..... یہ..... یہ آپ کی لاڈلی..... مجھے طعنہ دے رہی ہے۔ میری کم تعلیم کا..... ارے یاد کرو جب ابا بیمار تھے تو کون کمانے گھر سے نکلا تھا..... میں..... ہاں..... میں نکلا تھا۔'' احسان جتانے کا موقع خوب ہاتھ لگا تھا۔

''سب یاد ہے..... اکاؤنٹنگ کے پیپر میں پھر لڑھک گئے تھے۔ دوبار تو پہلے ہی فیل ہوچکے تھے.....'' اس نے بھی تڑ کی پہ تڑ کی جواب دیا۔

''احسان فراموش ہو تم سب..... احسان فراموش.....'' وہ گرج رہا تھا۔

''خدا کے لیے ساجد بھائی..... آپ اپنے گھر چلے جائیں، پڑوسی کیا سوچیں گے ہمارے بارے میں.....'' عمرانہ، شہناز بیگم پر ہی گئی تھی ذرا سی بات پر

ہاتھ پیر پھلا لیتی تھی پھر نہ جانے کیسے اتنی ہمت آ گئی جو یوں بڑے بھائی کو ٹوکنے چلی آئی تھی۔

''تو تمہارے بھی پر نکل آئے ہیں.....'' وہ پھر غرایا۔

''چلے جائیے یہاں سے..... آپ کی کمائی نہیں کھاتے..... اپنے باپ کی پنشن پر پل رہے ہیں، کوئی حق نہیں جتا سکتے آپ ہم پر.....'' وہ بھی حلق پھاڑ کر بولی تو کچھ لمحے وہ بھی سناٹے میں رہ گیا۔ اس قدر بہادری، اتنی بے باکی، اتنی جرأت، اب اس کے وہاں پر رکنے کا کوئی جواز نہ رہا تھا۔ لہٰذا پیر پٹختا لوٹ گیا۔

اس کے جانے کے بعد وہ تینوں ماں، بیٹیاں ایک دوسرے کے گلے لگ کر یوں بلک، بلک کر روئیں جیسے طفیل احمد کے اس دنیا سے گزر جانے پر روئی تھیں۔ یہ زندگی بھی کس قدر عجیب ہے، ایک ہی جیسے سین بار، بار کتنی بار گزرتے ہیں جن کی تکلیف اور اذیت ساری عمر بھلائے نہیں بھولتی.....

ائرپورٹ پر مسافروں کی آمد و رفت، تیز روشنیاں دھیمی، دھیمی ٹھنڈک بہت سی آوازوں کی بھنبھناہٹ ساز و سامان کی حفاظتی رکاوٹوں سے گزرنے کے مناظر ڈیوٹی دار اہل کاروں کے سوال جواب سب کچھ جیسے خواب کے مانند پھسلتا سا جا رہا تھا..... ایسے جیسے اس کے وجود کی اہمیت اس منظر میں محض ایک روئی کے گالے کی سی ہو..... بے اثر..... بے حقیقت..... ہوا کی طرح کبھی اِدھر تو کبھی اُدھر..... وہ گم صم سی اپنی ٹرالی دھکیلتی آگے بڑھ رہی تھی شاید اب وہ کچھ خوفزدہ بھی تھی۔ ایک نیا دیس نئے لوگ، اجنبی ماحول پہلے تو یہ سب کس قدر آسان سا سوچ لیا تھا اس نے کہ یوں کانوں میں ہیڈ فون لگائے گانے سنتے سفر گزار دیا جائے گا..... عمان کے ائرپورٹ پر اتر کر اپنے تئیں شاپنگ نہ سہی تو ونڈو شاپنگ سے ہی اپنے آپ کو بہلایا جائے گا پھر یونہی کسی فلمی ہیروئن کی طرح ٹھک، ٹھک ایڑی بجاتی بڑے اسٹائل سے اپنا سامان دھکیلتی کولالمپور کے ائرپورٹ پر چلتی چلی جائے گی اور پھر اچانک کسی سے اس کی مڈبھیڑ ہو گی اور کوئی.....

''ایکسکیوزمی میم.....'' کسی نے اسے پیچھے سے پکارا اور خیالات کا سلسلہ منقطع ہو گیا اس نے چونک کر پلٹ کر دیکھا ایک معصوم سی تیرہ چودہ سالہ بچی اپنی چھوٹی مندی، مندی سی آنکھوں سے اسے مسکراتے دیکھ رہی تھی۔

''یور گلاسز میم.....'' وہ دوڑتی ہوئی نزدیک آئی اور اس کے ہاتھ میں اس کا سیاہ چشمہ تھمایا جو غالباً کہیں گرا تھا اور وہ پیاری سی بچی اسے لوٹانے آئی تھی۔

''تھینکس ڈیئر..... تم بہت پیاری بچی ہو.....'' اخلاقاً اسے کہنا پڑا بچی چلی گئی اور وہ ڈھائی سو روپے میں خریدے گئے ان گلاسز کو دیکھتے ہوئے پھر آگے کی جانب بڑھی جسے اس نے اتوار بازار سے خریدا تھا۔

''چلو اچھا ہی ہوا مل گئے..... بلاوجہ ڈھائی سو روپے ضائع ہو جاتے۔'' پون گھنٹا ہونے کو آیا تھا اور ابھی تک اسے لینے کوئی نہیں آیا تھا اس کا تو دل ہولنے لگا تھا۔

''اُف خدایا..... اب کیا ہو گا..... کہیں ایسا تو نہیں کہ صبا کو میرا میسج ہی نہ ملا ہو..... ہائے، ہائے ..... اب کیا ہو گا..... پر ایسا کیسے ہو سکتا ہے..... صبا سے تو خود میری فون پر بات ہوئی تھی۔ ہاں، ہاں بات ہوئی تھی اور اس نے بڑے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ وہ خود مجھے ریسیو کرنے آئے گی..... پر کب..... خدایا یہاں تو تقریباً سارے ہی لوگ جا چکے ہیں..... اگر صبا نہ آئی تو.....'' اس کا سر ذرا چکرایا تب ہی کسی نے بڑی مضبوطی سے اس کا شانہ تھاما۔

''آر یو آل رائٹ.....'' مردانے پرفیوم کی بھینی، بھینی مہک اس کے اردگرد خرمستیاں کرنے لگی، لمحے بھر کو وہ جیسے سب کچھ بھول سی گئی اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ چونک اٹھی۔

''یس..... آئی ایم فائن..... میں ٹھیک ہوں تھینک یو.....'' اس کی گرفت سے اپنا آپ چھڑاتے اسے کچھ خجالت سی محسوس ہو رہی تھی اس سے پہلے کبھی کسی کی اتنی جرأت ہی نہیں ہوئی تھی کہ اسے ہاتھ بھی لگا سکے اور اس کم بخت نے تو بالکل ڈرامائی انداز میں.....

''آپ بھی اسی فلائٹ سے آئی ہیں..... میں نے آپ کو پلین میں بھی دیکھا تھا.....'' وہ پوچھ رہا تھا یا بتا رہا تھا۔

''جی میں پاکستان سے آئی ہوں.....'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے ایک نظر اس پر ڈالی..... غالباً پانچ فٹ دس انچ کا خاصا اسمارٹ سا بندہ شکل صورت بھی ٹھیک ٹھاک ہی تھی۔ البتہ اس کی گہری سیاہ بڑی، بڑی آنکھیں جو خاصی دلچسپی سے اسے گھور رہی تھیں۔

''تکو کہیں کا.....'' وہ زیرلب بڑبڑائی۔

''آپ نے مجھ سے کچھ کہا.....'' وہ ذرا مسکراتے ہوئے اس سے مخاطب تھا۔

''نن..... نہیں..... میں نے آپ سے کچھ نہیں کہا۔'' خفت سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

''کم بخت کے کان بڑے لمبے ہیں.....''

''کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ..... وہ کچھ بھی نہیں بولتے..... پھر بھی انہیں سن لیا جاتا ہے.....'' وہ ذرا شرارتی انداز میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا..... جواباً وہ صرف خاموش ہی رہی اور بلاوجہ ہی اپنے بال سمیٹنے لگی۔

''مجھے شرجیل احمد کہتے ہیں۔''

''کہتے ہوں گے۔'' اب کی بار وہ اپنی بڑبڑاہٹ کو نہ روک سکی اور بے ساختہ اس کا قہقہہ ابھرا۔

''توبہ ہے خدایا..... ایک تو صبا منحوس غائب ہے اور اوپر سے یہ جان کا جنجال پیچھے ہی پڑ گیا۔'' اس کے دل سے صدا ابھری۔

''جی بالکل اسی طرح..... اسی طرح کی لڑکیاں مجھے پسند ہیں، نڈر اور بے باک قسم کی۔'' اس نے اپنی پسند کی لڑکیوں کی خصوصیات یوں فرمائیں جیسے وہ کسی شادی دفتر میں کام کرنے والی آنٹی جی ہو۔

''معذرت کے ساتھ..... مجھے اس قسم کے مرد حضرات بالکل پسند نہیں جو ہر راہ چلتی لڑکی پر ڈورے ڈالنے لگیں۔'' وہ آنکھیں نکالتے اس پر خفا ہونے لگی تھی۔

''راہ چلتی لڑکی..... ارے واہ ہم دونوں نے پچھلے پورے گیارہ گھنٹے ایک ہی چھت تلے ساتھ گزارے..... اور آپ ہیں کہ اتنی انجان بنی رہی ہیں.....'' وہ خواہ مخواہ ہی فری ہو رہا تھا۔ قرۃ العین کا تو پارہ مانو.. آسمان پر پہنچا۔

''اے مسٹر.....! ایک چھت تلے..... میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں..... آپ یہ نہ سمجھیے کہ ایک غیر ملک میں آپ کا یا کسی کا بھی جو دل آئے گا کہہ ڈالے گا..... میں بہت بری لڑکی ہوں.....'' اس کے تیور خطرناک دیکھ کر وہ ذرا سنجیدہ ہوا۔

''توبہ کریں جی محترمہ.....! آپ کا نام..... میں بھول گیا.....''

''اور میں نے آپ کو اپنا نام بتایا ہی نہیں تھا۔'' وہ خوب جانتی تھی کہ یہ پاکستانی لڑکوں کا پرانا حربہ ہے نام پوچھنے کا بھلا ہو صبا کا کہ جس نے اس کی ساری حفاظتی تدابیر کی ایسی کی تیسی کر دی۔ کہاں محترمہ گھنٹے بھر سے غائب تھیں اور کہاں تھا نیدار ٹائپ شرجیل صاحب سے بلاوجہ ٹکرانے اور بحث و مباحثے کے عین اہم پوائنٹ پر آ کر اس زور سے اس کا نام لے کر چیخی کہ وہ تو کیا اردگرد کے لوگ بھی اس کا نام حفظ کر چکے ہوں گے۔

''عینی.....'' صبا دور سے دوڑتی چلی آ رہی تھی۔

''تو آپ کا نام عینی ہے..... اور پورا نام..... قرۃ العین.....'' وہ ذرا کنفیوژن کا شکار تھا۔

''جی، جی یہ قرۃ العین ہی ہے۔'' صبا قریب آ کر چڑیا سی چہکی اسے ایک دم بریک لگا تھا۔

''بالکل..... میں بھی یہی کہہ رہا تھا کہ ہو نہ ہو..... یہ قرۃ العین ہی ہے۔'' وہ صبا سے یوں مخاطب تھا جیسے برسوں کا بچھڑا دوست ہو..... انتہا سے زیادہ لوفر ثابت ہوا تھا۔

''آئی ایم رئیلی سوری..... آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے عینی کا اتنا خیال رکھا..... میں کچھ ایسا پھنس گئی تھی کاموں میں کہ نہ پوچھیے.....'' وہ بھی اسے اپنی تاخیر کی وجوہات اپنا ہمجولی سمجھ کر بتائے جا رہی تھی وہ

اندر ہی اندر بری طرح سلگ رہی تھی، اس کا دل چاہا کہ صبا کے منہ پر ٹیپ لگا دے..... حد ہوتی ہے حماقت کی بھی..... جان نہ پہچان اور پٹر، پٹر باتیں کیے جا رہی تھی اور وہ موصوف اس صورتِ حال سے خاصا لطف لے رہے تھے اور اس کی جانب یوں دیکھ رہے تھے جیسے جانے کون سی بازی سر کرلی ہو۔

''ارے، ارے شکریے کی کیا ضرورت ہے..... ہم وطن ہونے کے رشتے سے یہ تو ویسے بھی میرا اخلاقی فرض تھا اور یقین جانیں ایسے فرض نبھاتے مجھے اکثر بڑی خوشی ہوتی ہے۔'' بے غیرتی کے کورس میں اس نے ڈگریاں پاس کر رکھی تھیں۔

''اوہ میری جان..... عینی.....'' خدا کا شکر ہی تھا کہ صبا کی بچی کو اس کا بھی خیال آیا..... اس نے بڑی محبت سے اسے اپنے سے لگایا۔

''فیملی سین.....'' وہ مسکرا کر زیرِ لب بڑبڑایا اور اپنے سامان کی ٹرالی گھسیٹتے ہوئے آگے بڑھا۔

''ارے سنیے تو.....'' اسے جاتا دیکھ کر صبا کے پیٹ میں پھر سے مروڑ اٹھا۔

''توبہ ہے صبا! جانے بھی دو اسے..... کب سے کھڑا میرا دماغ چاٹ رہا تھا۔'' اس نے اسے فوری ٹوکا تو صبا کو شاید اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''اچھا..... تو کیا تم اسے جانتی نہیں ہو.....؟'' صبا کے چہرے پر شرمندگی کے رنگ ابھرے۔

''نہیں بابا.....'' وہ چڑ کر بولی۔

''اوہ میرے خدایا..... میں سمجھی کہ تم دونوں نے ایک ساتھ ٹرپ ول کیا۔''

''دفع کرو اسے..... بھوک سے میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں..... اور کب سے یہاں خوار ہو رہی تھی تمہارے انتظار میں۔''

''اوہ مائی ڈیئر بے بی..... سوسوری..... بس ابھی چلتے ہیں..... تمہیں پتا ہے تمہارے لیے میں کیا، کیا بنا رہی تھی۔ ساری تمہاری پسند کی ڈشز.....''

''اور اسی چکر میں مجھے ہی بھول گئی تھیں.....''

دونوں سہیلیوں کے قہقہے ابھرے اور ان کی مدھم سرگوشیاں شور وغل میں مدغم ہوتی جا رہی تھیں۔ سڑکوں پر نئے ماڈلز کی گاڑیاں برق رفتاری سے ارد گرد سے گزر رہی تھیں۔ وقت دھیمے، دھیمے سرکتا رات کے گہرے پہر میں داخل ہو رہا تھا۔

☆☆☆

صبح کب ہوئی اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔ طویل سفر اور تھکن نے جیسے جوڑ، جوڑ میں درد سا بھر دیا تھا۔ کراچی میں جب کبھی کوئی مشکل کام سر پڑتا تو وہ کبھی انکار نہ کرتی..... عمرانہ کو تو بس اپنا گورا رنگ تپنے کی فکر لاحق رہتی تھی کہ کہیں دھوپ کی تمازت اس کی اسکن کو نہ جلا ڈالے، اسی لیے وہ ہی گھر بھر کا لونڈا بن گئی تھی۔ ساجد بھائی کے گھر الگ کر لینے کے بعد تو گیس، بجلی کے بل سے لے کر پانی کے ٹینکر کے حصول اور سودا سلف جیسی ذمے داریاں بھی اس کے سر آ پڑی تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ شہناز بیگم کو ہزاروں فکرات لاحق ہیں اوپر سے گھر کے اضافی کام کاج کا بوجھ بھی ان کے کندھوں پر ڈالنا ان کے ساتھ سراسر زیادتی ہے پر اسے خبر نہ تھی کہ اس نے اپنی ماں کے جس بوجھ کو اٹھانے کی خاطر ان ذمے داریوں کو نبھانے کی کوشش کی تھی وہی الزامات کا ڈھیر بن کر اس پر آن گرا تھا۔ جسے عشنہ بھابی نے اپنی زبان کی تیکھی مرچوں سے کچھ اور بھی سنگین کر دیا تھا کہ ارسلان کے گھر والوں تک ایسی، ایسی خبریں پہنچیں جس کے بارے میں وہ بالکل لاعلم تھی۔

''شکل دیکھی ہے کبھی آئینے میں غور سے..... وہ تو ارسلان ہی ہے جو اسے بیاہ کر لے جا رہا ہے..... ورنہ اس میں ایسے کون سے لال جڑے ہیں۔''

وہ کھڑکی ... ان کے کمرے کی جاب کھلتی تھی جسے ساجد بھائی نے کیلوں سے خوب ٹھونک دیا تھا لیکن باریک درزوں سے عشنہ بھابی کی آواز وہ بہ آسانی سن سکتی تھی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے ہی سنایا جا رہا ہو..... غالباً وہ کسی سے فون پر بات کر رہی تھیں۔

''تو اور کیا..... ارے میں نے خود اپنے کانوں

سے سنا ہے..... توبہ، توبہ..... اس قدر بے باک ہے کہ نہ پوچھو..... منہ پھاڑ کر ہنستی ہے مردوں کے سامنے..... بھئی خوب فن آتا ہے مردوں کو نچانے کا تب ہی تو ہر جگہ جا کر کام کروالیتی ہے، میری اور تمہاری جیسی ہو ناں تو بس منہ ہی دیکھتی رہے..... اور کیا شکل نہ صورت....." ایک زوردار قہقہہ اس کی سماعت میں شور مچا رہا تھا اس نے درد سے پھٹتی اپنی کنپٹیوں کو زور سے دبایا لیکن عشنہ بھابی کی زہریلی آواز شور مچا رہی تھی۔ وہ بستر سے اٹھی تب ہی اچانک اس کی نگاہ سامنے دیوار پر لگے قد آدم آئینے پر جا پڑی اپنا عکس دن کی سفید روشنی میں واضح نظر آرہا تھا۔ وہ بغور اپنا آپ دیکھ رہی تھی۔

"شکل نہ صورت....." عشنہ بھابی کی آواز کانوں میں چبھ رہی تھی۔

"جی..... بالکل اسی طرح..... اسی طرح کی لڑکیاں مجھے پسند ہیں..... نڈر اور بے باک....." اس کی صورت نگاہوں میں پھری..... چہرے پر خود بخود مسکراہٹ سی پھیل گئی۔

"کیا نام تھا اس کا..... ہوں..... شرجیل..... شرجیل احمد....." عشنہ بھابی کے لفظوں کی کڑواہٹ کہیں کھو گئی تھی۔ وجود میں ایک سرشاری کی سی کیفیت امڈ آئی تھی اور اس طرح سے پہلے کبھی کسی نے بھی تو نہیں کہا تھا۔ یہ بلا جھجک تعریف ہی تھی ناں..... یا..... شرجیل احمد کی گہری نگاہیں... پھر سے اسے وارفتگی سے گھورنے لگی تھیں اسے خود بخود شرم سی آگئی۔

"کتنا عجیب شخص تھا..... آیا بھی یوں اور چلا بھی یوں گیا جیسے....." وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"ارے واہ قرۃ العین صاحبہ..... آپ تو شاعری کرنے لگیں ایک اجنبی شخص کے رومانس میں۔" وہ اپنے آپ سے ہی مخاطب تھی یہ کیا..... اپنے کہے پر وہ خود چونک اٹھی۔

"رومانس..... اُف میرے خدا..... میں بھی ناں..... کھسک گئی ہوں۔"

شہناز بیگم کا فون آیا تھا وہ بہت ٹینشن میں تھیں کہ ان کی جان ہوائی جہاز میں پہلی بار سفر کر رہی تھی۔ پہنچی بھی ہے صحیح سلامت یا ہوا میں ہی کہیں معلق ہو گئی ہے اور پھر ان ہوا میں اڑتے جہازوں کی کیا خبر..... کریش بھی تو ہو جاتے ہیں سو طرح کے وہمات نے انہیں آگھیرا تھا۔ وہ بار، بار انہیں تسلی دے رہی تھی کہ وہ بہت آرام سے ملائشیا پہنچ چکی ہے صبا اسے لینے خود ائر پورٹ آئی تھی، اس نے خوب پیٹ بھر کے کھانا بھی کھالیا تھا یہاں کا پانی بھی بہت اچھا ہے، لوگ بھی اچھے ہیں، ماحول بھی اچھا ہے، گو اسے ابھی اس سرزمین پر اترے بمشکل دس، بارہ گھنٹے ہی گزرے تھے لیکن ماں کو مطمئن کرنے کے لیے اچھا، اچھا اور صرف اچھا..... کی ہانک لگانا ضروری تھا۔

"تمہیں نیند تو ٹھیک سے آئی ناں.....؟" صبا نے آتے ہی سوال داغا اور اپنے ہاتھ میں تھمے ڈھیروں شاپنگ بیگز ٹیبل پر رکھے۔

"شکر ہے..... سو گئی تھی لیکن تھکن اب بھی ہے۔"

"ظاہر ہے گھر میں بھی خوب بھاگ دوڑ تو ہوئی ہوگی..... پھر سفر کی ٹینشن بھی تھکا دیتی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ..... تم نے ناشتا کیا..... فریج میں سب رکھا تھا بتا کر گئی تھی ناں..... اور جوس تو میں نے پہلے ہی نکال کر رکھ دیا تھا رات تو تم اتنی تھکن تھیں کہ تمہیں کچھ یاد بھی نہیں رہا ہوگا۔" اسے ہمیشہ سے بہت بولنے کی عادت تھی خود ہی سوال پوچھ کر جواب بھی دے دیتی تھی۔ ان تین برسوں میں اس کا کچھ نہیں بدلا تھا، وہ اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتی رہی۔

"ارے کیا ہوا..... بولو ناں..... کچھ نہیں کھایا ناں..... بہت بے پروا ہو تم عینی..... ! ابھی تمہارے لیے کچھ لاتی ہوں..... ویسے دوپہر کے کھانے کی کوئی ٹینشن نہیں سب ریڈی ہے۔" وہ سب کچھ جلدی، جلدی کہہ کر جانے کے لیے مڑی تو اس نے شانے سے پکڑ کر اسے کھینچا۔

"ارے میری ماں..... جوس پی لیا تھا اور سلائس

بھی کھا لیے تھے۔ اب تمہاری فرینڈ ایسی بھی نہیں کہ اتنی دیر تک بھوکے پیٹ بیٹھی رہے۔''

''گڈ..... یہ تو اچھی خبر ہے..... اور سناؤ..... کیسا لگا یہاں آکر.....؟'' وہ دونوں کاؤچ پر بیٹھ گئی تھیں۔ صبا کے چہرے پر تجسس ابھر رہا تھا۔

''سچ تو یہ ہے کہ اپنا ملک..... اپنا ہوتا ہے بالکل امی کی طرح.....'' آج پہلی بار اسے اپنے ملک کی محبت میں ممتا کا عکس محسوس ہوا تھا وہ کچھ نم آنکھوں سے سامنے دیوار تک رہی تھی۔

''سوسوئٹ عینی.....'' صبا کی آنکھیں بھی جگمگانے لگی تھیں..... اس نے عینی کا ہاتھ محبت سے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''یہ کتنا عجیب سا احساس ہے ناں صبا.....''

''ہوں..... ٹھیک کہتی ہو ڈیئر..... جب میں پہلی بار شادی کے بعد عماد کے ساتھ یہاں آئی تھی ناں تو مجھے بھی کچھ ایسا ہی فیل ہوا تھا میں سمجھی تھی کہ ایسا صرف میں نے ہی محسوس کیا تھا..... لیکن تمہیں بھی ایسا ہی لگا۔''

ماحول کچھ افسردہ سا ہو چلا تھا۔ تب ہی اسے خیال آیا کہ عماد نظر نہیں آرہا تھا۔

''ارے عماد کہاں ہے؟'' ائر پورٹ پر بھی تم اکیلی ہی آئی تھیں۔

''ہاں وہ بزنس ٹور پر گیا ہوا ہے..... میں نے فون پر تمہیں بتایا تو تھا۔''

''اوہ ہاں..... میں تو بھول ہی گئی تھی۔'' دونوں سہیلیاں ایک دوسرے سے دیر تک باتیں کرتی رہیں..... صبا اپنے آفس سے آدھے دن کی چھٹی لے کر آئی تھی، وہ اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتی تھی۔ دونوں سہیلیاں اسکول کے زمانے سے ہی ایک دوسرے کی جان تھیں۔ کالج لائف بھی ان دونوں کی دوستی میں حائل نہیں ہوئی۔ صبا کی نسبت اس کے والدین نے عماد سے طے کر دی تھی جوان کے عزیز رشتے دار کا بیٹا تھا تو قرۃ العین کی منگنی ارسلان سے ہوگئی تھی۔ دونوں نے کمپیوٹر انجینئرنگ میں بیچلرز کیا تھا، صبا کا تو رزلٹ بھی نہیں آیا تھا کہ وہ بیاہ کر ملائشیا چلی آئی تھی جبکہ عینی کی زندگی میں عشنہ بھابی کی آمد اور طفیل احمد کی اچانک وفات نے بہت سے ہنگامے بپا کر دیے تھے..... وقت کتنی تیزی سے سرک رہا تھا، شہناز بیگم دونوں بیٹیوں کو بیاہ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی تھیں لیکن زندگی نے ایک کے بعد ایک تابڑ توڑ اس طرح حملے کیے کہ عینی کے نازک کندھوں پر سارا بوجھ آن پڑا تھا۔ اس کے شروع سے ہی پڑھائی میں اچھے رینکس آتے تھے اور یہ ہی اچھی رپورٹ اسے اعلیٰ کمپنیوں میں جاب دلانے میں اہم ثابت ہوئی تھیں۔ صبا کو بھی ملائشیا میں ایک اچھی جاب مل گئی تھی گو عماد کا اپنا بزنس چل رہا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنی ڈگری کو الماری میں قید رکھ کر ضائع کرنے کو حماقت سمجھتی تھی اور یہ اسی کا مشورہ تھا جو قرۃ العین نے اتنا بڑے فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ زندگی کے اس اہم موڑ پر اس کی بچپن کی سہیلی نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

☆☆☆

دھوپ چھاؤں زندگی کا حصہ ہیں..... مسرت اور سکون سے لبریز وقت کس قدر خوب صورت محسوس ہوتا ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ یادداشت کی تختی سے یہ لمحے جلد ہی مندمل ہو جاتے ہیں جبکہ دکھ، تکلیف اور اذیت چاہے وقتی ہوا کے جھونکے کے مانند آئے لیکن انسان جو فطرتاً ناشکرا ہے اچھے وقتوں کو دھکیل کر برے وقت کی یاد کو سینے لگا لیتا ہے اور کبھی، کبھی وہ مختصر سے لمحے اس کی پوری زندگی پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ وہ کبھی سوچتی کہ کہیں اس نے برے لمحوں کو اپنے دل کا بوجھ تو نہیں بنا لیا۔

''مس عینی.....! آپ کو کچھ مشکل تو نہیں ہو رہی؟'' میڈم روبانہ اس کے نزدیک کھڑی پوچھ رہی تھیں۔

''نو..... سب ٹھیک ہے میڈم.....''

وہ کچھ نروس سی تھی گو اس سے پہلے بھی اسے بڑی کمپنیوں میں کام کرنے کا تجربہ تھا لیکن پھر بھی ٹینشن سی سوار تھی۔

''آج آپ کا یہاں پہلا دن ہے ناں..... یقیناً آپ نروس تو ہوں گی لیکن یقین جانیں یہاں کا ماحول بہت پروفیشنل ہے۔''

''جی.....'' میڈم روبانہ ملائشیا کی مقامی رہائشی تھیں لیکن ان کا لہجہ بہت دوستانہ تھا، خواہ مخواہ ہی ہوا بنا رکھا تھا۔ دل ہی دل میں خود کو لتاڑا۔

چلو پہلا دن اچھا ہی گزرا تھا۔ وہ اپنی چیزیں سمیٹتے سوچ رہی تھی کہ پتا نہیں صبا کو یاد بھی ہوگا کہ نہیں یہاں سے اس کا اپارٹمنٹ کچھ ایسا دور بھی نہیں تھا۔ بالوں کی اونچی سی پونی بنائے وہ اسی ادھیڑ بن میں لفٹ سے اتر کر مرکزی سڑک پر جانے کے لیے سیڑھیاں اتر رہی تھی تب ہی کوئی اس سے ٹکرایا۔

''دوسرے ہی دن پھر سے وہی صورت سامنے نظر آتی ہے تو اس کا مطلب کیا.....؟'' اس نے چونک کر دیکھا تو بلیو جینز اور آف وائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس گہری آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں۔

''اوہ تو آپ.....'' اس کا منہ بن گیا یقیناً وہ جان بوجھ کر اس سے ٹکرایا تھا۔

''چلیے شکر آپ نے پہچان تو لیا مس قرۃ العین.....''

''کیا آپ اسی طرح لڑکیوں کا پیچھا کرتے رہتے ہیں۔''

''جی بالکل نہیں..... میں آج کل کے زمانے کا لڑکا ہوں، مس عینی.....! یہ 70 کی کوئی فلم نہیں..... مطلب یہ کہ آئی ایم لائک ہیرو..... لیکن.....''

''آپ کو خاصی غلط فہمی ہے اپنے بارے میں..... ہیرو.....'' وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔

''غلط فہمی نہیں..... خوش فہمی ہے اور اس میں برائی بھی کیا ہے..... اگر میں اس طرح خوش رہتا ہوں تو..... ویسے ہوں تو ہیرو.....'' وہ شوخ ہو چلا تھا۔ وہ جان چکی تھی کہ مسٹر شرجیل احمد اچھے خاصے باتونی اور چکو قسم کے ہیں ان کی فضول باتوں سے پیچھا چھڑانا اتنا آسان نہیں ہے لہٰذا اس نے کوئی جواب دیے بغیر آگے چلنا شروع کر دیا۔

''ویسے عجیب سی بات ہے، آپ کل ہی یہاں آئی ہیں اور آتے ہی دوسرے دن سے آفس جوائن کر لیا..... کر لیا ناں..... یا انٹرویو شنر ویو..... ویسے اچھی بھلی نوکری دلوانے میں تو میں بھی آپ کی مدد کر سکتا ہوں.....'' اس نے کریدنے کی غرض سے پوچھا۔ خاصا بے غیرت بھی تھا اس کے پیچھے باتیں کرتے چلتا رہا۔

''آپ کا بہت شکریہ.....'' اس نے پیچھے مڑے بغیر کہا۔

''ایک تو آپ شکریہ بہت ادا کرتی ہیں۔''

''آخر آپ کا پرابلم کیا ہے؟'' اب اس نے رک کر پیچھے کی جانب ذرا غصے سے اسے گھورتے دیکھا۔ اس کا تیکھا انداز دیکھ کر وہ ذرا کنفیوز سا ہوا۔

''نہیں مجھے تو پرابلم کوئی بھی نہیں ہے مس عینی..... پھر بھی اگر آپ کو کوئی بھی پرابلم ہو تو آپ مجھ سے کانٹیکٹ کر سکتی ہیں..... یہ میرا کارڈ رکھ لیں پلیز.....'' اس نے جلدی سے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کے سامنے کیا۔

''شکریہ بس.....'' اس نے جلدی سے اس سے کارڈ لیا اور اپنے بیگ میں ٹھونسا تھا کہ اس کی بے چین روح کو قرار ملے۔

''پھر شکریہ.....'' وہ زیرِ لب مسکراتے ہوئے بولا۔ ''نہیں، نہیں..... اور کچھ نہیں..... بس اتنا ہی کافی ہے کیا کروں..... خدمت خلق کا جذبہ.....'' وہ کہتا ہی رہا اور وہ آگے بڑھ گئی۔

''کوٹ، کوٹ کر بھرا ہے..... اور آپ جیسی لڑکیوں کے لیے تو اُمڈ، اُمڈ کر آتا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے زیرِ لب بڑبڑاتا رہا۔ سفید رنگ کے کھلے پائجامے اور آف وائٹ لونز شرٹ میں اپنے آپ سے بے پروا وہ مست فوجی ٹائپ کی لڑکی جس کی اونچی سی پونی چلتے ہوئے ہوا میں لہرا رہی تھی..... نہ جانے کیوں اتنی اچھی لگنے لگی تھی اسے۔

''یہ دل کا معاملہ ہے مسٹر.....'' دل سے آواز ابھری، تو وہ بھرپور انداز سے مسکرا دیا۔ ''ہوں..... شاید.....''

صبا کب سے پارکنگ میں اس کا انتظار کر رہی تھی اسے اپنی جانب آتا دیکھ کر اس نے جلدی سے ہاتھ لہرا کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''شکریہ یار.....! میں تو ڈر رہی گئی تھی کہ اگر تم نہ آئیں تو میں تو کہیں کھو جاؤں گی۔'' اس کے چہرے پر عجیب سی سرشاری تھی کہ کچھ دیر پہلے ہی اپنے کھو جانے کے تصور پر بھی ہنسی آ رہی تھی، اپنا شولڈر بیگ پیچھے سیٹ پر پھینکا اور دھپ سے صبا کے برابر براجمان ہوگئی۔

''کہا تو تھا تمہیں کہ میں یہیں تمہارا ویٹ کروں گی..... یہ سامنے والی بلڈنگ میں تو میرا آفس ہے۔''

صبا کے بتانے پر اسے سب یاد آ گیا پھر پتا نہیں کیوں ہاتھ پیر پھولا لیے تھے اسے اپنی حماقت پر غصہ آ رہا تھا، وہ اسے دیکھ کر کچھ پریشان سی ہوئی۔

''کیا ہوا عینی..... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے .....آج تمہارا پہلا دن تھا..... کوئی ایشو تو نہیں ہوا ناں.....'' اسے خاموش دیکھ کر اسے ٹینشن سی ہو رہی تھی۔

''آئی ایم فائن..... اچھا دن گزرا..... لوگ اچھے ہیں..... سب اچھا ہے ڈیئر..... تمہارا بہت شکریہ صبا..... تم نے میرا بہت ساتھ دیا..... مشکل وقت میں ہی تو پتا چلتا ہے کہ کون اپنا اور کون پرایا.....'' وہ جذباتی ہوگئی تھی۔

''تھینک گاڈ..... میں تو ڈر رہی گئی تھی تمہارے ایکسپریشن دیکھ کر..... تھک گئیں ناں.....؟'' اس نے بڑے خلوص و اپنائیت سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے پوچھا۔

''کوئی خاص نہیں.....'' اس نے بھی اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر محبت کا جواب دیا۔

''میں سوچ رہی تھی کہ تم آتے ہی اپنے کاموں میں الجھ گئیں..... کوئی سیر نہ تفریح..... مجھے اچھا نہیں لگ رہا عینی.....''

''لیکن مجھے اچھا لگ رہا ہے..... میں جس کام، جس مقصد کے لیے یہاں آئی تھی وہ تو ہو رہا ہے بس..... تم میری فکر نہ کیا کرو.....''

''فکر تو ہوتی ہے ڈیئر..... تم وہاں پاکستان سے اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں آئی ہو.....''

''ہاں تو کچھ کرنے کے لیے آئی ہوں ناں..... تفریح کے لیے تو نہیں آئی.....'' اس نے اپنے خلیق تبسم کے ساتھ جواب دیا۔

''مائی ڈیئر صبا.....! ڈونٹ وری..... بس اگر کر سکتی ہو تو اپنی فرینڈ کے لیے دعا کرو کہ..... جلد از جلد میں اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤں.....''

''ہوں..... بہت دعا کرتی ہوں تمہارے لیے کہ تم انڈیپینڈنٹ ہو جاؤ..... کسی اچھے سے لڑکے سے تمہاری شادی ہو جائے۔ تمہارے بچے ہوں.....''

اس کی بیٹری چارج ہو چلی تھی یکلخت وہ گھبرا سی گئی اور وہیں اسے ٹوک دیا۔

''توبہ کرو صبا..... تم میری فرینڈ ہو..... امی نہیں.....'' دونوں سہیلیوں کے قہقہے ایک ساتھ ابھرے سڑک پر اس وقت ٹریفک کا ہجوم بڑھا چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

دودھیا چاند تیرتا، تیرتا کھڑکی کے عین سامنے آ کر ٹھہر گیا تھا۔ اس کی دودھیا روشنی سے کمرا دفعتاً جگمگا اٹھا تھا۔ اس کی نظریں چاند پر ٹک گئیں..... کس قدر سکون، کتنا نور بھرا تھا اس پل..... وہ مبہوت سی دیکھتی رہی..... اس دم اس کا سیل فون چنگھاڑا۔

''السلام علیکم.....''

''وعلیکم السلام..... عینی! میں عمرانہ.....''

عمرانہ کی آواز ابھری تو اسے کچھ حیرت سی ہوئی اور رات کے اس پہر اس کا فون..... کچھ سمجھ نہ آیا غالباً وہ امی سے چھپ کر اسے کال کر رہی تھی۔

''عمرانہ..... خیریت تو ہے ناں..... سب ٹھیک ہے ناں.....؟''

''ہاں، ہاں سب ٹھیک ہے..... میں تم کو امی سے چھپ کر فون کر رہی ہوں.....'' اس کی آواز کچھ اور بھی مدھم اور پُراسرار ہو چلی تھی۔

''ہاں..... پر بات تو بتاؤ..... مجھے کوفت ہو رہی ہے۔''

''بات تو ایسی کوئی خاص نہیں لیکن پھر بھی تمہیں بتانا ضروری ہے ڈیئر سسٹر..... وہ آج ان کے گھر والے آئے تھے۔''

یقیناً وہ شرما رہی تھی..... عینی کے لبوں پر تبسم بکھرا۔

''اچھا..... اُن کے گھر والے.....'' اس نے 'اُن' پر زور دیا پھر خود ہی ہنس دی۔

''وہ دراصل سب تمہارے متعلق پوچھ رہے تھے کہ دیدتو ہوتی ہے ناں سب کو.....''

''پھر امی نے کیا بتایا؟'' اس نے پوچھا۔

''امی نے تو یہ ہی بتایا ہے کہ تم مزید آگے پڑھائی کرنے... ملائشیا گئی ہو..... تم نے بھی اچانک ہی بھانڈا پھوڑا تھا ورنہ امی ان لوگوں کو پہلے ہی مطلع تو کردیتیں۔''

''ہوں..... یہ تو ہے..... اگر پہلے سے تم سب کو بتا دیتی تو مجھے یہاں کون آنے دیتا۔''

''چلو..... جو ہوا سو ہوا..... پتا ہے وہ لوگ بہت امپریس ہو رہے تھے۔''

''اوہ..... امپریس.....'' اس نے ذرا نخوت سے اپنے ہونٹ سکیڑے۔

''بس اب تم میری عزت رکھنا..... خوب دل لگا کر کام کرنا.....'' اس نے نصیحت آمیز لہجے میں تاکید کی۔

''اچھا میری ماں.....'' اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

''تمہیں تو پتا ہے ناں امی کا..... ان کا تو فوراً ہی منہ اتر جاتا ہے ذرا سی بات پر..... وہ تو شکر تھا کہ میں نے پہلے ہی پٹی پڑھا دی تھی۔ شکر کرو..... دروازہ میں نے ہی کھولا تھا۔''

''ارے واہ..... آپ تو بڑی قابل اور چالاک ہوگئی ہیں..... اگر مجھے پتا ہوتا ناں کہ میری چھوٹی بہن میرے ملائشیا آتے ہی اتنی عقلمند ہوجائے گی تو میں پہلے ہی یہاں آجاتی۔''

''چلو اچھا میں فون رکھتی ہوں اور سنو.....''

''ہاں بولو.....''

''اپنا خیال رکھنا ڈیئر سسٹر.....!'' اس کی آواز کچھ بھاری سی ہو رہی تھی۔ شاید اپنا رونا سنبھال رہی تھی۔

''تم بھی.....'' اس نے فون بند کیا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کی آنکھیں بھیگ رہی ہیں..... ہتھیلی کی پشت سے اس نے اپنا چہرہ صاف کیا، کمرے کی روشنی کچھ اور بھی مدھم ہوگئی تھی۔ کھڑکی سے چاند غائب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

صبا نے اسے اچھی طرح سے سمجھا دیا تھا کہ آفس ختم ہوتے ہی وہ اس جگہ اس کا انتظار کرے گی اور وہ سر ہلا، ہلا کر اقرار کرتی رہی۔

''سنو عینی.....!'' گاڑی لاک کر کے وہ آگے بڑھی۔

''ہوں.....'' وہ ذرا رکی۔

''آج ہم شاپنگ کے لیے چلیں گے..... میرا خیال ہے کہ تمہیں کچھ نئے ڈریسز کی بھی ضرورت ہے۔''

''لیکن صبا.....! میں پاکستان سے اچھی خاصی شاپنگ کر کے آئی تھی..... کیا یہ اچھے نہیں ہیں.....'' بلیو کلر کے ٹاپ پر آسمانی رنگ کا ٹراؤزر خاصا مہنگا خریدا تھا کہ پھر پیسوں کے خرچ پر اس کا دل ذرا دھڑکا ابھی تو یہاں ایک دمڑی بھی نہیں کمائی تھی کہ پھر سے شاپنگ کا بوجھ۔

''اچھے ہیں..... بہت اچھے ہیں..... لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی پسند کے کچھ ڈریسز تمہارے لیے لوں..... ویسے میری چوائس اتنی بری نہیں.....'' گاڑی کی چھت پر ہاتھ ٹکائے وہ طائرانہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''صبا، صبا.....'' وہ لپک کر اس کی جانب بڑھی۔ ''تمہارے پہلے ہی اتنے.....''

''ایک لفظ اور نہیں..... کہا ناں، چلنا تو چلنا ہے..... پتا ہے عماد کو میری شاپنگ سے بہت چڑ ہے..... اس معاملے میں وہ ظالم شوہر ہے، اس کی absence میں میرا شوق بھی پورا ہو جائے گا..... ویسے میں فضول خرچ بالکل نہیں ہوں تم میری فکر نہ کرو.....'' وہ بھرپور انداز میں مسکرا رہی تھی۔ عینی اس کے احسانوں کے بوجھ تلے دبی جا رہی تھی بخوبی جانتی تھی کہ صبا اب اس کی ایک نہیں سنے گی۔

''اچھا بابا.....!'' اس نے برا سا منہ بنایا اور کچھ دیر اسے جاتا دیکھتی رہی..... لفٹ کا بٹن ابھی پریس ہی کیا تھا کہ اسے پیچھے سے کسی نے پکارا۔

''مس قرۃ العین.....'' اس نے پلٹ کر دیکھا دھان پان سی جسامت، گندمی رنگت، قد و قامت بھی جسامت کے مانند تھی البتہ چہرے پر میک اپ کی کئی تہیں جمی تھیں..... شوخ رنگ کی لپ اسٹک وہ اندازہ نہ کر سکی کہ وہ کون ہے آفس میں تو اسے دیکھا نہ تھا پھر.....

''آپ..... آپ مجھے جانتی ہیں؟''

''ہاں..... تم پاکستان سے آئی ہو ناں.....''

''جی بالکل..... پر آپ.....؟'' اتنے میں لفٹ کا دروازہ وا ہوا۔

''آؤ.....'' اس نے اسے اشارہ کیا تو دونوں لفٹ میں داخل ہوئیں۔

''مجھے سب خبر رہتی ہے کہ کون آیا ہے..... کون گیا ہے..... میں بھی پاکستانی ہوں.....''

''اچھا تو آپ بھی..... یہ تو بڑی اچھی بات ہے.....'' اپنائیت کا احساس طمانیت بھرا تھا۔

''مجھے رابعہ کہتے ہیں..... دیکھو..... ذرا بچ کر رہنا..... زمانہ ہی ایسا ہے اپنے ملک کی ہو..... اسی لیے کہہ رہی ہوں.....''

''جی..... شکریہ آپ کا..... میری امی نے بھی یہ ہی کہا تھا چلتے ہوئے.....'' اس کا خیال تھا کہ وہ خوش ہوگی لیکن اس کا منہ سا بن گیا۔

''لیکن میں تمہاری امی نہیں ہوں..... بہرحال..... تمہیں سمجھانا تھا..... سمجھا دیا..... یہ میرا کارڈ رکھ لو۔ میں تمہاری مدد بھی کر سکتی ہوں..... اگر ضرورت پڑے تو بلا جھجک کال کر سکتی ہو.....'' اتنے میں لفٹ رکی اور وہ اسے اپنا وزیٹنگ کارڈ پکڑا کر چھپاک سے لفٹ سے نکل گئی اُسے وہ کچھ عجیب سی محسوس ہوئی..... اس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت تھی۔ اس نے سر جھٹکا اور تیزی سے قدم بڑھائے۔

سارا دن کام کی مصروفیت میں کچھ یوں گزرا کہ اسے سر کھجانے کی بھی فرصت نہ ملی، بڑی تنخواہ کوئی یونہی ...نہیں دے دیتا۔

''مس عینی! آپ نے تو شاید لنچ بھی نہیں کیا.....''

میڈم روبانہ نے آکر پوچھا تو اسے خیال آیا کہ اسے تو بہت بھوک لگ رہی ہے۔

''جی میڈم..... بہت بھوک لگ رہی ہے لیکن ٹائم ہی نہیں ملا لنچ کے لیے۔''

''ہاں ٹائم تو بہت ہو گیا ہے، ایک گھنٹے بعد ہی آفس ٹائم بھی آف ہو جائے گا..... لیکن شاید آج آپ کو کچھ دیر رکنا پڑے..... کیونکہ اس کام کے لیے باس بھی ویٹ کر رہے ہیں، ہم پروجیکٹ کو ادھورا نہیں چھوڑ سکتے..... ویسے آج آپ میرے ساتھ لنچ کر لیں.....'' دیر تک رکنے کا سن کر اس کا تو منہ ہی اتر گیا تھا، صبا کے ساتھ آؤٹنگ کا پروگرام تھا۔

''میڈم..... آفس ٹائم کے بعد رکنا ضروری ہے کیا؟''

''اوور ٹائم ملے گا..... چلیے کوئی بات نہیں..... آپ نہیں رکیں تو..... ٹینا سب سنبھال لے گی.....''

''ٹینا..... کیا میں ان سے مل چکی ہوں.....؟'' یہ نام اس کے لیے اجنبی تھا..... میڈم روبانہ نے ٹینا نامی کسی لڑکی سے تعارف نہیں کروایا تھا۔ وہ میڈم کے ساتھ ان کے آفس آ گئی۔ میڈم روبانہ کا کیبن خاصا پُرسکون تھا..... وہ آرام سے بیٹھ گئی تھی۔

''ٹینا بہت ذہین ہے، ہاں کچھ مغرور بھی ہے..... ویسے تو میں اس سے سینئر ہوں لیکن وہ میری میڈم لگتی ہے..... لو..... یہ سینڈوچز بہت مزے کے ہیں۔'' انہوں نے سینڈوچز کی پلیٹ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھی نہیں.....'' اس نے ایک سینڈوچ اٹھایا اور کھانا شروع کیا۔

''میری سیلری اس سے زیادہ ہے..... لیکن ٹینا کی ڈریسنگ، جیولری، سیل فونز، گلاسز، بیگز..... یہاں تک کہ اس کی گاڑی..... سب بہت مہنگے ہیں..... اس سیلری میں تو ممکن نہیں۔ میں اس سے ریزور رہتی

ہوں..... تم بھی ذرا روڈ ہی رہنا..... اگر اسے کوئی بات پسند نہ آئے تو بہت روڈلی بی ہیو کرتی ہے۔''

''ریئلی..... تو پھر جاب کیوں کرتی ہے؟'' اسے حیرت ہو رہی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ صرف فن کے لیے شاید اسے اس جاب کی ضرورت نہیں..... وہ بہت اچھی جاب بھی کر سکتی ہے..... بلکہ اس نے اچھی جاب کی بھی تھی..... پھر دوبارہ یہیں لوٹ آئی.....'' وہ بتا رہی تھیں۔

''لوٹ آئی..... ایک اچھی جاب چھوڑ کر.....؟''

وہ حیرت زدہ تھی۔ غالباً وہ کسی نفسیاتی بیماری کا شکار تھی، اس نے سوچا۔

سنا ہے کہ اسے باس نے بلوایا تھا۔ زیادہ تنخواہ پر.....''

''زیادہ تنخواہ پر..... لیکن کیوں.....؟'' وہ تجسس ہو رہی تھی۔

''اس لیے کہ ٹینا تمہاری طرح نہیں ہے..... آئی مین..... تم سمپل سی لڑکی ہو اور وہ..... اچھا چلو..... جانے دو..... یہ بتاؤ کہ سینڈوچز کیسے ہیں۔'' وہ ٹینا کے موضوع کو طول دینے سے کترانے لگی تھی۔

''اچھے ہیں..... بہت مزے کے ہیں.....'' اس نے بھی پھر کریدنے کی کوشش نہ کی..... اور اسے کرنا بھی کیا تھا ٹینا کے متعلق جان کر اسے تو اپنے کام سے غرض تھی..... میڈم روبانہ اچھی خاتون تھیں وہ سمجھ رہی تھیں کہ فی الحال اسے اوور ٹائم حاصل کرنے کا شوق نہیں ہے..... آفس ٹائم ختم ہوا تو وہ بچوں کی طرح کھل اٹھی..... صبا اس کی منتظر تھی..... اس کا خیال تھا کہ پہلے وہ دونوں گھر جا کر فریش ہوں گی لیکن صبا نے صاف انکار کر دیا وہ گھر جانے کے موڈ میں نہیں تھی اور پھر اسے اس کی بات ماننا ہی پڑی، دونوں سہیلیاں پہلے ریسٹورنٹ گئیں پھر پیٹ پوجا کی اور پھر کالج کے دنوں کی طرح گھومتی پھریں۔ عینی نے تو ابھی ملائشیا کی سیر بھی نہیں کی تھی اس بہانے صبا اسے لیے، لیے پھری..... شاپنگ کا تو بس بہانہ ہی ٹھہرا..... صبا جو بھی ڈریس اس کے لیے پسند کرتی وہ فوراً انکار کر دیتی۔ وہ اپنی وجہ سے صبا کی جیب پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی لیکن پھر بھی اس کے ابلتے محبت سے لبریز دوستی کے جذبات کے آگے اسے ہار ماننا ہی پڑی۔ روپیٹ کر کیونکہ اس لباس کی قیمت نسبتاً کم تھی لہٰذا اسے ہاں کرنی ہی پڑی..... پتا نہیں یہ اس کا وہم تھا یا حقیقت اسے سارے راستے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی چھپ کر ان کی نگرانی کر رہا ہے..... لیکن کیوں..... کئی بار اس نے اِدھر اُدھر دیکھا بھی..... کوشش کی کہ اس کا وہم ختم ہو جائے لیکن اس کی چھٹی حس بار، بار پھڑک رہی تھی۔

دونوں اپارٹمنٹ لوٹیں تو تھک کر چور ہو چکی تھیں، صبا نے گھر کے لیے کچھ چیزیں اور کچھ اپنے لیے بھی شاپنگ کی تھی سب کچھ وہیں لاؤنج میں صوفے پر ڈھیر کر دیں..... وہ تھک کر زمین پر بچھے میٹ پر ہی دراز ہو گئی۔ صبا بھی اس کے ساتھ وہیں پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔

''آج بہت دنوں بعد جیسے ماضی لوٹ آیا ہو.....'' صبا نے اپنا سر وسط میں رکھی ٹیبل پر رکھ دیا..... اس کی آواز میں تھکن بھرا سکون شامل تھا۔

''ہوں..... مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے جیسے میں اپنی کالج لائف میں ہی ہوں.....'' اس نے صوفے سے اپنی پشت ٹکاتے کہا۔

''جب میں پہلی بار ملائشیا آئی تھی تو بہت خوش تھی، لیکن چند دنوں میں ہی اس زندگی سے گھبرا گئی تھی۔ پھر عمار کی مصروفیات میں میرے لیے وقت مشکل سے ہی نکلتا تھا۔ آج بھی ایسا لگا جیسے پہلی بار یہاں آئی ہوں..... ان تین سالوں بعد..... آج.....''

''اچھا بتاؤ بھوک لگی ہے تو کچھ کھا پی لیا جائے۔''

''کوئی خاص بھوک نہیں ہے..... ایسا کرتی ہوں آسانی سے آملیٹ والے سینڈوچز بنا لیتی ہوں..... تمہارے چہرے پر لکھا ہے کہ تمہیں فاقہ محسوس ہو رہا ہے.....'' اس کے کہنے پر صبا منہ پھاڑ کر ہنسنے لگی۔

''فاقہ..... یاد ہے کالج لائف میں اس لفظ کا بڑا استعمال ہوتا تھا۔'' دونوں ہی ماضی کو یاد کر کے بھی، بھی کرنے لگیں۔

''چلو ہم دونوں ہی چلتے ہیں.....'' وہ دونوں کچن کی جانب بڑھ گئیں۔ رات دیر تک باتیں کرنے میں خاصا وقت گزر گیا یوں صبح آنکھ دیر سے کھلی .....گھڑی کی سوئیاں دیکھیں تو دونوں نے بھاگم دوڑ مچادی، آفس کے لیے دیر ہورہی تھی اس نے جلدی سے غسل کیا اور گیلے بالوں کو بڑے سے تولیے میں لپیٹا صبا تو ابھی تک باتھ روم میں ہی گھسی تھی۔ الیکٹرک کیٹل بھی چائے تیار شور مچارہی تھی' اس نے جلدی، جلدی سلائس پر مکھن لگایا۔

''صبا، جلدی کرو.....'' اس نے ہانک لگائی.....

''توبہ ہے یہ لڑکی ناں آج ضرور دیر کروادے گی۔'' وہ زیرِلب بڑبڑارہی تھی۔

ڈور بیل بجی.....اس برق رفتاری سے دوڑتے وقت میں اب کون آن ٹپکا تھا۔ اسے سخت الجھن سی ہوئی اوپر سے صبا ابھی تک باتھ روم کی اسیر تھی۔

''پتا نہیں کون ہے.....'' وہ جھنجلائی سی بیرونی دروازے کی جانب بڑھی اور ایک جھٹکے سے لاک کھولا تو اپنے سامنے ایک اجنبی صورت دیکھ کر اسے خفت سی ہوئی.....شب خوابی کے لباس میں سر پر تولیا لپیٹے وہ اسے طائرانہ نظروں سے اوپر سے نیچے تک گھور رہا تھا، وہ بھی کچھ گڑبڑا اٹھی۔

''آپ کون.....کہیں میں نے غلط دروازے کی بیل تو نہیں بجادی۔'' اس کے کندھے پر وزنی بیگ لدا تھا ساتھ ہی بڑا سا سوٹ کیس اور کچھ سفری.....سامان بھی اس کے ساتھ تھا۔

''آپ کہیں عماد.....؟'' وہ ذرا منمنائی۔

''جی، جی میں عماد ہی ہوں.....ارے آپ.....آپ صبا کی فرینڈ عینی ہیں ناں.....'' ایک شناسائی کی سی لہر اس کے چہرے پر پھیلی تو اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''جی میں.....میں قرۃ العین ہی ہوں.....'' اس پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا پہلی بار صبا کے شوہر نے اسے دیکھا بھی تو کس حال میں اتنے میں صبا بھی پیچھے سے نمودار ہوئی۔

''عماد.....تم.....بغیر اطلاع کے ہی آگئے ڈیئر؟''

ان دونوں کے درمیان اسے اپنا آپ کباب میں ہڈی کے مانند محسوس ہوا۔

''جی تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا.....لیکن دروازہ تمہاری فرینڈ نے کھولا اور میں سرپرائز رہ گیا۔''

''بتایا تو تھا تمہیں.....عینی کے بارے میں.....یہ وہی ہے مائی جینئس فرینڈ.....'' وہ بڑے فخر سے اس کا تعارف کروارہی تھی اور وہ شرمائی، شرمائی سی کھڑی تھی۔ شاید عماد کو اس کا احساس ہوا کہ اس کی انٹری کچھ غلط وقت پر ہوئی۔

''میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کو آفس جانے کی جلدی ہوگی.....اور تم لوگ ابھی تک ریڈی نہیں ہوئیں.....'' اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

''اوہ گاڈ.....لیٹ ہورہے ہیں..... بھاگ عینی.....'' اسے تو پہلے ہی فرار چاہیے تھی پھر صبا کی جانب سے سگنل ملا تو اس نے دوڑ لگادی.....راستے بھر دونوں تاخیر کے باعث بڑبڑاتی رہیں.....آفس پہنچی تو اسے اطلاع ملی کہ اس کا ادھورا کام مکمل ہوچکا تھا۔ ٹینا نے محض آدھے گھنٹے میں ہی کام ختم کرلیا تھا.....وہ اس کی کارکردگی سے خاصی متاثر ہوئی۔ تب ہی ہر جگہ اس کی واہ، واہ ہوتی ہے۔ میڈم روبانہ نے اسے ضروری فائل لینے کے لیے بلایا تھا۔ فائل لے کر وہ ان کے کیبن سے لوٹی تو راستے میں ٹینا سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

''ہائے.....سویو آر مس قرۃ العین.....'' پانچ فٹ اور اندازاً آٹھ انچ کی طویل قامت، ماڈلز کے مانند چھریرا جسم، گولڈن رنگت، تلوار کی کنار جیسی ابرو سرخ شوخ رنگ کی لپ اسٹک سے سجے ہونٹ گالوں پر لال سرخی براؤن مائل شیڈ کے رنگے بال جو اس نے اونچی سی پونی میں قید کر رکھے تھے اور کالے رنگ کی ٹائٹ اسکرٹ میں اس کے جسمانی خدوخال خاصے نمایاں ہورہے تھے۔ وہ بڑے انداز سے اپنے موبائل کو ہاتھوں میں گھمارہی تھی اس کی بڑی براؤن آنکھوں میں

غرور کا عنصر نمایاں تھا۔

''یس..... آئی ایم قرۃ العین..... کیا میں آپ کو جانتی ہوں.....'' اس چلتی پھرتی حسن کی دکان کو دیکھ کر وہ بری طرح کنفیوز ہو رہی تھی۔

''ویل..... آئی ڈونٹ نو.....'' اس نے ذرا انداز بے اعتنائی سے اپنے شانے جھٹکے۔

''اوہ..... آئی تھینک..... یو آر مس ٹینا.....'' بجلی کی سرعت سے اسے سوجھا۔

''ویل انفارمڈ.....'' اس نے نخوت سے اپنی ابرو چڑھائی پھر طائرانہ نظروں سے گھوم کر اسے دیکھتی ہوئی بولی۔

''بہت تعریفیں سنی تھیں تمہاری.....''

''تھینک یو.....'' اس کے اس انداز سے دیکھنے پر اسے بڑا عجیب سا محسوس ہوا۔

''سوفٹ ویئر انجینئر فرام پاکستان..... گڈ..... لیکن..... میں تمہارے کام سے امپریس نہیں ہوں.....''

''ایکچوئلی میں کل ہی.....'' اس نے پچھلے دن کے سلسلے میں عذر پیش کرنا چاہا وہ اس کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتی تھی لیکن اس نے نہایت بداخلاقی کا مظاہرہ کرتے کہا۔

''ok I have to go'' وہ کچھ کہہ بھی نہ سکی اور وہ ہائی ہیل کی ٹک، ٹک بجاتی میڈم روبانہ کے کیبن کی جانب بڑھی۔

''بڑی بدتمیز سی عورت ہے.....'' دل نے کہا اور وہ اپنی سیٹ کی جانب بڑھ گئی میڈم روبانہ نے سچ ہی کہا تھا ٹینا کے متعلق، وہ سوچ رہی تھی۔

جب وہ دونوں گھر میں داخل ہوئیں تو چاروں جانب اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو مہک رہی تھی، لمحہ بھر کو اسے یوں محسوس ہوا جیسے پاکستان پہنچ گئی ہو۔

''بھئی جلدی سے تم دونوں فریش ہو کر آجاؤ کب سے انتظار کر رہا تھا.....'' عماد ان کے سامنے نمودار ہوا تو دونوں کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔ ہاتھ میں کفگیر کندھے پر جھاڑن اور ایپرن باندھے وہ کوئی باورچی دکھائی دے رہا تھا۔ انہی یوں ہنستا دیکھ کر اس کا ذرا سا منہ بن گیا۔

''ہنس لو..... لیکن یاد رکھو اگر تم دونوں اسی طرح کھی، کھی کرتی رہو گی تو ایک چمچ بھی کھانے نہیں دوں گا.....'' اس نے دھمکی دی۔

''ارے یار عماد..... تم تو برا ہی مان گئے.....'' صبا کو جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''عینی..... عماد بہت اچھا کک بھی ہے..... تم اس کے ہاتھ کے بنے کھانے کھاؤ گی تو اپنی امی کے کھانوں کے ذائقے بھول جاؤ گی۔''

''رئیلی.....'' اسے واقعی حیرت ہو رہی تھی کہ عماد میں یہ ہنر بھی ہے وہ تو اسے صرف ایک کامیاب بزنس مین سمجھتی تھی۔

غزل

تم سے کوئی بھی پیارا نہیں اس جہان میں
سب کو بھلا دیا ہے تمہارے دھیان میں

بچوں کا سارا زور ہے انگلش فرنچ پر
لیکن میں بات کرتی ہوں اُردو زبان میں

میں نے تو چھت پہ چڑھ کر پتنگ بھی اڑائی تھی
اونچی اُڑی تھی میری پتنگ آسمان میں

کھاتی تھیں پان شوق سے امی مری سدا
رکھتی تھیں سونف، چھالیا وہ پاندان میں

مجھ کو خودی عزیز ہے آسائشیں نہیں
غربت سے فرق آتا نہیں میری شان میں

نظروں کو پھیر لے گا وہ لوگوں کے سامنے
یہ بات دور تک نہ تھی میرے گمان میں

جو دوسروں کی ٹوہ میں رہتے نہیں کبھی
خوش رہتے ہیں شگفتہ وہ امن و امان میں

شاعرہ: شگفتہ شفیق، کراچی

''یہ تو تمہیں کھا کر پتا چل جائے گا..... ویسے میں اکثر اپنے شوہر کے اس ٹیلنٹ سے مستفید ہوتی ہوں۔''

''خدا کے لیے گرلز..... بس کرو..... صبح صرف دو سلائس ہی کھائے تھے..... اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے کو ہے..... یار کم آن..... سخت بھوک لگی ہے.....'' اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ واقعی بہت بھوکا ہے لہٰذا ان دونوں نے پھر ذرا دیر نہ کی، سبزیوں کے پلاؤ کے ساتھ چکن کڑاہی اور گرم، گرم نان بہت مزہ دے رہے تھے، کھانے کے دوران وہ عینی کو کھانے کی ترکیبیں بھی بتاتا رہا اور وہ دلچسپی سے سنتی رہی۔

''صبا..... میں نے کسٹرڈ بھی بنایا ہے.....'' عماد نے اسے مطلع کیا تو وہ کھل اٹھی۔

''واؤ..... کسٹرڈ..... عماد میرے پیارے سے شوہر..... تم نے تو آج اپنے آنے کی خوشی میں خود ہی پوری دعوت کا اہتمام کر ڈالا.....'' وہ دوڑتی ہوئی کچن کی جانب لپکی۔

''تو پھر آپ کو ہمارے کھانے کیسے لگے؟'' صبا کے جانے کے بعد عماد نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بہت ٹیسٹی..... آپ واقعی بہت اچھا کھانا پکاتے ہیں..... لیکن عماد بھائی.....''

''آں آں..... صرف عماد.....'' اس کے ٹوکنے پر اسے اچنبھا ہوا..... ''یہ بھائی وائی مجھے سوٹ نہیں کرتا.....'' اس نے پلیٹ میں چمچ چلاتے کہا۔

''سوری..... وہ دراصل میں اپنے بڑے.....'' نہ جانے کیسے ساجد بھائی کی جانب دھیان گیا اس کے اندر کڑواسا گھونٹ اترا۔

''یہ لیجیے جناب..... کسٹرڈ..... شکل سے تو بڑا زبردست لگ رہا ہے۔''

''شکل پر نہ جاؤ ڈیئر..... اس کی سیرت بھی بڑی زبردست ہے.....'' عماد کے اس بیان پر دونوں..... بے اختیار کھلکھلا اٹھیں۔

''ہماری عینی کی طرح..... عماد..... عینی بہت ذہین اور کھری لڑکی ہے.....'' صبا نے اس کی تعریف کی تو اس کا چہرہ شرم سے تمتما اٹھا۔

''کھری..... یعنی سچی.....'' عماد نے آنکھیں چلاتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل سچی..... ایک دم کھری.....'' صبا نے ذرا اتراتے ہوئے بھویں چڑھائیں۔

''یعنی ہماری ان سے بالکل نہیں بننے والی..... کیونکہ ہم اتنے سچے اور کھرے نہیں ہیں..... ارے یار صبا..... عینی کو کسٹرڈ نکال کر دو ناں.....'' عماد نے اسے اشارہ کر کے کہا اور صبا نے شیشے کی چھوٹی پیالیوں میں کسٹرڈ نکالنا شروع کیا۔

کھانے کے بعد باتوں کا دور چلا تو یہ عقدہ بھی کھلا کہ عماد کو شعر و شاعری سے بھی خاصا شغف ہے گو اسے شاعری سے الرجی تھی اور صبا یہ بات خوب اچھی طرح جانتی تھی لیکن اس نے آنکھ کے اشارے سے اس سے معذرت خواہانہ انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی آخر کو اپنی سہیلی کا مان بھی تو رکھنا تھا۔

''عقل یا عشق ہے میری منزل.....
اس دوراہے پہ بھٹک جاتا ہوں
ذات کا نشہ الٰہی توبہ.....
دن میں سو بار بہک جاتا ہوں.....''

''ویسے آپ بہت اچھی شاعری کرتے ہیں واہ، واہ..... لیکن صبا ڈیئر ذرا کلاک کی جانب دیکھیے وقت کیا ہو چلا ہے۔'' اسے کچھ کوفت سی ہونے لگی تھی عماد کی نظروں کی بے باکی اسے پسند نہیں آئی۔

''ویسے عینی..... یہ میری شاعری نہیں ہے تابش دہلوی کا کلام ہے.....'' اس نے اپنی ڈائری بند کر دی جس میں نہ جانے کتنے شاعروں کا منتخب کلام اس نے قلمبند کیا تھا۔

''او گاڈ..... کتنی دیر ہو گئی.....'' صبا نے گھڑی دیکھ کر ہانک لگائی۔

''میرا تو خیال ہے کہ کل تم لوگ چھٹی کر لو.....''

''نہیں عماد..... پرسوں تو ویک اینڈ ہے..... کیا

ضرورت ہے کل چھٹی کرنے کی..... اب تم بھی چلو اپنے کمرے میں..... عینی..... تم جاؤ یار واقعی بہت دیر ہوگئی ہے.....'' صبا پر اب ٹینشن سی سوار ہوگئی تھی۔

''بھئی تم لوگ جاؤ..... میں تو ابھی ٹی وی دیکھوں گا.....'' عماد نے وہیں ٹی وی لاؤنج میں پیر پسار دیے۔

وہ اپنے کمرے میں لوٹی تو من کچھ بوجھل سا تھا۔ عماد کا رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ صبا اس کی عزیز سہیلی تھی لیکن عماد..... وہ تو بالکل غیر تھا..... ایک اجنبی دیس میں ایک غیر مرد کے ساتھ زندگی گزارنا ایک آسان فیصلہ نہیں تھا پھر یہ کیسے ہوگیا اسے کچھ پشیمانی ہوئی، اپنی حماقت پر لیکن اب وہ بہت آگے نکل آئی تھی۔ صبا بھی تو ہے..... دماغ نے احتجاج کیا..... لیکن پھر بھی..... دل مستقل ایک ہی جانب جھکے جا رہا تھا اس کشمکش میں وہ ذہنی طور پر مفلوج سی ہوگئی..... نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ مجبوراً اسے نیند کی گولی کا سہارا لینا پڑا۔

☆☆☆

صبا ابھی تک اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ غالباً اس نے آج آفس سے رخصت کی سوچ لی تھی۔ انتظار کر لینے کے بعد وہ خود ہی جلدی، جلدی اپنا ناشتا تیار کرنے لگی۔ اس پر کچھ گھبراہٹ سی سوار تھی کیونکہ ہر روز صبا ہی اسے آفس سے پک اینڈ ڈراپ کرتی تھی لیکن آج اس کے بغیر تنہا... جانے کا تصور نروس کر رہا تھا، گویا پاکستان میں تو اسے تمام کام تنہا ہی انجام دینے ہوتے تھے پھر یہاں ملائشیا میں ایسی کیا علت تھی، وہ اپنے آپ کو دلاسے دیتی رہی اسے اچھی طرح سے پتا تھا کہ گھر سے نکل کر کس جانب سے جا کر پبلک ٹرانسپورٹ پکڑنی تھی کہاں اترنا تھا لیکن پھر بھی اپنے آپ کو کسی انجانے خوف یا تصور سے نجات دلانا آسان نہیں تھا۔ وہ پتا نہیں کب سے کچن کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اچانک ہی اس کی نظر پڑی تو ایک سرد سی لہر وجود میں دوڑی۔

''آپ.....'' وہ اس کی صورت دیکھنے سے بھی کترا رہی تھی معاً کہ کہیں وہ اس کے اندرونی خوف کو نہ پڑھ لے۔

''ہاں..... تمہیں انفارم بھی تو کرنا تھا کہ صبا آفس نہیں جائے گی۔''

''اوہ اچھا.....'' انڈا فرائی کرتے اس کے ہاتھ خود بخود لرز رہے تھے۔

''میں نے سوچا کہ..... میں تمہیں تمہارے آفس ڈراپ کر دوں.....''

''نن..... نہیں میں خود چلی جاؤں گی..... صبا کی طبیعت ٹھیک تو ہے ناں..... میں جا کر دیکھ لوں.....''

''ہاں اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آ رہا تو جا کر خود تصدیق کر لو..... اس کے سر میں بہت درد ہو رہا تھا..... ٹیبلیٹ دے کر اسے سلا دیا ہے۔'' اس نے فروٹ باسکٹ سے سیب اٹھایا اور اپنی شرٹ سے رگڑتا ہوا اسے دیکھنے لگا۔ شاید اسے بھی احساس تھا کہ اس کی موجودگی اسے کنفیوز کر رہی ہے۔

''نہیں ایسا تو نہیں ہے..... مجھے آپ کی بات پر یقین ہے..... آپ کے لیے ناشتا بناؤں.....؟''

''نہیں، میرا خیال ہے کہ تمہیں خود بھی آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے۔''

اس نے سیب کا چکھ لیا اور چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا..... اب اس کے ہاتھ ذرا تیزی سے چل رہے تھے۔

''مجھے سارے کام خود کرنے ہیں..... یہ سب میری اپنی ذمے داری ہے..... کچھ مشکل نہیں.....'' اپنے آپ کو بار، بار باور کرانے سے اس کے قدموں میں اعتماد کی پختگی آتی جا رہی تھی۔ زندگی اتنی آسان کب ہوتی ہے بھلا..... جتنی کہ دکھائی دیتی ہے، ہر قدم پر ایک نئی کہانی، ایک نیا موڑ..... ایک آزمائش اور ان سے ٹکرانا جھیلنا اور چلتے چلے جانا ہی تو اس کا نام ہے..... یہی سب سوچتے وہ آفس... پہنچ چکی تھی۔

''مس عینی تم ٹھیک تو ہو ناں.....'' میڈم روبانہ

نے اس کے چہرے پر تھکن کے آثار دیکھ لیے تھے۔

''جی..... میں ٹھیک ہوں میڈم روبانہ.....'' اس نے ذرا مسکرا کر ان کی جانب دیکھا۔

''وہ دراصل تمہیں روزانہ فریش دیکھنے کی عادت ہے ناں..... شاید اسی لیے.....'' وہ مسکرائی تو اسے خیال آیا کہ آج اسے پبلک ٹرانسپورٹ سے ہی گھر لوٹنا ہے۔

''وہ ایکچوئلی میری فرینڈ آج مجھے ڈراپ نہیں کر سکی..... اس کی طبیعت خراب ہے تو شاید اسی لیے میں کچھ ان فریش سی دکھائی دے رہی ہوں۔''

''ہاں یہی بات ہے شاید..... وہاں..... ٹینا چھٹیوں سے لوٹ آئی ہے..... شاید تمہیں یاد ہو میں نے بتایا تھا ناں اس کے بارے میں.....'' جاتے، جاتے انہوں نے بتایا۔

''جی.....'' لمحے بھر میں ٹینا کا نخوت زدہ چہرہ اور اس کے ریمارکس اپنے بارے میں نظروں کے سامنے گھوم گئے۔

''اوکے..... تم کام کرو پھر لنچ پر ملتے ہیں۔''

کمپیوٹر اسکرین تکتے، تکتے وہ تھکنے لگی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی صبا کا بھی فون آیا تھا..... وہ بہت معذرت کر رہی تھی لیکن یہ جان کر اسے کچھ حیرت ہوئی کہ عماد نے اسے آفس سے رخصت لینے پر مجبور کیا تھا کیونکہ وہ صبا کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا چاہتا تھا۔

''نئے نویلے دولھا کی طرح بی ہیو کر رہا تھا۔ جیسے پہلی بار اتنے دن مجھ سے دور رہا ہو..... لیکن عینی..... کیا کروں یار..... مجھ سے پیار بھی تو بہت کرتا ہے ناں..... پہلے میرا شوہر اور پھر سارے کام..... ٹھیک ہے ناں.....'' صبا کی آواز اب بھی کانوں میں گونج رہی تھی۔

''ایکسکیوزمی مس قرۃ العین..... مے آئی.....''

اچانک ہی ایک آواز اس کے کانوں کے بالکل نزدیک سے ابھری وہ بری طرح چونکی وہ ٹینا تھی۔

''یس.....'' جواباً ٹینا نے کمپیوٹر اسکرین کی جناب اشارہ کیا..... پنک میک اپ میں وہ خاصی خوب صورت نظر آ رہی تھی۔ سفید رنگ کے ٹراؤزر اور پرنٹڈ بلیک شرٹ میں آج اس کا سراپا خاصا دلفریب دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک دم کنفیوز سی ہو گئی۔ دھیمے دھیمے پرفیوم کی مہک اس کی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی کہ یہ ٹینا ہی ہے۔

''میں اس پروجیکٹ کی تفصیلات چیک کرنا چاہتی ہوں.....'' اس کا دل چاہا کہ وہ منع کر دے کیونکہ میڈم روبانہ اس کی انچارج تھی، ٹینا کا کوئی حق ہی نہیں تھا کہ لیکن اخلاقاً اس کے لبوں سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا..... شاید ٹینا کو بھی احساس تھا..... اس نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا اور بولی۔

''شاید تمہیں اچھا نہ لگے..... لیکن یہ ہماری کمپنی کی ... ریپوٹیشن کا مسئلہ ہے..... اور تم ابھی یہاں نو وارد ہو.....'' اس کے اس جملے نے جیسے اس کے سر سے بوجھ سا اتار دیا ہو..... ٹینا نے اس کی ٹیبل پر اپنا ہینڈ بیگ رکھا اور کمپیوٹر اسکرین کی جانب ذرا جھکی تب ہی اچانک اس کے حلق سے ہلکی سی چیخ ابھری۔

''اوپس.....'' اس کے چہرے پر کرب سا ابھرا۔

''کیا ہوا ٹینا! آپ ٹھیک تو ہیں.....؟'' وہ گھبرا کر اپنی سیٹ سے اٹھی۔

''اٹس اوکے..... لگتا ہے کہ پیر میں موچ آ گئی..... ذرا سا تو مڑا تھا۔'' وہ اپنا پیر سہلاتے ہوئے اس کی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''میں فرسٹ ایڈ بکس لے کر آتی ہوں.....'' وہ دفعتاً جانے کو مڑی.....

''ارے نہیں، نہیں قرۃ العین..... تم اپنا کام کرو..... میں خود ہی جاتی ہوں ابھی اسپرے کروں تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گا..... معمولی سی موچ ہے تم، تم بیٹھو.....'' وہ اسے زبردستی سیٹ پر بٹھا کر چلی گئی..... اسے افسوس ہوا کہ ابھی تو اس بیچاری نے کمپیوٹر کو چھیڑا بھی نہیں تھا کہ پیر کی موچ نے آگھیرا۔ میڈم روبانہ کو کوئی ضروری کاغذات دینا تھے اس نے فائل اٹھائی کہ اچانک اس کی نظر ٹینا کے چھوٹے سے قیمتی لیدر کے

ہینڈ بیگ پر پڑی اس نے بیگ اٹھایا کہ اسے لوٹا دے اسی دم اس کا سیل فون بجنے لگا۔ اس وقت پاکستان سے فون آنے کا مطلب کوئی نہایت ضروری بات ہوسکتی ہے اس نے ٹینا کا ہینڈ بیگ وہیں ٹیبل پر دھرا اور فون اٹھایا۔ دوسری جانب عمرانہ تھی۔

''ہاں عمرانہ..... کیسی ہو..... خیریت تو ہے؟''

''میں تو ٹھیک ہوں لیکن حالات ٹھیک نہیں ہیں.....'' اس کی آواز گھبرائی سی تھی۔

''کیا مطلب' امی کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟''

اس کا دل بری زور سے دھڑکا..... اس کے دوسرے ہاتھ میں فائل لگ رہی تھی۔

''ہاں..... ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے..... پر پتا ہے بجلی کا بل ایک لاکھ روپے آیا ہے.....''

''کیا ایک لاکھ.....؟'' حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔

''ساجد بھائی نے دو مہینے پہلے ہی تو اے سی لگوایا تھا..... یاد ہے ناں.....''

''ہاں، یاد ہے..... لیکن پچھلے مہینے تو بل ہی نہیں آیا تھا۔'' اسے اچھی طرح یاد تھا کہ عشنہ بھابی نے خود اسے بتایا تھا کہ بجلی کا بل نہیں آیا..... تو کیا..... انہوں نے جان بوجھ کر اس سے جھوٹ بولا تھا۔

''آیا تھا بل..... جان بوجھ کر انہوں نے بل نہیں دیا تھا اور اب جب ایک لاکھ روپے کا اکٹھا آ گیا تو ہمارے سر پر مار دیا.....''

''لیکن عمرانہ..... اتنا بل..... اتنا بل کیسے ادا ہو گا؟'' وہ گنگ سی رہ گئی۔

''امی نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ ہم اپنا میٹر الگ کروالیں گے..... لیکن یہ ایک لاکھ کی بلا تو سر سے اترے۔''

''پھر کیا عمرانہ.....؟''

''کیا تم کچھ پیسے نہیں بھجوا سکتیں..... پچاس ہزار روپے تو بھرنے ہی ہوں گے..... ورنہ ہمارا اپنا میٹر بھی نہیں لگے گا..... شکر کرو کہ ساجد بھائی نے آدھے بل کی ہامی بھر لی ورنہ تم تو امی کو جانتی ہی ہو.....''

''پچاس ہزار روپے..... عمرانہ..... میرے اکاؤنٹ میں تو پندرہ بیس ہزار روپے ہی ہوں گے۔ مشکل سے تم جانتی ہو کہ میرا اپنا کتنا خرچہ ہوا ہے یہاں آنے میں اور پھر ابھی تو مجھے یہاں کام کرتے ایک مہینہ بھی نہیں ہوا یعنی تنخواہ بھی نہیں ملی.....'' اس پر پھر بوجھ سا سوار ہو۔

''افوہ..... پندرہ' بیس ہزار..... اچھا چلو میں عشنہ بھابی سے بات کرتی ہوں..... تم نے چیک تو سائن کر کے رکھ دیے تھے ناں.....''

''ہاں..... ضرورت پڑے تو لے لینا مگر تھوڑے سے پیسے ضرور چھوڑ دینا۔''

''اوکے..... میں بات کر کے پھر فون کروں گی.....'' عمرانہ نے فون بند کر دیا تھا۔ اس نے اپنا سر تھام لیا تب ہی احساس ہوا کہ اسے میڈم روبانہ کو فائل بھجوانا تھی۔

''کس قدر غلط بات ہے ساجد بھائی کی..... سب جانتے ہیں کہ ان کی بیگم سارا، سارا دن اے سی کی ٹھنڈک میں بیٹھی رہتی ہے..... پھر بھی آدھے بل کی بات کر رہے ہیں..... توبہ ہے کس قدر چھوٹی ہیں عشنہ بھابی..... میں نے خود ان سے پوچھا تھا..... کس قدر پریشان ہوں گی امی.....'' میڈم روبانہ کے کیبن میں داخل ہوتے ہی اس کی ساری فکرات سوئچ آف ہو گئیں۔

''ارے آؤ، آؤ عینی..... میں ابھی تمہیں ہی یاد کر رہی تھی..... تمہاری تو بڑی تعریفیں ہو رہی تھیں بھئی.....'' میڈم روبانہ نے اسے دیکھتے ہی ہانک لگائی۔

''میری تعریفیں..... ارے واہ میڈم.....'' اس نے فائل ان کے سامنے رکھیں تب ہی غصے میں بھری ٹینا دھڑام سے کیبن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور اسے دیکھ کر طنزیہ انداز میں گویا ہوئی۔

''تو آپ یہاں آرام سے بیٹھی ہیں.....؟''

''کیا ہوا ٹینا..... تم اتنے غصے میں کیوں ہو؟'' میڈم روبانہ بھی اس کے بدلے ہوئے رویے کو دیکھ کر پریشان سی ہو گئی۔

''میں غصے میں کیوں ہوں..... یہ آپ ان سے

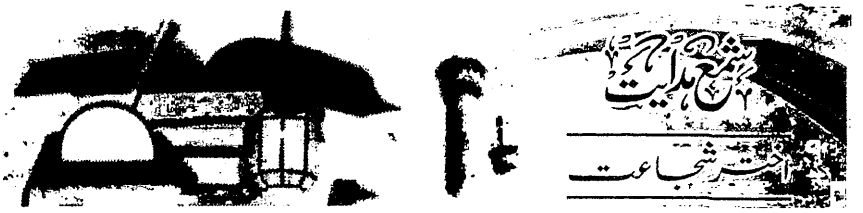

نیت.....مقبول الٰہی

تمام تر حمد و ثنا اللہ رب العزت کے لیے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ خالق ہے، مالک ہے اسی کا اختیار و اقتدار ہے.....

کائنات کے ایک، ایک ذرّے پر غور و فکر کریں تو احساس ہوتا ہے کہ میرا اللہ اس عظیم کائنات کا اکیلا خالق ہے۔ اس کی قدرت اس کی طاقت اس قدر عظیم ہے کہ کائنات کی اس تخلیق میں اور پھر اس کا انتظام سنبھالنے میں اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت نہیں.....بس وہ کُن کہتا ہے تو ہر چیز خود بخود ہو جاتی ہے۔

ہم اگر اپنی ذات پر غور کریں تو اپنے رب کا احسانِ عظیم یاد آتا ہے کہ ہم کچھ بھی نہ تھے، وہ ہمیں عدم سے وجود میں لایا.....نہ صرف پیدا کیا بلکہ مکمل اور خوب صورت انسان کی شکل عطا کی۔ بہترین صلاحیتیں عطا کریں تا کہ اس خوب صورت دنیا میں اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں اور دل کی گہرائیوں سے اس کی حمد و ثنا اور شکر بھی ادا کریں۔

اپنی بے پناہ محبت کے سبب جو ہمارے رب کو ہمارے ساتھ ہے اس نے بہت ساری چیزیں جو اس کی ملکیت ہیں اس نے ہمیں وہ عطا کیں۔ درحقیقت ہمارا رب ہمیں اپنی بے پناہ محبت کا یقین دلاتا ہے کہ اس نے یہ کائنات ہمارے لیے پیدا کی ہے مگر ہمیں صرف اور صرف اپنے لیے پیدا کیا ہے تا کہ اس کی نعمتوں اور بخششوں کا ہر دم شکر ادا کریں.....پھر اس نے ہمیں قرآن عطا کیا جو نورِ ہدایت ہے اور پھر معلم قرآن جو سراپا رحمت و شفقت ہیں۔ تو ہم اپنے رب کی کون، کون سی نعمتیں، رحمتیں اور عطائیں ..... ہیں جن کا شکر ادا کریں.....لاکھوں درود و سلام ہو پیارے آقا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی آلؓ پر اور ان کے اصحابؓ پر.....

☆☆☆

آج ہمارا موضوع ''نیت'' ہے۔ نیت کے لغوی معنی دلی ارادہ.....اصل مقصدِ مراد.....خیال.....دُھن ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ہر فعل و عمل کو جاننے والا ہے، وہ ہمارے سینوں کے رازوں سے بھی باخبر ہے اور وہ اپنی مخلوق کی اچھی بری دونوں نیتوں کو بخوبی جانتا ہے مگر اس نے بندوں کی نجات کا دارو مدار اچھی اور بری نیت اور اعمال پر چھوڑ رکھا ہے جو اچھا سوچے گا اچھا پائے گا جو برا سوچے گا اس کا انجام برا ہوگا۔

غرضیکہ نیت قبولیتِ اعمال کی بنیاد ہے.....کیونکہ جس کی نیت درست ہوگی اس کا عمل درست ہوگا اور اس کا عمل بارگاہ رب العزت میں مقبول ہوگا۔ جس کی نیت بری ہوگی اس کا عمل قابلِ قبول نہ ہوگا.....تو دل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا جو ارادہ اور سوچ پیدا ہوتی ہے اسے نیت کہا جاتا ہے.....عموماً کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ جب انسانی ذہن میں کوئی خیال یا سوچ نہ ہو مگر خیالات کے آنے جانے کو نیت نہیں کہا جاتا بلکہ جونہی کسی کام کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ ہوتا ہے تو اسے نیت کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اسی ارادے کے ساتھ عمل نے وقوع پزیر ہونا ہے اسی لیے نیت کرتے وقت ذہن میں درست سوچ کا ہونا

لازمی ہے کیونکہ عمل کی اچھائی اور برائی کی سمت نیت نے ہی متعین کرنی ہے۔

اسی لیے نیت کی درستگی پر بہت زور دیا گیا ہے اسی پر معرفت کی پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے تمام اعمال جن سے اللہ تعالیٰ کی قربت نصیب ہوتی ہے اسی نیت سے جنم لیتے ہیں..... اسی لیے بنیادی سبق صدقِ نیت ہے..... یعنی نیت ہمیشہ اللہ کی رضا کے لیے نیک کام کے لیے کی جائے اور اپنے نفس میں برائی کا خیال ہی پیدا نہ ہونے دیا جائے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' تو ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ملے گا۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''میری امت کے اکثر شہدا بستر والے ہوں گے اور میدانِ جنگ میں بہت سے قتل ہونے والوں کی نیت کا حال اللہ زیادہ جانتا ہے۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا..... ''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔'' دلوں کو اس لیے دیکھتا ہے کہ وہ نیت کا محل ہے۔

☆☆☆

تو تمام اعمال کا دارومدار اور ان کی روح نیت ہے اور اعتبار نیت کا ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر عمل میں نیت کو دیکھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا..... کہ اعمال کا ثواب نیت سے ہے..... اور ہر شخص کو عبادت کا ثواب اتنا ہی ملے گا جیسی اس کی نیت ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے شہر کو جہاد اور حج کے لیے محض اس کے لیے چھوڑے گا تو یہ اس کی ہجرت اللہ کے لیے ہوگی لیکن اگر کوئی ہجرت اس لیے کرتا ہے کہ مال حاصل کرے یا کسی عورت سے نکاح کرے تو اس کی یہ ہجرت اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہوگی جس کی اس کو طلب اور تلاش ہے۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا..... ''کہ بندہ بہت سے نیک کام کرتا ہے، فرشتے انہیں آسمان پر لے جاتے ہیں..... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اعمال کو اس کے نامۂ اعمال سے مٹا دو کیونکہ اس نے یہ کام میرے لیے نہیں کیے اور فلاں، فلاں اعمال اس کے نامۂ اعمال میں لکھو..... فرشتے عرض کریں گے کہ اس بندے نے تو یہ کام نہیں کیے ہیں..... تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس نے دل میں ان کاموں کی نیت کی تھی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ چار قسم کے ہیں.....

1۔ وہ شخص جو مال رکھتا ہو اور علم کے مطابق اس کو خرچ کرے۔

2۔ وہ شخص جو آرزو اور تمنا کے ساتھ کہتا ہے کہ اگر یہ مال میرے پاس ہوتا تو میں اس کو راہِ خدا میں خرچ کرتا..... ان دونوں کا ثواب برابر ہے۔

3۔ وہ شخص جو مال بے جا صرف کرتا ہے۔

4۔ وہ شخص جو کہتا ہے کہ میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا ان دونوں کا گناہ یکساں ہے۔ یعنی فقط نیت اس عمل کا حکم رکھتی ہے جو نیت کے مطابق ہو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک میں تشریف لے گئے تو فرمایا..... مدینہ منورہ میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ بھوک اور سفر کی تکلیف میں ہمارے شریک ہیں..... میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ لوگ کس طرح ہمارے شریک ہیں.....؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ''وہ لوگ عذر کے سبب سے ہمارے ساتھ شریک نہیں ہو سکے لیکن ان کی نیت ہماری نیت کی طرح ہے۔''

☆☆☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا..... کہ جو کوئی نکاح کرے اور مہر نہ دینے کی نیت رکھے وہ زانی ہے..... اور جو اس نیت سے قرض لے کہ واپس نہیں کرے گا تو وہ چور ہے، علما نے فرمایا کہ پہلے عمل کی نیت سیکھو اس کے بعد عمل کرو۔

ایک آدمی لوگوں سے کہتا تھا کہ مجھے کوئی ایسا عمل سکھاؤ کہ رات دن اس میں مصروف رہوں اور کبھی نیکی

سے محروم نہ رہوں..... لوگوں نے اس سے کہا کہ ہمیشہ نیکی کی نیت رکھا کرو..... تاکہ نیکی کا ثواب ملتا رہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ''لوگوں کو قیامت کے دن ان کی نیتوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔''

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ''انسان کو دائمی بہشت چند روز کے عمل سے حاصل نہیں ہوگی بلکہ اچھی نیت سے حاصل ہوگی جس کی کوئی انتہا نہیں ہے.....''

بنی اسرائیل کا ایک شخص ریت کے ایک ٹیلے کے قریب سے گزرا اس وقت قحط پڑ رہا تھا..... اس نے دل میں سوچا کہ اس ٹیلے کے برابر گیہوں میرے پاس ہوتے تو میں یہ لوگوں میں تقسیم کر دیتا..... تو اس زمانے کے رسول پر وحی نازل ہوئی کہ اے نبی علیہ السلام..... اس شخص سے کہہ دو کہ تیرا صدقہ اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا ہے اور تجھے اسی غلے کے مطابق اجر و ثواب عطا کیا گیا جو تو نے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔'' جو شخص نماز قائم کرتے وقت بالکل صحیح نیت رکھتا ہے اور اس کے پیش نظر رضائے الٰہی کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہوتا تو اس کے لیے فرشتے بھی اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ یا الٰہی! اس بندے کی اخلاص نیت کی بنا پر اسے بخشش عطا کر، یہ انسان کے لیے بہت بڑا درجہ ہے کہ جس کے لیے فرشتے اللہ کے حضور دعا گو ہیں۔

حدیث میں ہے کہ ایک بندہ قیامت کے دن حاضر ہوگا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جس میں حج، عمرہ، جہاد، زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ اعمال ہوں گے، یہ اپنے دل میں کہے گا کہ میں نے تو ان اعمال میں سے کچھ کیا بھی نہیں..... یہ تو میرا اعمال نامہ نہیں ہے..... اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اسے پڑھو..... یہ تیرا ہی اعمال نامہ ہے تو عمر بھر اس تمنا میں رہا کرا ے کاش.....! میرے پاس مال ہوتا تو حج کرتا اے کاش مال ہوتا تو جہاد کرتا..... تو یہ باتیں صدق دل سے کہتا تھا کہ لہٰذا ہم نے تجھے ان اعمال کا ثواب عطا کیا۔

ایک بار حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا۔ ''لوگو! ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ جس کام میں نیک نیتی شامل نہ ہو وہ کام ہی نہیں.....''

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''میں ہر دانا کا کلام قبول نہیں کرتا اس کی اغراض و افکار کو دیکھتا ہوں اگر اسے میری رضا مقصود ہو تو اس کی خاموشی کو فکر اور اس کے کلام کو ذکر بنا دیتا ہوں گو وہ کلام نہ کرے۔'' حضرت عون بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ ''اہل خیر حضرات ایک دوسرے کی طرف تین کلمات لکھ کر بھیجا کرتے۔

۱۔ جو آخرت کے لیے عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کی کفالت کرتے ہیں۔

۲۔ جو اپنے باطن کی اصلاح کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو درست فرما دیتے ہیں۔

۳۔ جو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے درست کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ اس کا معاملہ درست فرما دیتے ہیں۔''

فقیہہؒ فرماتے ہیں کہ بہت سونے والے شب بیداری کا ثواب پاتے ہیں۔ اور بہت سے شب بیدار لوگ سوئے ہوئے شمار ہوتے ہیں..... مثلاً ایک آدمی کی عادت تہجد میں اٹھ کر نماز پڑھنے کی ہے ایک رات وہ حسب عادت یہی نیت کر کے سویا مگر نیند کے غلبے میں صبح تک سویا رہا۔ اٹھا تو پریشان و غمزدہ ہو کر انا للہ پڑھنے لگا تو یہ شخص تہجد گزار لکھا جائے گا اور اپنی نیت کی بدولت شب بیدار شمار ہوگا..... اور ایک دوسرا آدمی ہے جس کی عادت رات کو اٹھنے کی نہیں یونہی خیال گزرا کہ صبح ہو گئی اٹھا اور وضو کر کے مسجد میں پہنچا تو پتا چلا کہ ابھی صبح (فجر) نہیں ہوئی، اب یہ صبح کے انتظار میں ہے اور دل ہی دل میں کہہ رہا ہے کہ اگر معلوم ہوتا کہ ابھی صبح نہیں ہوئی تو میں بستر کو کیوں چھوڑتا یہ شخص بیداری کے باوجود سویا ہوا شمار ہوتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ سے پوچھا گیا اے ابو علی.....! آدمی نیک کب ہوتا ہے؟ فرمایا جب اس کی نیت میں نصیحت، دل میں خوف، زبان پر سچائی اور اس کے اعضا سے اعمال صالح کا صدور ہوتا ہے۔

☆☆☆

قباد ایران کا بادشاہ تھا ایک دن وہ شکار کھیلتا ہوا لشکر سے دور نکل گیا۔ گرمی اور پیاس سے بے تاب ہوا ہر طرف

نظر ڈالی کہ کہیں سایہ اور چشمہ نظر آئے دور ایک خیمہ دکھائی دیا..... وہاں ایک بوڑھی عورت اپنی بیٹی کے ساتھ اس کے سایہ میں بیٹھی ہے۔ جب وہ قریب پہنچا تو عورت نے قریب آکر گھوڑے کی باگ پکڑی..... بادشاہ نیچے اترا تب اس عورت نے جو کچھ پاس تھا حاضر کیا۔ بادشاہ نے کھانا کھایا پانی پیا تھکا ہوا تو تھا ہی لیٹ گیا تو اسے فوراً نیند آگئی..... شام کے وقت آنکھ کھلی اتنے میں ان کی گائے جنگل سے آگئی..... لڑکی اٹھی دودھ دوہا تو برتن لبالب بھر گیا۔ قباد کو تعجب ہوا اور خیال آیا کہ یہ لوگ جنگل میں ہیں اسی لیے ٹیکس سے بچے ہوئے ہیں..... مناسب ہے کہ ہفتے میں ایک دن کا دودھ بادشاہ کو دیں تو ان کا کچھ نہیں بگڑے گا..... اور شاہی خزانے میں اضافہ ہوگا..... لہٰذا جب میں واپس جاؤں گا تو اس کے متعلق احکام جاری کروں گا..... جب صبح ہوئی تو لڑکی نے دودھ دوہا تو دودھ بہت کم نکلا تب وہ لڑکی فوراً چلّائی..... اے ماں! بادشاہ نے ظلم کی نیت کرلی ہے۔ قباد کو یہ سن کر سخت تعجب ہوا اور پوچھا کہ اے لڑکی! تمہیں یہ بات کس طرح معلوم ہوئی.....؟ لڑکی نے کہا..... ہماری یہ گائے ہر صبح بہت زیادہ دودھ دیتی تھی آج اتنا کم دیا..... جب بادشاہ کی نیت خراب ہوجائے تو اللہ تعالیٰ برکت اٹھالیتا ہے..... بادشاہ نے کہا..... لڑکی تو نے سچ کہا اور پھر اس نے دودھ پر ٹیکس لگانے کا ارادہ ترک کردیا..... اور کہا..... لڑکی اب دودھ نکال..... لڑکی پھر اس کام میں لگ گئی۔ تب بہت دودھ نکلا..... وہ ماں کے پاس دوڑی ہوئی گئی اور بادشاہ کی نیت درست ہونے کی خبر سنائی۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ عادل حکمران برسنے والے بادل اور چمکنے والے سورج سے بہتر ہے اگر بادشاہوں ..... کی نیت درست اور نیک ہو تو موسم بہار میں خوب مینہ برستا ہے اگر خراب ہو تو وقت پر بارش نہیں ہوتی۔

☆☆☆

سب سے افضل نیت یہ ہے کہ اپنے عمل سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو..... مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ”انسان اپنی زندگی کے مطالب اور اطمینان اور وسعتِ رزق کو دو چیزوں کے ذریعے پاتا ہے.....

۱۔ حسن نیت۔

۲۔ وسعتِ اخلاق۔

جس کی نیت خراب ہو وہ کامیابی سے محروم رہتا ہے اور جو امیدوں پر بھروسا کرتا ہے موت ان کے پورا ہونے سے قبل اس کو آن لیتی ہے۔

جس کی نیت درست نہیں اس کے عمل کا کچھ اعتبار نہیں اور جس میں بصیرت نہیں اس کے علم کی کوئی دلیل نہیں.....“

عمل کی درستی نیت کی درستی سے متعلق ہے۔

ظاہر کے فساد سے وطن بگڑتا ہے اور نیت کے فساد سے برکت دور ہوتی ہے۔ حضرت ذکریا علیہ السلام مزدوری کے لیے گئے۔ بعض لوگ ان کے پاس گئے اس وقت وہ کھانا کھا رہے تھے آپ علیہ السلام نے ان کو کھانے کے لیے نہیں بلایا جب کھانے سے فارغ ہوچکے تو کہا کہ اگر میں یہ تمام کھانا نہ کھاتا تو مجھ سے پوری مزدوری نہیں ہوسکتی تھی اور سنتِ سخاوت ادا کرنے کے باعث میں ادائے فرض مزدوری سے محروم رہ جاتا۔

بندۂ خاص اور پسندیدہ وہ ہے جو کچھ کرتا ہے اللہ رب العزت کے لیے کرتا ہے نہ کہ دوزخ سے بچنے اور بہشت کے حصول کے لیے.....

اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت کرے... ثواب کی زیادتی کی صورت یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اچھی نیتیں کرے..... مثال کے طور پر مسجد میں بیٹھنا ایک عبادت ہے اس عبادت میں بہت سی نیتیں کی جاسکتی ہیں..... چنانچہ ایک نیت یہ ہوسکتی ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے..... اس میں داخل ہونے والا اللہ کا زائر ہے چنانچہ وہ مسجد میں بیٹھنے سے زیارتِ الٰہی کی نیت کرے..... دوسری یہ کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی نیت کرے..... کیونکہ نماز کے انتظار میں بیٹھنے کا ثواب ایسے ہی ہے جیسے نماز کا ثواب تیسرے یہ کہ میں بری باتوں سے کان، آنکھ اور دیگر اعضا کو محفوظ رکھتا ہوں..... اعتکاف بھی روزے کی طرح ایک عبادت ہے..... حدیث مبارکہ ہے کہ ”میری امت کی رہبانیت مساجد میں بیٹھنا.....“ ذکرِ الٰہی اور ذکرِ آخرت کی نیت کرے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی نیت ہوسکتی ہے..... بہرحال کوئی اطاعت ایسی نہیں ہے جس میں بہت سی نیتیں نہ کی جاسکتی ہوں۔ ان نیتوں سے اعمال پاکیزہ ہوتے ہیں اور نیکیاں بڑھتی ہیں۔

بندے کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی خیال، فکر، اقدام، حرکت اور لمحے کو حقیر جانے قیامت کے دن ہر چیز کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا اور اس کام سے اس کا مقصد وارادہ کیا تھا؟ اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ”اس کے حلال میں حساب ہے اور اس کے حرام میں عذاب ہے۔“

”قیامت کے روز بندے سے ہر چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا یہاں تک کہ آنکھ کے سرمے کے متعلق بھی اور انگلیوں سے مٹی کریدنے کے بارے میں بھی..... اور اپنے بھائی کا کپڑا چھونے کے بارے میں بھی.....“

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے خوشبو لگائے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی خوشبو مشک سے زیادہ ہوگی اور جو شخص غیر اللہ کے لیے خوشبو لگائے گا اس کی یہ خوشبو مردار کی بدبو سے بھی زیادہ کریہہ ہوگی..... خوشبو لگانا مباح ہے لیکن اس میں بھی نیت ضروری ہے یہ سوچا جاسکتا ہے کہ خوشبو تو نفس کی لذتوں میں سے ایک ہے۔ آدمی اللہ کے لیے خوشبو کیسے لگائے.....؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن مثلاً یا کسی اور وقت میں خوشبو لگاتا ہے اس کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دنیاوی لذات سے راحت پائے..... یا اپنے مال کی کثرت پر فخر کرے تاکہ ہم عصر مرعوب ہوں یا لوگوں کو دکھلانا مقصد ہو کہ جہاں کہیں اس کا ذکر ہو..... لوگ خوشبو کے حوالے سے یاد کریں یا یہ مقصد ہوسکتا ہے کہ اجنبی نامحرم عورتوں میں مقبول ہوجائے اس طرح بہت سے مقاصد ہوسکتے ہیں تو یہ تمام مقاصد خوشبو لگانے کے عمل کو معصیت (گناہ، قصور) بنا دیتے ہیں۔ اس طرح وہ خوشبو قیامت کے دن مُردار کی بدبو سے زیادہ کریہہ ہوگی..... سوائے پہلے مقصد کے..... یعنی محض تلذذ (لطف، مزہ) پانا۔ اور راحت حاصل کرنا یہ معصیت نہیں ہے لیکن اس کا حساب بھی ہوگا اور جس سے حساب کیا جائے گا اسے عذاب دیا جائے گا..... تو خوشبو لگانے میں اچھی نیتیں یہ ہوسکتی ہیں کہ جمعہ کے دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی نیت کرے..... مسجد کی تعظیم اور اللہ کے گھر کے احترام کی نیت کرے اور یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنے والے کو خوشبو لگائے بغیر مسجد میں داخل نہ ہونا چاہیے..... یا یہ نیت کرے کہ میں خوشبو لگا کر اپنے قریب بیٹھنے والوں کے لیے راحت پہنچانا چاہتا ہوں یا میں خود اپنے نفس کو بدبو سے محفوظ کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرے پاس بیٹھنے والے میرے جسم کی بدبو سے اذیت کا شکار نہ ہوں..... خوشبو لگانے والے کو چاہیے کہ اپنے دماغ کی نیت کرکے خوشبو لگائے تاکہ ذہانت و ذکاوت میں زیادتی ہو..... دینی مسائل کا سمجھنا سہل ہو..... اور اس میں آسانی کے ساتھ غور و فکر کرسکے..... چنانچہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ”جس کی خوشبو عمدہ ہوتی ہے اس کی عقل بھی تیز ہوتی ہے.....“ جس شخص پر فکرِ آخرت غالب ہوتی ہے وہ خیر کا طالب ہوتا ہے یا دنیا سے اعراض کرکے آخرت کی تجارت کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس طرح کی نیتیں کرکے گناہوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

ایک صاحبِ معرفت بزرگ فرماتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے تمام اعمال میں ایک نیت کرلیا کروں یہاں تک کہ کھانے پینے، پہننے، سونے، قضائے حاجت کرنے اور دوسرے تمام اعمال میں میری ایک ہی نیت ہو اور وہ نیت ”تقرب الی اللہ“ کی ہوسکتی ہے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک خط لکھا اور یہ ارادہ کیا کہ اس پر پڑوسی کی دیوار سے مٹی لے کر ڈال دوں تاکہ روشنائی خشک ہوجائے مگر میرا دل نہیں مانا لیکن پھر یہ خیال آیا کہ مٹی ایک حقیر شے ہے اسے لینے میں کیا حرج ہے۔ چنانچہ میں نے مٹی لی اور اس خط پر ڈال دی..... اسی وقت پردۂ غیب سے آواز آئی۔ ”جو شخص مٹی کو حقیر سمجھتا ہے وہ قیامت کے دن اس کا عذاب پائے گا۔“

ایک شخص نے حضرت سفیان ثوریؒ کے ساتھ نماز پڑھی اس نے دیکھا کہ آپؒ نے کپڑے الٹے پہنے ہوئے

ہیں..... اس نے آپ کی توجہ اس طرف دلوائی آپؒ نے کپڑا سیدھا کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور پھر ایک دم روک لیا..... اس شخص نے پوچھا آپ کپڑا سیدھا کرتے، کرتے رک کیوں گئے؟ آپؒ نے فرمایا..... میں نے یہ کپڑے اللہ تعالیٰ کے لیے پہنے ہیں پھر غیر کے لیے کیوں انہیں سیدھا کروں؟

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک شخص دوسرے شخص کا دامن پکڑ کر کہے گا کہ میرے اور تیرے درمیان اللہ ہے..... وہ کہے گا کہ بخدا میں تجھ سے واقف نہیں ہوں پہلا شخص کہے گا تو مجھے کیسے نہیں جانتا تو نے میری دیوار سے ایک اینٹ لی تھی اور میرے کپڑے میں سے ایک دھاگا کھینچا تھا۔ اور اس طرح کی روایات اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں..... اگر آپ حوصلہ مند اور عقل والے ہیں اور ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو فریب کھاتے ہیں تو پھر اپنے احوال پر نظر رکھو..... اپنے نفس کا باریک بینی سے احتساب کرتے رہو اس سے پہلے کہ باریکی کے ساتھ آپ کا مواخذہ ہو اور آپ کے احوال کی چھان بین کی جائے تو پھر اپنی ہر حرکت اور ہر سکون سے پہلے یہ غور کرنا چاہیے کہ آپ متحرک کیوں ہونا چاہتے ہو اور آپ کی نیت کیا ہے؟ اور ہمیں اس حرکت سے دنیا میں کیا نفع پہنچ سکتا ہے اور آخرت میں کیا نقصان ہو سکتا ہے..... اگر غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہو کہ اس حرکت سے مقصد صرف دین ہے تو پھر اپنے ارادے کے مطابق عمل کرو ورنہ وہیں ٹھہر جاؤ۔

☆☆☆

حضرت طاؤسؒ نیت کیے بغیر حدیث بیان نہ فرماتے اگر کوئی شاگرد حدیث سنانے کی درخواست بھی کرتا تو خاموشی اختیار کرتے اور جب نیت ہوتی تو کہے بغیر حدیث بیان کرنا شروع کر دیتے لوگوں نے پوچھا کہ ”اس کی وجہ کیا ہے؟ کہ جب ہم درخواست کرتے ہیں تو آپؒ حدیث نہیں بیان فرماتے اور جب درخواست نہیں کرتے تو بیان فرماتے ہیں.....“ فرمایا کہ ”کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں بلا نیت حدیث بیان کر دیا کروں جب میری نیت حاضر ہوتی ہے تو میں حدیث بیان کرتا ہوں۔“

اسی لیے اکابر اسلام نیت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ نیت عمل کی روح ہے اور نیت صادقہ کے بغیر عمل ریا اور تصنع ہے اور ایسا عمل ناراضی کا سبب بنتا ہے تو نیت محض زباں سے کہنے کا نام نہیں بلکہ یہ قلب کی آمادگی کا نام ہے..... لوگوں کو ان کی نیت کے بقدر ثواب ملتا ہے اس لیے جن لوگوں کی نیت رضائے الٰہی ہے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ یعنی اس کے دیدار سے فائدہ اٹھائیں گے تو اے طالب معرفت! بحر محبت میں ذرا حسن نیت سے قدم رکھ کیونکہ نیت ڈبوئے نیت ترائے نیت پار لگائے نیت سر پر شرافت کا تاج رکھوائے اور نیت ہی گلی، گلی ذلیل و خوار کروائے..... نیت دوری سے قرب میں لائے..... نیت کا ہی عمل مسافر بنوائے اور نیت ہی بے عملی کے جوہڑ میں گروائے۔ نیت ہی کمال لطف بندگی کے جام پلوائے نیت ہی لعین و مردود بنوائے..... غرضیکہ نیت پاسبان عقل ہے اسی لیے ذرا راہ حق میں سمت محبوب کی طرف تھام کر رکھ کہ کہیں نیت سارا سفر بیکار نہ کروا جائے.....

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی نیت درست کرنے کی اور پھر رضائے الٰہی کے لیے ہر اچھے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے..... اور اچھی نیتیں ہمارے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھواتی چلی جائیں..... آمین الٰہی آمین.....

حرفِ آخر:

اے میرے پاک پروردگار..... آپ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اس مضمون میں دانستہ یا نادانستہ کوئی غلطی کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو اے میرے پیارے رب مجھے معاف فرما دے کہ تیری یہ گناہ گار بندی اپنی کم علمی، کم فہمی کے لیے معافی کی طلبگار ہے..... اے مہربان رب مجھے معاف فرما دے..... ان تمام ہستیوں کے لیے شکر گزار ہوں کہ جن کی اعلیٰ کتب سے میں نے مضامین کا انتخاب کیا اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے..... آمین.....

دلہن کا سہیلیوں سے رابطہ اور شوہر کا تعاون

شائستہ زریں

قارئینِ کرام! السلام علیکم

حسبِ روایت ہمارا زیرِ نظر شمارہ ''دلہن نمبر'' ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ نئی شادی شدہ لڑکی یعنی کہ دلہن کی سکھیاں اس کے میکے کی یادوں کا اہم اور نا قابلِ فراموش حصہ ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لڑکی کی رخصتی کے وقت جہاں بابل کے گیت گائے جاتے ہیں وہاں سہیلیاں بھی الوداعی گیتوں میں اپنی محبت کا اظہار کرتی نظر آتی ہیں مثلاً

جا ری سہیلی سجنوا کے دوارے
چمکے ہیں تیرے نصیبوں کے تارے

دلہن اور اس کی سہیلیوں کا بے مثال تعلق ہی آج ہمارے سروے کا موضوع ہے۔ شادی کے بعد ''دلہن رانی'' کے اپنی سہیلیوں سے رابطہ برقرار رکھنے اور اس معاملے میں ''دولھا راجا'' کے تعاون کے حوالے سے ہم نے سروے میں شریک دلہنوں سے معلوم کیا کہ

سوال 1:: کیا شادی کے بعد سہیلیوں سے رابطہ برقرار رہنا چاہیے؟ کس حد تک؟ اور کیا آپ کا رابطہ برقرار رہا؟

سوال 2:: آپ کے شوہر نے اس ضمن میں آپ کے ساتھ کتنا تعاون کیا؟

روبی طٰہٰ

ا:: شادی سے پہلے بڑے عہد و پیمان ہوتے ہیں کہ ہم دوست کبھی الگ نہیں ہوں لیکن شادی کے بعد دل تو چاہتا ہے ملیں، پر مصروفیت اجازت ہی نہیں دیتی۔ شوہر، سسرال پھر بچے اور ساتھ، ساتھ جاب

بھی۔ اب ذرائع ابلاغ کا بھلا ہو تو بات ہو جاتی ہے ان کی بھی اور میری بھی۔ شادی سے پہلے گپ شپ ہوتی تھی اب صرف کام کی بات ہوتی ہے۔

۲:: کبھی شوہر نے منع نہیں کیا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اپنی دوستوں سے ملنا چاہیے لیکن گھر اور جاب کی مصروفیت اجازت نہیں دیتی۔ اپنی دوستوں سے کیا رشتے داروں تک سے ملاقات نہیں ہوتی۔ کاش پرانا وقت واپس آجائے۔

خدیجہ رزاق

ا: زندگی کے سفر میں شادی کا بندھن ایک نئے باب کا آغاز مانا جاتا ہے۔ دراصل حقیقی زندگی یعنی کنبے کا آغاز۔ جو دونوں مل کر کرتے ہیں۔ ابتدائی ایام میں لڑکی اور لڑکا دونوں کو ہی ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ لڑکیوں کو اس مقولے ''پہلے میاں پھر دنیا''

کے مطابق اپنی توجہ محض اپنے جیون ساتھی اور گھر گرہستی کی جانب ہی مبذول رکھنی چاہیے۔ ہاں کبھی جو فرصت پائیں تو ضرور سہیلیوں سے رابطہ کریں مگر شوہر کی رضامندی کے ساتھ۔ تاکہ ازدواجی زندگی کا سکون جو لڑکی کی اولین ترجیح ہونی چاہیے متاثر نہ ہو۔ میں نے شروعات میں رابطہ ضرور رکھا مگر محدود اور شوہر کی رضامندی کے ساتھ۔

۲: الحمدللہ، میرا شمار ان خوش قسمت خواتین میں ہوتا ہے جن کے شوہر ان کی خواہش کا احترام کرتے ہیں اور جبر نہیں کرتے مگر یہ رویہ ہم سے زیادہ ذمے داری کا متقاضی ہوتا ہے کہ ہم اپنی ترجیحات کو متعین کریں اور ذمے داری سے اپنے رشتے نبھائیں۔

عظمیٰ بلوچ

ا: جی بالکل رابطہ برقرار رکھنا چاہیے۔ کس حد تک؟ تو اس حوالے سے وہ مشہورِ زمانہ شعر ہے ناں

رابطے حد سے بڑھ جائیں تو غم ملتے ہیں
ہم اسی واسطے ہر شخص سے کم ملتے ہیں

مگر جب دوستوں کی بات ہو تو ذرا سی بے تکلفی اور گرمجوشی تو ہونی چاہیے۔

۲: حال ہی میں مجھے میرے بچپن کی دوست ملی ماشاءاللہ ... میرے شوہر مجھے اس سے ملوانے لے گئے۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ میری پکی سہیلیاں ہی تین ہیں۔ جن سے الحمدللہ ابھی تک اچھی گپ شپ ہے۔ ملنا ملانا کم، کم ہے مگر رابطہ قائم ہے، شکر ہے اللہ کا اتنا اچھا اور سمجھدار ہم سفر عطا کیا۔

سدرہ حسین

ا: شادی سے پہلے بھی زیادہ دوستیاں نہیں تھیں

جو تھیں وہ وقت کے ساتھ ختم ہو ..... گئیں۔ میں دوستیوں کو دوستی کی حد تک رکھنا پسند کرتی ہوں۔ اسے کراس نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ زندگی میں دوستوں کی مداخلت سے بہت کچھ غلط بھی ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی حد تک رہیں تو زیادہ اچھا ہے۔ دوستی کو اتنی ہی اہمیت دیں جتنی کہ اس کی اہمیت ہے۔

۲: جب دوستیاں ہی نہیں تو تعاون کرنے کی بات ہی نہیں رہی لیکن میں نے اپنا ایک ماسٹرز شادی کے بعد کیا تھا تو وہ میری بہت اچھی گیدرنگ تھی۔ میں اس میں جاتی تھی، نوٹس میٹنگ ہوتی تھیں۔ وہاں جانے کے لیے اللہ کا شکر ہے مجھے ان کی طرف سے کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔

ایمن ریحان

ا: شادی کے بعد سہیلیوں سے رابطہ ضرور رکھنا چاہیے لیکن ایک حد تک، بہت زیادہ ملوث نہیں ہونا چاہیے کہ وہ آپ کے گھر اور شوہر کے ہر معاملے میں بولیں۔ میرا بھی اپنی تمام سہیلیوں سے رابطہ ہے۔

ماشاءاللہ ساری سہیلیاں شادی شدہ اور بچوں والی ہیں۔ شادی کے شروع میں تو دو تین مہینے میں ایک بار ملاقات ہو جاتی تھی۔ پروگرام بنا کر کسی ایک کے گھر سب جمع ہو جاتے

تھے۔لیکن اب سب کے بچے اسکول جانے لگے ہیں تو پلان تو بہت بنتے ہیں لیکن کوئی جاتا ہے کوئی نہیں جا پاتا۔ واٹس ایپ گروپ کے ذریعے ہم سب رابطے میں ہیں۔

۲: شادی کے شروع کے دنوں میں اس طرح کی پارٹیز میں شرکت تھوڑی سی مشکل ہو جاتی ہے۔شادی کے بعد پہلے کی طرح دوستوں سے ملنا ممکن نہیں رہتا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اپنے سسرال والوں اور شوہر دونوں کا تعاون حاصل رہا۔شوہر مجھے خود لے جاتے ہیں میری دوستوں سے ملوانے۔

عروبہ بتول قاضی

ا: صاف جواب تو یہ ہے کہ سہیلیوں سے رابطہ برقرار رہنا چاہیے۔میں بھی اپنی سہیلیوں سے رابطے میں ہوں مگر صرف کال اور ٹیکسٹ کی حد تک۔شادی سے پہلے حلقۂ احباب بہت وسیع ہوتا ہے لیکن شادی کے بعد صرف اصل دوست ہی رابطے میں رہتے ہیں۔ سارے اور ساتھی لوگ چھٹ جاتے ہیں۔

۲: میرے شوہر مجھے میری دوستوں کی ساری بڑی پارٹیوں میں ضرور لے جاتے ہیں۔کسی کے گھر جانا ہو تو بھی لے جانے کی اپنی پوری کوشش کرتے ہیں۔تحفے تحائف کے لیے رقم بھی دے دیتے ہیں۔ مگر لڑکیوں کے لیے اپنے رابطے کو قائم رکھنا مردوں کی بہ نسبت مشکل ہوتا ہے لیکن ان چیزوں کو سر پر سوار نہیں کرنا چاہیے۔ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو اسی طرح ڈھال لینا ہی سمجھداری ہے۔ ورنہ کم مائیگی کا احساس ڈپریشن کا مریض بنا دے گا۔

عائشہ تالپور

ا: بالکل رابطہ برقرار رہنا چاہیے کہ ان سے ایک پرانا رشتہ اور دوستی ہوتی ہے۔شادی کے بعد بہت سی ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ایک نئے گھر میں نیا کردار ادا کرنا پڑتا ہے اس میں دوستوں کا سہارا چاہیے ہوتا ہے۔کبھی کوئی مشورہ مانگنے، کبھی اپنے دل کی باتیں شیئر

کرنے کے لیے۔اس لحاظ سے دوستوں سے رابطہ ضرور کرنا چاہیے۔جہاں تک حد کی بات ہے تو کہیں نہ کہیں توازن برقرار رکھنا پڑتا ہے۔گھر کی ذمے داریوں، شوہر، سسرال کے فرائض اور دوستوں میں تو ظاہر ہے شادی سے پہلے دوستوں سے جس طرح بے تکلفی سے ملنا ہوتا تھا۔کبھی کچھ پلان کر لیا، کبھی کچھ۔اس میں بہر حال فرق پڑ جاتا ہے لیکن یہ ہے کہ بہت زیادہ رابطہ نہیں رکھنا چاہیے اور بالکل ختم بھی نہیں کرنا چاہیے۔دوستی برقرار رکھنے کے لیے توازن بہت ضروری ہے۔آج کل ٹیکنالوجی اتنی ایڈوانس ہو گئی ہے کہ واٹس ایپ پر وائس میسجز بھی بھیج دیں تو لگتا ہے کہ بات ہی کر رہے ہیں۔میری زیادہ تر دوستیں شادی کے بعد باہر چلی گئیں لیکن اس کے باوجود فون پر مہینے میں ایک بار ہم ضرور بات کرتے ہیں۔جو پاکستان میں ہیں ان سے مہینے دو مہینے میں ملاقات ہو جاتی ہے اور مصروفیات کے باعث تین، چار مہینے بھی لگ جاتے ہیں۔لیکن ان رابطوں کو مہینوں سے زیادہ برسوں پر نہیں ہونا چاہیے۔

۲: شوہر کی طرف سے ایسی کوئی پابندی نہیں۔ اس سلسلے میں مجھے ان کا مکمل تعاون حاصل ہے۔

ہادیہ ابراہیم

ا: شادی کے بعد سہیلیوں سے رابطہ ضرور برقرار رکھنا چاہیے۔ایک مصروف دن کے اختتام پر سہیلیوں سے گفتگو تازہ دم کر دیتی ہے۔میرے نزدیک دوستی کی حد یہ ہے کہ دوستی رشتوں پر کبھی سبقت نہیں لے کر جائے۔جی میرا رابطہ برقرار ہے لیکن صرف سوشل میڈیا کی حد تک۔میں سمجھتی ہوں نئے دور میں واٹس ایپ

اور فیس بک وغیرہ نے دوستوں کو جوڑ دیا ہے مگر ملاقات کا بھی الگ مزہ ہے۔اس کے لیے بھی وقت نکالنا بہت ضروری ہے۔

۲: شادی کے بعد چونکہ دوسرے شہر چلی گئی ہوں وہاں ابھی نئی سہیلیاں بنا رہی ہوں اور پرانی تمام دوستوں سے موبائل پر رابطے میں رہتی ہوں اور کبھی ملنے جانا ہو تو شوہر بھرپور ساتھ دیتے ہیں۔خود لے کے جاتے ہیں۔

مہوش اختر

ا: بالکل رابطہ رہنا چاہیے۔میں اب تک اپنی سب دوستوں سے رابطے میں ہوں۔

۲: میرے شوہر میرے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرتے ہیں ان سے ملوانے بھی لے جاتے ہیں۔

فلزا شاہ رخ

ا: دوست زندگی میں بہت اہم ہوتے ہیں۔ میری دو سہیلیاں ہیں دونوں ہی شادی شدہ ہیں۔ سہیلیوں سے رابطہ برقرار رہنا چاہیے۔شادی کے بعد میں دوسرے شہر.... آ گئی۔تو مجھے اپنا کوئی بھی مسئلہ ہو یا اپنا دل بہلانا ہو تو میں ان سے باتیں شیئر کر لیتی ہوں۔ٹیکنالوجی کے اس زمانے میں سہیلیوں سے وڈیو کال پر بات ہو جاتی ہے۔شادی کے شروع دنوں میں تو سہیلیوں سے رابطہ منقطع رہا۔لیکن آہستہ، آہستہ وقت کے ساتھ ساتھ میرا روٹین سیٹ ہوتا گیا، زندگی میں تبدیلیاں آتی گئیں تو میں نے اپنی دوستوں کو بھی روٹین کا حصہ بنایا۔

ہاں یہ بات ہے کہ رابطہ تو برقرار رہتا ہے لیکن

ضروری نہیں کہ آپ کے پاس وقت ہے تو سامنے والے کے پاس بھی وقت ہو۔میری ایک سہیلی جس کی شادی کو چھ سال ہو گئے ہم اب تک رابطے میں ہیں لیکن ایک اور سہیلی جس کی شادی کو ایک سال ہونے والا ہے لیکن اس کی ذمے داریوں کی وجہ سے اس سے رابطہ برقرار نہیں رہ پاتا۔اسی طرح جب میں اپنے میکے گئی اور سوچا اپنی دوستوں سے ملوں تو پلان بنتے بنتے نہیں بن پایا۔سب دوست ایک ساتھ نہیں مل پا رہیں اپنی سسرالی ذمے داریوں کے باعث۔

۲: میرے شوہر میری دوستوں سے ملنے سے نہیں روکتے۔کیونکہ جب میری شادی ہوئی تھی تو میں نے ان کو بتا دیا تھا کہ میری یہی دو دوستیں ہیں ان سے اپنے ذاتی تعلقات میں کبھی ختم نہیں کرنا چاہوں گی۔انہوں نے میری بات کا مان رکھا، عزت دی۔اب جب میں کراچی اپنے میکے جاتی ہوں تو وہ خود مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم اپنی دوستوں سے ملنے جا رہی ہو کہ نہیں؟ وہ میری دوستی کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور مجھے ملنے دیتے ہیں۔اللہ کا شکر ہے۔

عروج علی شہریار

ا: بالکل شادی کے بعد دوستوں سے رابطہ ہونا چاہیے اور وقت نکال کر ان سے ملنا چاہیے۔کس حد تک؟ اس حد تک کہ دوستوں سے تعلق بھی برقرار رہے اور گھریلو ذمے داریاں بھی خوش اسلوبی سے نبھاتے رہیں۔جی میرا رابطہ ہے ابھی تک میری دوستوں سے، ان سے مل کر بہت ہی الگ خوشی محسوس ہوتی ہے۔

۲: مجھے شوہر کا مکمل تعاون حاصل ہے۔وہ میری

دوستوں سے میرے ملنے جلنے پر اتفاق رکھتے ہیں۔

امیمہ عمر

ا: شادی کے بعد دوستوں سے رابطہ رہنا چاہیے۔ کیونکہ دوست ہماری زندگی کا بہت اہم حصہ ہوتے ہیں۔ ان سے اسی حد تک رابطہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنی ہر بات ان سے بانٹ سکیں ہل سکیں۔ مہینے میں ایک دو بار میرا اپنی دوستوں کے ساتھ رابطہ ہے لیکن صرف میسج تک کیونکہ میں بیرون ملک رہتی ہوں لیکن جب بھی پاکستان آتی ہوں تو ان سے ضرور ملتی ہوں۔

۲: میرے شوہر نے میرا بہت ساتھ دیا۔ وہ مجھے میری دوستوں سے بھی ملوانے لے جاتے ہیں بشرطیکہ میں اپنے گھر کی ساری ذمے داریاں بھی پوری کروں۔

☆☆☆

عزیز قارئین! بلاشبہ دوستی بہت انمول جذبہ ہے۔ بالخصوص بچپن میں گھر آنگن میں کھیلنے والی ہمجولیوں، زمانہ طالب علمی کی سہیلیوں اور دکھ سکھ میں ساتھ نبھانے والی سکھیوں کا ساتھ ہر مایہ سے بڑھ کر سرمایہ ہوتا ہے۔ سکھیاں اپنے جذبوں میں بہت صادق اور اور رویوں میں جذباتی اور مخلص ہوتی ہیں۔ عملی زندگی میں قدم رکھنے اور بیاہ کر جانے والی سکھیوں کو خصوصی تاکید کی جاتی ہے:

دوست اتنا فقط خیال رہے
بجھ نہ جائیں یہ دوستی کے چراغ

اور پھر ہوتا یہ ہے کہ دوستی کی شمعیں تو دل میں فروزاں رہتی ہیں لیکن نئی زندگی کی مصروفیات اور ایک نئے ماحول کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوششوں میں دلہن رانی کچھ ایسی مصروف ہوتی ہیں کہ ''سہیلیاں'' اپنی تمام تر محبتوں اور دل کی مکیں ہونے کے باوجود، از خود ثانوی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ یہی سمجھداری کا تقاضا بھی ہے۔ اور خوش آئند بات یہ ہے کہ ہمارے سروے میں شریک تمام دلہنیں دوستی کے رشتے کی پائداری کے ساتھ، ساتھ اس شعر کی عملی اور متحرک تصویر نظر آتی ہیں کہ

عشق نے سیکھ ہی لی وقت کی تقسیم کہ اب
وہ مجھے یاد تو آتا ہے مگر کام کے بعد

یہ بجا کہ سہیلیوں کا نعم البدل کوئی نہیں ہو سکتا لیکن زندگی کے نئے سفر میں جہاں اور کئی تغیرات آتے ہیں وہاں چند نئی دوستیاں بھی بن جاتی ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ ان میں سے چند ایسی دوستیاں بھی ہوں جن سے ملاقات کے لیے گھر سے باہر جانا قطعاً ضروری نہیں کہ ساس نندوں، جیٹھانی و دیورانی کی صورت میں وہ ہر وقت گھر میں موجود ہیں۔ سو ان سے دل اور دوستی کا رشتہ جوڑ کر مثال قائم کیجیے باہمی اتفاقی سے مشہور ''فسادی رشتوں'' کو ''اتحادی رشتوں'' میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ جن کو نا سمجھی کے باعث بہت بدصورت اور بھیانک بنا دیا جاتا ہے ان ہی رشتوں کو اپنی سمجھداری اور محبت سے خوب صورت اور دلنشیں بھی تو بنایا جا سکتا ہے۔ اور بھئی شوہر حضرات کو بھی چاہیے کہ شریک حیات کو خوش دلی سے وقت نکال کر ان کی سکھیوں سے ملوانے لے جائیں۔ خود نہ جا سکیں تو کم از کم ان کو اس کی اجازت ضرور ہونی چاہیے کہ وہ اپنی سہیلیوں سے رابطے میں رہیں جو اُن کے میکے کی یادوں کا بہت خاص حصہ ہیں۔ جس طرح شادی کے بعد میکا چھوٹتا نہیں بلکہ ایک نئی طرز سے میکے سے رشتہ مزید مضبوط بنیادوں پر استوار ہو جاتا ہے، اسی طرح سکھیوں سے تعلق کی ڈور کبھی نہیں ٹوٹتی۔ بس بہت دانائی سے اس رشتے کو تھامنا پڑتا ہے۔ اور اس کے لیے ہم سفر کا ساتھ اور تعاون بہت ضروری ہے۔ اللہ ہر رشتے کا مان برقرار رکھے، آمین!

☆☆☆

ہم لباس، ہم خیال کپل

نزہت اصغر

عزیزو..... یہ تو آیتِ قرآنی ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ اس کے مفہوم تو بہت گہرے ہیں بس آسان لفظوں میں اتنا کہیں گے کہ ایک دوسرے کی خامیوں پر پردہ ڈالنا اور خوبیوں کو نگاہ میں رکھ کر زندگی گزارنا کامیاب ازدواجی زندگی کا اصول ہے۔ بس اسی اصول کے تحت ماہنامہ ''پاکیزہ'' کے دیرینہ خیر خواہ المعروف کپل آف فیصل آباد نے اپنی زندگی کے کامیاب 38 سال بہ احسن گزارے۔ ہماری دعا ہے کہ دونوں کا آپس کا ساتھ تادیر سلامت رہے۔ الٰہی آمین۔

جی ہم بات کررہے ہیں فیصل آباد سے تعلق رکھنے والے لعل محمد ناصر اور شگفتہ ناصر کی جو اتفاق سے اس روز پاکیزہ کے دفتر رونق افروز ہوئے جب ان کی شادی کی اڑتیسویں سالگرہ تھی یعنی 13 اکتوبر 2020ء۔ گزشتہ برس ماہ اگست میں بھی ان کا آنا ہمارے پیارے شہر کراچی میں ہوا تھا۔ اس مرتبہ مختلف ٹی وی چینلز نے انہیں مدعو کیا ہوا تھا اور ایسا کیسے ہوسکتا تھا کہ یہ کراچی آئیں اور عذرا آپی اور اہلِ پاکیزہ سے ملاقات کیے بغیر چلے جائیں۔ خیر دونوں جانب کی مصروفیات مدِنظر رکھتے ہوئے وہی دن منتخب ہوا جس روز ان کی ویڈنگ اینورسری تھی اور یہ بات شگفتہ نے دفتر آنے کے کافی دیر بعد شرماتے لجاتے ہوئے بتائی ورنہ تو پارٹی بنتی تھی۔ وہ بھی مزیدار ٹھنڈی رس ملائی کھاتے ہوئے انہیں خیال آیا ورنہ تو کیک ہی ہوتا۔ خیر

ہماری دعائیں ان کے لیے حاضر ہیں۔

تحریر کے عنوان کے حساب سے ماشاء اللہ یہ جوڑا ہم خیال بھی ہے اور ہم لباس بھی جبھی تو گزشتہ 37 برسوں سے ایک جیسے کپڑے بڑی خوشی اور آسانی سے زیب تن کیے جاتے ہیں اور دونوں کی مرضی و پسند سے لباس تیار ہوتے ہیں۔ یہ صرف کپڑا اور رنگ ایک جیسا نہیں بلکہ اس کی بناوٹ اس پر کام، کڑھائی، نقش و نگاری، ڈیزائننگ جو کچھ بھی ہوتا ہے ایک جیسا ہوتا ہے اور یہی ان کی انفرادیت ہے۔ یہ تو عام طور سے ہوتا ہی ہے کہ ایک کلر یا کم از کم ایک شیڈ کے کپڑے میاں، بیوی اکثر پہن لیتے ہیں مگر شگفتہ ناصر اور لعل محمد صاحب کے جیسا لباس تو آج تک شاید ہی کسی نے پہنا ہو یہی عمل ان دونوں کو شہرت کی بلندیوں پر لے گیا۔ پہلے یہ کپل آف فیصل آباد مشہور ہوئے پھر کپل آف پاکستان اور پھر کپل آف ایشیا کا خطاب بھی پایا اب اگلا اعزاز کپل آف ورلڈ کا ہے ماشاءاللہ ..... شگفتہ اور ناصر صاحب نے اس حوالے سے بہت سے دلچسپ واقعات بھی شیئر کیے۔ شگفتہ نے بتایا ''ہم مری گئے تو ینگ بچے ہمیں ہنستے ہوئے دیکھتے جاتے اور کمنٹس بھی کرتے جاتے تو میں نے انہیں اپنے پاس بلایا اور پوچھا کیا بات ہے بیٹا کیوں ہنس رہے ہو۔ وہ کھسیا گئے کچھ نہیں بولے۔ میں نے ہی کہا ایک جیسے کپڑے دیکھ رہے ہو؟ تو سر ہلایا جی! میں نے پھر پوچھا کیا برے لگ رہے ہیں؟ تو فوراً بولے نہیں برے نہیں بس پہلے کبھی ایسا دیکھا نہیں تو عجیب لگا۔''

شگفتہ نے مزید بتایا کہ ''ایسا اکثر ہوتا ہے ہم کہیں جائیں تو اس طرح کے تاثرات دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں مگر ہم بہت آرام سے انہیں مطمئن کر دیتے ہیں۔ تقریبات ہوں یا ادبی گیدرنگز اس طرح کا لباس ہماری پہچان بن گیا ہے لوگ خوشی سے سراہتے بھی ہیں اور حوصلہ بھی بڑھاتے ہیں۔ ہم اپنے اس عمل میں پُراعتماد ہیں۔ جب پہلی دفعہ ناصر صاحب نے یہ فیصلہ کیا پھر اپنی رائے کا اظہار کیا کہ ہم ایک جیسے کپڑے پہنتے ہیں تو میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مجھے بھی اچھا لگا کہ ہم دونوں میاں بیوی ایک ہی رنگ اور ڈیزائن کا لباس پہنیں اور اب تو الحمدللہ یہ ہماری شناخت بن چکا ہے اور اسی وجہ سے ہمیں اتنی شہرت بھی مل رہی ہے۔ لوگ سراہتے ہیں اور اس سے متعلق بے انتہا سوالات بھی پوچھتے ہیں کہ کیوں، کب، کیسے، آخر کیا فائدہ.....؟ بس ہم یہی پیغام دیتے ہیں کہ آپ ہمیں دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں تو یہی ہمارے لیے بہت ہے یہ ایک یگانگت کا پیغام ہے۔ الحمدللہ ہم میاں بیوی میں اتنی ذہنی ہم آہنگی ہے کہ ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔ خوبیوں پر نظر رکھتے ہیں، خامیوں کو قبول کرتے ہیں، باہمی مشورے سے اور خوشی، خوشی تمام امور کی انجام دہی کرتے ہیں۔ اب دیکھیں ان چینلز کے ذریعے یا یوٹیوب اور فیس بک، اخبار و رسائل کے خصوصی ایڈیشن کے ذریعے جو بھی ہمیں شہرت ملی اس سے خوشگوار ہی تاثر ملا سب لوگوں نے تعریف کی، سراہا اور ایک منفرد، جداگانہ یونیک عمل قرار دیا اس میں کسی کو ہرٹ کرنا تو شامل نہیں، لوگ اگر تفریحی انداز میں دیکھ رہے ہیں تو یہ اچھی بات ہے۔ ہم انہیں خوشگوار تفریح اور رونق فراہم کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے تو پاکیزہ کے ہی ذریعے ہمارا انٹرویو چھپا اور ہماری اس ہم لباسی کی شہرت ہوئی۔ بہرحال ہمیں تو ہر طرف سے اچھا ہی رسپانس ملا۔''

بہنو! شگفتہ ناصر اور لعل محمد صاحب سے باتیں تو بہت ہوئیں اور ایک اچھا وقت گزرا۔ عذرا رسول صاحبہ اپنے مہمانوں کو چاہے رائٹر ہو یا ریڈر، ہمیشہ ہی بہت عزت و احترام دیتی ہیں اور ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ پاکیزہ کے ان پُرخلوص ساتھیوں سے رابطے میں رہیں۔ وقت اگرچہ مختصر تھا مگر پھر بھی یہ ایک اچھی نشست رہی۔ مغرب کی اذانوں کے ساتھ ہی محفل برخاست ہوئی۔ دونوں میاں بیوی عذرا آپی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔

اللہ تعالیٰ اس شاندار کپل کو صحت و سلامتی سے رکھے اور یہ اپنے بچوں کی اور ان کے بھی بچوں کی خوشیاں اور کامیابیاں دیکھیں۔ الٰہی آمین۔

شادی مبارک

پاکیزہ بہنیں

شادی کے رنگ پاکیزہ کے سنگ

فہمیدہ جاوید۔ ملتان

میں اس مہکتے پاکیزہ خوشبو دار گلشن میں اپنا شادی کا احوال لائی ہوں جس میں شجر سایہ دار ہیں، جس گلشن میں لاتعداد خوشبو دار پھول مہکتے ہیں اور جس گلشن میں لاتعداد رنگین تتلیاں آ کر گلشن کو باقاعدگی سے آباد کرتی ہیں..... وہ گلشن جس کے بانی ہیں ..معراج رسول .....جس کے شجر سایہ دار ہیں عذرا رسول.....نزہت اصغر، آمنہ حماد، اس گلشن کے خوشبو دار پھول ہیں، پاکیزہ کی تمام مصنفات اور اس گلشن میں آنے والی رنگین و حسین تتلیاں ہیں پاکیزہ کی تمام قاری بہنیں اس گلشن کا نام پاکیزہ ہے۔

ادارۂ پاکیزہ مبارک باد کا مستحق ہے کہ ہمیشہ سے انفرادیت برقرار رکھی اور مختلف دلچسپ، سبق آموز اور پُرمزاح نمبرز ہر سال پوری تیاری کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ ''دلہن نمبر'' اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے اس دفعہ کا پاکیزہ کا دلہن نمبر میرے لیے اس وجہ سے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ نومبر کا مہینہ ہے اور میری شادی 14 نومبر 1997ء کو انجام پائی تو آئیں آپ کے سامنے اپنی یادوں کی پٹاری کھول رہی ہوں.....

میرا میکا کھسر نیو پنڈ میں ہے اور سسرال بنا اولیا کا شہر ملتان۔ منگنی دو سال تک رہی۔ منگنی اور شادی دونوں طرف سے دھوم دھام سے ہوئی۔ یہ لوگ منگنی کرنے بھی آئے تھے میری ماشاء اللہ آٹھ نندیں ہیں اور سب ہی آئیں۔ منگنی میں گلابی رنگ کا لہنگا اور زیورات تھے۔

اب ذکر کرتی ہوں شادی کا تو یہ لمحات میرے لیے بہت قیمتی رہے۔ میری شادی کی ساری.... تیاری میرے والد محمد علی نے بہت عمدہ طریقے سے کی۔ کسی چیز کی کمی نہ چھوڑی کہ ان کی لاڈلی بیٹی تھی۔ بچپن میں ابو کے ساتھ صبح صبح حلوا پوری لانے کے لیے سائیکل پر بیٹھ کر بازار جانا، ابو کا میرے لیے گولا گنڈا لانا، اور پھر بھائیوں سے فرمائش کر کے دہی بڑے، گول گپے کی ٹرے منگوا کر

کھانا، اسکول سے واپسی پر آلو اور چنے والی کھٹے پانی کے ساتھ چاٹ کھانا، پرانی کتابیں بیچ کر ردی والے سے لچھا اور پتیسا کھانا، رات کو بھائیوں کے ساتھ سردیوں میں ڈرائی فروٹ کھاتے وقت پرانے پی ٹی وی ڈرامے دیکھنا، امی جی اور فریدہ باجی سے فرمائشی گھی

میں تیرتا ہوا ڈبل گول پراٹھا بنوا کر کھٹائی والے آلو کے ساتھ کھانا، بھائیوں کے ساتھ پکڑن پکڑائی، چھپن چھپائی کھیلنا، پتنگ اڑانا غرضیکہ کیا، کیا یادیں ہیں جو آتی جارہی ہیں۔

بہرحال اپنی خالہ کی بیٹیوں میں (میری خالہ زاد 9 کزن ہیں جو میری عمر کی تھیں) وہ شائلہ، شاہین، مسرت اور زبیدہ کے گھر جا کر باتیں کرنا، یہ تمام اور دوسری بے شمار یادیں شادی کے دن جب شروع ہوئے تو یادیں تھیں خیر میں تو شادی کا احوال بتارہی تھی کہ مہندی کا جوڑا حسبِ معمول پیلا تھا اور کھلا ڈلا سا تھا کہ پہلے کھلے کپڑے پہنتے تھے اور میری باجی اور کزنز نے چُنری کے سوٹ سلوائے ہوئے تھے، میرے ایک بھائی ذرا مذہبی تھے تو مووی کا کوئی سسٹم نہیں تھا، ہاں تصاویر کھینچی گئیں۔ میں نے مہندی میں میک اپ نہیں کیا اتنا ہوش نہ تھا بس شرم وخوف تھا گھر والوں سے اتنی دور جانے کا پھر پوری مہندی کی رسم ہونے تک میں اور میری امی سائرہ جواب دنیا میں نہیں ہیں روتی رہیں..... میری خالہ زاد بہنیں مجھے چھیڑتی اور مذاق کرتی رہیں۔ میری اسکول کی پیاری دوست نے میرے ہاتھوں پر مہندی لگائی۔ بارات کا لباس والد محترم خود اپنی مرضی سے لائے تھے۔

نقشی دبکے سلما ستارے والا بھاری غرارہ جو سرخ، سبز اور سفید رنگ کا تھا۔ اس پر گولڈن رنگ کے دبکے اور ستاروں کا کام تھا۔

میک اپ میری دوست نے کیا تھا کہ اس وقت ہماری طرف پارلر کا رواج نہیں تھا۔ زیورات میں چار لاکٹ کا بڑا رانی ہار، گول چوڑی والی نتھ، بندے چار انگوٹھیاں اور بڑے سائز کا جھومر اور ٹیکا شامل تھا۔ میرے عقیقے کے بکرے کو ذبح کر کے پہلے اسے تقسیم کیا گیا۔ 14 نومبر 1997ء کا دن آچکا تھا۔ تمام بھائی اور میل کزن اور والد صاحب انتظامات دیکھ رہے تھے۔ ان دنوں شادی ہال کا رواج نہیں تھا اور شادی میں کھانے پر بھی پابندی تھی۔

میرے سسر ریلوے میں تھے اور ان کے دو بھائی اور دوسرے دوست احباب بھی ریلوے میں تھے تو تقریباً بارات میں تین سو..... لوگ آئے..... سنا تھا کہ پورا ریل گاڑی کا ایک ڈبا میرے سسرال والوں کو سمائے ہوئے تھا۔ ملتان سے سکھر روانگی کے لیے بارات رات کو 11.00 بجے روانہ ہوگئی تھی سارے راستے ٹھیک چلتی رہی۔ ہمارا قدیم ریلوے کا نظام زندہ باد کہ ملتان سے سکھر آدھا راستہ طے کر کے گاڑی کا انجن خراب ہوگیا اور جس علاقے میں قیام کرنا پڑا وہ ریگستانی علاقہ تھا۔ ٹرین میں پانی کی قلت، جس ٹرین نے صبح 7.00 بجے سکھر پہنچنا تھا وہ صبح 5.00 بجے سے دوپہر 1.00 تک سکھر سے ملتان کے بیچ راستے میں کھڑی رہی۔ اس وقت موبائل تو تھے نہیں اور نہ ہی ہمارے پاس ٹیلیفون کی سہولت تھی۔ میرے گھر والے اور سب ہمسائے پریشان کہ بارات نے تو صبح آنا تھا اور دوپہر کا وقت ہورہا تھا۔ بارات نہیں آئی میری امی رونے لگ گئیں..... والد صاحب کو لوگوں کو دینے کے لیے کوئی جواب نہیں تھا۔ گھر والوں نے ناشتے کے لیے خاص حلوا پوری اور دوسرا سامان تیار کروایا ہوا تھا مگر سب ضائع ہوگیا تھا۔ میں دلہن بنی بیٹھی تھی اور گھر میں ایسی فضا چھائی ہوئی تھی جیسے کوئی اس دنیا سے چلا گیا

ہو۔ ہر ایک یہی سوچ رہا تھا کہ شاید بارات نہیں آئے گی یا خدا نخواستہ بارات کے ساتھ کوئی حادثہ ہوگیا ہوگا۔ میری امی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ جب جا کے 3.00 بجے پتا چلا کہ بارات خیریت سے آگئی ہے۔ سب نے شکر ادا کیا۔ باراتیوں کو پہلے ان کی انتظامی جگہ پر بٹھایا گیا۔ بھنے سموسے اور ٹھنڈی بوتلیں پیش کی گئیں..... وہ سمجھے سب کہ ان لوگوں نے باراتیوں کو کھانا نہیں دینا۔ کھانے کا کوئی انتظام نہیں سب باراتیوں نے رج کر سموسے کے ساتھ کوک کے مزے لیے اور نکاح ہوا پھر دعا اور اس کے بعد ان سب کو کھانے پر بلایا گیا۔ سب باراتیوں نے پلتھا مار کر کرسی نہیں ارے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ رنگین زردہ اور بڑے کے گوشت کا قورمہ تھا۔ سسرال کی طرف سے مووی کا سسٹم تھا مووی میکر ساتھ آیا تھا۔ خیر میرے گھر میں تو میری مووی بنوانے کی بھائی نے اجازت نہیں دی تھی مگر جب جوتا چھپائی کی رسم شروع ہوئی تھی تو مووی بنی اور میں کمرے میں بیٹھی تھی۔ میرے میاں صاحب کے ساتھ میرے دو بڑے نندوئی آئے تھے۔ اس منظر پر مووی میکر نے گانا لگایا، جوتے دو پیسے لو۔ میاں جی صوفے پر بیٹھ چکے تھے جو رنگ برنگ لڑیوں سے سجا تھا۔ اور دائیں بائیں طرف نندوئی بیٹھے تھے۔ اب مووی بھی بن رہی تھی گھر کے بچے اور تمام عورتیں دولھے کو ذیکھنے کے لیے ایک دوسرے کو دھکا دے رہی تھیں۔ بچے مووی والے کے پیچھے کہ ہماری مووی بنے۔

میری باجی نے گلابی رنگ کا غرارہ پہنا تھا۔ میں نے ہی ان کی شادی پر وہ لباس تیار کیا تھا۔ مکمل گوٹے کا سنہری کام تھا۔ باجی ہاتھ میں دودھ کا گلاس لے کر آئیں اور ٹیبل پر رکھ کر بڑے سائز کا... گلاب جامن دولھا کو کھلانے کے لیے منہ تک ہاتھ لائیں، دولھا میاں پیچھے صوفے پر گر گئے مگر باجی نے بھی پورا گلاب جامن کھلا کر چھوڑا۔

اس کے بعد دولھے میاں کا جوتا اتارا گیا اور اندر رکھ دیا گیا۔ اب خالہ کی بڑی بیٹی شہناز آپا نے بھی دودھ کا گلاس لیا اور دائیں بائیں طرف نندوئی بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ پھر میری بڑی بھابی نے میرے ایک نندوئی کے منہ میں بڑے سائز کا ڈبل کیا ٹرپل لڈو منہ میں دے مارا..... موصوف صوفے پر دھکے سے گر گئے۔ یہ دونوں نندوئی زیادہ نخرے کر رہے تھے تو دوسرے والے کو بھی منہ میں جھٹکے سے پان کھلایا گیا غرضیکہ خوب ہلا گلا رہا..... اس کے بعد میری پھپھو نے دونوں نندوئیوں کے چہروں پر تھوڑا آٹا ڈال دیا اور انہوں نے ہنسی خوشی یہ فعل قبول کیا اور یہ آٹا پھپھو کے دوپٹے سے ہی صاف کیا۔ فریدہ باجی اور سب وہ کزنز اور تمام مہمان خواتین دولھا اور دولھے والوں کی بے بسی پر ہنس ہنس کر خوش ہو رہی تھیں۔ 2,000 نیگ میں دودھ پلائی اور جوتا چھپائی کے دیے۔

پھر فریدہ باجی نے دولھا کو جوتا پہنایا تو وہ پاؤں میں حرکت ہی نہیں کر رہے تو باجی نے کہا بھئی خود ہی پہن لو..... اسی طرح مووی بن رہی تھی کہ لائٹ چلی گئی۔ مووی میں یہ گانا آیا گنگناتی ہوئی اک ندی مل گئی۔ اجنبی شہر میں دوستی مل گئی۔

میری رخصتی کا وقت آیا تو کپڑے تبدیل کیے کہ سفر زیادہ تھا اور میرے ساتھ میرے میکے میں سے فریدہ باجی عباس اور سرور بھائی گئے۔ اس طرح رخصتی کے بعد ٹرین میں سکھر سے ملتان آگئی۔

شام کے وقت مجھے تیار ہونا تھا کہ میری منہ دکھائی کی رسم تھی۔ رواج کے مطابق میں تیار ہوئی اور ابلے ہوئے چاول دیسی گھی اور شکر کو نڈے سے پلیٹ میں نکالے اور سب نے کھائے۔ مجھے پیسے بھی ملے۔ میرے میاں جی نے منہ دکھائی میں انگوٹھی دی تھی۔ ایک بات واضح رہے کہ سسرال کی طرف سے بھی نکاح کا سرخ لہنگا تھا جو منہ دکھائی کے وقت پہننا تھا۔ اگلے دن ولیمہ تھا، ان کی طرف سے بھی یہ ہی کھانا تھا جو ہماری طرف سے تھا۔ ولیمے کے دن میں نے سسرال کی طرف کا لہنگا زیب تن کیا جو سرخ اور نیلے رنگ کا تھا سلما ستارے کے کام سے بھرا ہوا بھاری لباس اور اس کے ساتھ سسرال کی

طرف سے زیور، یہ زیور چھ تولہ تھا۔ میری اور میاں جی کی مووی بن رہی تھی اور فریدہ باجی مجھے ہنسا رہی تھیں اور میں نہ ہنسنے کی کوشش کرتے، کرتے بھی ہنس پڑی۔ غرضیکہ یہ شادی اچھے طریقے سے اختتام پزیر ہوئی۔ اب 2020ء چل رہا ہے، میرے بڑے بیٹے جنید نے مووی فلیش میں کروادی LED میں روزانہ ہم سب دلچسپی سے دیکھتے ہیں اور جوتا چھپائی کی رسم کو انجوائے کرتے ہیں۔ جنید پاکیزہ بھی باقاعدگی سے پڑھتا ہے اور دوسرے بچے بھی..... اسے پاکیزہ اس لیے پڑھاتی ہوں کہ یہ پاکیزہ کی اصلاحی اور سبق آموز تحریروں سے سبق حاصل کرے اور عورتوں کی عزت کرے..... دوسری جو میری ساڑی میں تصویر ہے یہ 21 یا 22 نومبر 1997 کی ہے نند نے تیار کرا کے میاں جی کے ساتھ تصاویر کھینچی تھیں۔ 1997 کی فہمیدہ اور اب کی فہمیدہ میں بس اتنا ہی فرق ہے جتنا پھول کی کلی اور گوبھی کے پھول میں ہوتا ہے۔ کوئی بات نہیں..... موٹاپا نہیں اتنا بڑا مسئلہ آج اپنی تصویریں دیکھ کر دل میں یہی خیال آتا ہے کہ کبھی ہم بھی خوب صورت تھے اور ہمارا بھی وقت تھا۔ آج بچوں کا وقت ہے انہیں خوش دیکھ کر سکون ملتا ہے۔ یہ تھیں چند یادیں شادی کی۔ امید کرتی ہوں اگلے سال بھی پاکیزہ اسی شان و شوکت سے دلہن نمبر منائے گا۔ اللہ پاکیزہ کے تمام کارکنان، مصنفات اور تمام بہنوں کو ہمیشہ آباد و شاد رکھے اور دنیا اور آخرت کی تمام نعمتیں عطا فرمائے۔ تمام پریشانیاں دور فرمائے۔ الٰہی آمین

قصہ میری شادی کا

آسیہ عامر، کراچی

میری شادی گرمی کے موسم میں ہوئی تھی مجھے دلہن بننے سے زیادہ اپنا میچنگ کلر کا لہنگا، جیولری اور سینڈل پہننے کا بڑا شوق ہو رہا تھا۔ جو کچھ دن پہلے ہی آ گیا تھا۔ جب امی اور بھابی گھر پر نہیں ہوتی تھیں تو میں اپنا عروسی جوڑا نکال کر پہنتی اور کیٹ واک کرتی گولڈ کا سیٹ پہن کر عجیب سا محسوس ہوتا پھر جب شادی پر میں دلہن بنی تو ڈریسنگ روم میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ ایسے قہقہے

آسیہ عامر اور محمد عامر بارات کے روز

لگا رہی تھی جیسے کسی اور کی شادی پر آئی ہوں پھر ہوا یوں کہ رخصتی کے بعد لاہور ائرپورٹ سے جہاز میں بیٹھنے تک تو مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی شوٹنگ چل رہی ہے ہم کیا دولہا، دلہن جدھر سے گزر رہے تھے لوگ ہمیں دیکھ رہے تھے اور میں تو ویسے ہی میچنگ کلر کا لہنگا پہن کر اپنے آپ کو کوئی شہزادی تصور کر رہی تھی لیکن میری یہ اڑان جہاز میں بیٹھنے تک تھی اور میری ساس کو بھی جلدی ہی کراچی ائرپورٹ پر پہنچ کر یاد آیا کہ لوگ ہماری دلہن کو مفت میں دیکھ رہے ہیں، انہوں نے اپنے بیگ میں سے ایک چادر نکال کر میرے اوپر اوڑھائی ویسے بھی اپنے شہر سے دور آ چکی تھی میرے سارے پرکٹ چکے تھے۔ خیر اب تو آ ہی چکے تھے دوسرے شہر سے..... ولیمے والے دن ہم پارلر گئے منہ دھوتے وقت میں نے ہاتھ میں جو ڈائمنڈ رنگ پہنی ہوئی تھی اتار کر بیسن پر رکھ دی اور بعد میں اٹھانا بھول گئی میرے بعد میری دیورانی منہ دھونے گئی تو اس نے میری رنگ لا کر مجھے دی اور آج بھی یہ سوچ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ حنا کے بجائے اگر کوئی اور میری انگوٹھی

ولیمے کے روز آسیہ عامر اپنے رفیق حیات کے ساتھ

اٹھالیتا؟

مجھے زندگی میں پہلی بار میری بارات پر اپنے بھائی سے ڈانٹ پڑی دن کی شادی تھی، میں صبح گیارہ بجے پارلر گئی اور اب سوا گیارہ بجے فوٹو شوٹ کے لیے کیمرہ مین آگئے۔ اب میرا بھائی جو مجھے پارلر پر چھوڑ گیا تھا فون پر فون کررہا ہے جب بارہ بجے میں باہر آئی تو میرے بھائی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اتنی دھوم دھام سے میری بارات بھی نہیں آئی تھی کہ جتنا دھوم دھام سے میرے بھائی نے مجھے ڈانٹا تھا۔ وہاں سے سیدھا مجھے میرج لان لے جایا گیا۔

ولیمے پر ہماری ساس اور دیورانی کی امی کے بیگ ایک جیسے تھے وہ ہماری ساس کا بیگ لے گئیں گھر آکر چیک کیا تو ہماری ساس نے فون کرکے انہیں بتایا آپ کا بیگ میرے پاس ہے منگوالیں ہماری سخی ساسو ماں نے ان کا اور اپنا بیگ بھی انہیں ہی دے دیا۔

لاک ڈاؤن اور بھائی کی شادی.....

تحریر: صدف آصف، آسٹریلیا

شادی شادمانی کا نام ہے مگر لاک ڈاؤن کی وجہ سے شادیوں کا انعقاد جہاں ایک مشکل عمل بن گیا ہے وہیں بہت کچھ نیا بھی ہورہا ہے۔ ان ہی حالات میں ہماری امی کے دل میں چھوٹے بیٹے جنید عالم کی شادی اور بہو گھر لانے کی خواہش چٹکیاں لینے لگی کرونا وائرس کی وجہ سے کئی بڑے کیٹرنگ ہاؤسز اور شادی ہالز بھی بند کردیے گئے تھے اور تقریبات ملتوی ہوگئی تھیں۔ اسی وجہ سے ہر کوئی تذبذب کا شکار تھا خیر ابو جی نے لڑکی والوں کے مشورے اور اللہ کے بھروسے پر 9 اکتوبر شادی کی تاریخ طے کردی۔ بڑے دنوں بعد گھر میں کوئی خوشی آرہی تھی۔ چھوٹی بہنوں نے زور وشور سے شادی کی تیاریاں شروع کردیں صبا اور زوبی نے ان مشکل حالات میں بھی اللہ، اللہ کرکے بری کی تیاری کا کام مکمل کیا اور سکھ کی سانس لی۔

وقت جیسے بھاگ رہا تھا اور شکر ہے مولا کہ شادی کی تاریخ آتے، آتے حکومت نے (ایس او پیز) کے تحت شادی ہال کھولنے کی اجازت دے دی۔ کورونا بحران کے بعد خاندان میں ہونے والی یہ پہلی شادی تھی۔ کارڈ بانٹتے ہوئے بڑی مشکل پیش آئی۔ کس کو بلائیں اور کس کو نہ بلائیں کیونکہ مہمانوں کی مخصوص تعداد کی اجازت ملی تھی اس لیے قریب، قریب کے لوگوں کو بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔

شادی سے چار دن قبل مقامی ہوٹل میں لڑکی والوں کی طرف سے مایوں مہندی کی تقریب کے ساتھ نکاح کا انتظام کیا گیا تھا۔ رنگا رنگ چٹاپٹی کے لہنگے اور گلابی کامدار دوپٹے میں جہاں دلہن بنی ساجدہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی وہیں ہمارا دولھا جنید سفید کرتا شلوار پر بلیو کلر کا پرنس کوٹ پہنے شہزادہ لگ رہا تھا۔ نکاح کی تقریب بخیر وخوبی انجام پائی۔ چھواروں کے بیگ تقسیم کیے گئے۔ اس کے بعد دیگر رسومات کے ساتھ سالیوں کے ہنسی مذاق نے تقریب میں چار چاند لگادیے اور ایک سالی نے جنید کی ناک پکڑی اور پھر پیسوں کا لفافہ وصول کرنے پر ان کی ناک کو آزادی نصیب ہوئی۔ نکاح کے بعد ہماری امی رخسانہ عالم نے اپنی

سمدھن کو گلے لگالیا جو نم آنکھوں سے مبارک باد پیش کررہی تھیں۔ دل کے ٹکڑے کو کسی اور کے حوالے کرنے کے لیے بہت بڑا جگر چاہیے ہوتا ہے۔

شادی کی صبح گھر میں اس خبر سے ہلچل مچ گئی کہ شادی ہال کی ٹائمنگ رات آٹھ بجے سے دس بجے تک کردی گئی ہے۔ یہ کراچی کی عوام بھلا کہاں ٹائم پر پہنچنے والی ہے۔ جنید عالم دولہا بنے پھولے نہیں سمارہے تھے۔ فان کلر کی شیروانی پر ریڈ کلاہ پہن کر انہوں نے بڑی منت سماجت کے بعد سسرال سے آیا ہوا سہرا پہنا... بھابیوں نے سرمہ لگائی کی رسم ادا کی اور سہرا گاتے ہوئے نیگ وصول کیا۔ (ویسے آج کل کے دولہا آنکھوں میں سرمہ نہیں لگاتے مگر رسم کے طور پر بھابیاں نیگ وصول کرتی ہیں) سختی کے باوجود بارات کو گھر سے نکلتے، نکلتے بھی نو بج گئے۔ شکر ہے کہ نکاح پہلے ہی ہو چکا تھا۔

بارات شادی ہال پہنچی تو لڑکی والوں نے گلاب کی پتیاں نچھاور کر کے خوش دلی سے استقبال کیا مگر اس سے قبل باہر بنے کاؤنٹر سے مہمانوں کو ماسک دیے گئے اور ہاتھوں پر sanitizer spray کیا گیا۔ حکومت کی ٹائمنگ کے حوالے سے نئی پالیسی نے جلدی مچائی ہوئی تھی۔ ابھی مہمان ٹھیک سے کرسیوں پر براجمان بھی نہیں ہونے پائے تھے کہ ہال کی انتظامیہ نے ٹیبل پر کھانا سرو کرنا شروع کردیا۔ کیونکہ بوفے سسٹم پر فی الحال پابندی لگادی گئی ہے۔

اس دوران سرخ عروسی لباس میں سجی سنوری پیاری سی دلہن ساجدہ کو اسٹیج پر لا کر بٹھایا۔ دلہن، دولہا کی جوڑی بہت حسین لگ رہی تھی۔ ہال والے بار، بار اعلان کررہے تھے کہ اگر مہمانوں نے ماسک نہیں پہنا تو ہال کی لائٹ بند کردی جائے گی۔ اس کے باوجود ٹھیک دس بجے ہال کی لائٹیں بجھا دی گئیں۔ بھاگ دوڑ میں رخصتی لی گئی۔ تصویریں بنوانے کی وجہ سے دولہا دلہن نے کھانا بھی ٹھیک طرح سے نہیں کھایا، شکر ہے گھر پہنچنے پر بہنوں نے ہنسی مذاق کے ساتھ کھیر چٹائی کی رسم کی، دولہا دلہن کو اسپیشل بنوائے گئے گفٹ باکس پیش کیے گئے جن میں ڈرنکس،

دولہا جنید اور دلہن ساجدہ

چاکلیٹس بسکٹ، چپس اور ڈرائی فروٹس رکھے تھے۔

ولیمے کے دن صبح سے ابو نے سب کو کئی بار یہ بات سمجھائی کہ ''دس بجے تقریب ختم کرنی ہے جلدی سے تیار ہوجاؤ''، اسی لیے ولیمے میں شادی کے مقابلے میں ہمارے گھر والے وقت سے کافی پہلے بنکوئٹ ہال پہنچ گئے مگر اِکّا دُکّا مہمانوں نے ہی وقت کی پابندی کا خیال رکھا، پورا ہال خالی پڑا تھا۔ ماسک لگائے، ابو قریبی رشتے داروں کو کال کررہے تھے تاکہ ٹائم پر کھانا لگایا جاسکے، مگر سب کے جمع ہوتے ہوتے بھی، پونے دس بج گئے، جلدی جلدی کھانا لگایا اور کھایا گیا، کچھ مہمانوں نے شکوہ کیا کہ ان کی ٹیبل تک آئس کریم نہیں پہنچی۔ اس کے باوجود تقریب بہت اچھی تھی۔

ولیمے میں دولہا نے بہت سوبر سا گرے سوٹ پہنا جبکہ دلہن نے بھی گرے کلر کی سلور کامدار میکسی پر بلیو بھاری کام والا دوپٹا اوڑھا تھا۔ خوب صورت میک اپ اور جدید ہیئر اسٹائل میں دلہن بہت سج رہی تھی۔ دونوں بنکوئٹ میں مچی ہلچل سے بے نیاز ایک دوسرے کے ساتھ فوٹو سیشن کراتے ہوئے بہت خوش لگ رہے تھے

رائٹر صدف آصف کے بھائی، بھابی ودیگر اہل خانہ

(ماشاءاللہ) اور جنید میاں خود کو بہت خوش قسمت سمجھ رہے تھے کہ ان کی خوابوں کی شہزادی حقیقت کی دنیا میں ان کے ساتھ زندگی کا سفر طے کرنے برابر میں کھڑی تھی۔ ابھی کھانا ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ بنکوئٹ ہال میں ٹائم ختم ہونے کا اعلان ہونے لگا، بڑی منت سماجت کے بعد انتظامیہ نے کھانا ختم ہونے تک انتظار کیا اور پھر چراغوں میں روشنیاں نہیں رہیں اس کے ساتھ ہی شادی کی یہ انمول گھڑیاں اختتام پذیر ہوئیں۔

ایک راز کی بات تو رہ ہی گئی کہ ہم نے پردیس میں یعنی آسٹریلیا میں رہتے ہوئے اپنے گھر کے آنگن میں اترتے اس چاند کو کیسے دیکھا تو اس کے لیے ہماری چھوٹی بہن زوبی اویس کا شکریہ جنہوں نے نئی ٹیکنالوجی کا سہارا لیا اور وڈیو کال پر ہمیں شادی کی ایک ایک تقریب دکھائی۔ نم آنکھوں سے دور بیٹھے اپنے چھوٹے بھائی کی شادی انجوائے کرنا ایک انوکھا تجربہ تھا۔

ایک بات اچھی ہے کہ کورونا نے ہمیں بہت کچھ سکھادیا ہے۔ لوگوں کو وقت کی پابندی کا احساس، یہ سمجھایا کہ عروسی لباس پر لاکھوں روپے خرچ کیے بنا، مختلف رسومات پر پیسہ پانی کی طرح بہائے بغیر کم لوگوں کی موجودگی میں بھی سادگی کے ساتھ شادی کی یادگار اور دلچسپ تقریب منعقد کی جاسکتی ہے۔ بس فنکشن اتنا سادہ اور آسان ہونا چاہیے کہ دوسرے لوگوں کے لیے ایک مثال قائم ہوسکے۔

بہنا چلی سسرال

اسما ناصر، کراچی

جیسے چھوٹے بہن، بھائیوں کی شادیوں سے ہر بہن کے ہزاروں ارمان جڑے ہوتے ہیں۔ ویسے ہی کچھ ہمارے بھی تھے اور ہم نے پتا نہیں کیا کچھ نہیں سوچا تھا کرنے کو لیکن ہمارے ان ارمانوں پر اس وقت پانی پھر گیا جب ہمیں یہ پتا چلا کہ بہن (سمیرا) کے ہونیوالے سسر کی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے ہمیں وہ شادی جو ابھی اگلے سال ہونی تھی دس دن بعد ہی کرنی ہے۔ کیونکہ ہمارے دولھا بھائی (قدوس) انگلینڈ سے تشریف لے آئے تھے اور ان کے والد کی خواہش تھی کہ شادی فوراً کردی جائے۔ بس پھر مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق اپنی تو کیا تیاری ہوتی چھوٹی بہن کی تیاریوں میں لگ گئے اور کفایت شعاری (وہ بھی زبردستی کی) کی مثال بنے ہوئے خود پرانے کپڑے پہننے پر اکتفا کیا۔ خیر یہ سب باتیں تو اپنی جگہ لیکن وہ آگے ہونے والے واقعات نے اس شادی کو ہم سب کے لیے خوشگوار یادگار بنادیا تھا۔

خیر جناب خوب ہبڑ تبڑ میں شادی کی تیاریاں کی

گئیں ہر چیز ماشاء اللہ سے اچھے طریقے سے ہو رہی تھی۔ ہم سب کی سج دھج میں بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ مانجھے کا دن بھی اچھا گزرا اور بارات والے دن بھی سب کچھ پروگرام کے مطابق بخوبی چل رہا تھا۔ دسمبر کے دن تھے ہلکے سرد مگر دھوپ نکلتی ہوئی تھی۔ بہن پارلر چلی گئی میک اپ کروانے اور اِدھر ہم سب گھر والے اپنی تیاریوں میں لگ گئے اور سب وقت پر تیار ہو کر جب شادی لان کے لیے نکلنے ہی والے تھے کہ پتا چلا کہ باہر تو خوب تیز بارش ہو رہی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ تیز سے تیز تر ہوئی جا رہی تھی۔ ہم سب حیران تھے کہ یہ کیسے ابھی تو آثار نہیں تھے۔ بارش بھی ایسی طوفانی کہ سارا شادی ہال اور اسٹیج پانی سے تر بتر..... دو تین بار اسٹیج بدلوایا گیا لیکن صورتِ حال کافی خراب ہی رہی..... آدھی بارات اپنے گھر سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ آپ لوگ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس وقت ہم سب کی پریشانی کا کیا عالم ہوگا۔ ایک طرف بچے تیار ہو کر بارش کے پانی میں بھیگ رہے تھے تو دوسری طرف خواتین بنا میک اپ اور کپڑے بچانے کی فکر میں مہمانوں کے لیے بیٹھنے کی جگہیں ڈھونڈ رہی تھیں۔ اللہ، اللہ کر کے بارات جیسے تیسے کر کے پہنچی تو ان کو بھی گاڑی سے اتر کر اندر آنے تک کی فکر بڑی مشکلوں سے سارے مرحلے طے ہوتے گئے اور نکاح کا مرحلہ آیا اور نکاح پڑھانا شروع کیا کہ اچانک جب قاری صاحب نے دولھا میاں سے پوچھا کہ آپ کو قبول ہے تو ان کی طرف سے عجیب سی کیفیت کا سامنا ہوا۔ وہ کچھ حیران پریشان نظر آ رہے تھے لگتا تھا کہ نہ ہاں کرتے بن رہا ہے نہ، نہ ایسے سین..... تو آج تک صرف فلموں میں ہی دیکھے تھے۔ اتنے میں دولھا میاں ذرا آگے بڑھے اور نکاح خواں سے کچھ کہنے لگے اور ہم سب ایسے ہو گئے کہ جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں پھر جو ماجرا کھلا تو ہم سب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ہوا یہ تھا کہ..... انہیں دلہن کے نام پر اعتراض تھا۔ والد مرحوم (اللہ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین) نے اس سب پریشانی کے عالم میں میری

سمیرا اور قدوس کو زندگی کا نیا سفر مبارک

دوسری شادی شدہ بہن کا نام لکھوا دیا تھا۔ نکاح کے فارم پر..... اس وقت ہمیں بہت شرمندگی محسوس ہوئی لیکن بعد میں اس بات پر خوب مذاق بنا اور سب نے خوب مزے لیے..... ایسے ہی کچھ خوشگوار و ناخوشگوار واقعات کی وجہ سے میری بہن کی شادی یادگار ہوگئی اور ہم سب اس وقت کو اب بھی یاد کر کے خوب ہنستے ہیں اور مزے لیتے ہیں۔ اور ہاں لوگوں کا یہ کہنا کہ دولھا صاحب نے خوب پتیلی میں کھانا کھایا ہوگا جب ہی شادی میں بارش ہوئی ہے۔ سچ ثابت ہو گیا۔

رانی بیٹی راج کرے گی

اسما سلطان، اسلام آباد

بیٹیاں سب کے مقدر میں کہاں ہوتی ہیں
گھر جو خدا کو پسند آئے وہاں ہوتی ہیں

میں اسما سلطان..... ایک جانی مانی این جی او میں درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوں۔ دو ھیال کی لاڈلی، ننھیال کی دلاری، سب کی چہیتی میری پیاری بیٹی افراح فاروقی کی شادی خانہ آبادی 30 نومبر 2019ء کو کراچی میں انجام پائی۔

رشتہ ہونے کی داستان بہت دلچسپ ہے۔ یہ رشتہ

بارات کے دن دولھا دلہن کے خصوصی پوز.....

دو ایسے خاندانوں کے درمیان انجام پایا جو کہ دو جنریشن سے آپس میں دوستی کے رشتے میں بندھے تھے اور آخر کار تیسری جنریشن میں یہ دوستی اور محبت، رشتے داری میں تبدیل ہوگئی۔

لڑکے والے امریکا کے شہر انڈیانا میں رہتے ہیں اور ایک سال پہلے یعنی اکتوبر 2018ء میں نکاح کرکے واپس جاچکے تھے۔ اب دونوں خاندانوں کو صرف کاغذات کا انتظار تھا۔ آخر کار اکتوبر 2019ء میں یہ انتظار ختم ہوا۔ کاغذات اپروو ڈ ہوگئے اور ہم نے 30 نومبر کی شادی کی تاریخ رکھ دی۔

لڑکے والے بہت کم دنوں کے لیے کراچی آرہے تھے۔ وہ ولیمہ کراچی میں کرنا چاہتے تھے اس لیے ہم بھی اسلام آباد سے کراچی بیٹی کی رخصتی کے لیے چلے گئے تاکہ وقت بچے اور تمام کام اچھے طریقے سے انجام پاجائیں۔

26 نومبر کو ہم کراچی پہنچے۔ اگلے دن دولھا کا مایوں تھا۔ ہم سب مہندی لے کر جب لڑکے والوں کے گھر پہنچے تو بہت اچھا استقبال ہوا۔ انس خان (دولھا) اپنے مایوں کے کرتے میں بہت ہینڈسم لگ رہے تھے۔ خوب روپ آیا تھا اُن پر (کچھ شرما بھی رہے تھے)۔ رسم ہوئی پھر لذیذ کھانوں سے تواضع کی گئی جو کہ ایک اسپیشل باورچی سے بنوائے گئے تھے۔

ولیمے کے روز افراح اور انس خان کا دلکش انداز

شادی کی تقریب ایک مقامی ہوٹل میں رکھی گئی تھی۔ افراح دلہن بن کر بے انتہا حسین لگ رہی تھی۔ خوب روپ چڑھا تھا۔ دولھا اور دلہن کے جوڑے ریڈ اور بیج کامبینیشن میں تھے جو دونوں پر خوب جچ رہے تھے۔ نکاح تو ہو ہی چکا تھا بس کچھ رسمیں ہوئیں۔ فوٹو گرافی ہوئی اور اس کے بعد رخصتی کا شور اٹھا۔

بیٹی کی رخصتی کا عمل بے انتہا تکلیف دہ ہے مگر میرے بھائی (سمدھی اور سمدھن) اور بھابی نے اسے ہمارے لیے اپنی محبتوں سے آسان بنادیا۔ وہ ہمیں بھی اپنے ساتھ گھر لے گئے جہاں بے انتہا چاہتوں کے ساتھ افراح کا استقبال ہوا۔ دولھا (انس خان) کی نانی جان نے تمام پرانی رسومات کیں جن کو ہم سب نے بہت انجوائے کیا اور ہنستے چہروں کے ساتھ گھر واپس ہوئے۔

اگلے دن ولیمے کی تقریب تھی جو کہ ایک بہت خوب صورت ویڈنگ ہال میں انجام پائی۔ افراح اپنے فرشی جوڑے میں اور انس صاحب اپنے سوٹ میں بہت چمک رہے تھے۔ بہت محبتوں کے ساتھ یہاں ہمارا استقبال ہوا۔ ولیمہ فوٹو گرافی اور پُرتکلف ڈنر کے بعد بخیر وخوبی اپنے انجام کو پہنچا۔ اللہ پاک ہر بیٹی کو قدردان سسرال عطا کرے، آمین!

❁❁❁

انداز نو

بنت زیب

فصیح باری کا ڈراما گھسی پٹی محبت کے مرکزی
کردار... وہاج علی اور رمشا خان

معروف عوامی ڈرامانگار

فصیح باری خان

سے ملاقات

بچپن ہی سے بڑے ادیبوں کو پڑھنے والے فصیح باری خان کا شمار ٹی وی کے مشہور و مقبول ڈراما نویسوں میں ہوتا ہے۔ آپ سماجی موضوعات پر بڑی عمدگی سے قلم اٹھاتے ہیں اور شہر کے گلی کوچوں کو اپنے ڈراموں کے موضوعات بناتے ہیں وہاں کے مکینوں کے رہن سہن، عمومی رویّوں، زبان و بیان، نفسیاتی، ذہنی کشمکش

بالخصوص ماحول کی منظر کشی نہایت سچائی اور دیانتداری سے کرتے ہیں۔ چونکہ ان حقائق کی تصویر کشی میں فصیح کا قلم بے باک بھی ہو جاتا ہے سو جہاں بے پناہ داد سمیٹتے ہیں وہاں تنقید و تعریض کی زد میں بھی آ جاتے ہیں۔ مشاہدے پر گرفت بہت مضبوط ہے۔ طبعاً جدت پسند ہیں اسی لیے آپ کے ڈراموں کے نام اچھوتے اور ناظرین کو اپنی جانب متوجہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ آپ نے متعدد معروف اخبارات و رسائل میں بھی لکھا اور بیشتر مضامین شوبز پر لکھے۔ لیکن آپ نے اپنے قلم کا دائرہ شو بز تک محدود نہ رکھا بلکہ ''مشرق'' میں مختلف سماجی مسائل پر فیچر لکھ کر عوام و خواص سے پسندیدگی کی سند حاصل کی۔ بچوں کے مقبول رسالے آنکھ مچولی میں لکھا اور بہت خوب لکھا۔ علاوہ ازیں اسٹیج پر کئی پروگراموں کی میزبانی بھی کی جن میں چراغ فیسٹول، کراچی لٹریری فیسٹول بطور خاص شامل ہیں۔ معروف درس گاہ کے زیر اہتمام ایک پروگرام بھی کنڈکٹ کیا۔

مزید جاننے کے لیے پڑھیے فصیح باری خان کے اثبات وانکار اور ان کے جواز.....

میرے بچپن کے دن کتنے اچھے تھے دن!

ہاں۔ بہت ہی اچھے دن تھے اور کیوں نہ ہوتے، شرارتوں اور بے فکری سے بھرپور دن جو تھے۔

بچپن ہی سے وقت کی پابندی کی عادت ہے مجھے!

ہاں۔ کافی حد تک اور یہ عادت ابو کی وجہ سے بڑی۔

بچپن سے ایک ہی خواب دیکھا کھلاڑی بنوں گا!

کبھی نہیں۔ صرف فلمکار بننے کے خواب دیکھتا تھا۔

بچپن میں شرارتوں کی وجہ سے خوب مار کھائی تھی!

ہاں۔ بہت زیادہ شرارتی بھی تو بلا کا تھا۔

ابو کی مار نے بنا دیا مجھ کو!

جی ہاں۔ کیونکہ وہ مار میری تربیت کا حصہ تھی۔

پڑوسیوں کی گھنٹی بجا کر بھاگنے کی بچپن کی عادت گئی نہیں ابھی تک!

نہیں۔ اب بڑا ہو گیا ہوں بچپن کی یہ شوخی بچپن کے ساتھ ہی رخصت ہوئی۔

میرا شمار غیر معمولی ذہین طالب علموں میں ہوتا تھا!

نہیں + ہاں۔ ذہین ضرور تھا لیکن غیر معمولی نہیں۔

بچپن کی یادیں آج بھی میرے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دیتی ہیں!

جی بالکل۔ بڑا یادگار بچپن تھا۔

لڑکپن ہی سے کتب بینی کی عادت ہے!

جی۔ بہت زیادہ تھی۔ اور یہ عادت امی کی وراثت تھی۔

قوی خان کے ہمراہ چراغ فیسٹیول پروگرام کی میزبانی کرتے ہوئے

❍ میں صرف اپنی ہی سنتا ہوں اوروں کی باتوں پر تو کان ہی نہیں دھرتا!

❁ جی۔ ایسا ہی ہے۔

❍ خود کو نمایاں کرنا میری کمزوری ہے!

❁ بالکل بھی نہیں۔ اللہ کا بڑا کرم ہے مجھ پر۔

❍ بھلا لگا ہے زباں بندیوں کے موسم میں
دلوں کی بات کا دیوار پر لکھا ہونا!

❁ جی۔ دل کی بات نہیں کرتا دل کھول کر رکھ

روحی بانو کے ہمراہ

دیتا ہوں۔

❍ زندگی سے بڑا استاد کوئی نہیں!

❁ جی۔ زندگی استاد ہے اور وقت منصف۔

❍ چھوٹی، چھوٹی خوشیاں مجھے بڑی خوشی سے ہمکنار کرتی ہیں!

❁ ہاں..... کیونکہ میں چھوٹی خوشیوں سے بڑی خوشی کشید کر لیتا ہوں۔

❍ اپنی کمزوریاں نظر انداز کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے!

❁ نہیں۔ مشکل ہے لیکن کرنا چاہیے۔

❍ نوجوانی میں میرے تیور بہت جارحانہ تھے!

❁ جی۔ تھے تو۔ تھوڑا سا باغی ذہن رکھتا تھا۔

❍ لوگوں میں آسانیاں تقسیم کرنا خاصا مشکل کام ہے!

❁ نہیں۔ مشکل کام نہیں ہے لیکن ہم نے مشکل بنا دیا۔

❍ شدید بھوک میں فوری کھانا نہ ملے تو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہوں!

❁ جی۔ شدید ترین موڈ خراب ہو جاتا ہے۔

❍ ستاروں کی چال پر یقین رکھتا ہوں!

❁ بالکل بھی نہیں۔

❍ ناکامی، کامیابی کا پہلا زینہ ہے!

❁ جی۔ ہوتا ہے۔ یہ لاجیکل بات ہے۔

❍ سحر خیزی میرے بچپن کی عادت ہے!

❁ ہاں تھی تو۔ اب تو رات بھر جاگتا ہوں تو سحر کو منتظر ہی پاتا ہوں۔

❍ مت کرو بحث ہار جاؤ گی
حسن اتنی بڑی دلیل نہیں!

❁ جی بالکل۔ حسن، ذہانت کے بغیر پھیکا ہے۔

❍ طبعاً میں بہت خوش امید ہوں!

❁ ہاں۔ بالکل ہوں۔ ہمیشہ مثبت سوچ رہی، خواہ حالات کیسے بھی ہوں بقول ناصر کاظمی

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

❍ میں بہت روایت پسند ہوں!

❁ نہیں۔ بہت روشن خیال ہوں بری اور غلط روایات کے معاملے میں روایت شکن ہوں۔

❍ کیے وعدے بمشکل نباہ پاتا ہوں!

❁ ہرگز نہیں۔ نبھاتا ہوں قول کا پکا ہوں۔

❍ فیشن پرستی میں میرا کیا مقابلہ!

❁ نہیں + ہاں۔ فیشن سے دلچسپی ہے۔ لیکن مقابلے کا مدعی نہیں۔

❍ وسیع القلب بھی ہوں اور وسیع النظر بھی!

❁ ہاں۔ اب، اپنے منہ میاں مٹھو کیا بنوں!

فصیح ہمراہ بابر اشریف اور ریشم

الحمدللہ۔ یہ بھی اللہ کی عطا کردہ انمول نعمتیں ہیں۔

◯ اپنی بات پر ڈٹ جاتا ہوں خواہ وہ درست ہو یا غلط!

❁ نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے اپنی غلطی مان لیتا ہوں۔

◯ ضرورت ایجاد کی ماں ہے!

❁ ہاں۔ اور انسانی ذہن نے اس ضرورت سے کیا، کیا کمالات دکھائے ہیں۔

◯ دیسی کھانوں کی اپنی ہی لذت ہے!

❁ بالکل۔ امی کے ہاتھ کے کھانوں کی کیا بات تھی۔

◯ میں بہت اچھا باورچی ہوں!

❁ بالکل بھی نہیں۔ گزارے کے قابل پکانا اور بات ہے۔

◯ سردیوں کی اداس شامیں دل کو بہت بھاتی ہیں!

❁ جی۔ اداس کر دیتی ہیں۔ گہرائی بھر دیتی ہیں۔

◯ بہت حیلہ جو ہوں!

❁ کبھی، کبھی۔ وہ بھی مصلحت کے تحت۔

◯ پیڑ کی چھاؤں بہت فرحت بخش ہوتی ہے!

❁ جی۔ بہت زیادہ اور بہت سکون بخش۔

◯ کل امی کی باتوں سے انرجی ملتی تھی آج ان کی یادیں میری طاقت بن گئی ہیں!

❁ جی بالکل۔ ماں زندگی بھر کا اثاثہ ہوتی ہے۔

◯ پرانی فلمیں اور گانے دیکھنے اور سننے کا اپنا ہی لطف ہے!

❁ جی بہت۔ شاعری اور موسیقی دونوں ہی میں لطف تھا۔

◯ ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں!

❁ نہیں۔ تاخیر مجھے پسند نہیں خواہ کسی بھی معاملے میں ہو۔

◯ میں اس سے ہٹ کر چلتا ہوں جو رستہ عام ہو جائے!

❁ ہاں۔ اور سبب؟ وہی عام ڈگر پر چلنا میرا مزاج نہیں۔

◯ ہوگا کوئی مجھ جیسا فرمانبردار!

❁ نہیں۔ بالکل بھی فرمانبردار نہیں ہوں۔ لیکن خودسر بھی نہیں ہوں۔

◯ دل کے موسم سے بڑھ کر سہانا موسم کوئی نہیں!

❁ بے شک۔ کہ دل تو دل ہے۔

◯ سادہ زندگی میں آسانیاں بھی ہیں اور حسن بھی!

❁ ہاں۔ لیکن سادہ زندگی بس مشکل نہ ہو ورنہ آسانیاں، پریشانیاں بھی بن سکتی ہیں

◯ عوامی سوٹ میرا من بھاتا لباس ہے!

❁ نہیں۔ ٹی شرٹ بہت پسند ہے

◯ شاہ خرچی میں میرا کوئی ثانی نہیں!

❁ بالکل نہیں۔ care free ہوں بہت۔

◯ روٹھنے اور منانے دونوں ہی کی عادت نہیں مجھے!

❁ منالیتا ہوں۔ روٹھتا اسی صورت میں ہوں۔

◯ رائی کا پہاڑ بنانے میں مجھے کمال حاصل ہے!

❁ جی۔ مگر تب، جب سارے دروازے بند کرنے ہوں۔

◯ خریداری کا اصل لطف تو بھاؤ تاؤ کرنے میں ہے!

❁ نہیں۔ یہ میں کبھی نہیں کرتا۔

◯ جو خود نہیں رکھتے اوروں کے بجھاتے ہیں چراغ!

❁ جی۔ یہ اب دنیا کی ریت بن گئی ہے۔

◯ میرا مزاج لڑکپن سے شاعرانہ ہے!

❁ نہیں۔ قطعاً نہیں۔

◯ لانگ ڈرائیونگ تفریح کا بہترین ذریعہ ہے!

❁ جی۔ لیکن موڈ پر منحصر ہے۔

◯ ارے کہاں؟ مجھے غصہ کب آتا ہے!

❁ نہیں۔ غصہ آتا ہے اور بہت زیادہ آتا ہے۔

◯ تحائف کے لین دین سے محبت بڑھتی ہے!

❁ نہیں۔ ضروری تو نہیں۔

◯ میری زندگی کا سب سے بڑا خوف ہی میری طاقت ہے!

❁ نہیں... کہ میں نے خوف نہیں پالے۔

◯ سیرت نہیں تو عارض و رخسار سب غلط!

❁ ہاں۔ کردار تو پہچان ہے۔

◯ میں اکثر گنگناتا ہوں!

❁ نہیں۔ کبھی، کبھی یہ شغل اختیار کرتا ہوں۔

◯ گفتگو میں محتاط رویہ اختیار کرتا ہوں!

❁ جی۔ کرنا پڑتا ہے۔

◯ دوستی کا کوئی مول نہیں!

❁ جی۔ بے شک دوستی انمول ہے۔

◯ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے!

❁ نہیں۔ جنگ اور محبت اکثر تباہ کر دیتی ہیں۔

◯ شادی بیاہ کی تقریبات میں دل کھول کر خرچ کرنا چاہیے!

❁ ہرگز نہیں۔ مکمل سادگی ضروری ہے۔

◯ بہت بذلہ سنج ہوں میں!

❁ جی بالکل ہوں۔

◯ منافقت سخت ناپسند ہے مجھے!

❁ جی۔ انتہائی ناپسند ہے۔

◯ نقصِ امن کا خدشہ ہو تو دل کی بات لبوں تک آنے سے روک لیتا ہوں!

❁ ہاں، طبعاً امن پسند ہوں ناں..... اسی لیے۔

◯ باتونی؟ وہ تو میں غضب کا ہوں!

❁ ہاں۔ لیکن ہر ایک کے ساتھ نہیں۔

◯ اصولوں پر سمجھوتا نہیں کرتا، کسی بھی قیمت پر!

❁ جی۔ بالکل۔

◯ بسوں اور رکشوں پر لکھے جانے والے اشعار ازبر ہیں مجھے!

❁ نہیں + ہاں۔ اب نہیں۔ ہاں کبھی ہوتے تھے ازبر۔

◯ پیار کیا چیز ہے پیسہ ہونا چاہیے!

❁ نہیں۔ پیسہ ہو مگر بہت نہ ہو۔ پیار اب کتابی لفظ لگتا ہے۔

◯ مستقبل کی منصوبہ بندی کا قائل ہی نہیں!

❁ جی۔ بالکل بھی نہیں ہوں۔ سب اللہ پر چھوڑ

ڈراما نویس آمنہ مفتی اور ڈراما ڈائریکٹر بلال قریشی کے ساتھ

دیتا ہوں۔

◯ سوشل میڈیا وقت کی ضرورت سہی خط لکھنے اور پڑھنے کا اپنا ہی لطف تھا اور ہے!

❁ ہاں۔ بالکل خطوط کی خوشبو اور اس سے جڑا رومانس آج بھی دل میں گدگدی سی کرتا ہے۔ وہ سڑک کنارے سرخ رنگ کا لیٹر باکس اور اس میں موجود خطوط کا تجسس۔ ہائے کیا دن تھے۔

◯ میڈیا میں کامیابی کے لیے سوشل میڈیا ناگزیر ہے!

❁ نہیں، ضروری ہے مگر ناگزیر نہیں۔

◯ میری پہلی تحریر کردہ کہانی رومانس سے بھرپور تھی!

❁ نہیں۔ انسانی نفسیات پر انحصار کرتی تھی۔

◯ اپنے ڈراموں کے بیشتر کرداروں کا میں نے بہت قریب سے مشاہدہ کیا ہے!

❁ جی ہاں۔ میرا لکھنا کتابوں سے زیادہ ذاتی مشاہدے کی بدولت ہے۔

◯ ڈراما نگار کی مشاہدے پر مضبوط گرفت ڈرامے کی کامیابی کی دلیل ہے!

❁ جی ہاں۔ دو سو فیصد۔

◯ خواتین کی نفسیات کو میں ان سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں!

❁ جی۔ مگر یہ میں نہیں کہتا کچھ خواتین لکھنے والیاں کہتی ہیں۔

◯ میرے ڈراموں کے نسوانی کردار بہت مضبوط ہوتے ہیں!

❁ جی ہاں۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے عورت کے اندر تہ در تہ اسراریت موجود ہے۔

◯ اپنے ڈراموں کے غیر معمولی اور انوکھے نام رکھنا میری عادتِ ثانیہ بنتی جارہی ہے!

❁ جی۔ مجھے ڈراموں کے نام اچھوتے رکھنے کا شوق ہے۔

◯ مجھے فخر ہے کہ میں عوامی ڈراما نگار ہوں!

❁ فخر کیا ہوتا ہے؟ لیکن عام لوگوں کے بارے میں لکھنا مجھے پسند ہے۔

◯ اپنے کرداروں کے ذریعے عوام کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے میں دسترس رکھتا ہوں!

❁ نہیں۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا۔

◯ بے باک موضوعات پر ڈرامے عوام کی اصلاح کی نیت سے لکھتا ہوں!

❁ جی۔ بالکل درست تجزیہ ہے۔

◯ بے باک قلمکاروں کو بکثرت پڑھنے کی وجہ سے میرے ڈراموں کے موضوعات میں بے باکی آئی ہے!

❁ جی بالکل ایسا ہی ہے۔

◯ بچپن ہی سے قدآور اور نامور ادیبوں کو پڑھا لیکن اپنا بالکل جدا اسلوب اختیار کیا!

❁ جی۔ ہمیشہ میں نے یہی کوشش کی کہ میری تحریر پر کسی کی چھاپ نہ ہو۔

◯ اپنے اسکرپٹ میں کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کرتا!

❁ جی۔ بالکل نہیں کرتا۔

◯ ٹی وی ڈراما شروع کیا تو میرے سینئرز نے بالکل بھی تعاون نہیں کیا!

❁ نہیں۔سب نے میرے ساتھ تعاون کیا۔ حمید کاشمیری صاحب اور ڈاکٹر انور سجاد نے بہت حوصلہ افزائی کی۔

☾ اپنے ڈراموں پر تنقید ہنسی خوشی برداشت کر لیتا ہوں!

❁ نہیں + ہاں۔اگر تنقید لاجیکل ہے تو برداشت کر لیتا ہوں۔احمقانہ تنقید نہیں۔

☾ ڈراموں کے مکالمے لکھنے میں جو لطف ہے حقیقی زندگی میں مکالمے بولنے میں نہیں!

❁ ہاں مجھے ایسا ہی لگتا ہے۔کیونکہ ڈراما الگ اور حقیقی زندگی الگ۔آدمی کو اوریجنل رہنا چاہیے۔

☾ میرے ڈراموں کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب میرے پُرمزاح مکالمے بھی ہیں!

❁ اگر ناظرین سمجھتے ہیں ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ چونکہ میں طبعاً بہت شرارتی اور حاضر جواب ہوں اس لیے میرے ڈراموں میں یہ رنگ آجاتا ہے۔حسبِ موقع۔

☾ ڈرامے کی کامیابی میں ٹیم ورک کی بہت اہمیت ہے!

❁ جی۔بہت زیادہ ہے۔

☾ ٹیلی فلم، سوپ اور سیریل میں سے میرا انتخاب ڈراما نگار کے لیے سیریل ہوگا!

❁ جی نہیں۔ٹیلی فلم۔

☾ میں خود کو بہت بڑا کمرشل ڈراما نگار سمجھتا ہوں!

❁ نہیں۔بالکل بھی نہیں۔

☾ تھیٹر کے لیے لکھنا بہت آسان ہے!

❁ جی نہیں۔مشکل بھی ہے۔

☾ ایک ہی موضوع پر لکھے جانے والے ڈراموں کی بھیڑ چال کا حصہ کبھی نہیں بنا!

❁ ہاں۔الحمدللہ کبھی نہیں بنا۔

☾ مجھے میرے مخصوص اسلوب سے ہٹ کر لکھنے کو کہا جائے بھاری معاوضے کے عوض تو ضرور لکھوں گا!

❁ نہیں۔کبھی بھی نہیں لکھوں گا۔میرا اسلوب میری شناخت ہے۔

☾ میں اپنے ضمیر کی سچائیوں کے ساتھ لکھتا ہوں!

❁ جی۔کوشش تو یہی ہوتی ہے۔

☾ قدوسی صاحب کی بیوہ میرا شاہکار ڈراما ہے!

❁ معلوم نہیں۔لوگ کہتے ہیں۔

☾ پاکستانی ڈراموں میں نفرت اور انتقام کے رویے اور رشتوں کے تقدس کی پامالی کا فروغ غلط ہے!

❁ نہیں۔آپ کا معاشرہ ہی اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ ہو چکا ہے۔

☾ موجودہ ٹی وی ڈراموں کے معیار اور موضوعات میں تبدیلی کا آرزومند ہوں!

❁ جی۔بالکل ہوں اور یہ بہت ضروری ہے۔

☾ پاکستانی ٹی وی چینلز پر غیر ملکی ڈرامے دکھائے جانے کے بجائے اگر ہم اپنے ڈراموں کی بہتری کی جانب توجہ دیں تو یہ بہتر اقدام ہوگا!

❁ جی۔بالکل اور اللہ کرے کہ یہ بات سمجھ میں آجائے۔

☾ ٹی وی میزبانی کا بہت کامیاب تجربہ ہے!

❁ نہیں۔ٹی وی پر تو نہیں مگر اسٹیج پر ضرور کی ہے۔حاضرین مطمئن تھے۔

☾ مداحوں نے اگر مان دیا ہے تو پریشان بھی بہت کیا ہے!

❁ نہیں۔پریشان کبھی نہیں کیا۔مان ہمیشہ دیا۔

☾ فنی دنیا میں میری کامیابی میں میرے مداحوں کا کردار بہت اہم ہے جب ہی تو میں ان سے کہتا ہوں!

❁ الحمدللہ۔دنیا بھر میں میرے مداح ہیں اور میرے مداحوں کی تعریف میرے لیے آکسیجن ہے، توانائی ہے۔یہ سلسلہ جاری وساری رکھیے۔

☆☆☆

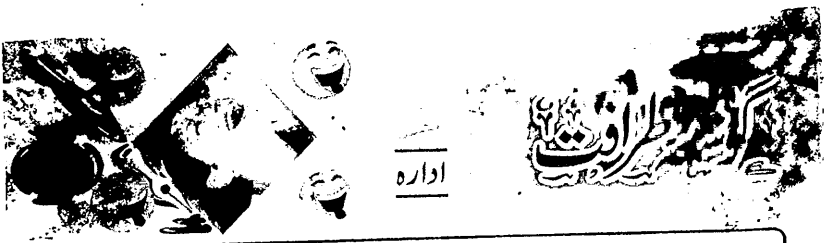

ادارہ

مزاح نگاری، کمال کی صنفِ ادب ہے کہ جس میں وہ بات بھی بہ آسانی کہہ دی جاتی ہے کہ جسے سوچنے میں زمانے لگیں..... مگر ایسی نشتر زنی بخاطر اصلاح کا فن بھی کسی کسی کو آتا ہے۔ ورنہ مزاح نگاری کو عامیانہ طرزِ تحریر بننے میں دیر نہیں لگتی۔

ڈاکٹر یونس بٹ ..... اردو مزاح نگاری کا ایک نہایت معتبر و معروف نام ہے۔ اس ماہ اپنے باذوق پڑھنے والوں کے لیے ہم نے انہی نامور مزاح نگار کی تصنیف **مزاحیات** سے اقتباس منتخب کیا ہے۔ جس سے یقیناً آپ جیسے باذوق قارئین لطف اندوز ہوں گے۔

کچھ عاشق کے بارے میں

شاعری، گلوکاری اور اداکاری کی طرح عشق کرنا بھی فنونِ لطیفہ میں سے ہے۔ دنیا میں تین قسم کے عاشق ہیں، ایک وہ جو خود کو عاشق کہتے ہیں دوسرے وہ جنہیں لوگ عاشق کہتے ہیں اور تیسرے وہ جو عاشق ہوتے ہیں۔ میرا دوست ''ف'' کہتا ہے ''عاشق دراصل آشک ہے کہ وہ اتنا محبوب سے پیار نہیں کرتا جتنا شک کرتا ہے۔''

کامیاب عاشق وہ ہوتا ہے جو عشق میں ناکام ہو کیونکہ جو کامیاب ہو جائے وہ عاشق نہیں خاوند کہلاتا ہے۔ شادی سے پہلے وہ بڑھ کر محبوبہ کا ہاتھ پکڑتا ہے، اپنی محبت کے لیے جبکہ شادی کے بعد وہ بڑھ کر بیوی کا ہاتھ پکڑتا ہے اپنے بچاؤ کے لیے۔ جو شخص یہ کہے کہ اس کی بیوی نے کبھی اس کی حکم عدولی نہیں کی، یہ وہ شخص ہے جس نے کبھی اپنی بیوی کو حکم ہی نہیں دیا..... ویسے بھی محبوبہ میں سب سے بڑی خوبی یہی ہوتی ہے کہ بندے کو اسے طلاق نہیں دینا پڑتی۔ عورت کا عشق مرد سے ہزار درجے بہتر ہے کیونکہ عورت کو عشق میں کامیابی کی صورت میں کسی عورت کے ساتھ شادی تو نہیں کرنا پڑتی۔

سچا عاشق وہ ہوتا ہے جو محبوب کے لیے زندگی قربان کر دے اور مردہ سچے عاشق سے زندہ جھوٹا عاشق بدرجہا فائدے میں رہتا ہے۔ عشق کرنا تو نشہ کرنا ہے جس کے لیے بندہ کسی بھی لذت مآب کے سامنے جھکنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ عاشق محبوب کو عارضی خوشی دیتا ہے اور مستقل خوشی لے لیتا ہے۔ میرا دوست ''ف'' ایک ہی نظر میں عاشق ہو جاتا ہے، کہتا ہے ''دوسری نظر ڈالنے تک تو بندے کو سوچنے کا موقع مل جاتا ہے۔'' کہتا ہے ''میرے ساتھ کوئی دوشیزہ مخلص نہیں نکلی، جو مخلص نکلی وہ دوشیزہ نہیں نکلی۔'' اس کی کلاس میں تیس لڑکیاں تھیں ان میں سے ایک لڑکی اس لیے ناراض رہتی کہ وہ اسے توجہ نہیں دیتا اور باقی انتیس اس لیے کہ وہ توجہ دیتا ہے وہ عشق میں ہمیشہ سرخرو ہوتا اور اس کے ہر بار ''سرخ رو'' ہونے میں اس کی محبوبہ کے بھائی کا ہاتھ ہوتا۔

عشق میں عقل نہیں شکل دیکھتے ہیں۔ شاید اسی لیے اللہ نے جنت میں بھی حسین حوروں کا وعدہ کیا ہے..... ذہین حوروں کا نہیں! لیکن یہ بھی غلط ہے کہ عاشق عقل استعمال نہیں کرتا بلکہ وہ تو عشق میں

ساری عقل استعمال کر دیتا ہے۔ عشق اور لڑائی میں سب جائز ہے۔ اس سے اندازہ لگالیں کہ عشق کتنا جائز ہے؟

عاشقی میں مرد کی عمر عورت سے زیادہ ہے۔ یوں بھی عورت تو ہمیشہ سے کم عمر ہے کیونکہ جس وقت پہلا مرد بھرپور جوان تھا، اس وقت تو یہ پیدا ہوئی تھی۔ لیکن عشق میں اس نے ہر قسم کے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اس کا نام ہمیشہ مردوں سے پہلے آیا جیسے سسّی پنوں، ہیر رانجھا، سوہنی مہیوال، لیلیٰ مجنوں وغیرہ..... مرد کم ہی چوٹی کے عاشق گزرے ہیں اکثر عورتیں ہی ''چوٹی'' کی عاشق ہوتی ہیں۔ بہرحال یہ کوئی ضروری بھی نہیں کیونکہ ہیئر اسٹائل تو بدلتے رہتے ہیں۔

عشق وہ مرض ہے جس کا جوانی لیوا حملہ پہلی عمر میں ہوتا ہے، جوں، جوں عمر بڑھتی ہے یہ مرض گھٹتا جاتا ہے۔ ویسے بھی بوڑھا عاشق جوان عاشق سے زیادہ اچھا ہوتا ہے کہ بوڑھا عاشق صرف آپ کا حال خراب کرتا ہے اور جوان عاشق تو مستقبل بھی خراب کر دیتا ہے۔

دولت سے محبت نہیں ملتی اور غربت سے محبوبہ نہیں ملتی..... کہتے ہیں بندہ اس سے عشق کرتا ہے جس پر اعتبار ہو..... حالانکہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ جس پر اعتبار ہو اس سے عشق نہیں کرتا..... اسے تو زندگی بھی صرف اس لیے پیاری ہے کہ اس کا اعتبار نہیں.....

سب سے قیمتی عاشق فلموں میں ملتے ہیں کیونکہ عشق کرنے سے انہیں محبوبہ نہیں معاوضہ ملتا ہے، شاید اسی لیے وہ سچا عشق کرتے ہیں، کیکاؤس کہتا ہے۔ ''وہ انسان ہی کیا جو عاشق نہ ہو.....'' مگر میں کہتا ہوں۔ ''وہ عاشق ہی کیا جو انسان نہ ہو۔'' وہ شخص اچھا نہیں ہوسکتا جس کے دل میں صرف عشق ہو اور کچھ نہ ہو اور وہ شخص بھی اچھا نہیں ہوسکتا جس کے دل میں سب کچھ ہو اور عشق نہ ہو۔

☆☆☆

شادی مبارک

سید حسن علیم و معصومہ علیم

دانیال اور ماہین

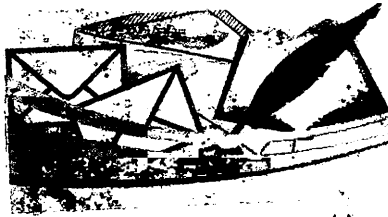

بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

03316266612,021.35386783.021.35802552.Ext:110

پیاری پاکیزہ بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ!

تمام حمد وستائش اس ذات والا صفات کو زیبا جو کل کائنات کا خلق کرنے والا ہے۔ یکتا ووحدہ لاشریک ہے اور کروڑوں درود وسلام حبیب غدار رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر جو وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ پروردگار عالم کے حضور دست بستہ دعا گو ہیں کہ اپنے خزانہ غیب سے وہ سب کچھ عطا کرے جو ہمارے حق میں بہترین ہو۔ نہ صرف ہمارے وطن پاکستان بلکہ پوری دنیا سے اس وبا کا خاتمہ کردے، انسانیت کو امان ہو اور ہم بحیثیت مسلمان اپنے رب کی بارگاہ میں حقیقی معنوں میں بخشش وعنایات پائیں۔ (الٰہی آمین)

کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

پیاری بہنو..... پُرخلوص سلام اور ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ آپ کی محفل میں حاضر ہوں، کیسی ہیں آپ سب..... شکر ہے کہ موسم میں تو تبدیلی آئی مگر ملکی حالات میں تو کچھ تبدیلی نظر نہیں آرہی۔ ہم اور آپ سب مل کر دعا کریں کہ حالات بہتر سے بہتر ہوتے جائیں اور مہنگائی سے جو ساری قوم نبرد آزما ہے ان کو بھی ریلیف مل پائے۔ اس بڑھتی مہنگائی کا اثر ظاہر ہے ادارے پر بھی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسانیاں دے اور ہم آپ تک یہ رسالے بہ آسانی پہنچاتے رہیں، آمین.....

بہت دنوں سے فرحین اظفر کی عورت کہانی کے سلسلے میں تحریروں کی مسلسل دل ہی دل میں تعریف کیے جارہی تھی، میں نے سوچا کیوں ناں آج یہ تعریف محفل کے ذریعے فرحین تک پہنچادی جائے، بھئی بہت عمدہ لکھ رہی ہو اور ہر دفعہ بہت ہی اچھا میسج پہنچا رہی ہو یقیناً پاکیزہ بہنیں بھی انجوائے کررہی ہوں گی۔ دردانہ نوشین تم نے کیا کمال کی تحریر بھیجی۔ دوسرے حصے کا میری طرح یقیناً سب بہنوں کو انتظار ہوگا بس اسی طرح پُراثر لکھتی رہو، سلسلے وار ناول بھی کامیابی سے آگے بڑھ رہے ہیں اور ہماری ان رائٹرز کو قاری بہنوں کی آرا کو بھی ضرور مدنظر رکھنا چاہیے۔

جرمنی میں مقیم پاکیزہ کی دیرینہ قاری راشدہ عفت احمد مطیع کا اپنی زندگی کے حالات کے بارے میں بہت طویل خط موصول ہوا۔ انہوں نے اپنی بیماری کے باوجود پاکیزہ پر تفصیلی تبصرہ بھی کیا اور سب کا حال احوال بھی دریافت کیا۔ راشدہ بہن آپ نے چھوٹی سی عمر میں دیارِ غیر میں جا کر بہت مختلف ماحول میں اپنی محنت اور لگن سے ایک مقام بنایا جو کہ قابلِ ستائش ہے۔ سب بہنیں آپ کی صحت وسلامتی کے لیے ضرور دعا کریں گی۔

ہماری ایک اور بہت پرانی قاری بہن سعدیہ سیٹھی مقیم لندن، ٹونگھم نے کچھ عرصہ پہلے واٹس ایپ پر رابطہ کیا اور اب مسلسل رابطے میں ہیں۔ آج کل کچھ مصروف ہیں، کچھ فراغت ملے تو پہلے کی طرح مراسلات اور نگارشات کا سلسلہ شروع کریں گی۔

اچھا بہنو اب کافی باتیں ہوگئیں ان شاء اللہ اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی۔ اپنا اور اپنے چاہنے والوں کا خیال رکھیے اور دعاؤں میں بھی ایک دوسرے کو ضرور یاد رکھیں اب اجازت اللہ نگہبان.....!

دعا گو عذرا رسول

☆☆☆

عزیز بہنو! عذرا آپی کی بیماری، پیاری باتوں کے بعد مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں بنتی اس لیے کہ بہنوں کے خطوط کی بھی

ایک لمبی قطار منتظر رہتی ہے۔ ہاں سرگرمیوں کے بارے میں اتنا کہوں گی کہ جن بہنوں نے خبریں لگوانی ہوں تو الگ صفحے پر لکھ دیا کریں۔ ہم کسی کی بغیر اجازت کوئی خبر نہیں لگاتے خوشی کی ہو یا غم کی..... بہنیں بذریعہ فون و خط خود شیئر کرتی ہیں۔ پاکیزہ میں بہنوں کی محفل میں سرگرمیوں کا یہ سلسلہ بہت مقبول ہے اور کیا مستقل قاری اور کیا کبھی، کبھی پڑھنے والے، ان صفحات کو تو ضرور ہی پڑھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمام تبصرہ نگاروں کی یکساں شمولیت رہے اسی لیے ہر دفعہ طویل خطوط نہیں دے پاتے آپ لوگ بھی خیال رکھا کریں۔ جواب طلب امور کا ضرور تسلی بخش جواب دیا جاتا ہے۔ اگر ہم طویل جواب دینے لگے تو محفل میں صفحات کی قلت ہو جائے گی ہر مرتبہ ہی کچھ خطوط رہ جاتے ہیں۔ آج ایک دکھی بہن کا مسئلہ شیئر کر رہی ہوں کہ ان کی بیٹی کچھ نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہے۔ ماں بہت پریشان ہیں کہ کس طرح بچی کو سکون مل جائے۔ انٹر کی طالبہ ہے بہت ذہین بچی ہے مگر مایوسی کا شکار ہے۔ کسی نالائق لڑکے سے دھوکا بھی کھایا ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ کوئی دعا بتا دیں تاکہ اس کے دل کو سکون ملے سب بہنوں سے بھی درخواست کی ہے۔ یہاں سب ایک بینچ کی طرح ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں امید ہے کہ اس بچی کو آپ بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گی۔

اب بہنو! حسب روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے درود ابراہیمی اور اس کے بعد تین بار آیت کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہلِ وطن کو بھی یاد رکھیں۔

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری فہمیدہ جاوید، ملتان کے بڑے بیٹے جنید علی نے Inter(ICS) کے امتحان میں 845 نمبرز حاصل کیے اور اب یونیورسٹی میں ایڈمشن لیا ہے۔ (بہت، بہت مبارک ہو)

☆ رائٹرز بہت جبیں ضیا اپنی پیاری بیٹی کی رخصتی کے بعد آرام فرما رہی ہیں اور دعوتیں بھی کھا رہی ہیں۔ (ماشاء اللہ خوش رہیں)

☆ پاکیزہ کی دیرینہ قاری شگفتہ ناصر، فیصل آباد اپنے شوہر لعل محمد ناصر کے ہمراہ پاکیزہ کے دفتر بطورِ خاص ملنے آئیں۔ ان کے حوالے سے دوسری خبر یہ ہے کہ 13 اکتوبر کو ان کی شادی کی اڑتیسویں سالگرہ بھی تھی۔ (بہت مبارک ہو)

☆ مستقل تبصرہ نگار حدیث اختر کو اپنے نواسے عبداللہ اور بہو ماریہ ادریس کی سالگرہ کی بہت، بہت مبارک باد..... (اللہ صحت و تندرستی اور ایمان والی زندگی عطا ہو، آمین)

☆ ماہنامہ پاکیزہ سے وابستہ ہماری دیرینہ ساتھی قلم کار سیدہ عطیہ پروین، پشاور جو عطیہ ہدایت اللہ کے نام سے لکھتی ہیں ان کے خوب صورت ترین افسانوں پر مبنی کتاب ''یہی زندگی ہے'' این، زیڈ پرنٹرز پشاور کے بینر تلے شائع ہوئی ہے۔ نہایت خوب صورت سفید آفسٹ صفحات پر مرتب کی ہوئی اس کتاب کی قیمت صرف 300 روپے ہے۔ سیدہ عطیہ نے افسانوں کا یہ چوتھا مجموعہ اپنی والدہ مرحومہ بیگم داؤد شاہ کے نام کیا ہے۔ عطیہ نے عمیر علی خان کا بے حد شکریہ ادا کیا ہے جنہوں نے اس کتاب کی کمپوزنگ، سرورق اور سیٹنگ میں ان کی بے حد معاونت کی۔

☆ جن قاری بہنوں کی اور ان کے دوست احباب اور رشتے داروں کی ماہ نومبر میں سالگرہ یا شادی کی سالگرہ ہوتی ہے ان سب کو ادارے کی طرف سے پُرخلوص مبارک بادیں اور دعائیں۔

شادی خانہ آبادی

☆ ادارے سے تعلق رکھنے والے، محنتی کارکن محمد حمید کی دختر نیک اختر مریم کی شادی خانہ آبادی محمد کاشف سے بخیر و خوبی انجام پائی۔ (بہت مبارک باد)

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ ماہنامہ پاکیزہ کی دور دیس بیٹھی مستقل قاری راشدہ عفت احمد مطیع جرمنی کی مکمل صحت یابی کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

☆ ہماری بہت پیاری ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی اگرچہ ضعیفی کے باعث کمزور تو ہوگئی ہیں مگر الحمدللہ روبصحت ہیں وہ تمام

قاری بہنوں کو دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں، سلام کہتی ہیں اور جو بہنیں انہیں دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں تو ان سب کے لیے جزاک اللہ کہتی ہیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری تبصرہ نگار اور مایہ ناز رائٹر طیبہ عنصر مغل، راول پنڈی دل کے عارضے میں مبتلا ہوگئی ہیں، کچھ دن اسپتال بھی رہ کر آئی ہیں اب گھر پر آرام کر رہی ہیں۔ سب بہنوں سے دعائے صحت کی استدعا ہے۔ اللہ پاک طیبہ عنصر مغل کو صحت وسلامتی سے رکھے اور وہ اپنی تحریروں سے نوازتی رہیں۔ الٰہی آمین......!

☆ مستقل قاری، تبصرہ نگار اور شاعرہ فریدہ افتخار، اسلام آباد کی طبیعت ان دنوں ناساز ہے۔ وہ گھٹنوں کی تکلیف کے عارضے میں مبتلا ہیں۔

☆ رائٹر عطیہ ہدایت اللہ کی مکمل صحت یابی کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

☆ رائٹر نزہت جبیں ضیا کے شوہر اب روبصحت ہیں۔ نزہت تمام بہنوں کی دعاؤں کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔

انتقالِ پُرملال

انجم انصار، شمیم فضل خالق، غزالہ عزیز، ہما بیگ کے پیارے رشتوں کے بچھڑنے پر ان کے چاہنے والے مسلسل تعزیت نامے ارسال کر رہے ہیں، ہماری یہ مصنفات بھی انہیں دعائیں دیتی ہیں کہ جو اُن کے غم میں شریک رہے۔

☆☆☆

اب بہنوں آتے ہیں آپ کے پیارے، پیارے خطوط کی طرف۔

✉ تسنیم کوثر، کراچی سے۔ "ماشاء اللہ، ماشاء اللہ میں دل سے کہہ رہی ہوں پاکیزہ روز بروز خوب سے خوب تر ہوتا جا رہا ہے۔ افسانے بہترین ہو رہے ہیں تو ناولز زبردست جا رہے ہیں (بس یہ ہماری رائٹرز کی مہربانی ہے) یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پاکیزہ نظر لگ جانے کی حد تک پیارا اور خوب صورت ہوگیا ہے۔ اور یقیناً یہ سب آپ لوگوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے۔ اس بار افسانوں میں گڑیا نے دل ہلا دیا۔ ایسے مجرم کے لیے تو اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہونی چاہیے (بے شک) دین و دنیا دونوں میں اس کی کبھی معافی نہیں ہو۔ یا اللہ تعالیٰ سب بچیوں کو اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔ نفیسہ سعید خوش رہیے آپ نے نہایت اہم ٹاپک پر قلم اٹھایا ہے اس کے علاوہ فوجن آپا نے بھی بڑا مزہ دیا۔ نُہی فردوس نے بہت خوب لکھا اور شمیم فضل خالق نے برے نصیب میرے بہت ہی عمدہ اور جاندار تحریر رقم کی ہے۔ ہمیں ان کی تحریر ہمیشہ ہی اچھی لگتی ہے خوش رہیے شمیم، دردانہ نوشین خان کے کاہے کو بیاہی نے تو گویا میلا لوٹ لیا۔ سچ تعریف کے لیے تو الفاظ ہی نہیں ہیں اور جناب اس کے علاوہ بے نام مسافتیں، پروین عذرا تشنہ نے بھی اچھا ہی لکھا یعنی بس ففٹی، ففٹی کہہ سکتے ہیں اور جناب فرح بھٹو کے ناول ایک ہی راہ ہے مسافت کی اس کو بھی ہم نے پاسنگ مارکس دے دیے ہیں اور خاص طور پر مدیحہ شاہ کے پریوں کے دیس میں تو ہم نے خوب انجوائے کیا۔ کافی عرصے کے بعد اتنا دلکش اور سحر انگیز ناول پڑھنے کو ملا ہے اور نایاب جیلانی کے میں عشق ہوں میں تو سسپنس اور پُراسراریت زیادہ محسوس ہوتی ہے لگتا ہے ابن صفی کا کوئی جاسوسی ناول پڑھ رہے ہیں اور اس میں ایک ساتھ دو کہانیاں چل رہی ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے ہماری اس ناقص رائے میں (درست خیال ہے، آپ کی رائے اہم ہے) میرا سارا زنگ اتار دو، یہ ناول اچھا لگ رہا ہے مگر اب جلدی سے دُرِ مکنون اور عکرمہ کی شادی کروائیں بلکہ نہیں دُرِ مکنون اور زاویار کا بیاہ کروا دیں کیا خیال ہے اور وہ پیاری، پیاری سی رائٹر مریم عزیز، نبیلہ ابر راجا شاید یہی نام ہے کہاں غائب ہیں ان سے ناول لکھوائیں اور سلمیٰ غزل صاحبہ کو ہمارا اسلام کہیے گا اور عذرا رسول صاحبہ کو بھی دعا سلام......" (جی بالکل ان رائٹرز کو بھی واپس لایا جا رہا ہے تفصیلی تبصرے کا بہت شکریہ)

✉ غزالہ عزیز، کراچی سے۔ "نزہت آپی آپ کا اور تمام قاری بہنوں کا شکریہ ان کے لیے دعائیں کہ میرے والد کی وفات پر تعزیت کی اور دعائے مغفرت میں یاد رکھا۔ بس یہی تحفے زادِ راہ ہیں...... اور میں ایک دفعہ پھر آپی انجم انصار اور شمیم فضل خالق کے شوہر حضرات کی وفات پر تعزیت پیش کرتی ہوں۔ اللہ سب لواحقین کو صبر جمیل دے اور مرحومین کی مغفرت ہو، الٰہی آمین......

❁ وردہ بخاری، اسلام آباد سے۔ ''ستمبر کا خوب صورت شمارہ ہاتھ میں ہے مگر دو دن سے باوجود کوشش کے تفصیلاً پڑھنے کا وقت نہیں ملا۔ کہاں وہ وقت تھا جب دو دن میں پورا شمارہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ تین بچوں کی ماں ہونے کے بعد وہ زمانہ اب بس یاد ہی کیا جاسکتا ہے۔ (ہاں بھئی پہلے بچوں اور اپنے گھر کو دیکھو جبھی تو رائٹرز کی باتیں آزمودہ لگیں گی) خیر سب سے پہلے بہت شکریہ..... میرے افسانے کو اپنے رسالے میں جگہ دینے کے لیے..... جتنی خوشی مجھے اپنی تحریر کے شائع ہونے کی ہوئی ہے اتنی تو شاید M.PHILL کے ایگزام کو CLEAR کرنے کی بھی نہیں ہوئی۔ یہ احساس بہت خوب صورت ہے جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ (ہاں بالکل یہ بات تو ہے) بہرحال بات ہو جائے ستمبر کے شمارے کی تو سلسلے وار ناول تو خوب صورت ہیں ہی۔ اس دفعہ افسانے بھی بہت اچھے تھے۔ ناہید سلطانہ اختر، حوریہ بتول، ہما بیگ، افشین نعیم سب ہی نے بہت اچھا لکھا۔'' (بہت شکریہ مختصر تبصرے کا)

❁ فرزانہ اے شاہ، راول پنڈی سے۔ ''سب پاکیزہ فیملی کو بہت، بہت سلام..... (جی وعلیکم السلام) میں پہلی بار آپ سے مخاطب ہوں۔ پاکیزہ سے میری دوستی بہت پرانی ہے یا یوں کہیے کہ جب سے شعور اجاگر ہوا یا اردو پڑھنا آئی میں نے اس کا حرف، حرف پڑھنا شروع کیا اور آج تک اس کی خاموش قاری ہوں، لکھنا تو میں بہت پہلے سے چاہتی تھی اور بارہا بہت کچھ اپنی ڈائریوں کی نذر کیا بھی لیکن مستقل مزاجی سے کچھ نہ کرسکی۔ شادی کے بعد بچوں کی پیدائش اور سسرالی ذمّے داریوں نے مزید زندگی کے جھمیلوں میں الجھا دیا اور کافی عرصہ حسرت ہی رہی کہ میں کچھ لکھوں لیکن اس سب کے باوجود پڑھنا نہیں چھوڑا مجھے تو سمجھیں نیند نہیں آتی یا پھر یوں کہیں کہ کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا جب تک کچھ پڑھ نہ لوں..... اور پاکیزہ کی تو میں شیدائی ہوں۔ (جزاک اللہ) انجم صاحبہ کا جلترنگ اور ان کی اور بے شمار تحریریں، شیریں حیدر اور ان کے زرخیز ذہن کی بہاریں..... ذکیہ بلگرامی صاحبہ کے ایمان افروز تبصرے..... اسما قادری، نگہت سیما ماشاء اللہ آپ کے گلدستے کے چند خوب صورت پھول ہیں جو ہم جیسے خواب بُننے والوں کو ہمیشہ خوشبو دیتے رہتے ہیں..... اللہ آپ کی بہاریں قائم رکھے، (آمین) بے شمار مصنفین کو اس کے علاوہ بھی میں پڑھ چکی ہوں لیکن کچھ عرصہ پہلے شاید دو یا ڈھائی سال پہلے میری پیاری نند جو میری پیاری دوست اور بہن سب کچھ ہے نے میرے پڑھنے کے ذوق کو دیکھ کر مجھے آپ کا ایک اور شاہکار تھمایا اور وہ تھا۔ ''سرگزشت'' ماشاء اللہ کیا نہیں تھا اس میں وہ تو مجھ جیسی پیاسی کو سیراب کر گیا اور وہ دن اور آج کا دن میں نہایت سنبھال کر اس کا ہر شمارہ رکھتی ہوں اور اب تو میں آپ کے سسپنس کی بھی مستقل قاری ہوں۔ ماشاء اللہ جتنی عمدہ اور معیاری تحاریر آپ کے ان ماہناموں میں ہوتی ہیں وہ کہیں نہیں ملتی..... اللہ پاک مزید ترقی دے، آمین۔'' (پاکیزہ اور ادارے کے دیگر رسائل کے بارے میں آپ کی دلچسپی جان کر بہت خوشی ہوئی آپ مطالعہ جاری رکھیے اور اگر کچھ تحریر بھیجنا چاہتی ہیں تو دفتر کے پتے پر بھیج دیں۔ اردو ان پیج پر بھی بھیج سکتی ہیں۔ مزید معلومات کے لیے اس محفل میں دیے گئے رابطہ نمبروں پر بات کرلیں)

❁ فریدہ افتخار، اسلام آباد سے۔ ''پاکیزہ کے ذریعے سب پڑھنے والوں، لکھنے والوں کے بارے میں معلومات مل جاتی ہیں۔ کچھ اچھی خبریں اور کچھ دل کو اداس کردینے والی خبریں..... انجم انصار صاحبہ کے شوہر کے انتقال کی خبر پڑھی پھر شمیم فضل خالق کے شوہر بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ دلی صدمہ ہوا۔ خدا مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر (آمین) زندگی بھر کا ساتھ دینے والے جب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں تو یہ غم، یہ صدمہ عمر بھر کا زخم دے جاتے ہیں جو وقتی طور پر مندمل تو ہو جاتا ہے مگر ختم نہیں ہو پاتا..... اور پھر خاص طور پر ایسا ساتھی جس کے دم سے ہی زندگی تھی۔ ہمیں بھی چودہ سال ہوگئے اس صدمے سے نباہ کرتے ہوئے۔ جی رہے ہیں مگر زندگی بھر کی خوشیاں کہیں روٹھ کر چلی گئی ہیں۔ (کیا کیا جائے جو پروردگار کی رضا ہو) دعا ہے کہ پروردگار ہمارے بچوں کو سلامت رکھے۔ جن کے دم سے ہماری دنیا آباد ہے۔ (الٰہی آمین) کچھ کورونا نے نفسیاتی طور پر اداس کیا ہوا ہے سب کو۔ وہ محفلیں، رونقیں، ملنا، جلنا، اچھے دنوں کی آس لیے دعا گو ہیں کہ پروردگار اس آزمائش سے قوم کو نکالے اور آسمانی زمینی آفات سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے آمین..... جن، جن کے پیارے ملک کے اندر اور ملک سے باہر پردیس میں ہیں اللہ ان کی حفاظت فرمائے، آمین.....'' (پیاری فریدہ کافی دنوں بعد آپ کی تحریر پڑھنے کو ملی۔ جی بس ایک کے بعد ایک حادثے دل کو اداس کر جاتے ہیں اللہ پاک مرحومین کے لواحقین کو صبرِ جمیل عطا ہو۔ واقعی یہ سال نہ جانے کیسے، کیسے ہیرے موتی لے گیا بس اللہ پاک سے رحم و کرم کی دعا ہے۔ پاکیزہ کی محفل آپ کی اپنی

ہے اس میں سب مل بیٹھ کر دکھ سکھ کہتے ہیں۔ یہ تمام قاری بہنوں کی اپنائیت ہے۔ اللہ پاک اس سلسلے کو اسی طرح قائم رکھے اور ہم ایک دوسرے کے غم گسار بنے رہیں، الٰہی آمین!)

صفیہ، مانسہرہ سے۔ ''پہلا پاکیزہ جب چھپا تھا جب سے پڑھ رہی ہوں..... پاکیزہ سے دلی لگاؤ ہے۔ پہلے میں سسپنس بھی پڑھتی تھی۔ اکتوبر کا پاکیزہ تاحال نہیں مل پایا۔ بے چینی ہے پڑھنے کی۔ میں تو بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔'' (ماشاء اللہ آپ ہماری دیرینہ قاری ہیں، بہت خوشی ہوئی جان کر پاکیزہ میں ایک صفحے پر ملک بھر کے ایجنٹس کے نمبر لکھے ہوئے ہیں، آپ مانسہرہ کے نمائندے سے فون کر کے معلوم کر سکتی ہیں، ان کے پاس یقیناً پرچہ ہوگا۔ اس دفعہ تو بہت جلد ہی پاکیزہ کراچی سے روانہ کر دیے گئے تھے۔)

☒ انیسہ زینب، شکار پور۔ آپ کا بہت شکریہ ہم کراچی والوں کے ساتھ ہمدردی کی اور دعائیں بھی کیں۔ بے شک ملک عزیز کا ہر باشعور محب وطن پورے پاکستان کے لیے فکر مند رہتا ہے اور اپنے شہر کے ساتھ، ساتھ ملک کے چپے، چپے میں امن، سکون اور خوشحالی چاہتا ہے۔ آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے، اپنی کوئی تحریر مراسلوں کی صورت ہو..... یا شاعری ضرور بھیجیں۔

راشدہ عفت احمد مطیع، جرمنی سے۔ ''عرصہ تین ماہ کے انتظار کے بعد وہ مبارک دن آیا جب پاکیزہ ملا..... بہت تسلی اور خوشی ہوئی گویا کہ چشم ما روشن دل ماشاد ہو گیا ہے..... ماشاء اللہ (چلیں شکر ہے کہ رسالہ مل گیا) پاکیزہ کے ساتھ تو میری قلمی دوستی ہو گئی ہے۔ میرا بہنوں کی محفل میں حاضری دینا اب مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ گو کہ مشکل سے لکھ پاتی ہوں مگر پاکیزہ کی محبت میں سب کچھ برداشت کرتی ہوں۔ محترمہ رائٹر حمیرا بیگ صاحبہ کے پیارے بیٹے کی المناک وفات کا پڑھا ہے دلی صدمہ ہوا ہے، اللہ پاک ان کے بیٹے کو جنت میں جگہ دے، آمین اور ان کے تمام خاندان کو صبر جمیل دے، آمین۔ سب کہانیاں افسانے ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، ایک سجدہ بہت پسند آیا ہے۔ اب میرا سارا زنگ اتار دو اور میں عشق ہوں کے انجام کا انتظار ہے۔ افسانے سارے ہی بے حد اچھے تھے پاکیزہ ڈائری، روحانی مشورے، سب بے حد ہمیشہ بہت اچھے لگتے ہیں، اختر شجاعت صاحبہ بھی اچھا لکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کورونا وبا کا خاتمہ کر دے آمین ثم آمین..... اپنی دعاؤں میں ہمیں ہر دم یاد رکھیے گا (جی بالکل) آپ نے میری صحت کا پوچھا ہے میں شکر ہے کہ اللہ کا اب ٹھیک ہوں ماشاء اللہ، اللہ سب کی خیر رکھے، والسلام محتاج دعا اور پاکیزہ کی شیدائی۔'' (بہت شکریہ پیاری راشدہ آپا..... اللہ آپ کو محبت سے رکھے..... آپ کی زندگی کی کہانی بہت سبق آموز ہے۔ آپ نے بڑی ہمت اور بہادری سے حالات کا مقابلہ کیا اور ماشاء اللہ..... بیٹیوں کو بھی اعلیٰ تعلیم دلائی۔ عذرا صاحبہ بھی سلام کہتی ہیں)

ڈاکٹر کرن احمد، اسلام آباد سے۔ ''میرے قلم میں وہ روانی تو نہیں جو اس محفل کا خاصہ ہے لیکن پھر بھی دل کیا کہ آج اس بزم میں اپنی آواز شامل کروں..... اس وقت باہر دوپہر کی خاموشی ہے اور اندر بہت ساری سوچوں کی رونق..... اسکرین پر اردو لکھنے کا پہلا تجربہ ہے اس لیے سوچوں کی گاڑی کچھ آگے بھاگ رہی ہے اور میں حروف تہجی اسکرین پر ڈھونڈتے ہوئے اس کے پیچھے..... ڈائجسٹ سے میری دوستی کو اب تین دہائیوں سے زیادہ کا ٹائم گزر چکا ہے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں خالہ کے گھر رہنے گئی تو ایک لمبی دوپہر گزارنے کے لیے یونہی رسالہ اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا۔ (امی سے چھپ کر) بس اسی دن سے ڈائجسٹ سے پکی دوستی ہو گئی..... امریکا کی یونیورسٹی آف ٹیکساس آسٹن ..... سے پی ایچ ڈی کی ریسرچ یعنی ڈائجسٹ کی لکھاریوں پر ہی کی۔ تقریباً پانچ سال اس پر تحقیق کی اور اس ڈائجسٹ کی دنیا کے باسیوں کے پیار اور ان کے تعلقات کی گہرائی کو محسوس کیا۔ اور ان کو academic لفظوں میں سمیٹا۔ وہی

سانحۂ ارتحال

پاکیزہ کی معاون مدیرہ آمنہ حماد کے بڑے بھائی شاہ انور کلیم برین ہیمبرج کے باعث انتقال کر گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا ہو۔ الٰہی آمین..... ادارہ آمنہ حماد اور ان کے خانوادے کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

الفاظ اب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ایک کتاب کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔storied with oil stains .... میلے ہاتھوں سے لکھی روشن کہانیاں کی رونمائی اس سال 18 اکتوبر کو شام چھ بجے اسلام آباد لٹریری فیسٹیول میں ہوگی۔ یہ ہم سب کی مشترکہ کامیابی ہے۔ میری طرف سے سب کو گلاب جامن اور سموسے کی virtual treat چائے کے ساتھ (بہت نوازش آپ کو بے حد مبارک ہو) دل سے آپ سب قلم کار بہنوں کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتی ہوں۔ جن کا پیار اب میرا قیمتی سرمایہ ہے۔ بالخصوص سدرۃ المنتہیٰ جن کی محبت میں، میں نے دھنک کے تمام رنگ محسوس کیے ہیں۔ ابھی کتاب کی خوشی آپ سب کے ساتھ شیئر کرنے کے لیے اس محفل میں ہاتھ کھڑا کیا ہے ان شاء اللہ اگلی دفعہ کسی اور خوشخبری کے ساتھ دوبارہ حاضری دوں گی۔'' (جی ضرور کرن آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگا۔ آپ بہت بڑا کام کر رہی ہیں اور ڈائجسٹ کی لکھاریوں کو ان کا جائز، واضح اور قابلِ قدر مقام دلوانے میں کوشاں ہیں، بے شک ان رائٹرز نے ہی زندگی کے مختلف رنگوں کو اپنی صلاحیتوں، ہنر اور سعیِ خالص کے ذریعے عام کیا ہے)

✍ شمیم فضل خالق، پشاور سے۔'' حسبِ وعدہ افسانہ حاضر ہے۔ (جی خوش آمدید) تمام بہنوں کو میرا شکریہ کہہ دینا جنہوں نے تعزیت کے پیغامات بھیجے...... کیا بتاؤں نزہت وہ قدم جو پھولوں پر چلنے کے عادی تھے۔ اچانک کانٹوں پر چلنے سے لہولہان ہوگئے...... زندگی بھر کا ساتھی اچانک راستہ بدل لے تو زندگی مشکل ترین لگنے لگتی ہے۔ عورت کے لیے یہ ایک ایسا نقصان ہے جس کا ازالہ کبھی نہیں ہوتا...... اپنے شوہر کے بارے میں اپنے کچھ احساسات روانہ کر رہی ہوں ڈیئر...... الگ صفحے پر شائع کر دینا۔ افسانے کا عنوان جلدی میں تحریر کیا ہے آپ کو کوئی اور موزوں عنوان ملے تو اسے چینج کر دینا۔ (جی ضرور) عذرا رسول کو میرا سلام کہیے گا۔'' (عذرا آپی کی طرف سے وعلیکم السلام...... آپ کی خیریت دریافت کرتی ہیں۔ بے شک شوہر کے بغیر زندگی نہیں اللہ آپ کو صبرِ جمیل عطا ہو اور مرحوم فضل خالق کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا ہو، الٰہی آمین)

✍ عطیہ ہدایت اللہ، پشاور سے۔'' میں اپنے افسانوں کی کتاب بھیج رہی ہوں۔ (جی شکریہ) آپ سے بات کر کے اچھا لگا۔ آپ سب پاکیزہ کے اعلیٰ معیار کو برقرار رکھنے کے لیے بہت محنت کرتے ہیں (بہت نوازش) اللہ آپ سب کو ہمت و طاقت دے۔ (جی بس دعائیں چاہئیں) عذرا رسول صاحبہ بھی ایک باہمت اور بہادر خاتون ہیں، جو زندگی کا ساتھی چھوٹ جانے کے بعد بھی بہت اچھے سے اپنا کام کرتی جا رہی ہیں۔ ان کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ آج کی عورت کا حالات کے سامنے ہار جانا اچھا نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ادارے کو دن دُگنی رات چوگنی ترقی دے۔ (آمین) سب ادارے کے اہلکاروں کو سلام و دعائیں۔ (بہت شکریہ، عطیہ آپا، اللہ آپ کو صحت و سلامتی سے رکھے) اب بالوں میں چاندی اتر آئی ہے انتظار کرتے، کرتے زندگی کی شام نہ ہو جائے۔'' (اللہ آپ کو سلامت رکھے)

✍ ثمینہ کوکب، ضلع جہلم سے۔'' اکتوبر کا پاکیزہ اپنے پیارے سے سرورق کے ساتھ بہت پسند آیا۔ دین کی باتیں اور اسمائے گرامی پڑھ کر اپنے ایمان کو تروتازہ کیا۔ نزہت اصغر صاحبہ کا اداریہ بہت ہی پُراثر تھا۔ لگتا ہے الفاظ نہیں موتی بکھرے ہوئے ہیں ماشاء اللہ، اختر شجاعت صاحبہ کے مضمون حبِ مال...... آزمائش الٰہی کی تعریف تو ممکن ہی نہیں ہے۔ اختر شجاعت صاحبہ ہمیشہ بہت خوب صورت موضوع کا انتخاب کرتی ہیں۔ اے کاش ہم دنیاوی مال و دولت کے پیچھے دوڑنے کے بجائے اللہ کی رحمت اور اس کے کرم کے امیدوار بن جائیں آمین۔ اللہ پاک ہمیشہ خوش رکھے اور جزائے خیر عطا فرمائے آمین یارب العالمین...... شائستہ زریں ''پاکیزہ کے مہمان'' میں پروین سعید صاحبہ سے ملاقات بہت اچھی لگی۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی یہ کائنات ایسے نیک لوگوں کے دم سے ہی آباد ہے جو حقوق العباد کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ (درست کہا) بہنوں کی محفل حسبِ معمول لاجواب تھی۔ عذرا آپی کی کچھ باتیں اپنی بہنوں سے بہت اچھی لگتی ہیں۔ اللہ پاک عذرا آپی کو صحت و زندگی اور شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ آمین...... بہنوں کی محفل کی سب رونق ان کے دم سے ہے۔ دونوں ناول اور منی ناول میں انمول بہت اچھے طریقے سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ پریوں کا دیس آخری حصہ کا ہے گویا ہی بدلیس ایک ہی راہ ہے مسافت کی، ع عورت ق قفل سب افسانے اپنی، اپنی جگہ پر لاجواب ہیں ہاں جی، بزمِ پاکیزہ میں سوال پر پہلا انعام دینے کا بہت شکریہ...... پاکیزہ کے تمام سلسلے اپنی مثال آپ ہیں۔ انتقالِ پُرملال میں جن بہنوں کے رشتے داروں کا انتقال ہوا

ہے ان سب کے لیے دعائے مغفرت اللہ پاک ان سب کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دیں۔ اور تمام بیمار بہنوں اور ان کے متعلقین کو شفائے کاملہ نصیب ہو۔ تازہ بہ تازہ سرگرمیوں میں سب کو ان کی خوشیاں مبارک ہو۔ آخر میں تمام پاکیزہ بہنوں اور تمام پاکیزہ اسٹاف کو پُرخلوص دعائیں اور نیک تمنائیں۔'' (بہت پیارے جامع تبصرے کا شکریہ کبھی کسی تنقیدی امر کی طرف بھی نشاندہی ضرور کریں)

سلمٰی غزل، اسلام آباد سے۔ ''پتا نہیں یہ سال اتنا دلدوز اور بھاری کیوں ہے...... اب آمنہ حماد اپنے بھائی سے محروم ہو گئیں آج وہ، کل ہماری باری ہے یہی قانونِ قدرت ہے لیکن اپنوں کے بچھڑنے کا غم اندر سے توڑ دیتا ہے اللہ ان کو صبر دے اور مرحوم کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ (الٰہی آمین، جی آمنہ جزاک اللہ کہتی ہیں) سب سے پہلے تو میں اختر شجاعت کی ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے فون کر کے وضاحت کی اور جب انہوں نے کہا کہ یقیناً آپ کچھ اپ سیٹ ہوں گی جو سمجھ نہ پائیں تو اندازہ ہوا کہ وہ اپنی دوستوں کو کتنا سمجھتی ہیں۔ ''حبِ مال'' پر ان کی تحریر لاجواب، مال اور دولت اور پھر اولاد، اس کی تو ہر ہر جگہ وعید ہے کہ یہ فتنہ ہے اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ اور ہم مسلمانوں سے مال کی ہوس اس کو متاعِ حیات بنانے کی خواہش دل سے دور کردے۔ اب آتے ہیں افسانوں کی طرف اس مرتبہ تو یہ حال ہے کہ کس کو پکڑوں تو کس کو چھوڑوں کیونکہ ایک سے بڑھ کر ایک...... گڑیا، نفیسہ سعید کی کہانی کا پرانا موضوع مگر وقت کی ضرورت...... شباہت بھی غزالہ رشید کی اس لیے اچھی لگی کہ اس عہد کے بچے ہم سے زیادہ باشعور اور حقیقت شناس ہیں، فوجن آپا نے مزہ نہیں دیا کہ اب آخری عمر میں کیا خاک مسلماں ہوں گے۔ مرتے وقت دیا تو کیا دیا۔ شمیم فضل خالق نے برے نصیب میرے، میں والدین کو اچھا سبق دیا ہے میری والدہ مرحومہ کہتی تھیں کہ روپ کی روئے نصیب کی کھائے، اسی لیے ہمیشہ اچھے نصیب کی دعا کرنی چاہیے۔ (جی بالکل درست کہا) شام ڈھلے، سیما بنت عاصم کی لاجواب اور سبق آموز، دردانہ نوشین کی کہانی پر تبصرہ اختتامی حصے پر ویسے انہوں نے گاؤں، دیہاتوں میں رہنے والوں کا نقشہ اچھا کھینچا ہے۔ وہاں یوں گالیاں دینا عام ہے۔ بے نام مسافتیں طویل ہونے کے باوجود اچھا لگا۔ فرح بھٹو ایک ہی راہ ہے مسافت کی...... چھا گئیں بہت ہی اچھا اور حقیقت پر مبنی افسانہ...... مدیحہ شاہد نے پریوں کے دیس کا انجام زبردست کیا ان کے قلم میں بڑی طاقت ہے اور روانی ہے۔ ماشاء اللہ اس مرتبہ ہر افسانہ انگوٹھی میں نگینے کی طرف فٹ ہے۔ اس دفعہ میں اسلام آباد سے تبصرہ کر رہی ہوں میری بھانجی اس کے میاں بچے سب بہت خیال رکھ رہے ہیں مگر دل کراچی ہی میں اٹکا ہوا ہے۔'' (چلیں سلمٰی ساتھ خیر خیریت سے واپس آئیں آپ کے پیاروں کو اللہ خوش رکھے)

جبینا، کراچی سے۔ ''ستمبر، اکتوبر کے لیے تبصرہ کمبائن ہے، ایک سجدہ مکمل ہوا اینڈ توقع کے برعکس تھا ایسا اکڑو اور کھڑوس بندہ اتنی جلدی سیدھا نہیں ہوتا چلیں ہو گیا تو اچھا ہوا جو مزاج رائٹر میں آئے۔ سوئی دھاگا ایک کارآمد تحریر تھی اپنا ایسا ہی حال یاد آ گیا زیادہ عرصہ نہیں دس سال پہلے گھر بدری کے زمانے میں، میں نے بھی اپنا ایک سوٹ سوئی دھاگا سے سی کے پہنا تھا۔ سوا لاکھ کا ہاتھی رُلا گیا۔ باقی ابھی پڑھنا ہے، اکتوبر کے شمارے میں باکسز میں شاعری بہت اچھی تھی، پاکیزہ ڈائری بہت پسند آئی۔ پروین سعید سے ملاقات پسند آئی۔ ایسے ہی لوگوں کی ہمارے معاشرے کو ضرورت ہے۔ ہمیں خود کو اور اپنی فضول خرچیوں کو لاک لگانے اور اصلاح کی ضرورت ہے۔ (بالکل درست کہا) بزمِ پاکیزہ، بہنوں کی محفل سپر رہیں۔ کاہے کو بیاہی...... کے دوسرے حصے کا انتظار ہے۔ میں انمول کا چھٹا حصہ تھا، آپی اب یہ اتنا بھی منی ناول نہیں ہے، پورا ہونے پر تبصرہ ارسال کروں گی۔ گڑیا نے کتنی ہی دیر تک دکھ کی حالت میں رکھا۔ شباہت سو سو رہی، فوجن آپا، نام یونیک سا لگا۔ برے نصیب مرے اچھی تحریر تھی مگر اینڈ پر حماد کو گاڑی میں دیکھ کر پچھتانا کچھ عجیب سا لگا۔ نصیب کا لکھا مٹتا نہیں اسی لیے تو کہیں پہ گھر آئی بارات لوٹ جاتی ہے اور اسی میں شامل کسی اجنبی سے لڑکی کا نکاح ہو جاتا ہے یہ صرف ڈراموں اور فلموں میں نہیں ہوتا۔ ہماری مائیکرو بیالوجی کی ٹیچر کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا اور بھی ان گنت مثالیں ہوں گی معاشرے میں (صحیح کہہ رہی ہو) بے نام مسافتیں اوور آل اچھی کہانی تھی مگر کیا شزا اور ارباز دونوں کا ایک، ایک بار اتنا خطرناک حد تک ایکسیڈنٹ ضروری تھا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ شگفتہ شفیق، فریدہ فری، طیبہ عنصر، مخمل نزہین سرھیو، سعدی آرائیں، نبیلہ خان کی شاعری پسند آئی۔ محترمہ اختر شجاعت کا مضمون تو ہوتا ہی لاجواب ہے،

کچھ کہانیاں ابھی رہتی ہیں، پریوں کا دیس میں مکمل ہونے پر ایک ساتھ ہی پڑھوں گی بشرطِ زندگی، آپی کوشش پوری کی ہے کہ ڈھنگ کا خط لکھ پاؤں کسی ممکنہ غلطی کو معاف کیجیے گا اور میرے حالات کے لیے ضرور دعاؤں میں یاد رکھیں۔''
(ہاں جیتا اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو پریشان نہ ہوں وہی کوئی سبیل نکالے گا)

تسنیم ما پاپا، کراچی سے۔ ''لو جی عذرا جی......آپ نے پکارا اور ہم چلے آئے......(خوش آمدید پیاری)
اکتوبر کا شمارہ اداریہ امید بہار کی خزاں میں نوید دے رہا تھا جو کہ ایک خوش آئند بات ہے۔ ہمیں ہمیشہ امید کا دامن تھامے رکھنا چاہیے۔ سلسلے وار ناولز کی پیس کچھ اسپیڈی ہوتی جا رہی ہے۔ افسانوں میں فوجن آپا، شام ڈھلے، کاہے کو بیاہی، ایک ہی راہ ہے مسافت کی۔ خوب رہے۔ ع عورت کا تو ایک اپنا ہی جداگانہ سا انداز ہے۔ ہر بار کی طرح فرحین اظفر لاجواب تحریر...... سچ ہے مال و اولاد آزمائش ہی ہے۔ حب مال ایک پُراثر تحریر...... لکھتی رہیں سبق آموز قصے اختر جی بہت خوب...... ماشاء اللہ...... شائستہ نے پروین سعید سے ملاقات خوب کرائی۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جن سے اس دنیا کا حسن قائم ہے۔ (بے شک اور انہی سے نیکی کی ترغیب بھی ملتی ہے) باقی سلسلے بھی خوب بہنوں کی محفل سجاتی رہیں۔ اللہ سب کا حامی و ناصر ہو۔'' (جزاک اللہ مختصر اور جامع تبصرے کے لیے، اللہ آپ کو صحت و سلامتی سے رکھے)

☒ دعا وسیم، کراچی۔ پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ آپ کو سالانہ خریداری کے تحت اکتوبر سے ماہنامہ پاکیزہ جاری کر دیا گیا ہے۔ اب باقاعدگی سے اپنی رائے کا اظہار کرنا۔

☒ ناہید، حویلیاں۔ چلیں شکر ہے آپ کو ستمبر 20 کا ماہنامہ پاکیزہ موصول ہو گیا۔ پسندیدگی کا شکریہ...... ناہید بہن آپ قاری بہنوں کی رائے سے ہی رسالے کو بہتر سے بہترین بناتے ہیں۔ رسالے کے حصول میں جو دشواری ہوئی اس کے لیے معذرت...... پاکیزہ میں دیے گئے اپنے علاقے کے ایجنٹ کے نمبر پر رابطہ کیا جا سکتا ہے تمام دیگر نئی لکھاری بہنوں سے گزارش ہے کہ اپنی تحریروں کے چھپنے پر بے جا اصرار نہ کریں۔ آپ کوشش جاری رکھیں اور اپنی ہی تحریر کو بار بار پڑھیں اور پھر لکھیں۔ پاکیزہ میں جیسی کہانیاں آرہی ہیں رائٹرز کے طرزِ بیان اور واقعات نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری پر دھیان دیں۔ کہانی بامقصد ہو، تفریحی بھی ہو ہلکی پھلکی بھی ہوتی ہے، ٹریجڈی لیے بھی ہوتی ہیں، بس دلچسپ اور پُراثر ہو۔

گلشن خان، صوابی سے۔ ''ہم آپ کا رسالہ شوق سے پڑھتے ہیں، تمام تحریریں پُراثر ہیں خاص طور پر افشاں آفریدی کے ناول کے تو کیا کہنے اس کے علاوہ باقی سب بھی اچھا لکھتی ہیں، آپی آپ سے ریکوئسٹ ہے کہ قد بڑھانے کے لیے اور جو پیٹ پر نشان پڑ جاتے ہیں ان کے معدوم ہونے کے لیے کچھ ضرور بتائیں۔ ساری عمر دعائیں دوں گی۔'' (پیاری بٹیا اتنی دور سے آپ نے خط لکھا خوشی ہوئی۔ پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ...... ہم کوشش کریں گے آپ کے مسئلوں کا حل بتائیں۔ قد ایک عمر تک بڑھتا ہے۔ لڑکی کا سترہ، اٹھارہ سال تک اور لڑکوں کا بیس، بائیس سال تک۔ کچھ ورزشوں سے فرق پڑ سکتا ہے۔)

عظمیٰ مشتاق، نارووال سے۔ ''خلافِ توقع اس بار پاکیزہ سے جلدی ملاقات ہو گئی۔ دل اور طبیعت گارڈن، گارڈن ہے (چلیں اچھا ہوا ناں) پریوں کے دیس سے محظوظ ہو کر واپس اپنی دنیا میں چلے آئے۔ کاہے کو بیاہی نے انتظار کی سولی پر لٹکا دیا۔ فرح بھٹو نے خوب لکھا والدین کی اچھی عادات کی بچوں کو تقلید کرنی چاہیے نہ کہ ایمن کے مانند منفی سوچ سے اپنی اولاد کی محبت کو ہی کھو دیں۔ گڑیا آج کے غربت زدہ معاشرے کی عکاس ہے۔ شباہت، غزالہ رشید کی عمدہ تحریر ہے فوجن آپا پڑھ کر دل افسردہ ہوا۔ ہمیشہ کی طرح شمیم فضل خالق کا افسانہ کمال تھا۔ سیما بنت عاصم کی شام ڈھلے آج کل کی نادان نسل کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ پاکیزہ کی مہمان کی ملاقات سے مثبت تحریک ملی۔ باقی تمام سلسلے بھی خوب تھے۔ پاکیزہ بہنیں پڑھ کر ہر بار دل دکھتا ہے سال ہونے کو ہے مگر مجھے ابھی تک انعامی کتاب نہ ملی۔ (آپ سے کہا تھا اپنا مکمل پتا بھیج دیں۔ مہینے میں دو کتابیں مختلف بہنوں کو مل رہی ہیں) ہر دفعہ چھوٹی موٹی شاعری بھیجتی رہتی ہوں، نوازش کرم کے آپ شائع کر دیتی ہیں۔'' (آپ بہنوں کی تحریروں اور شاعری سے ہی تو پاکیزہ کو سجاتے ہیں،

مشی علی، شاہ پور چاکر سے۔ ''میم انجم انصار کے شوہر کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے جنت میں درجات بلند فرمائے اور میم انجم کو صبر عطا فرمائے (آمین) زندگی موت، سکھ، دکھ تو ہماری زندگی کا ایک ایسا پہلو ہے جو ہماری زندگی کو کبھی مشکل تو کبھی آسان بنا دیتے ہیں۔ افشاں آفریدی اور نایاب جیلانی جی آپ دونوں کے ناول بہت ہی اچھا موڑ لے رہے ہیں۔ ایک سجدہ بھی بہت اچھے انداز میں اپنے اختتام کو پہنچا۔ سعدیہ جی کی انمول میری سوچ سے بالاتر ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ وہ یوسف اور جنید نامی دو کشتیوں میں اکٹھا کیوں سوار ہو رہی ہے۔ (آہستہ، آہستہ سمجھ آجائے گا) فرحین جی کی کہانی ہمیشہ کی طرح سبق آموز رہی...... اب آتے ہیں افسانوں کی طرف بارہ افسانوں میں سے 1۔ فوزیہ احسان، 2۔ حوریہ بتول، باقی افسانے بھی اچھے تھے۔ بس مس صدف آصف کا افسانے کا ادھورا اختتام تھوڑا عجیب لگا۔ (اگر انہوں نے ادھورا چھوڑا ہے تو ضرور کوئی بات ہوگی کہ قارئین کیا سمجھتے ہیں) اسد سر کے ساتھ ملاقات اور ان کے جوابات پڑھ کر اچھا لگا۔ اللہ تعالیٰ اسد سر کو اور ترقیوں سے نوازے، آمین۔ شمع ہدایت ہمیشہ کی طرح ہدایت کی شمع رہی...... بہت اعلیٰ لکھتی ہیں اختر شجاعت سروے کے سوال جواب کے ذریعے ہمیں اس بار بہت کچھ سیکھنے کو ملا...... پاکیزہ ڈائری میں سپاس گل، نازنین آفریدی، دعا، حمد اور نعت بازی لے گئی۔ خوش ذائقہ میں حیدرآبادی چکن، بریانی، سویوں کی قلفی اور کھٹرا مسالا بھنڈی کو پڑھ کر منہ میں پانی آگیا۔ بزم پاکیزہ میں بہنوں کے انوکھے سوال ہمیشہ کی طرح مزیدار رہے...... روحانی مشورے، حسن نکھاریے، دونوں ہی ہمیشہ کی طرح کچھ سکھا گئے۔ بہت لمبا تبصرہ ہو گیا ہے اب میں اجازت لیتی ہوں۔'' (جی کبھی کسی بہن کا طویل تبصرہ تو کبھی کسی کا تبصرہ ہم سب کا دل رکھتے ہیں۔ مشی آپ بزم پاکیزہ کے لیے سوال الگ صفحے پر لکھا کریں۔)

پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ''اس بار پاکیزہ تین تاریخ کو ملا اور پانچ تاریخ کو تبصرہ ارسال کر رہی ہوں۔ سرورق پر اریج خان براجمان تھی۔ انہیں دیکھ کر دل یہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔

وہ عجیب لڑکی تھی اس کو راس آتا تھا...... سردیوں کے موسم میں کھڑکیاں کھلی رکھنا

دین کی باتیں پڑھ کر ایمان کو پُرنور کیا۔ یہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آئندہ شمارہ دلہن نمبر ہوگا۔ پاکیزہ کے مہمان میں اس بار کھانا گھر کی بانی پروین سعید تھیں۔ ان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ یہ جو نیک کام کر رہی ہیں اس کا صلہ انہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہت اچھا ملے گا۔ اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ ہماری یہ بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری پیاری نند فریدہ جاوید فری، اینہ عندلیب، عنیزہ سید کے والد اور فری آپی کے چھوٹے بھائی انعام خان کو مکمل صحت دے۔ آمین۔ بہت، بہت شکریہ کہ میرا خط آپ نے اس محفل میں سب سے پہلے شائع فرمایا۔ پاکیزہ ڈائری میں ذکیہ بلگرامی، ساجدہ ظفر، نگہت غفار، زرینہ خان، فصیحہ آصف خان، طیبہ عنصر مغل چھائی رہیں۔ کچھ عرصہ پہلے وعدہ کیا گیا تھا کہ میں اکثر گنگناتی ہوں میں بھی انعامات کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے مگر ابھی تک وہ وعدہ وفا نہیں ہوا۔'' (جی زیرِ غور ہے عزیزی پروین آپ کے خطوط تاخیر سے مل رہے ہیں آپ کا ایک تبصرہ 25 ستمبر کو ملا تھا جب اکتوبر کا پرچہ اشاعت کے مراحل میں تھا)

آسیہ عامر، کراچی سے۔ ''بہنوں کی محفل میں کوئی خوش ہے تو کوئی پریشان اپنی تمام بہنوں کی خوشی میں ہم سب خوشی اور غمی میں برابر کے شریک ہیں، مدیحہ شاہد نے خوب صورت ناول کی طرح تبصرہ بھی بہت خوب صورت لکھا ہے بارش تو ویسے بھی ہماری کمزوری ہے۔ شہلا بچی تمہاری شادی ہو جائے گی ناں تو ساری مستیاں نکل جائیں گی ماں کو کہہ رہی ہے بگڑ رہی ہیں شرارتی بچی...... بے نام مسافتیں بس ٹھیک لگا۔ ثریا، نفیسہ سعید صاحبہ مجھ سے پوچھیں تو میں تو کہوں گی نہ تو ایسے درندے کو سولی پر لٹکایا جائے نہ چوراہے پر باندھ کر سنگسار کیا جائے بلکہ نامرد کر دیا جائے۔ میں خود ایسی تنظیم بنانا چاہتی ہوں جس میں ان درندوں کو ان کے انجام تک پہنچایا جائے کون، کون میرے ساتھ ہے؟ (جی بہنیں جواب دیں) فرحین اظفر کا قفل، صائمہ کی طرح مجھے بھی کشو کے فیصلے سے دکھ ہوا۔ دردانہ نوشین کا ناولٹ پڑھا آخری لائن میں جا کے ایک دم ایکسلیٹر پر پاؤں رکھا اندازہ نہیں تھا آگے اسپیڈ بریکر میرا مطلب اختتامی حصہ اگلے ماہ ہوگا (ارے اتنا تیز دوڑیں) خیر ایک غلطی کی باپ نے عمر قید بامشقت سزا سنا دی بیٹی کو برا ہوا۔ اختر شجاعت صاحبہ کا مضمون پاکیزہ کی شان ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ہر فتنے سے بچائے مال

واقعی بہت بڑا فتنہ ہے۔ پریوں کا دیس بہت شاندار جارہا ہے لیکن اس ماہ کا ابھی نہیں پڑھا۔ پروین سعید صاحبہ کا انٹرویو بہت متاثر کن ہے ہمیں بھی اس بات کی توفیق ہو کہ لوگوں کے کام آسکیں اصل زندگی یہ لوگ گزار رہے ہیں۔'' (چلو اب پڑھ کر بتانا، مزیدار تبصرے کا شکریہ)

✍ میرپور خاص سے زاہدہ پروین کا تعزیت نامہ...... ''ڈیئر انجم انصار صاحبہ، آپ کے دکھ میں غالباً سب سے آخر میں شرکت کررہی ہوں، خدا گواہ ہے بھائی کی رحلت پر دل رنج وغم سے بھر گیا۔ بلاشبہ آپ پر ایسا جانکاہ صدمہ پڑا ہے جس پر دل رو اٹھا۔ اللہ رب العزت آپ کو صحت وتندرستی عطا فرمائے اور اپنے بچوں پر قائم ودائم رکھے (آمین) میرے پاس آپ کا فون نمبر تھا نہ کوئی پتا، آج خیال آیا پاکیزہ کی معرفت تعزیت کرلوں...... خدا آپ کو اور بچوں کو یہ صدمہ سہنے کی قوت عطا فرمائے، آمین۔ مدیحہ شاہد کی پریوں کا دیس، تحریر بہت پسند آئی۔ تینوں حصے ایک ساتھ پڑھنے پر دیر تک ایک نشہ سا چھایا رہا۔ مزہ آگیا۔ عذرا رسول صاحبہ نے بالکل درست تعریف کی ہے، میری طرف سے مبارک باد...... باقی سب پاکیزہ ٹیم کو سلام......'' (آپ کی تعزیت پہنچادی گئی ہے)

✍ فوزیہ، کراچی سے۔ ''انجم انصار صاحبہ کے شوہر کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت دلی افسوس ہوا۔ میری انجم باجی سے اکثر بات چیت رہتی تھی، رسالے کے بارے میں بات ہوتی تھی، میری طرف سے تعزیت پہنچا دیجیے گا۔ اللہ پاک انجم باجی کو صبرِ جمیل عطا ہو اور صدیقی صاحب کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا ہو، الٰہی آمین۔'' (جی ضرور)

✍ ناہید، حویلیاں کینٹ سے۔ ''پاکیزہ تو میری جان ہے۔ ایک زمانے سے پڑھ رہی ہوں، ستمبر کا پاکیزہ جب تک نہیں ملا تھا بہت بے چین رہی...... شکریہ آپ کے توسط سے مل گیا۔ اس کی ہر کہانی ایک نہ ایک سبق لیے ہوئے ہوتی ہے۔'' (جی ناہید بارش کی وجہ سے کچھ پرچے خراب ہوئے اور کچھ دیر سے سب جگہ پہنچے، چلیں اب تو آپ نے قسطیں پڑھ لی ہوں گی۔)

✍ فہمیدہ جاوید، ملتان سے۔ ''ٹائٹل اکتوبر کا اچھا تھا ہاں جو کمی تھی وہ تمہیں فون پر بتادی۔ فہرستی صفحے کے ڈیزائن میں اگر تبدیلی ہوجائے تو مزہ آجائے کہ اتنے عرصے سے یہ ہی لے آؤٹ اور ڈیزائنگ چل رہی ہے۔ (جی کوشش کریں گے) قرآن کی باتیں ہمارے لیے نصیحت اور اسمائے نبی ہمارے لیے آخرت کی تیاری میں مددگار ہیں، ساتھ، ساتھ اختر بہن کا سلسلہ جو اس بار حب مال کے اہم ترین موضوع پر تھا اور اختر نے بھرپور لکھا۔ افشاں آفریدی کا ناول لاجواب کردار نگاری پڑھتے ہوئے لگتا ہے ہم کرداروں کے ساتھ، ساتھ ہوں۔ عکرمہ اور دُرِ مکنون کو ایک کردیں افشاں، (بس آپ پڑھتی رہیں) نایاب جی کی تحریر جب تعارفی اقساط میں تھی مزہ نہیں آرہا تھا مگر اب شوق سے پڑھتی ہوں کہ انفرادیت ہے اس تحریر میں اور یہ پاکیزہ کا اعلیٰ معیار ہے جو پُرتفریح مواد کے ساتھ، ساتھ اصلاحی اور مذہبی مواد بھی کہانیوں کی شکل میں ہر ماہ دلکش صفحات پر سجاتا ہے۔ افسانے سب اچھے تھے مگر گڑیا کو 10 میں 10 ملے۔ فوجن آپا کو 10/10 شباہت کو 10/7، شام ڈھلے کو 10/8 برے نصیب اور مسافتیں کو 10/10 نمبر دوں گی۔ (کیا خوب مارکنگ کی ہے) سعدیہ رئیس کا منی ناول بھی قابل تعریف ہے۔ کاش انمول کو عقل آجائے اور اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہ مارے۔ پریوں کا دیس، نزہت اتنی حسین اور دلکش تحریر کا پیارا، پیارا اختتام، انفرادی تحریر رہی، مدیحہ شاہد آپ اب تاریخی کہانیاں بھی پاکیزہ میں لکھیں۔ (مشورہ اچھا ہے) عورت کہانی حسبِ معمول اچھی رہی، کاش خواتین سبق حاصل کریں اس منفرد سلسلے سے۔ دردانہ جی کی تحریر اچھی لگی اور فرح بھٹو کی بس نارمل...... مستقل سلسلوں میں ہومیو کلینک اور گوشۂ ظرافت کے علاوہ تمام سلسلے اچھے اور سبق آموز رہے۔

میرا پیارا سلسلہ پاکیزہ کے مہمان شائستہ آپ نے دل خوش کردیا۔ پروین سعید کا انٹرویو کرکے کہ اصلاحی، منفرد، مذہبی، پُرتفریح رہا کوئی کمی کی گنجائش نہیں تھی۔ شائستہ تمہاری اور نزہت کی یہی بات میری پسندیدہ ہے کہ ایک شمارے میں صرف ایک رائٹر یا کسی اور شعبے کی شخصیت کا اچھی طرح سے طویل، معلوماتی اور دلچسپ انٹرویو کرتی ہو۔ کوئی گلہ نہیں رہتا۔ بہنوں کی محفل میں عذرا جی نے جو سسپنس قائم کیا ہے ہمیں انتظار ہے کہ کون سی رائٹر پاکیزہ کے روشن صفحات پر اپنے پیارے الفاظ کہانیوں کی شکل میں لکھے گی، کہانیوں کے حوالے سے یہ تجویز ہے کہ منفرد قسم کی شائع ہوں۔ تاریخی کہانی بھی ہو تو مزہ دوبالا ہوگا۔ (غور کریں گے یہ سلسلہ سسپنس ڈائجسٹ میں ہوتا ہے) مکمل ناول زیادہ دیا کریں اور سینئر رائٹرز سے لکھوائیں

.....نئی رائٹرز مکمل ناول سے بھرپور انصاف نہیں کر پاتیں۔ کہانیوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ چند صفحات پڑھ کر ہی اینڈ پتا چل جاتا ہے پلیز سسپنس برقرار رکھیں۔ پلیز، پلیز گوشۂ ظرافت کو ختم کر دیں اور اس کی جگہ ان تینوں میں سے کسی ایک پر غور کریں۔ 1۔ سنگ سنگ چلیں سلسلہ مزید دلچسپ سوالات پاکیزہ کے حوالے سے دوبارہ ہر ماہ شروع کریں تاکہ نئی بہنوں کو پتا چلے کہ پاکیزہ لوگوں میں کتنا مقبول ہے۔ 2۔ آپ دلکش کا سلسلہ قانونی رہنمائی پاکیزہ میں شروع کریں یا ہر ماہ آپ کوئی آرٹیکل دیں یا پھر بہنوں کے لیے کوئی تعارفی اور دلچسپ سلسلہ شروع کیا جائے۔ 3۔ انجم جی کے جلترنگ کے پرانے خاکے شائع کریں۔ اور آخر میں تمام پاکیزہ کی قاری بہنوں کو دعائیں اور درخواست بھی کہ یہ رسالہ اپنے شوہر اور اپنی بیٹیوں کے ساتھ، ساتھ بیٹوں کو بھی پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ انہیں بھی مزید پتا چلے کہ یہ رسالے ہر فرد کی تربیت کرتے ہیں خاص کر عورتوں کی عزت کیسے کرنی ہے اور اپنی عزت کیسے کروانی ہے اپنی زندگی کے تمام معاملات کی آگاہی کے لیے پاکیزہ کے صفحات ہر بچے، جوان اور بوڑھے کے لیے فائدہ مند رہے تھے۔ رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ اب ان پیاری سی بہنوں کو پیار اور دوستی کی دعوت جو پاکیزہ کو 1992ء یا اس سے پہلے سے ہر ماہ باقاعدگی سے پڑھتی رہی ہیں اب بھی 90ء کی دہائی کے وہ رسائل ہیں جس میں نگینہ ضیا بخش، ساجدہ ظفر، عصمت آپا، حدیث اختر، گلشادنذیر، امینہ عندلیب، مرک جانوری، فرخندہ جعفری اور شہلا نواز کے تبصرے شائع ہوتے تھے۔ (یہ لوگ اب بھی تو ہوتے ہیں ڈئیر) اس وقت رنگین صفحات اس وقت کے حساب سے تھے۔ عالیہ تصور رفیقی اور مس سردار گوجر خان بھی عروج پر تھیں اور بہت سے بھائی خواتین کے نام سے شرکت کرتے تھے۔ خیر کسی خط میں پاکیزہ کی پرانی کھٹی میٹھی یادیں آپ سب بہنوں سے شیئر کروں گی کیونکہ وہ یادیں سینئر تبصرہ نگاروں کے چہروں پر مسکراہٹ لانے اور نئی قاری بہنوں کے لیے دلچسپی اور تفریح کا باعث ہوں گی۔ پیاری نزہت ایک التجا یہ بھی کرتی ہوں کہ ممکن ہو تو ہومیو کلینک کو ختم کر کے مسائل آپ کے اور مشورے ہمارے کے نام سے نفسیاتی مسائل کا سلسلہ شروع کریں۔ قاری بہنیں اپنے مسائل لکھیں اور کوئی معتبر psycologist حل اور علاج پیش کریں جیسا کہ محترمہ عشرت تنویر جن کا شائستہ نے انٹرویو کیا تھا جو میرے پسندیدہ ترین انٹرویوز میں سے ہے کیونکہ اب معاشرے کے افراد ذہنی امراض کا شکار ہو رہے ہیں اور تعداد بڑھتی جا رہی ہے خواتین کی تعداد زیادہ ہے یہ سلسلہ یقیناً ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا۔'' (بہت ہی دلچسپ تبصرے اور تجاویز کا شکریہ، قابل عمل مشوروں پر غور کیا جائے گا۔ ہر دور میں الگ اور نئی چیزیں متعارف کرائی جاتی ہیں۔ آپ کی رائے کا احترام کیا جائے گا)

حدیث اختر، بہاول پور سے۔ ''بہن بہاول پور شفٹنگ کی تھکاوٹ ابھی تک نہیں اتری..... (اللہ آپ کو توانائی دے) لیکن صد شکر کہ سکون مل گیا ہے۔ پاکیزہ بہنوں سے مل کر (یہ تو اچھا ہوا) نزدیکی بک شاپ سے لے لیا اور کہہ بھی آئی کہ ہمیشہ لینا ہے، بوڑھے ہو گئے ہیں لیکن حال دیکھیں میرا (ارے یہ تو اچھی بات ہے ناں اب بڑھاپے میں برسوں کی عادتیں کیوں چھوٹے بھلا) حاصل پور میں درس میں آنے والی حیرانی سے پوچھتی تھیں کہ باجی آپ رسالے پڑھتی ہو (ارے ان کو بھی زبردستی پڑھوا دیتیں ناں کہ دیکھو اس میں کتنی اچھی باتیں چھپتی ہیں، جو روزمرہ کام آتی ہیں، کیوں ٹھیک ہے ناں) دین کی باتیں پڑھ کر مجھ ہدایت پڑھا بہت جانفشانی سے اختر شجاعت لکھتی ہیں۔ اس دفعہ پاکیزہ ڈائری نمبر لے گئی، خوش رہیں آمنہ حماد، پروین سعید سے باتیں بہت اچھی رہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ان کو توفیق دے اور دونوں جہانوں کی فلاح عطا ہو، آمین۔'' (مختصر خط کا شکریہ، اب سیٹ ہو جائیں تو آرام سے تبصرہ لکھیں اور آپ نے جس کی طرف نشان دہی کی اس کے لیے جزاک اللہ آئندہ مزید محتاط رہیں گے۔)

زرتاشیہ نعمان، ملتان سے۔ ''پچھلے ماہ، بہنوں کی محفل میں شرکت نہیں کر سکی تھی وجہ پاکیزہ کا دیر سے ملنا تھا۔ سوچا کب پڑھوں گی اور کب تبصرہ لکھوں گی؟ خیر اس ماہ صد شکر جلدی مل گیا تو تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں۔ جناب مدیحہ شاہد کے مکمل ناول، پریوں کا دیس سے شروعات کرنا چاہوں گی جس خوب صورتی سے یہ ناول شروع ہوا تھا اسی دلکشی سے اختتام پزیر بھی ہوا۔ اس ناول میں مدیحہ جی نے جس ریاست بہاول پور کا ذکر کیا ہے اس سے میری بہت گہری وابستگی ہے۔ راز کی بات ہے پھر کبھی بتاؤں گی ہاہاہا..... فرحین اظفر اس بار ع، عورت ق، قفل میں ایک پُرسوچ تحریر لائیں۔ ہمارے مذہب میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی مناسب وقت پر ان کو مناسب رشتہ دیکھ کر نکاح کے مقدس بندھن میں باندھ دینا

چاہیے۔ خواہ مخواہ کے عذر اور تاخیر نہ صرف معاشرے میں برائیوں کا سبب بنتے ہیں بلکہ انسانوں میں بھی نفسیاتی الجھنوں کا باعث بن جاتے ہیں۔ افسانے سبھی پسند آئے مگر سچ پوچھیں ننھی فردوس کی نوجن آپا نے میرا دل موہ لیا۔ میں تو فین ہوگئی ننھی فردوس کی۔ اتنی بے ساختگی جملوں میں کم ہی پڑھنے کو ملتی ہے...... ووڈن وار...... اور کیا اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر دیکھ رہی ہے۔ اور آپا نوجن کا بستر سے گرنا...... ننھی کو ڈنگر کہنا، ہنس، ہنس کر پیٹ میں بل پڑ گئے اور افسانے کے اختتام پر آنکھیں بھیگ گئیں۔ دردانہ نوشین خان، نیا ناولٹ لائی ہیں، کا ہے کو بیاہی...... اچھا لگا پڑھ کر اگلی قسط کا بے تابی سے انتظار ہے۔ فرح بھٹو کا ناولٹ ایک ہی راہ ہے مسافت کی... بہترین تحریر تھی۔ یہ سچ ہے دولت سے چمکتی دمکتی دکانوں میں سجی ہر شے بلا تامل خریدی جاسکتی ہے مگر ہمارے اپنوں کی وہ انمول محبتیں جنہیں ہم دولت کی ہوس میں گنوا دیتے ہیں۔ عورت بھلے ورکنگ لیڈی بنے کچھ حد تک یہ آج کی ضرورت بھی ہے مگر عورت اس وقت تک...... کندن نہیں بنتی جب تک وہ اپنا آپ اپنے گھر اور گھر والوں کے لیے دان نہیں کر دیتی کہ ہمارے مذہب میں بھی...... عورت کے لیے چادر اور چار دیواری کا حکم دیا ہے نان، نفقہ مرد کی ذمے داری ہے۔ اور ہاں نزہت آپی اکتوبر کے رسالے میں میرا سوال دوسرا انعام یافتہ قرار پایا، بہت خوشی ہوئی مجھے......'' (اسی طرح خوش رہیں، تبصرے کا شکریہ)

اچھا بہنو! اب اس ماہ کی محفل کو موقوف کرتے ہیں جن بہنوں کے خطوط رہ گئے ہوں تو معذرت ان شاء اللہ آئندہ شامل ہوجائیں گے۔ ماہِ دسمبر کو محبت نمبر کا نام دیا ہے۔ یوں تو محبت' پیار' خلوص و وفا کسی مہینے کے محتاج نہیں۔ اپنے اردگرد ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے یہی اوصاف کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ آئندہ شمارہ سال کا آخری شمارہ ہوگا اس حوالے سے مراسلات' شاعری وغیرہ بھیجنا چاہیں تو جلد از جلد روانہ کر دیں۔ کہانیاں تو دو تین ماہ پہلے ہی سلیکٹ کر لی جاتی ہیں اب آپ لوگ اگلے برس کے لیے منصوبہ بندی شروع کر دیں۔

اللہ پاک ہر طرف خیر و عافیت رکھے۔ تمام عالم کو خصوصاً عالم اسلام ہمارے ملک پاکستان کو اس وبائے ناگہانی سے چھٹکارا دلا دے' ہر طرف امن و آشتی اور خیر کی برسات ہو۔ یارب العالمین ہم گناہ گار، خطار کار، قصور وار بندے ہیں ہم پر اپنی رحمت کرم، فضل جود و سخا کا سایہ رکھنا! الٰہی آمین......!

خیر اندیش، نزہت اصغر

چند گزارشات عرض ہیں

1۔ تمام لکھنے والوں اور تبصرہ کرنے والوں کے لیے لازمی ہے کہ صاف اور واضح لکھائی میں لکھیں۔ 2۔ اپنا نام و پتا رابطہ نمبر ضرور لکھیں۔ 3۔ خط کتابت کے لیے دو پتے دیے جاتے ہیں ایک دفتر کی بلڈنگ کا ایڈریس دوسرا پوسٹ بکس نمبر...... یہ آپ سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ پوسٹ بکس نمبر پر رجسٹرڈ پوسٹ نہیں جاتی یہ آپ کے علاقے کے ڈاک خانے کے عملے کو معلوم ہے اور انہیں آپ کو ضرور آگاہ کرنا چاہیے۔ 4۔ کوریئر یا رجسٹری کرنا ہو تو دفتر کا پتا لکھا کریں تاکہ ڈاک بہ آسانی پہنچ جائے ورنہ پوسٹ بکس سے پہنچ تو جاتی ہے مگر بہت دن لگ جاتے ہیں اس لیے خوب دیکھ بھال کر سوچ سمجھ کر ڈاک روانہ کیا کریں۔ عام ڈاک تو پوسٹ بکس پر پہنچ جاتی ہے مگر رجسٹری نہیں رسید کو اپنے پاس سنبھال کر رکھیں تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے۔ 5۔ اپنی نگارشات بھیجنے کے ہفتہ دس دن بعد درج ذیل نمبروں پر رابطہ کر کے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

ڈائریکٹ نمبر 02135386783 صبح 10 بجے سے شام 5 بجے۔ 02135802552 Ext -110 صبح 10 سے شام 5 بجے۔ 02135895313 Ext -110

موبائل نمبر۔ 03316266612 صبح 11 بجے سے شام 4 بجے فون کریں میسج کسی بھی وقت send کر سکتی ہیں۔

جوابی ٹیکسٹ کا انتظار کریں۔ جواب ضرور دیا جاتا ہے اگرچہ کچھ دیر سے ہی سہی۔ امید ہے ہماری پیاری اور بے حد سمجھدار بہنیں ان وضاحتوں کو خوب اچھی طرح سمجھ گئی ہوں گی۔ اب دفتر کا پتا بھی نوٹ فرمالیں محفل کے آغاز میں پی او باکس اور ای میل ایڈریس واضح لکھ دیا گیا ہے۔

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز II ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

پاکیزہ ڈائری

آمنہ حماد

حمد باری تعالیٰ

اللہ، اللہ، اللہ، اللہ
خالق دو جہاں، سب کا رحمٰن تو
سب کی سنتا ہے ہر وقت، ہر آن تو
مشکلیں سب کی کرتا ہے آسان تو
ہے دو عالم کو یارب تری جستجو
اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

سب سے بالا و برتر تری شان ہے
کل خدائی ترے زیرِ فرمان ہے
عالم الغیب تو، سب کا رحمٰن ہے
رحمتیں تیری ہیں، ہر طرف چار سو
اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

شمع کو روشنی، گل کو رنگت ملی
چرخ کو چاند تاروں کی دولت ملی
عرشِ اعظم کو جلووں کی نعمت ملی
قلبِ انسان کو، بخشی گئی جستجو
اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

لفظ کُن سے دو عالم بنائے گئے
سب کو آدابِ ہستی سکھائے گئے
مجھ کو رازِ حقیقت بتائے گئے
دل ملا مجھ کو، دل کو ملی آرزو
اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

افضل الاذکیا، ہیں نبی مصطفیٰؐ
اشرف الاولیا، ہیں نبی مصطفیٰؐ
خاتم الانبیا، ہیں نبی مصطفیٰؐ
ہیں منور وہ ہر آنکھ کے روبرو
اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

کلام: منور بدایونی
انتخاب: عرشیہ جنید، کراچی

نعت مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا
نہ ہوتی زمیں اور فلک بھی نہ ہوتا
خدا کی خدائی کی دولت ملی ہے
یہ سب کچھ انہی کی بدولت ملی ہے
بہتا دریا اونچے پربت
چاند ستاروں کی یہ سنگت
کتنی حسیں رب نے دنیا بنائی
حسین پیڑ پودوں سے دنیا سجائی
ہمیں دیکھنے کو یہ کچھ بھی نہ ملتا
محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا
مدینے کی گلیوں میں جو روشنی ہے
محمدؐ کے آنے سے ہم کو ملی ہے
جو کعبے کو دیکھوں تو پڑتی ہے ٹھنڈک
محمدؐ نہ آتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

کلام: ذکیہ بلگرامی
پسند: مونا رضوان، کراچی

ایمان کے عملی تقاضے

سورۂ نسا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مومنو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبرؐ (آخرالزماں) پر نازل کی ہے اور ہر وہ کتاب جو اس سے پہلے نازل کی تھی سب پر ایمان لاؤ اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور... روزِ قیامت سے انکار کرے، وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔"

یہ قرآن حکیم کا منفرد مقام ہے ایک طرف اللہ

تعالیٰ ہمیں ''اے ایمان والے'' کہہ رہا ہے اور ساتھ ہی مطالبہ بھی کیا جارہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی کتابوں پر ایمان رکھو۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا جواب واضح ہے۔ ''اے لوگو! تم نے زبان سے تو ایمان کا اقرار کرلیا ہے مگر اب اسے دل میں جاگزیں کرو۔ اب حقیقتاً ایمان لاؤ، ایسا ایمان جو قلبی یقین والا ہو۔ لازم ہے کہ جس بات کا تم زبان سے اقرار کرتے ہو، وہ تمہاری سوچ، فکر و عمل کا حصہ بن جائے۔ تمہارے روز و شب اس بات کی گواہی دے رہے ہوں کہ تم واقعی اللہ کو مانتے ہو، اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو اور تمہیں آخرت پر پختہ یقین ہے یعنی جب ایمان کا دعویٰ کرتے ہو تو اس کے عملی تقاضے بھی پورے کرو۔ جب اللہ کو رب مانا ہے تو اس کے ہر حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرو۔ زندگی کے ہر گوشے میں اسی کی اطاعت بجالاؤ، یہ ہے حقیقی ایمان!

از: امینہ عندلیب، سلانوالی

اخلاقیات

بغض و کینہ

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ''تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو نہ آپس میں حسد کرو نہ بغض و کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی، بھائی بن کر رہو۔'' (صحیح بخاری)

حسد کا مرض

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہؐ سے روایات کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ ''تم حسد کے مریض سے بہت بچو، حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

مہلک بیماری

حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگلی امتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد و بغض تمہاری طرف چلی آرہی ہے، یہ بالکل صفایا کرنے دینے والی اور مونڈ دینے والی ہے۔ پھر اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا۔ میرے اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈ دانے والی ہے بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کردیتی ہے دین کا۔ (مسند احمد)

مرسلہ نگار: نازنین آفریدی، پشاور

مناجات

تیرے در پہ جانے کو جی چاہتا ہے
تجھی سے تو مانگنے کو جی چاہتا ہے
میں پریشان ہوں بہت اے مولا
بس تھوڑی خوشی مانگنے کو جی چاہتا ہے
بے سکونی میں عمر گزری ہے اپنی
جیوں سکوں کی زندگی یہ اب جی چاہتا ہے
در در کی ٹھوکریں ملی ہیں مجھے
اب سائے میں رہنے کو تیرے جی چاہتا ہے
گناہ گار ہوں بہت معاف کردے تو
بھیک تیرے در سے ملے یہ جی چاہتا ہے
حال اپنا سناؤں میں کیسے تماشائی ہے دنیا
تجھ ہی سے کہوں تجھ ہی سے سنوں بس یہ جی چاہتا ہے

کاوش: جمیرا انجم وحید، واہ کینٹ

میں نہ مانوں ہار

بعض لوگوں کو زیادہ بولنے کی عادت ہوتی ہے، ایسے لوگ بحث کرنے میں بھی بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ ہر ایک بات پر تنقید کرنا، مذاق اڑانا اور کسی کی بات کا کوئی نہ کوئی جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ مفت مشورہ دینے کے بھی ماہر ہوتے ہیں۔ شاید اپنی عادت سے مجبور ہوتے ہیں اگر اگلا بندہ صحیح بات بھی کررہا ہو تو یہ اسے روکنا، ٹوکنا اور اس سے

اختلاف ضروری سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ پھر چپ نہیں رہ سکتے۔ کسی بھی ناپسندیدہ بات کا بدلہ لینے کے لیے یہ بے تاب رہتے ہیں اور جب تک اپنے من کی بھڑاس نہیں نکال لیتے انہیں چین نہیں آتا۔ ان لوگوں کی انا کا لیول بلند ہوتا ہے انہیں یہ نہیں پتا ہوتا کہ ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا کبھی کبھار چپ بھی رہنا پڑتا ہے۔ اور خاموشی کو اپنا ہتھیار بنانا پڑتا ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنی عادت سے مجبور ہوجاتے ہیں۔ یہ خاموش نہیں رہ سکتے۔ اور زیادہ بول، بول کر محض اپنے گناہ بڑھاتے رہتے ہیں۔ ساتھیوں..... آپ سب کے لیے خصوصاً نئی شادی شدہ لڑکیوں کے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ کم سے کم بولیں لیکن اچھا بولیں، مثبت بولیں، جہاں کہیں کسی سے اختلاف ہوجائے تو خاموشی اختیار کریں۔ اس طرح خانگی جھگڑوں سے بھی بچت ہوجائے گی۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا قول ہے۔ ''زیادہ بولنے سے انسان کا دل سخت ہوجاتا ہے اور ایسے لوگ اللہ سے دور ہونے لگتے ہیں۔''

از: رابعہ فاروق، ڈیرہ اسماعیل خان

ذات

کتنے دلدل کتنے جنگل
میری ذات کے اندر
کتنے صحرا کتنے سمندر
میری ذات کے اندر

کاوش: افتخار شوق، میاں چنوں

نظم

بادل برسیں!

بادل اتنی زور سے برسیں
میرے شہر کی بنجر بستی
گم صم خاک اڑاتے رستے
سوکھے چہرے
نیلی آنکھیں
بوسیدہ مٹیالے پیکر ایسے بھیگیں
اپنے کو پہچان نہ پائیں
بجلی چمکے.....!
بجلی اتنی زور سے چمکے
میرے شہر کی سوتی گلیاں
مدت کے تاریک جھروکے
پراسرار کھنڈر ویرانے
ماضی کی مدھم تصویریں ایسے چمکیں
سینے کا ہر بھید اگل دیں
دل بھی دھڑکے
دل بھی اتنی زور سے دھڑکے
سوچوں کی مضبوط طنابیں
خواہش کی ان دیکھی گرہیں
رشتوں کی بوجھل گرہیں
ایک چھناکے سے کھل جائیں
سارے رشتے سارے بندھن
چاہوں بھی تو یاد نہ آئیں
آنکھیں، اپنی دید کو ترسیں
بادل، اتنی زور سے برسیں

شاعر: محسن نقوی
مرسلہ: نزہت جبیں ضیا، کراچی

غزل

تجھ سے جو وابستہ ہیں وہ یادیں رد کرتی ہوں
جا تیری جھوٹی الفت کو میں پھر سے رد کرتی ہوں
جو تیرے سنگ گزارے تھے وہ لمحے دان کر بیٹھی
جواب مکاری لائی ہو میں اس کو رد کرتی ہوں
تمہیں کیسے لگا کہ میں وہ ذلت بھول سکتی ہوں
لو آج بانٹتی ہوں وہ اور تجھ کو رد کرتی ہوں
میں کر کے بند دریچوں کو گھٹن میں بیٹھ سکتی ہوں
جو روزن تجھ کو دے رستے اسے میں رد کرتی ہوں
محبت کیا تماشا ہے؟ اُسے چھوڑو اِسے رکھ لو
جا تیری خود فریبی کو سرے سے رد کرتی ہوں
جا کہہ دے پھر عداوت میں بہت ہی حد کرتی ہوں
جو فتویٰ تم لگالو اب تمہیں بھی رد کرتی ہوں
تم ہر گلشن کے پھولوں کو رکھ دو میرے پیروں میں

میں کانٹے چن لوں پلکوں پہ گلوں کو رد کرتی ہوں
شاعرہ: طیبہ عصر مغل، راول پنڈی

تحفہ

بیگم نے اپنے میاں سے کہا۔ ''پچھلی بار شادی کی پہلی سالگرہ پر آپ نے مجھے لوہے کا بیڈ گفٹ کیا تھا اس بار دوسری سالگرہ پر آپ مجھے کیا گفٹ دیں گے؟''
شوہر: ''اس بار میں تحفے کے طور پر اس لوہے کے بیڈ میں کرنٹ چھوڑ دوں گا۔''

مسکراہٹ

شیخ صاحب نے پان والے کو پانچ روپے کا سکہ دیا اور بولے۔ ''پان میں الائچی اور سونف زیادہ ڈالنا، میٹھی چھالیا اور اشرفی تو تم ڈالو گے ہی مگر گل قند اور کھوپرا اور بادام بھی ضرور ڈال دینا۔''
پان والا چڑ کر بولا۔ ''بھائی صاحب! کہو تو یہ جو پانچ کا سکہ دیا ہے، وہ بھی ڈال دوں۔''
از: پروین شاہین، بہاول نگر

مجھے تم سے محبت ہے

مری آنکھوں کی بے چینی
مرے جذبوں کی سچائی
اگر تم جان بھی جاؤ
تمہیں محسوس بھی ہوگا
مرے لفظوں کے اندر تم
کہیں پر گنگناتے ہو
کہیں پر رقص کرتے ہو
مری یہ شاعری ساری
تمہارا ورد کرتی ہے
اگر میری یہ نظمیں بھی
تمہارے نام ہوتی ہیں
تو پھر اس کا یہ مطلب ہے
کوئی گہری عقیدت ہے
مجھے تم سے محبت ہے
شاعرہ: فریدہ جاوید فری یوسف زئی۔ لاہور

بی ایم ڈبلیو

لڑکے نے لڑکی سے موبائل فون پر پوچھا۔
''کہاں پر ہو؟''
لڑکی نے بتایا۔ ''میں اپنے ڈیڈی کی بی ایم ڈبلیو کار میں کلب جا رہی ہوں، اس کے بعد مال میں شاپنگ کر کے تمہیں کال کروں گی، تم کہاں پر ہو؟''
''بس میں پیچھے بیٹھا ہوں، تم کرایہ مت دینا، میں نے دے دیا ہے۔'' لڑکے نے جواب دیا۔
از: ثمینہ کوکب، جہلم

نظم

زندگی میں دو پل کوئی میرے پاس نہ بیٹھا
اور آج سب میرے پاس بیٹھے جا رہے تھے
کوئی تحفہ نہ ملا آج تک مجھے
اور آج پھول ہی پھول دیے جا رہے تھے
ترس گئے تھے ہم
کسی کے ہاتھ سے دیے اِک چھوٹے سے رومال کو
اور آج نئے، نئے کپڑے اوڑھائے جا رہے تھے
دو قدم ساتھ چلنے کو تیار نہ تھا کوئی
اور آج قافلہ بنا کر جا رہے تھے
زندگی بھر ترس گئے تھے ان سے ملنے کے لیے
آج وہ بن بلائے ہی آ گئے تھے
آج پتا چلا یہ موت کتنی حسین ہے
اور ہم تو یونہی جیے جا رہے تھے
از: مشی علی، شاہ پور چاکر

غزل

کون زہر پیتا ہے شوق سے
کون عشق پیچاں میں الجھتا ہے شوق سے
یہ دل کے درد ستاتے ہیں ورنہ
کون مے خانے جاتا ہے شوق سے
نظریں پھیر کر ہاتھ چھڑا لیتے ہیں جو
کون راہیں ان کی تکتا ہے شوق سے
یہ تو ہم ہی تجھے چاہتے ہیں بے وفا
کون دل میں ناسور رکھتا ہے شوق سے
تیری یادیں جینے نہیں دیتیں ہم کو
کون شمعِ حزن جلاتا ہے شوق سے
از: زرتاشیہ نعمان، ملتان

☆ثمینہ کوکب.....جہلم

وفا کا درس ملتا ہے تو بس اُن کی پاک ہستی سے
جنہیں عرشِ معلیٰ پہ بھی امت یاد رہتی ہے

☆ثمینہ .....پنجاب

ذرا سی بات پر محسن بھگو لیتے ہو تم آنکھیں
سنو ایسا نہیں کرتے، زمانہ بیچ کھائے گا

☆ایمن رانی.....کمالیہ

بند ہاتھوں کا مقدر تھیں سبھی کرنیں مگر
سارے جگنو اڑ گئے، دیکھا جو مٹھی کھول کر

شہر والے جھوٹ پر رکھتے ہیں بنیادِ خلوص
مجھ کو پچھتانا پڑا محسن یہاں سچ بول کر

☆ماہین مسعود.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

جس رات برستے ہیں تیرے ہجر کے بادل
اس شب کو کہیں صبح کا تارا نہیں ہوتا

یوں ہی مرے پہلو میں چلا آتا ہے اکثر
وہ درد جسے میں نے پکارا نہیں ہوتا

☆رعنا مشتاق.....منڈی بہاؤالدین

کچھ نہ پا کر بھی مطمئن ہیں ہم
عشق میں ہاتھ کیا خزانے لگے

☆ایمن زرتاب.....رجانہ روڈ

تھی اس قدر عجیب مسافت کہ کچھ نہ پوچھو
آنکھیں ابھی سفر میں تھیں اور خواب تھک گئے

☆عابش جنجوعہ.....تونسہ شریف

سفرِ عشق میں کھلتی ہیں ہزاروں راہیں
دلِ مسافر ہے خدا جانے کدھر سے گزرے

☆گل نور بانو.....جہلم

وہ تمام دنیا کے واسطے جو محبتوں کی مثال تھا
وہی اپنے گھر میں تھا بے وفا یہ کبھی کسی کو خبر نہ ہو

☆کائنات عبدالحلیم.....میر پور خاص

یوں تری یاد سے جی گھبرایا
تو مجھے بھول گیا ہو جیسے

☆نگینہ ضیا بنگش.....کراچی

رنگ چہرے کا اڑ گیا لیکن
گفتگو میں کمال باقی ہے

☆ماہ نور خان.....بہارہ کہو

وہ ملے تو یہ پوچھنا ہے مجھے
اب بھی ہوں میں تری امان میں کیا

☆عرشیہ جنید.....کراچی

وہ پرندہ جسے پرواز سے فرصت ہی نہ تھی
آج تنہا ہے تو دیوار پہ آ بیٹھا ہے

☆نگہت رضوی.....اسلام آباد

اِک بار وقت چھوڑ گیا تھا یونہی ہمیں
پھر اس کا ساتھ تک کبھی ہم نے نہیں دیا

مشکل نہیں تھا آخری حملے کا روکنا
لیکن تیسری صدا نے سنبھلنے نہیں دیا

☆نیلوفر احمد.....لاہور

دن بھر کے بعد کس طرح چہرے ہوئے گلاب
میری طرح تو دھوپ میں کوئی جلا نہ تھا

خود ہی بکھر، بکھر گئے سب میرے ہم سفر
دیوار بھی نہ تھی کوئی رستہ رکا نہ تھا

☆روحی صبا.....کراچی

خود کو جانا جدا زمانے سے
آ گیا تھا مرے گمان میں کیا

☆رابعہ نیازی.....سرگودھا
اِک ہم تھے کہ خوش فہمیِ حالات میں گم تھے
لیکن اسے حاجت مری اب ہے کہ نہ جب تھی
☆اسما شاہد.....لاہور
کس نے میری پلکوں پہ تتلیوں کے پر رکھے
آج اپنی آہٹ بھی دیر تک سنائی دی
☆ثوبیہ ظہور.....ضلع اٹک
نہ جھوٹی بات کی ہے اور نہ جھوٹے خواب دیکھے ہیں
تو ہم کو بھول جائے گا تجھے ہم یاد رکھیں گے
☆کہکشاں علی.....گجرات
اٹھیں گے ابھی اور بھی طوفاں میرے دل سے
دیکھوں گا ابھی عشق کے خواب اور زیادہ
☆ممتاز خانم.....کراچی
اِک خواب کی باتیں لگتی ہیں وہ ساری قسمیں اور وعدے
اب ہوش جو مجھ کو آیا ہے ہر بات پرانی بھول گئے
کیا بات تھی بھیگے موسم کی، کیا قوسِ قزح کا منظر تھا
ان درد کے بیری لمحوں میں ہر شام سہانی بھول گئے
☆ساجدہ ظفر.....کمالیہ
جلائے بیٹھے ہیں ہم اس جگہ لہو کے چراغ
جہاں سحر بھی ترستی ہے روشنی کے لیے
☆سباس گل.....رحیم یار خان
گزر سکے نہ محبت کے پل صراط سے ہم
سبب کوئی بھی ہو سارا قصور میرا ہے
☆فرخندہ جعفری.....گجرات
پھر کیا ہوا یہ راہ کی دشواریوں سے پوچھ
بس اتنا یاد ہے تری جانب چلا تھا میں
☆رُبینہ ابدالی.....کراچی
یاد کرنا تھا جسے دل میرا ہر ایک پل
اب خیالوں میں بھی وہ چہرہ کبھی آتا نہیں
پھیلی ہیں یہاں چار سو ویرانیاں تنہائیاں
چپکے سے آکر کوئی دل کو دھڑکاتا نہیں

☆ایمن.....ٹوبہ ٹیک سنگھ
کیوں مقبروں پہ زر کی چڑھاتا ہے چادریں
دے زندگی کے ننگے بدن کو غلاف تو
☆نرمین سرھیو.....حیدرآباد
کچھ تو مشکل ہے بہت کارِ محبت اور کچھ
یار لوگوں سے مشقت نہیں کی جا سکتی
اک سفر میں کوئی دوبار نہیں لٹ سکتا
اب دوبارہ تیری چاہت نہیں کی جا سکتی
☆حرا قریشی.....ملتان
میں کب تنہا ہوا تھا یاد ہو گا
تمہارا فیصلہ تھا یاد ہو گا
اداسی اور بڑھتی جارہی تھی
وہ چہرہ بجھ رہا تھا یاد ہو گا
☆سنبل ملک اعوان.....شاہدرہ
اس کی سخن طرازیاں میرے لیے بھی ڈھال تھیں
اس کی ہنسی میں چھپ گیا اپنے غموں کا جال بھی
☆ماہین ضیا.....کوہاٹ
لوگ کہتے ہیں شاعری جس کو
دل کی باتیں میں لکھے جاتے ہیں
☆فرحت احمد.....کراچی
خواب تعبیر بن کے آتے تھے
کیا عجب موسم رفاقت تھا
☆ماہ نور ارسلان.....لاہور
جہاں پر در بنانا ہو وہاں دیوار کرتے ہیں
ہم اہلِ دل محبت کو بہت دشوار کرتے ہیں
رضی اہلِ محبت کا یہی انجام ہوتا ہے
انہیں دیوار میں چنتے ہیں یا سنگسار کرتے ہیں
☆حمنیٰ قندیل.....کمالیہ
ہم نے یہ سوچ کر ہنسنے کا ہنر سیکھ لیا
درد رکھنا ہے تو پھر دیدۂ تر کیا رکھنا

☆☆☆

منتخب غزلیں

ماہ نومبر اردو ادب کے معروف شعرا علامہ اقبال اور پروین شاکر کا ماہِ پیدائش ہے اسی مناسبت سے ان شعرا کا کلام آپ جیسے باذوق قارئین کے لیے . . .

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

علامہ اقبال
9 نومبر 1877ء تا 21 اپریل 1938ء

کمالِ ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی
میں اپنے ہاتھ سے اس کی دلہن سجاؤں گی

سپرد کر کے اسے چاندنی کے ہاتھوں میں
میں اپنے گھر کے اندھیروں کو لوٹ آؤں گی

بدن کے کرب کو وہ بھی سمجھ نہ پائے گا
میں دل میں روؤں گی آنکھوں میں مسکراؤں گی

وہ کیا گیا کہ رفاقت کے سارے لطف گئے
میں کس سے روٹھ سکوں گی کسے مناؤں گی

اب اس کا فن تو کسی اور سے ہوا منسوب
میں کس کی نظم اکیلے میں گنگناؤں گی

وہ ایک رشتۂ بے نام بھی نہیں لیکن
میں اب بھی اس کے اشاروں پہ سر جھکاؤں گی

بچھا دیا تھا گلابوں کے ساتھ اپنا وجود
وہ سو کے اٹھے تو خوابوں کی راکھ اٹھاؤں گی

سماعتوں میں گھنے جنگلوں کی سانسیں ہیں
میں اب کبھی تری آواز سن نہ پاؤں گی

جواز ڈھونڈ رہا تھا نئی محبت کا
وہ کہہ رہا تھا کہ میں اس کو بھول جاؤں گی

پروین شاکر
24 نومبر 1952ء تا 26 دسمبر 1994ء

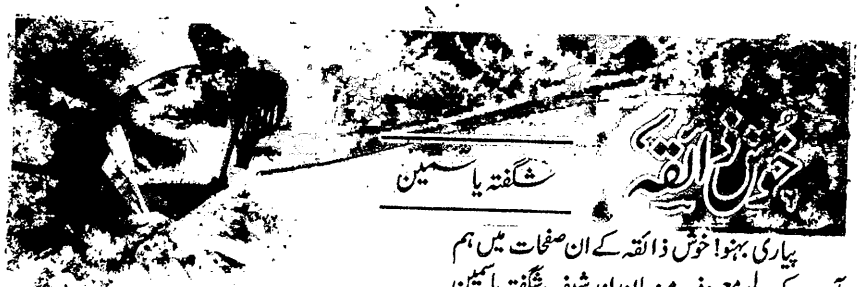

خوش ذائقہ

شگفتہ یاسمین

پیاری بہنو! خوش ذائقہ کے ان صفحات میں ہم آپ کے لیے معروف میزبان اور شیف شگفتہ یاسمین کے تیار کردہ کھانوں کی تراکیب بعنوان ''امی کی ریسپی'' لے کر آئے ہیں۔ (مدیرہ)

گاجر، آلو، میتھی کی ترکاری

کہنے کو تو یہ عام ڈش ہے مگر ہر کسی سے بن نہیں پاتی۔ مندرجہ ذیل ترکیب سے بنائیں اور داد پائیں۔

اشیا: گاجر، دو عدد۔ آلو، دو درمیانے سائز کے۔ تازہ میتھی کی پتیاں دو کپ بھر کے۔ لہسن پیسٹ، ایک چمچ۔ ٹماٹر، دو عدد۔ سرخ مرچ، حسبِ پسند اور حسبِ ضرورت لے لیں۔ میتھی دانا آدھا چائے کا چمچ۔ ٹماٹر، گاجر اور آلو کو چوکور کاٹ لیں۔

ترکیب: ایک دیگچی میں کوکنگ آئل میں میتھی دانہ کڑکڑائیں۔ اب اس میں لہسن اور دوسرا مسالا ڈال کر سبزی بھی ڈال کر بالکل دھیمی آنچ پر پکنے دیں۔ ضرورت ہو تو آدھا کپ پانی ڈال دیں اس سے زیادہ نہیں سبزی خود ہی گل جائے گی اور یہ بھنی ہوئی بنے گی۔ مزیدار سبزی بیسن یا مکئی کی روٹی کے ساتھ کھائی جاسکتی ہے۔

مولی اور قیمے کی بالز

اشیا: میتھی، مولی، ایک عدد۔ کدوکش کرلیں۔ نمک لگائیں اور دس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ گاجریں، دو عدد۔ باریک چاپ کرلیں۔ ہری پیاز کو چاپ کرلیں۔ (چاپ کر کے ایک کپ ہوجائے) ادرک، لہسن کا پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔ باریک قیمہ، آدھا کلو۔ گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ دھنیا پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ چلی گارلک سوس، ایک کھانے کا چمچ۔ سویا ساس، ایک کھانے کا چمچ۔ کالی مرچ پسی ہوئی، حسبِ ضرورت۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ کارن فلور، دو کھانے کے چمچ۔ سرکہ، چوتھائی چائے کا چمچ۔ ٹماٹو ساس، ایک کھانے کا چمچ۔ میدہ، چار کھانے کے چمچ۔ انڈا، ایک عدد۔

ترکیب: سب سے پہلے مولی کو ململ کے کپڑے میں لپیٹیں اور سارا پانی نچوڑ دیں۔ اس کے بعد اس مولی کو پیالے میں ڈال دیں۔ ایک پین میں تیل ڈالیں اس میں ادرک، لہسن کا پیسٹ ڈالیں اور پھر اس میں قیمہ شامل کردیں۔ پہلے قیمے کے رنگ کو تبدیل ہونے دیں پھر اس میں آپ کالی مرچ، نمک، دھنیا پاؤڈر، گرم مسالا ڈال دیں اور پھر اس میں گاجریں بھی ڈال دیں۔ اس کے بعد اس میں چلی گارلک ساس، سویا ساس شامل کردیں۔ اب یہ تیار قیمہ آپ مولی میں ملا دیں۔ پھر اس میں ہری پیاز ڈال دیں۔ چلی سوس ڈالیں اور ایک عدد انڈا شامل کردیں اور اب میدہ بھی شامل کردیں۔ ہاتھوں کی مدد سے چھوٹی، چھوٹی بالز بنالیں۔ ایک دیگچی میں تھوڑا پانی ڈالیں ایک اسٹینڈ اس کے اوپر رکھ دیں اور ایک ٹرے کو گریس کریں اور پھر تمام قیمے اور مولی کی بال بنا کر اس پر رکھ دیں اور اس ٹرے کو اسٹینڈ کے اوپر رکھ دیں اور ڈھک دیں پندرہ منٹ کے لیے۔

ساس بنانے کے لیے

ایک پین میں ایک چائے کا چمچ سویا ساس، سرکہ، ایک چمچ۔ ٹماٹو ساس، ایک کھانے کا چمچ۔ کارن فلور، ایک کھانے کا چمچ۔ اور ایک کپ پانی شامل کر کے مکس کرلیں۔ اب چولھے پر اس پین کو رکھ دیں۔ تھوڑی دیر میں یہ مکسچر گاڑھا ہوجائے گا۔

اب دیگچی کے اوپر سے قیمے اور مولی کی ٹرے کو نکالیں اس کے اوپر یہ بنایا ہوا مسکچر ڈالیں اور چاہیں تو پارسلے یا ہرا دھنیا اوپر سے ڈال کر سرو کریں۔

کیرٹ فج

گاجروں کا موسم آگیا ہے اس سے نت نئی ترکیبیں آزمائیں اور داد وصول کریں۔

اشیا﴾ گاجریں، چھ عدد۔ (کدو کش کرلیں) شکر، دو کپ۔ چھوٹی الائچی پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ بادام، پستہ، حسب ضرورت۔

ترکیب﴾ سب سے پہلے کدو کش کی ہوئی گاجروں کو پتیلی میں ڈالیں۔ ساتھ ہی دو کپ شکر ڈال دیں اور درمیانی آنچ پر پکائیں ہلکے، ہلکے چمچ چلاتی رہیں۔ جب شکر پگھل جائے اور مسکچر گاڑھ ہونے لگے تو اس میں الائچی پاؤڈر ڈال دیں۔ اس پورے عمل میں تقریباً 35 منٹ لگیں گے۔ اب ایک بٹر پیپر کے اوپر اس مسکچر کو رکھیں۔ چاروں طرف سے برابر رکھیں اس کے اوپر بادام چھڑک دیں اور ہلکا سا چمچ کی مدد سے دبائیں۔ پھر ایک اور بٹر پیپر سے کور کر کے پوری رات کے لیے فریج میں رکھ چھوڑیں۔ اگلے دن قتلے کاٹ کر نوش فرمائیں۔

ہمیشہ یاد رکھیں امی کی ریسپی کیونکہ یہی ہے راز ہوم شیف بننے کا۔

آئس چاکلیٹ ٹرائفل ود نٹس

اشیا﴾ دودھ، آدھا کلو۔ کارن فلور، کسی بھی فلیور کا کسٹرڈ، چار کھانے کے چمچ۔ شکر، دو کپ۔ مکس فروٹ، آدھا کپ۔ فریش کریم (بیٹ کرلیں) ایک کپ۔ چاکلیٹ آئس کریم، ڈیڑھ کپ۔ خشک میوہ، چار سے پانچ کھانے کے چمچے۔ چاکلیٹ بسکٹ، چار سے پانچ عدد۔ کوئی سی جیلی، آدھا کپ۔ چاکلیٹ اسپرنکلز، سو گرام۔

ترکیب﴾ کسٹرڈ بنا کر ٹھنڈا کرلیں۔ جب ٹھنڈا ہوجائے تو فریش کریم، چاکلیٹ اور آئس کریم ملائیں اور پھر میوہ، فروٹ جیلی ملا کر فریزر میں رکھ دیں۔ سرو کرتے وقت ٹھنڈی کی ہوئی کریم اور چاکلیٹ اسپرنکلز سے گارنش کریں۔

از: ایلیا شیراز، لاہور

قیمہ ابن رائس (باغ و بہار پھول)

اشیا﴾ چاول، تین کپ۔ ٹماٹر، ایک پیاز، ایک عدد۔ لہسن، چار جوے، ادرک، ایک چھ ٹکڑا۔ انڈے، چار عدد۔ قیمہ، آدھا کلو۔

چٹنی کی ترکیب: دو گڈی ہرا دھنیا، ایک پیالی ہوا کھو پرا، چار ہری مرچ، ادرک، لہسن تھوڑا سا نمک کرسل پر پیس لیں۔

قیمہ کی ترکیب: آدھا کلو قیمے میں گرم مسالا ادرک، لہسن، مرچ، نمک حسب خواہش ملا کر بھون لیں۔ گھی بہت کم ہو اور ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچ بھی شامل کرلیں قیمہ خوب بھن جائے تو پھر اس پر سفید چاول کی تہ بچھا کر اس کو اچھی طرح دبا دیں تاکہ سب چیزیں ایک دوسرے پر جم جائیں اس کے بعد پہلے سے گرم کیے گئے اوون میں ہلکی آنچ پر پندرہ سے بیس منٹ پر رکھ دیں۔

ترکیب﴾ ایک پیالی چاول زردے کے رنگ میں ابال لیں۔ دوسری پیالی چاول سادے (خشکا) ابال لیں۔ تیسری پیالی چاول کے لیے ٹماٹر کو پانی میں ڈال کر اس میں ادرک، لہسن، نمک، مرچ، کالی مرچ پسی ہوئی ایک چٹنی ڈال کر ابال لیں حتیٰ کہ چاول اسی میں دم پر آجائیں۔ چار انڈے لے کر انہیں ابال لیں۔ اس کے سلائس کاٹ لیں۔ اب ایک گول برتن اگر اس میں بیچ میں گھیرے کی طرح جگہ ہو تو اچھا رہے گا۔ اس کو گھی سے چکنا کردیں۔ اس پر انڈوں کے ٹکڑے برابر جمادیں۔ اس پر پہلے ٹماٹر والے چاول کی تہ پھیلا دیں سخت دبا، دبا کر بچھائیں۔ اس پر چٹنی ڈالیں۔ اب ٹماٹر والے چاولوں پر اس چٹنی کی تہ بچھادیں۔ اب اس پر قیمے کی تہ بچھادیں۔ پیش کرنے سے پہلے کسی گول ڈش میں الٹ دیں۔ انڈے کے سلائس ڈش میں اوپر آجائیں گے۔

از: سنبل ملک، شاہدرہ، لاہور

بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆مسز اکرام......شہزاد ٹاؤن

سوال ۞ رشتے داری کی گاڑی میں کون سا پٹرول چلتا ہے؟

جواب ۞ خلوص کا......عفوودرگزر کا۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ناعمہ تحریم......کراچی

سوال ۞ دل میں بسنے والوں سے ماہانہ کرایہ وصول کرنا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب ۞ کرایہ نامہ لکھ کر گلے میں لٹکالو۔

☆ساجدہ ظفر......کمالیہ

سوال ۞ باغوں کی تو بہت قسمیں ہوتی ہیں مگر سبز باغ کیا ہے؟

جواب ۞ جسے لوگ بخوشی دیکھتے اور دکھاتے ہیں۔

سوال ۞ کیا شرم کی کشش حسن سے زیادہ ہوتی ہے؟

جواب ۞ جی بالکل۔

☆فہمیدہ جاوید......ملتان

سوال ۞ ماں کے قدموں تلے جنت ہے اور باپ کے قدموں تلے؟

جواب ۞ گھر بار سنبھالنے کے سبق، سبق، سبق جس نے یاد کرلیا وہی جنت کی خوشبو بھی سونگھ لے گا۔

سوال ۞ قطرے، قطرے سے دریا بنتا ہے اور سمندر؟

جواب ۞ یہی دریا تو سمندر میں جاتا ہے جغرافیہ بھول گئیں۔

☆ثمینہ کوکب......جہلم

سوال ۞ اپنا بچہ روئے تو دل میں درد ہوتا ہے اور دوسرے کا روئے تو......؟

جواب ۞ ہاتھ میں کھجلی ہوتی ہے۔

سوال ۞ گھریلو زندگی میں ضد کو ضد سے ضرب دینے پر کیا حاصل ہوتا ہے؟

جواب ۞ ضدی کا ضدی سے چھٹکارا۔

☆آسیہ عامر......کراچی

سوال ۞ زمین کے حلقے سے نکلا چاند اور اپنی حد سے نکلا انسان پچھتائے گا، کیا خیال ہے؟

جواب ۞ بالکل ٹھیک خیال ہے لڑکی۔

سوال ۞ عقل نور ہے، خوب صورتی اضافی نعمت......اگر یہ دونوں مل جائیں تو......؟

جواب ۞ پھر آسیہ عامر جیسے شاہکار تخلیق ہوتے ہیں......کیوں ٹھیک ہے ناں۔

☆فرخندہ جعفری......گجرات

سوال ۞ انسان یہ کیوں نہیں سوچتا کہ آج اگر عروج ہے تو کل زوال ہوگا؟

جواب ۞ ہاں سوچنا تو چاہیے کہ ہر عروج کو زوال بھی ہے مگر یہ بھی اللہ کی توفیق ہی سے ہوتا ہے۔

سوال ۞ آج کے دور میں بچوں کے سچ بولنے پر والدین کیوں ڈانٹتے ہیں؟

جواب ۞ بدقسمتی ہے اور کیا۔

☆نرگس نسیم......صابہ موہڑہ

سوال ۞ شادی سے پہلے کہتے ہیں صرف لڑکی چاہیے اور شادی کے بعد؟

جواب ❀ کیوں کیا لڑکی کی ڈگری بھی مانگ لی کسی نے۔

سوال ❀ اُف اللہ وہ کتنے کنجوس ہیں...؟

جواب ❀ گنڈیری میں دو قطرے رس بھی نہیں چھوڑتے۔

سوال ❀ اس بار تو میں نے لے کے جانا ہی ہے بھلا کیا؟

جواب ❀ انعام تمہارا ہوا۔

☆ شائستہ اعجاز.....کراچی

سوال ❀ انسان کی کھال مسالا کب مانگتی ہے؟

جواب ❀ اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے۔

☆ زرتاشیہ نعمان.....ملتان

سوال ❀ چاندنی رات کو چاند بادلوں میں چھپ جائے تو؟

جواب ❀ تم بھی چادر میں منہ لپیٹ کر سو جانا۔

سوال ❀ جن لوگوں کا خون سفید ہو جاتا ہے اور وہ آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں تو وہ کیسے دکھتے ہیں؟

جواب ❀ آپس کی بات ہے.....ابھی تک تو نظر نہیں آئے۔

☆ نسرین یاسین.....لطیف آباد

سوال ❀ جن پر اعتماد ہوتا ہے وہی لوگ دھوکا دے جاتے ہیں ایسا کیوں ہوتا ہے؟

جواب ❀ اعتماد کرنا ہی چھوڑ دو پھر دھوکے بھی نہیں ملیں گے۔

سوال ❀ ان کی اماں جب بھی ہمارے گھر آتی ہیں میرے ہاتھوں کے چڑیا، طوطے، کبوتر سبھی کچھ اڑ جاتے ہیں۔ بھلا کیوں؟

جواب ❀ کیا وہ چمٹا، بیلن لے کر آتی ہیں۔

☆ نسیم منظر.....کراچی

سوال ❀ کانوں میں بُندے ہاتھوں میں کنگن پہنے اور بالوں میں پونیاں باندھنے والے لڑکوں کو دیکھ کر لڑکیاں مسکرائیں تو؟

جواب ❀ جائز ہے بھئی۔

☆ ایمن رانی.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوال ❀ میں اپنی نند کو گنجی حالت میں دیکھنے کی آرزومند ہوں کوئی اچھا سا طریقہ بتا دیں؟

جواب ❀ بری بات......

سوال ❀ دل کے بدلے کیا دو گے؟

جواب ❀ دل ہی ملے گا بہن کیونکہ تم بغیر دل کے کیا کرو گی۔

☆ فریدہ خانم.....لاہور

سوال ❀ منہ میں پانی کب آتا ہے؟

جواب ❀ ٹی وی پر نت نئے پکوان دیکھ کر۔

☆ حمنیٰ قندیل.....کمالیہ

سوال ❀ رکتا بھی نہیں، ٹھیک سے چلتا بھی نہیں.....بتائیں تو بھلا کون ہے وہ؟

جواب ❀ چھت کا پنکھا۔

سوال ❀ انہیں غصے میں دیکھ کر میرے بھائیوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں، کیا کروں؟

جواب ❀ ہاتھوں میں پنجرے باندھ لو۔

☆ امبر مظاہر.....کراچی

سوال ❀ مورا اپنے پاؤں کو دیکھ کر روتا کیوں ہے؟

جواب......جوتے پہننے کے لیے پیسے نہیں بچتے بیچارے کے پاس۔

☆ فلک بنت ندیم.....حیدرآباد

سوال ❀ میں اناڑی، ساس کھلاڑی ایسے میں، میں بیچاری کیا کروں؟

جواب ❀ کھلاڑی بننے کی پریکٹس جو روز، روز کی مشق سے بن ہی جاؤ گی۔

☆ پروین افضل شاہین.....بہاول نگر

سوال ❀ میرے سڑیل میاں مجھ سے محبت کرنا کب شروع کریں گے؟

جواب ❀ جب آپ انہیں سڑیل کہنا اور سڑیل سمجھنا چھوڑ دیں گی۔

☆ عظمیٰ زہری.....صوبہ بلوچستان

سوال ❀ ایمان، سچائی، خلوص اور دیانتداری کہاں ملیں گے؟

جواب ❀ کیا مطلب ابھی تک ان چیزوں سے بری الذمہ ہوا!

☆☆☆

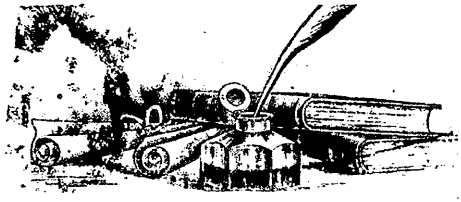

روحانی مشورے

ادارہ

سلیقۂ دعا

اے اللہ! ہم عاجز بندے تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تیرے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں تو وحدہ لاشریک ہے۔

اے اللہ! ہمارے صغیرہ کبیرہ، چھوٹے بڑے، ظاہر باطن، اگلے پچھلے سب گناہوں کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادے..... ہماری خطاؤں سے درگزر فرما۔ اے غفور الرحیم! ہمارے گناہوں کو معاف فرما..... اے اللہ! ہم اپنے گناہوں سے شرمندہ ہیں، ہم سچے دل سے توبہ کرتے ہیں، ہماری خطاؤں کو معاف فرما..... اے اللہ! جو گناہ جان کر کیے ہیں اور جو انجانے میں ہوئے ہیں سب کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنی برگزیدہ ہستیوں کے صدقے میں معاف فرما۔ اے اللہ! ہمیں نجات عطا فرما۔ تیری معافی بہت بڑی چیز ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنی رحمت کے دامن میں چھپالے۔

اے اللہ! ہم کو سچی توبہ کی توفیق عطا فرما..... اے معبود برحق تیری عبادت میں جو ہم نے بہت قصور کیے ہیں سب کو معاف فرما۔ اے اللہ! ہم گناہ گار ہیں، خطا کار ہیں مگر پھر بھی تجھ سے معافی کے طلبگار ہیں۔

اے اللہ! اگر تو نے معاف نہ کیا تو ہم کس کے در پر جائیں گے۔ اے اللہ! تیرا در اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک ہمیں معافی نہ مل جائے.....

ان کلمات کے بعد شکرِ الٰہی ادا کر کے اپنی جائز حاجت طلب کریں۔

ہر درد کی دعا

جس شخص کو اپنے بدن میں درد یا کسی اور چیز کی شکایت ہو اسے چاہیے کہ دایاں ہاتھ درد کی جگہ پر رکھے اور پڑھے بسم اللہ (تین بار) اور یہ دعا سات بار پڑھے۔

اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ ۝

پناہ مانگتا ہوں ساتھ اللہ کے غلبے کے اور اس کی قدرت کے اس کی برائی سے جو میں پاتا ہوں اور ڈرتا ہوں آئندہ کو۔

پھر معوذتین قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ یہ دونوں سورتیں پوری پڑھیں پھر اپنے اوپر دم کریں۔ (بخاری، مسلم موطا وغیرہ)

جمعہ کے روز کثرت درود

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسی مرتبہ یہ درود شریف پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا

اس کے اسّی سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اسی سال کی عبادت کا ثواب اس کے لیے لکھا جائے گا۔

خراب اور نامناسب رویہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کے حق میں بہتری فرمائے گھر میں اتفاق و اتحاد کے لیے نماز جمعہ کے بعد اول و آخر تین، تین مرتبہ درود شریف اور ایک ہزار مرتبہ یا ودود پڑھ کر چینی و نمک کے استعمال کے ڈبوں پر دم کر دیں اور پورے ہفتے اسی میں سے خود بھی کھائیں، بچیں اور والدین کو بھی کھلائیں پلائیں۔ کیونکہ اس کی برکت سے آپس میں محبت و الفت پیدا ہوتی ہے۔

طبیعت کی ناسازی

بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ہر بیماری سے نجات کے لیے روزانہ ۳۳ مرتبہ صرف اتنا پڑھے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اول وآخر تین بار درود شریف بھی پڑھیں۔ یہ عمل بیماریوں اور بلاؤں کو دور کرنے کے لیے بہت ہی مجرّب ہے۔ ہو سکے تو پانی پر دم کر کے پی لیا کریں۔ یہی آیت مبارکہ فجر کی سنت و فرض کے درمیان اکتالیس مرتبہ پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے درد کی جگہ پھیرنے سے درد جاتا رہتا ہے۔ یہ عمل دیگر امراض کے لیے بھی مفید ہے۔

گھریلو جھگڑوں کا علاج

میرے اور شوہر کے درمیان بہت جھگڑے ہوتے ہیں، بہت فساد رہتا ہے۔ کچھ ایسا وظیفہ دیں کہ ہم مل جل کر رہیں اور ہم دونوں کے درمیان محبت ہو۔ (م،س، بہاول پور)

جواب: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا خلاصہ ہے کہ جو چپ رہا، اس نے نجات پائی، لہٰذا جب دونوں میں سے کسی ایک کو غصہ آئے تو دوسرا خاموش ہو جائے، ان شاء اللہ جھگڑے خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ بالخصوص نمازوں کی پابندی رکھیں اور ۷۸۶ مرتبہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر پانی پر دم کر کے کم از کم چالیس دن تک پلائیں۔ ان شاء اللہ اس کی برکت بہت جلد ظاہر ہونا شروع ہو جائے گی۔

روزگار بہتر بنانے کے لیے

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق اتارتا ہے مگر گناہ اس میں رکاوٹ بن جاتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کریں اور نمازوں کی پابندی رکھیں، بالخصوص فجر کی اذان سے آدھا گھنٹا پہلے بیدار ہو جایا کریں اور کم از کم دو رکعت نماز تہجد ادا کر کے پانچ سو مرتبہ یا رزاق پڑھ کر صدقِ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کیا کریں اور صبح کام پر جانے سے پہلے دو رکعت نماز چاشت پڑھیں۔ حضرت شیخ بلخیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے روزی میں برکت طلب کی تو نماز چاشت میں ملی۔ (نزھۃ المجالس) پھر ۳۱۳ مرتبہ یا غنی کا ورد کریں۔ گھر سے نکلتے وقت دعا پڑھیں۔ بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ اور راستے میں (یا رزاق یا اللہ) پڑھتے ہوئے جائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کرم ہوگا.....

شادی شدہ بیٹی کے بسنے کی دعائیں

اول تو بیٹی کو صبر، حوصلے برداشت اور نبھانے کا درس دیں۔ جو کچھ بھی دیکھنا ہے شادی سے پہلے اچھی طرح چھان پھٹک کر لیں اور کسی لالچ کے بغیر رشتہ جوڑیں۔

رات کو سونے سے پہلے نہ صرف چاروں قل اور آیت الکرسی پڑھنا اپنی عادت بنالیں بلکہ سورۂ انعام کی آیت نمبر 165 اول آخر 5 مرتبہ درود شریف پڑھ کر حالات کی بہتری کی دعا مانگیں۔ اس کے پڑھنے سے سخت دل یقیناً نرم ہو جائیں گے، ان شاء اللہ.....

شادی میں تاخیر کا علاج

خوب سے خوب تر کی تلاش اور بہتر سے بہتر کی خواہش نے شادی کا مسئلہ بے حد مشکل بنا دیا ہے۔ آج ہم اچھے اخلاق، شرافت، دیانت داری، حلال روزی کے بجائے ظاہری نمود و نمائش اور مادی چیزوں سے مرعوب و متاثر ہو جاتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے آغاز میں تو کم ہی آمدنی ہوتی ہے وقت کے ساتھ محنت تجربے اور دیانت داری سے کام کرتے رہیں تو اللہ برکت ڈالتا ہے۔

لڑکے اور اس کے خاندان کا نیک، با اخلاق اور دین دار ہونا سب سے بڑی اور نمایاں خوبیاں ہوتی ہیں۔ اپنے بچوں کی اچھی جگہ شادی کے لیے دو رکعت نماز حاجت پڑھیں، نماز مغرب کے بعد یہ عمل کریں اور 313 مرتبہ یا لطیف کا ورد کریں۔ اس عمل کی مدت تین ماہ ہے۔ پنجگانہ نماز کی پابندی کریں اور یہ عمل تین ماہ کے بعد بھی جاری رکھ سکتی ہیں۔

☆☆☆

سردیوں کی آمد کے ساتھ ہی جلد کے مسائل شروع ہوجاتے ہیں۔ بہتر ہے کہ جلد ہی اس طرف دھیان دیا جائے۔ نیم گرم پانی سے منہ ہاتھ دھوئیں۔

1۔ صابن کا استعمال چہرے پر کم کریں، سوجی، بیسن، جو کے آٹے سے چہرہ دھوئیں۔

2۔ کینو، مالٹے، موسمی کے چھلکے اندر کی طرف سے چہرے پر آہستہ، آہستہ ملیں۔

3۔ کیلے کے چھلکے کی اندرونی تہ چہرے، ہاتھوں اور گردن پر ملیں۔

4۔ مونگ کی دال پیس کر آٹا بنالیں اس میں چٹکی بھر ہلدی ملالیں، دودھ میں گھول کر لیپ کریں صابن کے بجائے بیس منٹ چہرے پر لگائیں پھر دھولیں۔

5۔ آلو پکل کر ہاتھوں پر اچھی طرح ملیں۔

6۔ چہرے کے مسام بند کرنے کے لیے ملتانی مٹی، عرق گلاب ملائیں پانی سے بھیگے گرم تولیے سے تین چار بار چہرہ ڈھانپ لیں، پھر یہ لیپ استعمال کریں۔

7۔ لیموں کے عرق میں ملتانی مٹی پیس کر چہرے پر لیپ کرنے سے جلد شگفتہ چکنی اور خوب صورت ہوتی ہے۔

8۔ لیموں کا رس چہرے پر ملیں اور پھر سوکھنے دیں چہرے سے مہاسے دور ہوجاتے ہیں۔

چہرہ دھونے کے لیے نیم گرم پانی کا استعمال کریں۔

کالے ہونٹ ہوگئے ہیں تو دو قطرے لیموں کا عرق ناریل کے تیل میں ملا کر ہونٹوں پر لگائیں۔

خشک ہونٹوں کے لیے.....

لیموں، دودھ کی بالائی اور ہوسکے تو زعفران ملا کر لگائیں۔

ماسک.....

نارمل جلد کے لیے خصوصی عمل انڈے کی سفیدی اور لیموں کا رس ملا کر چہرے پر لگائیں، پندرہ، بیس منٹ کے بعد نیم گرم پانی سے چہرہ دھولیں۔ اس کے بعد بے بی لوشن لگائیں یہ عمل مہینے میں ایک بار ضرور کریں۔

چکنی جلد کے لیے

میدہ، لیموں کا رس، کھیرے کا رس، ٹماٹر اور انڈے کی سفیدی ملا کر مرکب بنالیں پھر چہرے پر لگائیں اور کوئی باریک کپڑا اس ماسک پر چپکا دیں۔ پندرہ، بیس منٹ کے بعد اتار لیں۔ اور نیم گرم پانی سے چہرہ دھولیں۔

جلد کی دلکشی کے لیے

☆ بادام کی گریاں بغیر چھلکے کسی مٹی کے کھردرے برتن پر رگڑیں اور ان میں تھوڑی سی بالائی ملا کر چہرے پر ملیں ایک گھنٹے بعد کسی اچھے فیس واش سے منہ دھولیں۔

☆ روغن بادام کو پانی میں پھینٹ کر چہرے پر لیپ کرنے سے رنگت نکھرتی ہے۔

☆ زیتون کے خالص تیل میں چند قطرے لیموں کا رس ڈال کر چہرے پر مساج کریں۔

☆ آٹے کی بھوسی میں چھاچھ ملا کر دس منٹ تک چہرے اور گردن پر اس کا لیپ کریں۔

☆☆☆

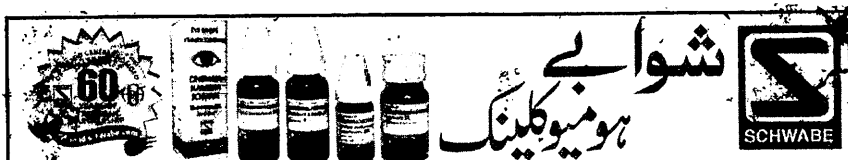

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

دمہ

شازیہ.....سوات

میرے بیٹے کی عمر 5 سال ہے، بہت سخت بیمار ہے۔ وہ پیدائش کے بعد دس مہینے ٹھیک رہا ہے۔ اس کے بعد اس کو ہر وقت نزلہ زکام اور شدید کھانسی رہتی تھی۔ ساری رات کھانستا رہتا یا چھاتی بند ہو جاتی تھی۔ میں ساری رات اس کو گود میں لے کر گزارتی تھی۔ بہت علاج کروائے مگر آرام نہیں آتا تھا۔ پھر جب تقریباً ڈیڑھ سال کا تھا تب سے ایسی کھانسی لگی ہے کہ آج تک ٹھیک نہیں ہوئی اور اب دمہ بن چکا ہے۔ رات کئی بار نیبولائز کرتے ہیں اور سانس اتنی شدت سے بند ہوتا ہے کہ بچہ تڑپتا ہے۔ کبھی کبھی نیبولائز کرنے سے بھی فرق نہیں پڑتا اور اب صبح شام انہیلر کے بھی دو پف دیتے ہیں تو چار پانچ گھنٹے گزرتے ہیں۔ یہاں پر ہومیو ڈاکٹر سے تین مہینے علاج کروایا مگر آرام نہیں آیا.... وہ کہتے ہیں کہ اس کے پھیپھڑے سکڑ گئے ہیں۔ ایک اور ڈاکٹر کے مطابق بچے کی سانس کی نالیاں تنگ ہوگئی ہیں اور ریشے سے بھر جاتی ہیں۔ اس لیے سانس نہیں آتا کبھی کبھی الٹی آتی ہے تو کچا ریشہ بہت نکلتا ہے۔ اور جب سانس کھینچتا ہے تو گردن کے نیچے گڑھا سا بنتا ہے اور پسلیوں کے درمیان بھی گڑھا بنتا ہے۔ کمزور بھی بہت ہے۔ بازو بہت پتلے ہیں اور جسم پر کھال ہی نظر آتی ہے۔ گوشت کا

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

دسمبر 2020ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: _____

پتا: _____

_____

تو نام ونشان نہیں ہے۔ میرے بیٹے کے لیے کوئی اچھی سی دوا بتائیں۔ میں دن رات رو، رو کر دعا کرتی ہوں کہ میرے بچے کی بیماری ٹھیک ہو جائے۔ انگریزی ڈاکٹر کے پاس جائیں تو وہ اسٹیرائڈ لگاتے ہیں۔ جب شدید دورہ ہوتا ہے تو انہیلر اور نیبولائزر بھی کام چھوڑ دیتے ہیں اور پھر ڈیکا ڈران ٹیکے لگتے ہیں۔ ان سے بھی بہت مشکل سے سانس بحال ہوتا ہے۔ کوئی دوائی اثر نہیں کرتی ہے۔

جواب۔ خاندان میں کسی کو تپ دق یا دمہ ہو یا نزلہ زکام کا مسئلہ ہو اور ماں دورانِ حمل اپنی صحت کا خیال نہ رکھے یا وہ خود کمزور ہو تو اس کے ہاں ہونے والی اولاد بھی کمزور ہوتی ہے اور قوتِ مدافعت کی بھی کمی ہوتی ہے اور دودھ پلانے کے زمانہ میں بھی ماں اپنی صحت کا خیال نہ رکھے تو بچے مختلف بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اب آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہیں کیونکہ ہر کام اس کی مرضی سے ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اپنی صحت کا خیال کریں۔ بچے کو تازہ ہوا زیادہ دیں، گائے اور بکرے کا گوشت کھلائیں، موسم کی سبزیاں اور تازہ پھل دیں۔ دیسی مرغی اور دیسی انڈا فائدہ مند ہے۔ میدے سے بنی چیزیں، پراٹھا، بسکٹ، ڈبل روٹی، پاپے نہ دیں۔ چینی اور اس سے بنی ہوئی چیزوں سے بھی پرہیز کرائیں۔ نہانے کے بعد پنکھے، اے سی یا دھوپ میں فوراً نہ جائیں اور گرمی سے یکدم ٹھنڈی جگہ میں نہ آئیں۔ ٹھنڈا پانی، شربت، کولڈ ڈرنکس، قلفی، برف جیسی چیزوں سے بچیں۔ نارمل پانی دیں۔ شہد اصلی صبح ناشتے میں دیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Grindelia Pentarkan- Ptk-51 کے 10 قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پلائیں، ایمرجنسی کی صورت میں اس کے 15 سے 20 قطرے آدھے گھنٹے یا ایک گھنٹے سے دے سکتی ہیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے دوبارہ مطلع کریں۔

لڑکیوں کے مسائل

فاریہ.....سکھر

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بال سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں، لیکوریا بھی ہے۔ ماہانہ نظام ٹھیک ہے۔ میرے چہرے پر دانے، کیل مہاسے اور جھایاں بہت زیادہ ہیں۔ کبھی جلد کا رنگ بڑا استھرا سا ہوا کرتا تھا اب جب سے بیمار ہوں خراب ہو گیا ہے۔ برائے مہربانی میرے لیے اچھی سی دوائیں تجویز کریں جن سے میرا مسئلہ حل ہو اور میں فریش نظر آؤں۔

جواب۔ آپ کی شادی انتہائی کم عمری میں ہو گئی پھر اوپر تلے کے بچے، آپ کے اندر خون کی کمی بھی ہے۔ آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Sepia 30 Lyocpodium 30 کے 7، 7 قطرے آدھے گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں، اور Ferrum Pentarkan Ptk 45 کی دو گولیاں دن میں 3 مرتبہ سادے پانی کے ساتھ لیں، چہل قدمی کیا کریں اور متوازن غذا کا استعمال کریں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

جوڑوں کا درد

رشیدہ.....راولپنڈی

عرض ہے کہ عرصہ 50 سال سے میرے جوڑوں میں درد ہے جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ میرے ہاتھوں کی انگلیاں ٹیڑھی ہونے لگیں۔ اب تو مکمل ہاتھ ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔ ہاتھوں سے میں کوئی کام بھی نہیں کر سکتی۔ بوڑھی ہو گئی ہوں مگر کتابیں پڑھنے کا ابھی بھی بہت شوق ہے۔ بچپن سے رسالے پڑھنے کا شوق ہے۔ میری نظر بھی کمزور ہے۔ کئی سالوں سے یہ حالت ہے کہ کچھ دور تک چلتی تھی تو تھک جاتی تھی، کسی اونچی جگہ پر بیٹھ جاتی تھی، نیچے بھی نہیں بیٹھ سکتی کہ گھٹنے ٹیڑھے نہیں کر سکتی تھی پھر آہستہ آہستہ یہ ہونے لگا کہ نچلے دھڑ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔

جواب۔ اللہ آپ کو صحت دے۔ آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Rhus tox Ptk-73 15 قطرے ہر

3 گھنٹے بعد لیں، Calc.Carb-30 اور Kali. Phos-30 کے 7، 7 قطرے دن میں 4 مرتبہ لیں، تین ماہ بعد طبیعت سے دوبارہ مطلع کریں۔

بڑھا ہوا جگر

دعا...... سیالکوٹ

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا جگر بڑھا ہوا ہے، ہر قسم کے ٹوٹکے، دوائی وغیرہ استعمال کرتی ہوں لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوتا۔ میری گردن بہت کالی ہے۔ کمر کا درد بھی بہت زیادہ ہے، سانس بھی پھولتا ہے۔ گرمی میں پسینہ بھی بہت زیادہ آتا ہے، بدبودار۔ رسالے میں پڑھا تھا... آپ کے بارے میں۔ بیس سال سے آپ کا رسالہ پڑھتی آرہی ہوں۔

جواب۔ صحیح تشخیص صحیح علاج کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ بہت مختصراً آپ نے حال لکھا ہے۔ اور نہ کوئی بیماری کی ہسٹری، کب سے ہے اور کیا کیا دوائیاں کھائیں؟ اور نہ ہی کوئی ٹیسٹ رپورٹس۔ برائے مہربانی الٹرا ساؤنڈ Whole abdomen CBC,LFT اور Hepatitis B & C کی رپورٹس کرا کر مکمل حال بتائیں تا کہ صحیح تشخیص اور پھر صحیح دوا تجویز کرسکیں گے۔

ماہانہ نظام

ماہ نور...... فیصل آباد

ماہانہ نظام کی خرابی کا جو مسئلہ تھا۔ وہ مسئلہ اللہ کا شکر ہے تھوڑا بہتر ہوا ہے لیکن درد ختم بالکل نہیں ہوا ہے۔ پیٹ بھی کم ہوا ہے۔ غیر ضروری بالوں کا مسئلہ حل نہیں ہوا ہے۔ وہ ویسے ہی ہیں بلکہ اپر لپس پر اور واضح ہو رہے ہیں۔

جواب۔ PTK-60 اسی طرح پیتی رہیں اس کے ساتھ Pulsatilla 30 اور Calc Phos-30 کے 5،5 قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ لیں۔ دو ماہ تک۔

ہارمون کی خرابی

کومل...... حیدرآباد

میں آپ کا یہ سلسلہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ مسئلہ میری کزن کا ہے۔ اس کا وزن بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ پیٹ اور کولھے بہت بھاری ہو گئے ہیں۔ پیٹ باقاعدہ لٹک گیا ہے۔ اس کو ماہواری میں بھی بے قاعدگی ہے۔ دو، تین ماہ بعد آتی ہے۔ رنگ سانولا ہو گیا ہے۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے بن گئے ہیں۔ اکثر سر درد رہتا ہے۔ ڈاکٹر کو دکھایا تھا وہ کہتی ہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ صرف وزن کم کریں۔ چاول، بڑا گوشت، دہی، نان وغیرہ بالکل نہیں کھاتی۔ سیڑھیاں بھی بہت اترتی چڑھتی ہے۔ کالج میں بھی پھرتی رہتی ہے۔ اگلے سال شادی ہونے والی ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی اچھی سی دوا تجویز کردیں۔

جواب۔ ماہواری کب شروع ہوئی اور جس عمر میں شروع ہوئی اس وقت اس کی کیا حالت تھی؟ تفصیل لکھیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Magnesium Phosp Pentarkan Ptk-60 ایک گولی دن میں 2 مرتبہ چوسیں۔ جبکہ Pulsatilla 200 5 قطرے آدھے گلاس پانی میں ہفتہ میں ایک مرتبہ پئیں، Calc Phos 30 کے 5، 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔ جواب پاکیزہ کے ذریعے ہی دیا جائے گا۔ اس لیے جوابی لفافہ نہ بھیجا کریں۔

ناک کا گوشت

روزینہ...... بھاولپور

میں نے آپ کو اپنی بیٹی کی ناک کے بڑھے ہوئے گوشت کا مسئلہ لکھا تھا۔ بیٹی کو دوا سے سانس لینے میں کافی آرام آیا ہے۔ کیا ابھی وہ ہی دوا استعمال کرے؟

جواب۔ جی ہاں مزید ایک ماہ اور استعمال کریں۔

جگر و گردے کا مسئلہ

بشریٰ..... سکھر

میرا مسئلہ یہ ہے کہ کچھ دنوں پہلے میرے گردے میں درد ہوا۔ ڈاکٹر کو دکھایا انہوں نے نیند کی گولیاں دے دیں۔ گولی کھانے سے نیند آ جاتی ہے۔ آنکھ کھلتی ہے تو پھر درد شروع ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ 6 ماہ علاج کروانا پڑے گا۔ پھر ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں ایک غریب فیملی سے تعلق رکھتی ہوں۔ اتنا مہنگا علاج نہیں کروا سکتی۔ میرے کزن کو پتا چلا تو انہوں نے مجھے حوصلہ دیا اور کہا کہ کراچی میں ہومیو ڈاکٹرز ہیں ان سے علاج کروائیں۔ مہربانی فرما کر میرے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ زندگی بھر دعا گو رہوں گی۔

جواب۔ رپورٹس کے مطابق آپ میں خون کی کمی اور جگر کا مسئلہ ہے۔ خط میں آپ نے یہ نہیں لکھا کہ گردے کا درد کس طرف اور کب ہوا تھا۔ کیا کھانے سے ہوا تھا۔ اب کیفیت کیا ہو رہی ہے۔ پیشاب، بھوک اور درد تفصیل کے ساتھ لکھیں اور کسی اچھی جگہ سے الٹرا ساؤنڈ ,LFT, ESR, Whole, Abdomen, HCV, CBC کرائیں۔ رپورٹ کمپیوٹر پر ہو ہاتھ سے لکھی نہ ہو۔ فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Carduus کے ساتھ ساتھ Berberis VulgQ Marianus Pentarkan Ptk-23 کے 10 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ پئیں۔ اس کے علاوہ Ferr. Phos 30 کے 5، 5 قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت بتائیں، نظر بھی چیک کرائیں۔

دمہ بنیادی مسئلہ

مشیرہ..... کاکا خیل

کچھ عرصے سے میرے ساتھ کچھ مسائل ہیں وہ لکھ رہی ہوں۔ دائیں آنکھ بڑی اور بائیں آنکھ چھوٹی

SCHWABE

لگتی ہے۔ ماہانہ ایام صرف ایک دن کے ہوتے ہیں۔ چہرے پر بال ہو گئے ہیں۔ آنکھوں کے نیچے حلقے اور گڑھے بن گئے ہیں۔ نیند بہت کم۔ 3 سے 4 گھنٹے اور بار بار آنکھ کھلتی رہتی ہے۔ ٹانگوں پر اکثر اور باقی جسم پر بھی کبھار اس قدر خارش ہوتی ہے کہ خون نکلنے لگتا ہے۔ سانس کی تکلیف ہے۔ انہیلر کا استعمال کرتی ہوں۔ سینے میں اکثر جلن رہتی ہے اور گیس بنتی ہے۔ گردن معمولی سی سوجی ہوئی ہے۔ سر کے پچھلے حصے میں بھی کبھار درد ہوتا ہے۔ پٹھوں میں بھی درد رہتا ہے۔ چہرے کی جلد نرم ہو گئی ہے۔ آنکھوں کے پاس لائنیں پڑ گئی ہیں۔ سر کے بال پہلے بہت گھنے اور خوبصورت تھے اب بے حد ہلکے ہو گئے ہیں اور تیزی سے سفید ہو رہے ہیں۔ بال گر بھی رہے ہیں۔ میرا اچھا سا علاج تجویز کریں کہ میں جلدی سے ٹھیک ہوں جاؤں۔

جواب۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Sulphur 200 کی ایک خوراک (5 قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی) صبح نہار منہ لے کر ایک دن کے بعد مندرجہ ذیل ادویات شروع کریں۔ Asafoetida Pentarkan- Ptk-12 دس قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ، Ferrum Pentarkan-Ptk-45 دو گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ لیں، GrindeliaPentarkan- Ptk-51 کے 10 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ، Magnesium Phos Pentarkan-P t k - 6 0 ایک گولی دن میں 3 مرتبہ، Passiflora Pentarkan- Ptk-66، کے 15 قطرے ایک گھونٹ پانی کے ساتھ شام اور رات کو، Urtica Pentarkan- Ptk-86 کے دس قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ لیں۔

جذبات پر قابو رکھنا

بتول.....کراچی

میں آپ کا کالم ہومیوکلینک کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں۔ آپ کو اپنے مسئلے سے آگاہ کر رہی ہوں، ڈاکٹر صاحب، میں ..... کئی بیماریوں میں مبتلا ہوگئی ہوں۔ بریسٹ کے بھی مسائل ہیں۔ پیٹ بھی بہت پھول گیا ہے۔ جسم ہر وقت سست رہتا ہے۔ ذرا سا چلتی ہوں تو گرمی اور گھبراہٹ سے چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ پیشاب کے بعد قطرے بھی آتے ہیں۔ پاخانہ بھی صحیح نہیں آتا، دو تین بار جانا پڑتا ہے۔ تقریباً 15 سال سے ان بیماریوں میں مبتلا ہوں۔ صبح سو کر اٹھتی ہوں تو ہاتھوں اور چہرے پر بھی ورم ہوتا ہے، ہاتھوں کا ورم تو کچھ دیر بعد کم ہو جاتا ہے لیکن چہرے پر ہر وقت ورم رہتا ہے۔ پیریڈ ایک دن بھی صحیح نہیں ہوتے۔ لیکوریا کی بھی شکایت ہوگئی ہے۔ نماز پڑھ کر اللہ سے دعا بھی کرتی ہوں، میرا بلڈ پریشر بھی ہائی رہتا ہے۔ بلڈ پریشر کے لیے میں ٹینورمن لیتی ہوں۔ بڑی امید سے خط لکھ رہی ہوں۔ جلد سے جلد میرے لیے نسخہ تجویز کریں۔

جواب۔ آپ کے اعتماد کرنے اور پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ نے اپنا وزن اور عمر نہیں لکھی۔ نا اُمید نہیں ہیں یہ بہت اچھی بات ہے۔ نماز پڑھتی ہیں تو یہ بھی کریں۔ اللہ ہی مسائل کو حل کرنے والا ہے۔ آپ کراچی میں رہتی ہیں بہتر ہے کہ ٹائم لے کر آ کر ملیں۔ بلڈ ٹیسٹ کرائیں، Urea,Uric Acid ESR CBC اور فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی Lipid profile کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ 10 قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں تین مرتبہ Solidago Pentarkan- Ptk-79 10 قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ Viscum Pentarkan- Ptk-89 ایک گولی دن میں 3 مرتبہ Magnesium Phos Pentarkan- Ptk-60 نمکین چیزیں اور مرغن اشیا سے پرہیز کریں۔ ایک ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔

پٹھوں کا درد اور کھنچاؤ

تانیہ رحمان.....لاہور

عرصہ 6 سال سے پٹھوں میں کھنچاؤ کی شکایت ہے، دو سال پہلے ڈاکٹر کا علاج بھی کروایا، وقتی افاقہ ہوتا ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ گردن، ٹانگوں اور بازو میں شدید کھنچاؤ ہے، ہاتھ پاؤں میں کڑلیں پڑتی ہیں، نماز بھی نہیں پڑھی جاتی، روزانہ دبوانا پڑتا ہے تب کہیں رات گزرتی ہے، کولھے اور پسلیوں کے نیچے 10 منٹ چلنے سے بھی درد شروع ہو جاتا ہے، اب تو میں تکیہ بھی نہیں رکھتی کہ گردن اکڑ جاتی ہے۔ بلڈ پریشر رہتا ہے اور گیس بھی ہوتی ہے۔ سر میں درد بھی رہتا ہے۔

جواب۔ جتنا پیدل چل سکتی ہیں چلیں، تیز مرچ مصالحے اور مرغن کھانوں سے بچیں، Urea, Uric Acid، CBC، ESR اور Lipid profile، HbA1C,Calc.Vit-D, ٹیسٹ کرائیں۔ اس وقت تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Carbo Vege Pentarkan- Ptk-22 ایک گولی دن میں تین مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ نگلیں، Rhus toxi Pentarkan- Ptk-73 ایک گھونٹ سادہ پانی میں 11 قطرے دن میں 4 بار لیں- Spigelia Pentarkan- Ptk-81، 15 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں، ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔